الجامعۃ الرضویہ کا ترجمان، مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ نورِ مصطفیٰ پٹنہ

کا

امام اہلسنّت نمبر

واللہ واللہ مجھے دو مرتبہ زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اور میرے ناقص کانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشادات سنے ہیں۔ فرمایا "موجودہ وقت میں میری امت کو اگر صحیح راستہ اختیار کرنا ہو تو میرے احمد رضا کا راستہ اختیار کرے۔ احمد رضا کا راستہ ہی میرا راستہ ہے۔

حضرت مولانا سید شاہ حافظ
غلام حسین مصطفیٰ رضا قادری، ملتان شریف

حضور محدث اعظم ہند تا حیات دین اسلام یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت انجام دیتے رہے۔

شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں

اعلیٰ حضرت کی ادبی وشعری خدمات پر تفصیلی بحث

مدیر اعلیٰ:
مولانا ملک الظفر سہسرامی

مدیران:
مولانا انیس عالم سیوانی
مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

برصغیر کے ہند و پاک میں اسلامی روایت کے فروغ اور علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں جن علمائے کرام اور مشائخ عظام نے غیر معمولی کردار ادا کیا ان میں امام احمد رضا خاں کا نام نمایاں طور سے شامل ہے، اور یقینا ہونا بھی چاہیے۔ افکار دینی اور عشق رسول ﷺ ہر دو اعتبار سے وہ ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قدرت کے دستِ فیاض نے انہیں بے پایاں صلاحیتوں سے نوازا اور بڑے کاموں پر معمور کیا۔ ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔ امام احمد رضا خاں صاحب کی علمی اور تحقیقی شخصیت اس درجہ ہمہ جہت تھی کہ اس کی کلیت کا احاطہ تو رہا الگ، اگر ایک ایک جزو پر بھی پوری شرح و بسط کے ساتھ کام کیا جائے تو اس کے لیے دفتر درکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ متعدد دہائیوں میں ان پر علمی، فکری اور مطالعاتی حوالے سے کام کرنے والوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے۔ ہر عہد کے کام کرنے والے ان کے فکر و نظر کی نئی جہت کو اجاگر کرتے ہوئے اپنے دور کے سیاق میں ان کی معنویت پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دینی تناظر میں عملی و فکری جستجو کا ایک کارواں ہے کہ نئے راستوں کو اجالتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

ماہنامہ ''نور مصطفی ﷺ'' پٹنہ کا زیر نظر خصوصی شمارہ ''امام اہل سنت نمبر'' اسی سلسلۂ فکر و خیال کی تازہ تر دستاویز ہے۔ اس شمارے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے مرتبین نے محض عقیدت و محبت پر انحصار نہیں کیا بلکہ متانت اور ذمے داری سے کام لیتے ہوئے علمی و فکری تقاضوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ مضامین و مقالات کی بنیاد پر یہ خصوصی شمارہ ایک اعلیٰ دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک ایسی دستاویز جو آج ہی نہیں آئندہ بھی کارآمد اور فیض رساں سمجھی جائے گی۔ اس عمدہ کاوش اور گراں قدر شمارے کی اشاعت پر میں سید محمد ولی الدین، مولانا ملک الظفر سہسرامی اور مولانا رحمت اللہ صدیقی کو تہِ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

صبیح رحمانی

پروفیسر محمد اقبال جاوید، پاکستان

حضرت رضا کی نعت گوئی میں عشق کی وارفتگی احترام کا دامن تھام کر چلتی ہے۔ شعر کی جمالیاتی دل پذیری احتیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں نظر آتی ہے۔ ان کا علمی تبحر، دینی آگہی، قرآنی بصیرت اور روحانی گداز ایک دل آویز سلیقے کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ ان کے ہاں علم و شعور اور جذب و جنوں کا ایک خوب صورت امتزاج ہے۔ الفاظ و ترکیب کی فاضلانہ جلوہ گری بھی ہے، طویل بحروں میں عالمانہ افکار کا پرشکوہ اظہار بھی جا بجا ملتا ہے اور مختصر بحروں میں ایک والہانہ بے ساختگی بھی موجود ہے۔ وہ بطور شاعر قاری اور ناقد کو اس حد تک متاثر کرتے ہیں کہ اس کے لئے ان کی شاعرانہ اور ساحرانہ گرفت سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کے ہاں لفظی برجستگی، فنی رعنائی اور سہل ممتنع کی مثالیں وافر تعداد میں جلوہ گر ہیں۔ قرآنی آیات اور عربی جملوں کی پیوند کاری، ان کی فنکارانہ دسترس کا منہ بولتا شاہ کار ہے۔ ٹکسالی زبان کو نعتیہ تغزل کی روح روا بنا دینا، ان کی ایک منفرد خصوصیت ہے۔ لفظی تکرار سے شعری آہنگ کو تاثر آفرین بنا دینا انہی کا کمال ہے۔ ان کے ہاں آمد کی ایک بے پناہ کیفیت ہے۔ یوں لگتا ہے کہ فکر و خیال کا ایک بحر بے کراں ہے کہ بے روک ٹوک، شعر و سخن کی سنگلاخ گھاٹیوں میں یوں رواں دواں ہے کہ اسے کوثر و تسنیم کی موجیں بھی رشک سے دیکھتی ہیں:

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے! طبیعت کی روانی اس کی

بظل کرم:

وارثِ علوم اعلیٰ حضرت، نبیرۂ حضور حجۃ الاسلام، جانشین حضور مفتی اعظم حضرت مفتی محمد **اختر رضا قادری ازہری** نور اللہ مرقدہ

الجامعۃ الرضویہ کا ترجمان، مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ **نورِ مصطفیٰ** پٹنہ

کا

امام اہلسنت نمبر

مدیر اعلیٰ:

مولانا ملک الظفر سہسرامی

مدیران:

مولانا انیس عالم سیوانی

مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی

اس شمارے کی قیمت -/400 روپے

پرنٹر پبلشر: سید محمد ولی الدین رضوی جنرل سکریٹری الجامعۃ الرضویہ نے تاج آفسیٹ پریس پٹنہ سے چھپوا کر دفتر نورِ مصطفیٰ سے شائع کیا۔

صوبہ مہاراشٹر میں فقہ حنفی کا منفرد مفتی ساز ادارہ

امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر، ناسک

زیر قیادت: شہزادۂ حضور تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند **مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری** مدظلہ العالی

یہ ادارہ خالص مسلک اعلیٰ حضرت کا حقیقی ترجمان و ناشر ہے، دسمبر ۲۰۰۹ء میں اس کا قیام عمل میں آیا، حضور تاج الشریعہ نے اس کا افتتاح فرمایا، ابتدا سے تاحیات محسن ملت حضرت علامہ مفتی محمد شعیب رضا نعیمی متوفی ۱۵ر رمضان ۱۴۳۸ھ سرپرست اعلیٰ رہے، اس ادارہ نے نہایت مختصر اور قلیل وقت میں اپنے کارہائے نمایاں کی وجہ سے شہر اور بیرون شہر کے عوام وخواص میں ایک امتیازی مقام حاصل کیا ہے۔

ادارہ کے بنیادی مقاصد یہ ہیں ○ مذہبی اور عصری تعلیم یافتہ لوگوں کے مابین ربط باہم، فکری اور نظریاتی اصلاح ○ صلح کل کی وبا سے عوام اہل سنت اور بالخصوص جدید نسل کی حفاظت ○ مسلم طلبہ کو انگریزی اسپیکنگ اور کمپیوٹر کورس کے لئے مواقع فراہم کرانا ○ چھوٹے بچے اور بچیوں کے لئے دین ومذہب کی بنیادی تعلیم ○ اصلاحی جلسے جلوس کے ذریعہ نوجوان نسل کو فکر اہلسنت سے جوڑنا ○ مرکز اہل سنت بریلی شریف اور اعلیٰ حضرت کے نظریات کو ہر سنی مسلمان تک پہنچانے کی کوشش کرنا۔

ادارہ کے شعبہ جات اور خصوصیات

○ **شعبہ تخصص فی الفقہ:** یہ دوسالہ مفتی کورس ہے، جس میں فقہی ذوق رکھنے والے فاضلین مدارس کو فقہ حنفی کا تحقیقی مطالعہ اور فتویٰ نویسی کی دشوار گذار راہوں سے گذار کر فقہ اسلامی کا ماہر بنایا جاتا ہے، اس شعبہ کا قیام ۲۰۱۵ء میں اس کے سرپرست اعلیٰ **محسن ملت مفتی محمد شعیب رضا نعیمی علیہ الرحمہ** کی رہنمائی میں عمل میں آیا، فاضل علوم اسلامیہ **حضرت مولانا مفتی محمد مشتاق احمد اویسی امجدی** از ابتدا تا حال مستقل اس شعبہ میں تدریس وتربیت کا فریضہ نہایت حسن وخوبی کیساتھ انجام دے رہے ہیں، اب تک ۱۵ر مفتیان کرام (تین بیچ) نے فراغت حاصل کی، جن کی دستار بندی **حضور محدث کبیر مدظلہ العالی** نے ۲۰۱۷ء اور ۲۰۱۸ء میں فرمائی، **مذکورہ شعبہ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی سے الحاق شدہ** ہے۔[فارغین میں اکثر وبیشتر ملک کے مشہور ومعروف مدارس وجامعات جیسے جامعہ امجدیہ گھوسی، جامعۃ الرضا بریلی شریف اور جامعہ اشرفیہ مبارکپور وغیرہ کے فضلا شامل ہیں]، اس شعبہ کے طلبہ کے لیے جدید سہولیات کے ساتھ عمدہ قیام وطعام اور ماہانہ وظیفہ کا مکمل اہتمام کیا جاتا ہے۔[جو طلبہ شعبۂ تخصص فی الفقہ میں داخلہ کے خواہشمند ہوں شوال المکرم کے ابتدائی عشرہ میں درج ذیل نمبرات پر رابطہ کریں]۔

○ **شعبہ حفظ وقرأت [غیر رہائشی]:** اس شعبہ کے تحت اسکول میں زیر تعلیم طلبہ کو حفظ بالحدر کرایا جاتا ہے۔

○ **شعبہ امدادی فنڈ:** اس شعبہ کے ذریعہ شہر ناسک کے تقریباً دوسو سے زائد غریب ونادار اور بیوہ خواتین کو چیک کے ذریعہ ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔

○ **مصطفیٰ رضا لائبریری:** لائبریری میں شہر کے باذوق اور علم دوست حضرات کے لیے حدیث وفقہ، ادب وتاریخ، تصوف وسلوک اور قرآنیات وعقائد سے متعلق سینکڑوں کتابیں دستیاب ہیں۔

○ **شعبہ نشر واشاعت:** دین ومذہب کا عظیم علمی سرمایہ کتابوں ہی کے ذریعے محفوظ ہے، اس لیے ہمارے اسلاف نے ہر زمانے میں کتابوں کی اشاعت وطباعت کا اہتمام کیا اور آج بھی یہ سلسلہ قائم ہے، اس سینٹر میں یہ شعبہ بھی قائم ہے اور بحمدہ تعالیٰ اس کے زیر اہتمام مختلف مواقع پر مختلف رسالے، کتابچے اور پمفلٹ شائع ہوتے رہتے ہیں، جن میں **''برکات تاج الشریعہ''** ایک ضخیم، تاریخی دستاویز اور اس شعبہ کی فخریہ پیش کش ہے۔

اپیل: اہل خیر حضرات سے پرخلوص گذارش ہے کہ نیک دعاؤں کے ساتھ اس علمی تحقیقی اور فلاحی ادارہ کا مالی تعاون فرما کر ثواب کے حقدار بنیں۔

ادارہ ماہ نامہ نور مصطفیٰ کی دستاویزی پیش کش امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر رفقائے نور مصطفیٰ کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔

منجانب: **شعبۂ نشر واشاعت امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر ناسک، مہاراشٹر**

9822617486/8830789911

اس شمارے میں

انتساب

نور مصطفیٰ کا یہ خصوصی شمارہ امام اہل سنت نمبر کو

ہم

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ

کے نور دیدہ

ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین فاضل بہاری

حامی سنیت، مبلغ مسلک اعلیٰ حضرت قاضی عبد الوحید فردوسی علیہما الرحمہ

جنہوں نے اپنی اپنی سطح سے رضویات کی ترویج واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا

اور اسے ایک مستقل فن کی حیثیت عطا فرمائی

اور

طوطی ہند، حافظ صحاح ستہ، شیدائے امام احمد رضا حضرت علامہ الحاج الشاہ قادر بخش سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ

جنہوں نے حقانیت کے اظہار یے کے لیے 'مسلک اعلیٰ حضرت' کے رائج الوقت نعرے کی داغ بیل ڈالی

کے نام معنون کرتے ہوئے یک گونہ سکون محسوس کر رہے ہیں

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ملک العلما

قاضی عبد الوحید فردوسی

قادر بخش سہسرامی

Gulfam

(Managing Director)

شادی، نکاح، کانفرنس وسیمینار، ولیمہ اور اسی طرح کی دوسری تقریبات کے لئے جدید سہولتوں سے مزین

انتہائی رعایت کے ساتھ، ہمیں خدمت کا موقع دیں۔

نور مصطفےٰ پٹنہ کی فخریہ پیش کش امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر

آزاد شادی محل کے ذمہ داران ہدیہ خلوص پیش کرتے ہیں۔

آزاد شادی محل

AZAD SHADI MAHAL

Jaggi ka Chauraha, Nawab Bahadur Road, Patna City-800 008

www.facebook.com/AzadShadiMahal

+91 72580 36786 / +91 9334479444

تجلیات نور مصطفٰے

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروروں درود

محترم قارئین! ـــــــ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ شہر عظیم آباد میں دین حق کا پاسبان، مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب وترجمان ''الجامعۃ الرضویہ'' جو ابتدائے قیام سے احقاق حق وابطال باطل کے میدان میں نہایت پامردی کے ساتھ کام کر رہا ہے اس کے قیام کا بنیادی مقصد مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت ہے اور ادارہ اسی شناخت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتا ہے۔

ہم نے مذہب ومسلک کے نام پر کبھی کوئی سودا نہیں کیا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی یہی ہمارا تعارف نامہ ہوگا ؎

میں غلام رسول اکرم ہوں
یہ تعارف بڑا تعارف ہے

مسلک اعلیٰ حضرت کیا ہے؟ وفاداریِ رسول اکرم، اطاعت سرکار دوعالم، محبت آقائے کائنات ﷺ کا اعترافیہ ہے۔

مذہب حق کے خلاف جب بھی کوئی آواز بلند ہوئی ہے تو یہ ادارہ اپنے مضبوط عزائم وارادے کے ساتھ میدان عمل میں اتر کر مذہب حق کا بھرپور انداز میں دفاع کیا اور اس وقت تک میدان میں ڈٹا رہا جب تک حریف کی کمر نہ ٹوٹ گئی۔ مسلک اعلیٰ حضرت اہل حق کی شناخت وپہچان ہے ہم اس کی ہر طرح کے دھول دھبوں سے حفاظت کرتے رہیں گے۔ ہم گندم نما جو فروش نہیں ہیں کہ ڈھڈ ورا تو مسلک اعلیٰ حضرت کا پیٹتے ہیں اور کام اسکے خلاف کرتے ہیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت حق وصداقت کا اعلامیہ ہے۔ اہل حق کے اس حقیقت پسند نعرے کے خلاف کچھ آزاد خیال حضرات نے جدید افکار وخیالات کے چراغ جلانے کی کوششیں کیں لیکن قدرت نے انہیں ہر طرح سے ذلیل وخوار فرمادیا۔ اور اب وہ کنج خمولی میں بیٹھ کر اپنے کیے پر ندامت کے آنسو بہا رہے ہیں۔

الجامعۃ الرضویہ کو فکر وعمل کے آفاق میں پرواز کے لیے قدرت نے کچھ نئے بال وپر فراہم کئے ہیں اور میری گذارشات پر ان معروف ترین حضرات نے اپنی مکمل حمایت وسرپرستی میں ادارے کو لے لیا ہے۔ اور فی سبیل اللہ بلا اجر دنیا اپنے قیمتی اوقات کی قربانی پیش کرنا قبول فرمالیا ہے۔

حضرت مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی، دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام۔ حضرت مولانا سید اولاد رسول قدسی، نیویارک امریکہ
حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی مدیر اعلیٰ پیغام رضا بمبئی۔ حضرت مولانا انیس عالم سیوانی، امام احمد رضا فاؤنڈیشن، لکھنؤ

جس کا بہتر ثمرہ یہ سامنے آیا کہ مختصر سی مدت میں ادارے کی ڈوبتی رگوں میں زندگی کی حرارت دوڑنے لگی ہے اور عام لوگ بھی اسے بہتر تعلیم وتربیت کی شاہ راہ پر گامزن ہوتا ہوا محسوس کرنے لگے ہیں۔

یہ میرے سرکار اعلیٰ حضرت کا فیضان روحانی ہے کہ ان حضرات نے اپنی مکمل توجہات ادارے کی تعلیم وترقی کی جانب مبذول فرمادی ہیں۔ آج انہی حضرات کی کوشش وکاوش کا نتیجہ ہے کہ ''نور مصطفٰے'' کا یہ ضخیم، باوزن اور معیاری شمارہ امام اہل سنت نمبر کی خوبصورت پیش کش کے لائق ہو سکا۔ اگر ان حضرات کا ہمیں قدم بقدم تعاون حاصل نہ ہوا ہوتا تو آج یہ خاص شمارہ آپ کی زینت نگاہ نہ ہوا ہوتا۔ نور مصطفٰے کی اس نورانی کرن سے انشاء اللہ دلوں کے آفاق روشن ومنور ہوں گے اب اس روشنی کی اشاعت میں تسلسل ہوگا۔

ہم بارگاہ خداوندی میں شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں قوت پرواز کے لیے ایسے قیمتی بال وپر عطا فرمادیے، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک!

ہم جامعہ کے اساتذۂ ذی وقار کے لیے بھی دعا گو ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ انہیں ذہنی، روحانی سکون عطا فرمائے تاکہ قلبی سکون کے ساتھ یہ حضرات ادارے کی تعمیر وترقی میں بڑھ چڑھ کر باحوصلہ انداز میں حصہ لے سکیں اور ادارہ اپنے عزائم میں کامیاب کامران ہو سکے۔

اہلسنت وجماعت زندہ باد مسلک اعلیٰ حضرت پائندہ باد

طالب دعا:

سید محمد ولی الدین رضوی جنرل سکریٹری الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سیٹی

باب اول

اپنی بات

مدیر اعلیٰ کے قلم سے..........

شذرات

جب زمین تپتی ہے تو باران کرم کی بوندیں زمین کے تپتے ہوئے سینے کو ٹھنڈک پہنچاتی ہیں، رات کی تاریکی جب گھور ہوتی ہے تو لیلائے صبح کا آنچل فضائے بسیط پہ لہراتا ہے، گناہوں کی ظلمتیں جب گہری ہوتی ہیں تو ان اولیائے کاملین کا ورود مسعود ہوتا ہے جن کی اصلاحی کوششوں سے شب ظلمات کا سینہ چاک ہوتا ہے اور اعمال صالحہ وافکار عالیہ کا سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے۔

اقوام وملل کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جب جب زوال بداماں وقت قوموں پہ آیا ہے تو قدرت خداوندی کی جانب سے کسی روحانی مسیحا کی بعثت ہوتی ہے، مذہب اور مذہبی اقدار کی صیانت وحفاظت کے لیے پروردگار عالم کسی شخص کو شخصیت بنا کر قوم کی زبوں حالی دور کرنے کے لیے دنیا میں مبعوث فرماتا ہے جو اپنے تجدیدی کارناموں، اصلاحی کوششوں کے ذریعے گم شدہ نقوش کی کامیابی سے بازیافت کر کے جملہ مذہبی قدروں کا معیار ووقار بحال کرتا ہے۔

جب نصاریٰ کی بڑھتی ہوئی طاقتوں نے ایک طوفان کی شکل اختیار کر لی تو اس کے خلاف محاذ سنبھالنے کے لیے حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ابھر کر سامنے آئی، جب معتزلہ کا فتنہ سر ابھار رہا تھا تو سیدنا امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ جیسی متکلم شخصیت نے علم کلام کی روشنی میں ان فتنوں کی سرکوبی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ منطق وفلسفے کی موشگافیوں کا جب زمانہ آیا تو سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسا منطقی وفلسفی سامنے آیا جس نے علوم عقلیہ کی روشنی میں دین اور اقدار دین پر ہونے والے حملوں کا بروقت اور برمحل جواب دیا۔ مذہب اسلام کے خلاف جب اکبری فتنے نے سر ابھارا اور دین الٰہی کے نام سے ایک نئے مذہب کی داغ بیل ڈالی تو دین اسلام کی صیانت وحفاظت کے لیے پروردگار عالم نے سیدنا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو دنیا میں مبعوث فرما کر ان فتنوں کا سد باب فرمایا۔

۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء میں سرزمین بریلی شریف میں پیدا ہونے والی ذات امام احمد رضا قادری جنہیں دنیا اعلیٰ حضرت کے بلند بالا لقب سے یاد کرتی ہے۔ ایک ایسے دور کی تاریخی شخصیت ہیں جو پُر آشوب تھا۔ سیاسی، سماجی، مذہبی اور ملی محاذ پہ ہر طرف طرفہ انتشار تھا۔ مذہب کے ٹھیکیداروں نے مذہب کے نام پہ بدمذہبی کا طوفان بدتمیزی برپا کرنے کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ تاریخ پہ نظر رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ یہ زمانہ بہت انقلابی زمانہ تھا۔ برصغیر کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پہ یہ بات روز روشن سے زیادہ عیاں ہے کہ مذہبی اور سیاسی اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں پہ قیامتیں توڑی گئیں اور امت مسلمہ قیامت بردوش حالات سے دوچار ہوئی۔

ایک طرف انگریزوں کا تغلب وتسلط تھا تو دوسری جانب زرخرید علما کی جانب سے دین اور اقدار دین پہ شب خون مارنے کا

مکروہ و ناپسندیدہ عمل تھا، عوام میں معمولات و مراسم کے نام پہ بے ہودگیوں کا جو طوفان مچا ہوا تھا اس نے دین اسلام کا چہرہ بگاڑ رکھا تھا ایسے پُرآشوب دور میں بریلی کی سرزمین سے ابھر کر مذہبی منظر نامے پہ سامنے آنے والی شخصیت نے اپنے زمانے کے تمام فتنوں کے خلاف بہت چابک دستی سے محاذ سنبھالا اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کے ذریعے ان فتنوں کے خلاف مضبوط بند باندھ کر دین کے خود ساختہ ٹھیکیداروں کے تمام اسلام مخالف منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ علوم ظاہرہ میں مہارت وممارست رکھتے تھے بلکہ اپنے دور میں وہ علوم طریقت میں بھی ایک اونچا مقام رکھتے تھے اگر وقت کے عظیم مفتی، بلند پایہ فقیہ، دور رس نکتہ بیں محدث تھے تو وہیں روشن ضمیر صوفی اور سلسلۂ برکاتیہ کے مسند نشیں صاحب سجادہ بھی تھے۔ آپ نے اپنے دور میں خانقاہی معمولات ومراسم کی نہ صرف ترویج واشاعت میں حصہ لیا بلکہ ان کے خلاف ہونے والی ریشہ دوانیوں کو محسوس کرتے ہوئے ان کا دنداں شکن جواب دیا۔

اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمتوں سے کھلواڑ کرنے والوں کا علمی محاسبہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محراب عظمت پہ حرف گیری کرنے والوں کا شرعی دلائل کی روشنی میں گریباں تھاما، احکام شرع کے خلاف زبان درازی کرنے والوں کا فکری محاسبہ کیا تو وہیں صوفیا کی عظمتوں کو نشانۂ تنقید بنانے والوں کا بھرپور تعاقب فرمایا، خانقاہی معمولات ومراسم کے خلاف کفر وشرک کے فتوے صادر کرنے والوں کو شرعی دلائل کی روشنی میں مسکت جواب دے کر ان معمولات ومراسم کا تحفظ فرمایا۔ نیز عوام اور بعض جاہل نام نہاد صوفیوں کی جانب سے خانقاہی معمولات ومراسم کے نام پہ پیدا کیے جانے والے خلاف شرع امور کا فکری محاسبہ فرما کر شریعت کے احکام واضح فرمائے۔ آپ کے تجدیدی کارنامے آب زر سے تحریر کئے جانے کے لائق ہیں۔ سیاسی، سماجی، ملی اور مذہبی ہر محاذ پہ ہونے والے حملوں کے خلاف کامیاب چومکھی جنگ لڑی۔ انہی زریں خدمات کی بنیاد پر آپ کی شخصیت کو باتفاق رائے مرکزیت حاصل ہوئی اور بریلی شریف حق پسند، حق نگر علما وصلحا کا مرکز تسلیم کرلیا گیا۔ آپ کے بعد بھی آپ کے جانشینوں نے مذہب وملت کی خدمات میں آپ کی جانشینی ونیابت کا مکمل حق ادا فرمایا۔ احقاق حق وابطال باطل میں آج بھی آپ کے جانشین آپ کے نقش قدم پر ہیں اب تو مرکز اہل سنت بریلی شریف کا اسم مجازی ہو گیا ہے۔

حق و باطل کے درمیان جو معرکہ آرائی ہے اس کا سلسلہ کچھ نیا نہیں بلکہ بہت قدیم ہے اور پھر حق کے علم برداروں کو باطل سے ممتاز کرنے کے لیے کچھ خطوط متعین کیے جاتے رہے اسلام جب اپنے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا تو اس وقت کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قلبی ولسانی اقرار ہی مومن کی پہچان قرار پایا۔ پھر جب نماز کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو ایمان وکفر کے درمیان نماز حد فاصل قرار پائی۔ جب منافقت کے سیاہ ومنحوس بادل نے اسلام کے بدر کامل کو اپنی اوٹ میں لے کر ظلمت کی چادر اڑھانے کا ارادہ کیا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور ان سے رشتۂ وفاداری ایمان کی علامت قرار پایا اور پھر جب اسلام کی پاکیزہ قدروں پہ زوال آنا شروع ہوا مغربی تہذیب وتمدن کے خونیں پنجوں نے اسلامی تہذیب وتمدن کو لہولہان کرنے میں

ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اسلامی تہذیب وتمدن کی چمک دمک مسلم معاشرے سے دھیرے دھیرے رخصت ہونے لگی اور مسلمانوں میں اعمال صالحہ پہ جو مضبوط گرفت تھی وہ کمزور پڑنے لگی تو ظاہری شکل وصورت کی بنیاد پر مومن وکافر کی شناخت ہونے لگی ٹھیک اسی طرح جب نجد کی وہابیت کے ہندوستانی ایڈیشن نے دیوبندیت کی شکل وصورت میں عام مسلمانوں کو بد عقیدگی کے شعلوں میں جھونکنے کی شاطرانہ چال اختیار کی تو اس وقت اس بات کی شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی گئی کہ خوش عقیدہ مقلد مسلمانوں کی گمراہ جماعت سے دوری وعلیحدگی قائم کرنے کے لیے دو مسلکی نظریہ پیش کیا جائے اور خوش عقیدہ مسلمانوں کے امتیازی تشخص کے لیے کوئی علیحدہ نام دینے کا ایک جبری تقاضا اکابر علمائے اہل سنت کے سامنے آیا تا کہ گمراہ جماعت کی شیطانی چالوں سے عام مسلمان محفوظ رہ سکیں۔ چونکہ دیوبندیت نے جو چولہ اختیار کر رکھا تھا وہ حنفیت وسنیت کا ہی تھا لہٰذا ایک نام کا انتخاب عین تقاضائے وقت بن گیا۔ اب سوال نعرے کے انتخاب کا تھا۔حق وباطل کے درمیان خط فاصل کھینچنے کے لیے کون سی علامت مقرر کی جائے یوں تو بدعقیدوں کے رد میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے قبل کے بزرگوں اور ہم عصروں نے بھی قلمی سرمائے چھوڑے لیکن اس باب میں جو طرۂ امتیاز ہے وہ اعلیٰ حضرت کے سر پہ ہی سجتا ہے۔ چونکہ عشق رسول ﷺ کی سرشاری نے آپ کو بلند مقام پہ فائز کر رکھا تھا۔اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نثری وشعری نگارشات کا جائزہ لیں تو ان میں اسی پاکیزہ جذبے کی جھلک صاف طور پہ ملے گی ہر ربط پہ عشق ومحبت کا یہی ساز چھیڑا ہوا محسوس ہوتا ہے اور عشق حقیقی کی فیض بخشیوں کا ہی یہ نتیجہ سامنے آیا کہ ؎

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ — احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

اسلامی زندگی کا وہ کون سا گوشہ ہے جس پہ چودھویں صدی کے اس عظیم مفکر نے روشنی نہیں ڈالی بلکہ جدید وعصری علوم پہ ایسی تحریریں یادگار چھوڑی ہیں جن پہ دور جدید کے مفکرین خود کو داد دینے پہ مجبور پاتے ہیں۔ وہ اپنے علم وفکر، فقہ وتدبر اور تجدیدی کارناموں کی بنیاد پر لاریب بیسویں صدی کے ایک ایسے مفکر تھے تاریخی شواہد کی روشنی میں جنہیں اپنی پیش کردہ فکر سے کبھی رجوع کی نوبت نہیں آئی چنانچہ ان کے بے پناہ علمی وفکری برتری اور تجدیدی کارنامے نے ان کے ہم عصروں میں انہیں مرجع فتاویٰ بنا دیا کسی بھی اختلافی مسئلے میں ان کی رائے اور فیصلہ حرف آخر کی حیثیت رکھتا۔ انہوں نے انہی افکار وخیالات کی ترویج واشاعت میں اپنی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ صرف فرما دیا جو سیدی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ان کی قدیم الخیالی اور حنفیت پہ پختہ فکری کی گواہی غیر سنی مفکرین سے لے کر غیر مسلم ادیبوں نے بھی پیش کی ہے مشہور غیر مقلد عالم احسان الٰہی ظہیر کا یہ اعتراف ''یہ جماعت اپنی پیدائش اور نام کے لحاظ سے نئی ہے لیکن افکار اور عقائد کے اعتبار سے قدیم ہے'' (البریلویہ ص ۷) ایک دوسرے مورخ کی رائے میں ''انہوں نے (فاضل بریلوی) نے نہایت شدت سے قدیم حنفی طرز کی حمایت کی'' (موج کوثر) مشہور محقق اور ادیب مالک رام کے خیال میں ''جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ بریلی مولانا احمد رضا خاں

مرحوم کا وطن ہے وہ بڑے سخت گیر قسم کے قدیم الخیال عالم تھے' جماعت اسلامی کے آرگن ماہنامہ ''الحسنات'' نے اس سلسلے میں یہ تبصرہ کیا'' یہ خیال درست نہیں ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے دین اسلام میں ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی ہے البتہ یہ درست ہے کہ علما کی اس جماعت کو عرف عام میں احمد رضا خاں بریلوی سے عقیدت کی بنا پر بریلوی کہا جاتا ہے، اور دوسرے احناف سے بعض مسائل میں اختلاف کی بنا پر الگ تشخص قائم ہوگیا'' (ماہنامہ الحسنات رام پور کا شخصیات نمبر ص ۵۴ /ص ۵۵)

غیر سنی علما و مورخین سے لے کر غیر مسلم محققین تک نے مسلک اعلیٰ حضرت اور بریلوی کے انتخاب کو اسلاف کرام کے علمی و فکری ورثے سے بغاوت قرار نہ دے کر قدیم الخیالی پہ مہر لگا دی ہے۔

اسلاف شناسی کی روشن و تابناک تاریخ میں رنگ و روغن بھرنے میں شہر عظیم آباد میں واقع اہل سنت و جماعت کے معروف ادارے الجامعۃ الرضویہ کی خدمات بہت نمایاں ہیں بالخصوص الحاج سید محمد ولی الدین رضوی سیکریٹری جامعہ ہذا ان کے ہم خیال وہم قدم رفقاء بالخصوص عزیزی گرامی قدر حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی، فاضل بغداد حضرت مولانا انیس عالم سیوانی کے ہم شکر گزار ہیں ۔تحریک اسلاف شناسی کی مہم میں حصہ لیتے ہوئے وقت کی عبقری شخصیت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات کے بوقلموں گوشوں میں سے چند گوشوں پہ مشتمل ''نور مصطفیٰ'' کا خصوصی شمارہ امام اہل سنت نمبر کی اشاعت کا عزم و ارادہ لے کر میدان عمل میں اترے اور بہت کم وقت میں پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ ضخیم نمبر آپ کے روبرو کرنے میں کامیاب و کامراں نظر آتے ہیں۔ زندہ قوموں کا یہی شعار رہا ہے ۔اس قوم کو زندہ رہنے کا حق نہیں جو اپنے اسلاف کی روشن و تابناک تاریخ کو پردۂ گمنامی کے حوالے کر دے ان کی زریں و روشن خدمات کو زندہ رکھنے کے لیے نہیں بلکہ اپنی زندگی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلاف کی روشن و تابناک حیات و خدمات سے نور کشید کر کے شاہ راہ زندگی کو اجالا جائے۔

مجدد مأتہ ماضیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی حیات وخدمات پہ مشتمل یہ خصوصی شمارہ اسی سلسلۃ الذھب کی ایک خوبصورت کڑی ہے۔

پوری دنیا کا منظر نامہ اس وقت انسانی خون سے سرخ ہو رہا ہے، انسانیت چیخ رہی ہے، آدمیت کا جنازہ آدمی کے کندھوں پہ جا رہا ہے، لیکن ضمیر فروشی کی حد ہوگئی کہ جن کے پاس قوت وطاقت ہے، حکومت و اقتدار ہے وہ یکسر خاموشی کی چادر تان کر سو رہے ہیں۔ ہندوستان کے نقشے میں بھی مذہبی تعصب کا رنگ بھرنے کی سازش رچی جا رہی ہے اور ہندوستانیوں کو قوم و مذہب کے نام پہ الگ الگ خانوں میں بانٹنے کی منصوبہ بندی ہوچکی ہے، ملک کے وزیر داخلہ انتہائی نا مناسب اور غیر آئینی جملے استعمال کر رہے ہیں ایک ذمہ دار اور سیکولر روایات کی پاسداری کرنے والے ملک کے اعلیٰ قلمدان سنبھالنے والے وزیر داخلہ کے بیان میں اس قدر عصبیت، کڑواہٹ اور منافرت کا رنگ پیدا ہوسکتا ہے عقل قبول نہیں کرتی ۔کسی بھی ملک کے وزیر

داخلہ کی آئینی و منصبی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس ملک میں رہنے والے تمام باشندوں کو بلا تفریق مذہب وملت تحفظ فراہم کرے ان کے تمام جمہوری حقوق کی نگہداشت کرے لیکن وہ برسر اسٹیج ایک قوم کو نشانہ بناتے ہوئے اپنی تمام آئینی ذمہ داریوں سے دست کش ہونے کا اعلان کردیتے ہیں۔اس طرح کے حالات میں ہماری ذمہ داریاں دو چند ہوجاتی ہیں ان قیامت بردوش حالات میں آج ہر طرف سے یہ آواز اٹھائی جارہی ہے کہ مسلمان ایسے دور میں تمام مسلکی اختلافات ختم کرکے باہم شیر وشکر ہوجائیں اور باطل پرست قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہوکر قانونی وآئینی طور پر اپنے حقوق کی جنگ لڑیں اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کریں لیکن سوال یہ ہے کہ اتحاد واتفاق کی اساس و بنیاد کیا ہو؟ بلا تفریق مسلک و مذہب بنام اسلام تہتر فرقوں سے وابستہ افراد یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ دین و مذہب کی اساس و بنیاد تعلق باللہ و بالرسول ہے،کوئی شخص کسی بھی جماعت، کسی بھی مسلک اور نظریے سے تعلق رکھتا ہو وہ اس نقطے سے اختلاف نہیں رکھے گا یہی تعلق باللہ و بالرسول مذہب اسلام کی اساس و بنیاد ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام مسلمانوں کا تعلق خاطر قائم ہوجائے اور ان کی محبت اور وفاداری کو جان ایمان روح ایمان تسلیم کرتے ہوئے ایک پلیٹ فارم پہ جمع ہوجائیں۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے بھی اپنی تمام نگارشات کا خلاصہ و نچوڑ یہی پیش فرمایا کہ تعلق باللہ و بالرسول کے بغیر ہر دعویٰ باطل ومردود اور ہر نعرہ کھوکھلا ہے لہٰذا اتحاد واتفاق کے اسی اساسی و بنیادی تصور کو لے کر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔جس فرقہ کے اسلاف کی جن تحریروں کے ذریعے اسلامی تصور پر ضرب پڑ رہی ہے اور اس تعلق خاطر کی گرفت کمزور پڑ رہی ہے ان تمام عقائد ونظریات ،افکار وتصورات سے برأت و پاکدامنی کا اظہار کرکے ایمان و اسلام کا وہ تصور پیش کیا جائے جو صحابہ سے روایتاً ہم تک آیا ہے۔

سیدی امام احمد رضا نے بھٹکے ہوئے آہوؤں کو گنبد خضریٰ کی راہ پہ لگا دیا۔ان کے افکار وخیالات اور حیات و خدمات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو بات صرف ایک جملے میں مکمل کی جاسکتی ہے کہ ان کا تمام تر زور قلم اور قوت بیان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ وتعلق استوار کرنے پہ تھا جو صحابہ کبار کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

منھ بولتی صداقت بھی یہی ہے کہ دین کی اساس ہے محبت رسول، دینداری کی بنیاد ہے تعلق باللہ وتعلق بالرسول۔ڈاکٹر اقبال نے بھی یہی کہا ہے ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

اعلیٰ حضرت اسی محبت رسول کے سفیر بن کر دیوانہ وار گھومتے رہے۔ان کی علمی، فکری اور فقہی خدمات اور شعری نگارشات کا جو آئینہ خانہ تیار ہوا ہے اس میں اسی محبت رسول کا نقش وعکس ہر چہار جانب نمایاں انداز میں نظر آئے گا۔وہ فرماتے ہیں ۔

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا　　جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں:

اللہ کی سرتا بہ قدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اصحاب کرام سے لے کر تابعین عظام تک، اغواث، اقطاب، ابدال تک اور اولیا سے لے کر جملہ ائمۂ مجتہدین تک دین اور دینداری کا جو درست اور حقیقی تصور رہا ہے اسی تصور و خیال کی آپ نے تا حیات ترجمانی فرمائی۔

آپ نے دینداری کا کوئی نیا ویژن نہیں پیش کیا بلکہ وہی ویژن تھا جو اصحاب کرام نے اللہ اور اس کے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے اپنے نگار خانۂ دل میں سجا رکھا تھا۔

محبت رسول ہی اصل میں جان ایمان ہے، دین کی اساس ہے محبت رسول دین کی بنیاد ہے الفت رسول دین کی اصل ہے تعلق بالرسول۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس سلسلے میں ارشاد فرمایا: "النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم"

مومن وہی ہے جسے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا تعلق خاطر پیدا ہو جائے، ایسی محبت اور الفت کا جذبہ پیدا ہو جائے کہ دنیا کے تمام رشتوں کا رنگ اس کے آگے پھیکا پڑ جائے۔ تمام حوالے اس حوالے کے سامنے بے اصل و بے وقعت ہو جائیں۔ دنیا سے لے کر آخرت تک ہر جگہ یہی ہماری شناخت و پہچان رہا ہے اور قیامت تک رہے گا۔ نسبی، مسلکی اور مشربی جتنے بھی حوالے ہو سکتے ہیں وہ تمام کے تمام اگر اس حوالے سے متصادم و متعارض ہوں تو ان سے دست کش ہو جانا ہی عین تقاضائے ایمان ہے۔ یہی قرآن کی تعلیم ہے اور یہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ یہی صحابہ کرام کا طریقہ تھا اور یہی پیغام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے عام فرمایا۔ تعلق باللہ و بالرسول کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

"نور مصطفیٰ" کا یہ خصوصی شمارہ ہم پیغام رضا، مسلک رضا اور فکر رضا کے تین اہم اور قابل قدر نقیب و ترجمان کے نام نامی اسم گرامی سے معنون کرتے ہوئے یک گونہ سکون محسوس کر رہے ہیں۔

ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۳ھ / ۱۳۸۲ھ) اعلیٰ حضرت کے علمی دربار کے نورتنوں میں ایک اہم رتن ہیں جن کی علمی و فکری شعاعوں سے آج بھی دبستان علم میں تابانیاں ہیں۔ افکار رضا، مسلک رضا اور پیغام رضا کی خوشبو بکھیرنے والوں کی فہرست کا یہ نام سر فہرست مقام پانے کے لائق ہے۔ "حیات اعلیٰ حضرت" رضا شناسی کے باب میں نیو کا پتھر ہے۔ اخذ و استفادے کی تمام راہیں رضویات کے باب میں تقریباً اسی سے کشادہ نظر آتی ہیں۔ "حیات اعلیٰ حضرت" کی ترتیب و تہذیب اور اشاعت کی داستان بھی ہماری مذہبی تاریخ کا ایک تاریک باب ہے۔ ایک عرصے تک تو اس کی زیارت کے لیے مشتاق حضرات کی نگاہیں ترستی رہیں۔ الحمد للہ اس حوالے سے بھی الجامعۃ الرضویہ کے قابل قدر سکریٹری الحاج سید محمد ولی الدین رضوی کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں کہ جہد مسلسل کے سائے میں اسے ترتیب و تہذیب کے مرحلے سے گزار کر منظر عام پر لانے میں کامیابی حاصل کر لی۔

ملک العلما کا نام آتا ہے عقیدت سے گردن جھک جاتی ہے ،علم وفکر کا جبل شامخ، اعلیٰ حضرت کا نور دیدہ، اہل سنت و جماعت کا عظیم سپوت، مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک نقیب وترجمان، رضویات کا عظیم اسکالر ہماری بے توجہی کے سبب اس عظیم شخصیت ان کی تمام خدمات کا دائرہ سمٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے، علم توقیت کا ماہر بدمذہبوں کے علمی ایوان میں بھی اپنی علمی شوکتوں کے پرچم لہرانے والی ذات وشخصیت اپنے قرار واقعی تعارف کے لیے ہم سے پیہم تقاضے کررہی ہے۔عقیدت کے یہ چند جملے ''نور مصطفیٰ'' کے ارباب کی جانب سے ان کی بے پناہ عظمتوں کا کما حقہ احاطہ نہیں کرسکتے۔ملک العلما کی ذات اپنے ہر فضل وکمال میں عرش نشین ہے ان کی علمی وسعت ،فقہی بصیرت اور حدیث دانی کے سامنے علم وفکر کا کوئی حوالہ نگاہوں میں جچتا نہیں ہے۔ رضویات کی جتنی شاخیں ہیں سب پہ ان کی فکر کا عندلیب چہکتا نظر آتا ہے۔آج خود کو ماہر رضویات لکھنے کی وباسی چل پڑی ہے حد تو یہ ہے کہ جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی کسی بھی کتاب کا ایک ورق درست تلفظ کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا وہ بھی ماہر رضویات لکھ رہا ہے جب کہ ماہر رضویات اگر کسی کو کہا جاسکتا ہے تو وہ صرف ملک العلما کی ذات ہے اگر ملک العلما نہ ہوتے تو رضویاتی دبستانوں سے ہم کبھی آشنا نہ ہوتے۔رضویاتی ادب کو انہوں نے جو تحفظ دیا ہے اس کی ہم کوئی دوسری نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

رضویاتی تاریخ کا دوسرا نام حضرت علامہ الحاج قاضی عبد الوحید فردوسی (ولادت ۱۲۸۹ھ، وصال ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) شہر عظیم آباد سے تعلق رکھنے والی عظیم شخصیت ہے۔جنہوں نے ملک العلما کے بعد افکار رضا کی اشاعت میں دل کھول کر حصہ لیا ۔مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت آپ کی اولین ترجیحات میں تھی۔تحفۂ حنفیہ کے نام سے آپ نے رسالہ، مذہبی درسگاہ اور اشاعتی ادارہ قائم فرما کر افکار رضا، پیغام رضا اور مسلک اعلیٰ حضرت کو عام کیا۔ پورے ملک میں اتنے عظیم پیمانے پہ اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ فکر رضا کی ترویج واشاعت کا جذبہ پیش کرنے والا کوئی دوسرا نام نظر نہیں آتا۔دین اسلام یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالے سے آپ کی خدمات ایسی نہیں ہیں کہ لفظوں میں بیان کردی جائیں اس کے لیے دفاتر درکار ہیں۔اور یہ موقع نہیں ۔ان کی شخصیت، ان کی دینی، ملی اور مسلکی خدمات سب پہ ہماری نظر ہے اس حوالے سے ہم بہت جلد قارئین ''نور مصطفیٰ'' کو حوصلہ افزا، مسرت آمیز اور اسلاف شناسی کے حوالے سے منصوبہ بنا کر شاد کام کریں گے۔قاضی صاحب کا وجود یقیناً دینی درد کا استعارہ تھا۔انہوں نے پیغام رضا کی تشہیر، ترویج اور تبلیغ میں کسی کے روٹھنے کی کبھی فکر نہیں کی۔ بریلی شریف سے ان کا رشتہ اتنا مستحکم تھا کہ ان کا دل دھڑکتا اور سیدی اعلیٰ حضرت کو اس کی خبر ہوجاتی۔

انہوں نے اپنے عہد میں اٹھنے والی ہر باطل قوت کا فکر رضا کی روشنی میں تعاقب کیا۔ پٹنہ کی سرزمین پر ندوہ، کے خلاف سات روزہ اجلاس کے آپ ہی روح رواں تھے اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں غیر منقسم ہندوستان کی ساری اعلیٰ قیادتیں موجود تھیں۔ایک ہزار سے زائد علما تھے اور عوام کی تعداد شمار وقطار سے باہر تھی۔اسی اجلاس میں اعلیٰ حضرت کی مجددیت کا اعلان واظہار ہوا۔اور تمام حاضرین اجلاس علما نے انشراح صدر کے ساتھ اس اعلان کی تائید وحمایت کی۔

قاضی صاحب نے بہت کم عمر پائی اگر ان کی عمر مزید ان کا ساتھ دیتی تو فکر رضا کے حوالے سے بہار کی تاریخ آج مختلف ہوتی۔ان کا کوئی منصوبہ کاغذ تک محدود نہیں ہوتا بلکہ وہ منصوبہ بناتے اور اسے بہت جلد عملی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دیتے۔ان کی دینی، ملی اور مسلکی قربانیوں کو دیکھ کر حضور مجاہد ملت کی تصویر نگاہوں میں گھومنے لگتی ہے۔وہ اپنی حیات کی ہر متاع عزیز کو محبوب کے قدموں پہ قربان کر دینے کا بیکراں جذبہ رکھتے تھے۔انہیں اپنے جنون عشق کی تشہیر وتعبیر کے لیے کسی کے در پہ دستک دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ رب قدیر نے انہیں دینی دولت کے ساتھ دنیوی دولت سے خوب خوب نوازا تھا۔ان کا شمار پٹنہ عظیم آباد کے روساء میں ہوتا تھا۔ان کے بیٹے قاضی عبدالودود، کا بیان ہے کہ ''میرے باپ نے اپنی ساری دولت بریلویت کے فروغ میں خرچ کر دی۔''

اعلیٰ حضرت کی محبت ان کی حیات کا نشان امتیاز ہے۔وہ اس راہ میں بڑی سے بڑی رکاوٹ کو اپنے قدموں سے کچل دیتے۔انہوں نے اپنے ذاتی صرفے سے اس زمانے میں ۲۵۰ر سے زائد اعلیٰ حضرت کی کتب ورسائل کی اشاعت کی اور انہیں پوری دنیا میں مفت عام وتام کیا۔اپنے افکار ونظریات کی اشاعت کے لیے آج جو سہولتیں میسر ہیں اس زمانے میں اس کی عشر عشیر بھی نہیں تھیں۔جب عشق جنوں خیز ہوتا ہے تو دشواریاں خود پیغام رساں بن جاتی ہیں۔اعلیٰ حضرت کی بے پناہ محبت والفت کا جو چراغ ان کے دل میں روشن تھا اعلیٰ حضرت کے دل میں بھی ان کی محبت و چاہت کا وہی چراغ روشن تھا۔یہ اعلیٰ حضرت کی محبت ہی تھی کہ جب وہ مرض الموت کے شکار ہوئے اور اعلیٰ حضرت کو اس کی خبر ہوئی تو اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے وارد پٹنہ ہوئے۔ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت کی گود میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کی۔یہی نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت اور ملک العلما ان کی قبر میں اترے۔اعلیٰ حضرت نے ان کے چہرے سے کفن ہٹا کر فرمایا ''جسے جنتی چہرہ دیکھنا ہو دیکھ لے'' میرے علم کے مطابق قاضی صاحب اس شرف میں تنہا ہیں۔رضویات کے اس دوسرے امام کی قبر پہ بے بسی کی ایک دبیز چادر پڑی ہوئی ہے یہ دیکھ کر پلکیں اشکوں سے وضو کرنے لگیں ان کی قبر جماعتی بے حسی کا مرثیہ بنی ہوئی ہے۔ان کی قبر تک جانے کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔جی چاہتا تھا کہ ان کی قبر سے لپٹ کر اتنا روؤں کہ ساری دنیا میرے آنسوؤں میں ڈوب جائے۔میرے ساتھ اہل عقیدت کا ایک انتہائی مختصر کارواں تھا جس میں خصوصیت کے ساتھ ہمدرد قوم ملت جناب سید محمد ولی الدین رضوی،عزیز گرامی مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی،عزیز محترم مولانا قاری قیصر رضا رضوی اور مولانا قاری محمد سرفراز عالم رضوی مرکزی، میرے ساتھ احباب کا کارواں بھیگی پلکوں کے ساتھ وہاں سے واپس ہوا۔افسوس کہ ملت کا یہ جاں فروش سپاہی صرف ۳۷ر سال کی عمر پا کر ہماری نگاہوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا۔ان کی قبر دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ وہ اپنی قبر سے آواز دے رہے ہیں۔

پیئے فاتحہ کوئی آئے کیوں کوئی پھول مجھ پہ چڑھائے کیوں | جو چمن خزاں میں اجڑ گیا میں اسی کی فصلِ بہار ہوں

سہسرام ابتدا سے ہی خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کے ایک بڑے مرکز کی حیثیت سے اہل علم وارباب فکر کے درمیان متعارف رہا۔قدیم مذہبی درسگاہیں بھی مذہبی فکر کے اعتبار سے متصلب سنی رہیں اور ان کی باگ ڈور علمائے اہل سنت کے ہاتھوں میں

رہی۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ، مدرسہ حسنیہ اور دارالعلوم خیریہ نظامیہ یہ تمام مذہبی درسگاہیں اہل سنت و جماعت کی ترجمان کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں تو ایک عرصہ تک ملک العلما حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے مسند صدارت کو زینت بخشی۔

طوطئ ہند حافظ حدیث حضرت علامہ مولانا الحاج حکیم محمد قادر بخش سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۷۳ھ/ ۱۳۴۲ھ تو مسلک اعلیٰ حضرت کے عظیم نقیب و ترجمان کی حیثیت سے پورے ملک میں خطابت کی دھوم مچاتے رہے بلکہ مسلک اعلیٰ حضرت کا جو نعرہ وجود میں آیا اس کی خشت اول آپ ہی نے رکھی۔ ملک العلما ''حیات اعلیٰ حضرت'' میں رقم طراز ہیں:

''جب حضرت مولانا (علامہ قادر بخش سہسرامی) بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ حضرت! سنی اور وہابی کی کیا پہچان ہے؟ ایسی بات بتائیے جس کے ذریعے ہم لوگ بھی سنی اور وہابی کو پہچان سکیں کوئی بڑی علمی بات نہ ہو۔ مولانا سہسرامی نے فرمایا کہ اتنا آسان عمدہ اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتادیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہے۔ آپ لوگ جب کسی کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں کہ سنی ہے یا وہابی، تو اس کے سامنے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان کا تذکرہ چھیڑ دیجیے اور اس کے چہرے کو بغور دیکھیے اگر چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار دکھائی دیں تو سمجھ لیجیے کہ سنی ہے اور اگر چہرے پر پژمردگی اور کدورت دیکھیے تو سمجھ جائیے کہ وہابی ہے اور اگر وہابی نہیں جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے۔''

آپ صاحب تصنیف بزرگ گزرے ہیں

''التقریر المعقول فی فضل الصحابۃ واہل بیت الرسول''، ''اربعین فی اشاعت مراسم الدین''، ''ضرب قادر برگردن واعظ فاجر''، رفع الارتیاب عن المفترین بشرف الانساب''، غایت المقال فی مسئلۂ رویت ہلال''، تحفۃ الاشقیاء فی فضائل آل العبا'' اور ''جور الاشقیاء علیٰ ریحانۃ سید الانبیاء'' تذکرے میں یہ چند تصانیف آپ سے منسوب ہیں ان کے علاوہ بھی مخطوطات تھے جو دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے۔

آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ انتقال کے بعد دو کرامتیں تمام عقیدت مندوں نے بچشم خود ملاحظہ کیں۔ آپ کے تمام جسم میں چیچک کے بڑے بڑے دانے تھے جن کی گولائی انگریزی دور کے پیسوں کے برابر تھی لیکن جسم سے روح پرواز کرتے ہی ایک دانے کا بھی نام و نشان باقی نہ رہا سارا بدن بالکل صاف شفاف اور بے داغ ہو گیا۔

اپنے خطاب میں آپ بارہا فرماتے کہ جنت میں کوئی بوڑھا نہیں جائے گا۔ بعد انتقال لوگوں نے کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ آپ کی سفید داڑھی بالکل سیاہ ہو چکی ہے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی ۳۰/ ۳۲ سالہ جوان لیٹا ہوا ہے۔

یہ چند سطریں جاں نثار اعلیٰ حضرت کی بیش بہا خدمات کا اعتراف نہیں بن سکتیں۔ ضرورت ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے اس بے لوث ناشر کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے منصوبہ بند انداز میں کام کیا جائے۔

''نور مصطفیٰ'' کا یہ خصوصی شمارہ اپنے متن، اسلوب، طرز نگارش اور پیش کش کے اعتبار سے یقیناً اہل ذوق قارئین کو اپنی

جانب بطور خاص متوجہ کرے گا۔ اور قارئین کے مذہبی، ادبی و فنی ذوق کی تکمیل کے لیے ہم نے اس کے مشمولات میں تنوع اور بوقلمونی کا خیال رکھا ہے۔

اعلیٰ حضرت اردو نعتیہ شاعری میں ایک معتبر و مستند حوالہ تسلیم کیے جاتے ہیں ان کی نعتیں یقیناً مذہبی ادب کو معیار و وقار بخشتی ہیں ندرت بیانی، خوبصورت تراکیب، شائستہ لب ولہجہ محاورات کا جابجا خوبصورت استعمال اور عشق ومحبت کے دل آویز لیکن حقیقت پسند اظہار کے لئے اشعار رضا نعتیہ ادب میں اپنی شناخت وپہچان رکھتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اردو زبان وادب میں ابھی تک اعلیٰ حضرت کی ادبی خدمات غیر تسلیم شدہ ہیں۔ اب تک عصری درسگاہوں میں رضویات داخل نصاب نہیں۔ اس میں کسی حد تک قصور ہمارا بھی ہے کہ ہم نے حضرت رضا بریلوی کو خالص ادیب وشاعر کی حیثیت سے ابھی تک متعارف نہیں کرایا۔ ان کے تعارفی خاکے میں ایک شاعر وادیب جو ادبی منظر نامے پہ ابھرتا ہے اس کے آگے پیچھے تقدس کا ایسا ہالہ ہوتا ہے کہ اندر کا شاعر وادیب کھل کر منظر نامے پر نہیں آپاتا۔ اس حوالے سے پاک وہند کے عظیم دانشور، ادیب وقلم کار ڈاکٹر خورشید رضوی نے بھی اپنے دکھ درد کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام شہرت ومقبولیت کے مرتبۂ بلند پہ فائز ہے۔ تاہم قبول عام بسا اوقات ایک حجاب بھی بن جاتا ہے۔ مولانا کے ساتھ یہی ہوا کہ ان کے عقیدت مندوں کا جذباتی وفوران کے خالص علمی وادبی مقام کی تعیین میں حارج رہا۔''

''نعت رنگ'' کے مدیر جناب سید صبیح الدین صبیح رحمانی بھی اس حوالے سے اپنے درد وکرب کا اظہار فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''یہ سب باتیں اپنی جگہ لیکن اس امر کی نفی نہیں کی جاسکتی کہ اب تک مولانا کو بحیثیت شاعر، اردو زبان وادب کی تاریخ میں وہ مقام نہیں مل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ میں پوری ذمے داری کے ساتھ اس احساس کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کی تمام تر مقبولیت کے باوجود تاریخ ادب کا ان کی طرف عدم التفات اور کلام رضا کے اہم فکری، فنی اور لسانی حوالوں کا عصری ادبی مباحث اور تجزیاتی مطالعات میں نظر انداز کیا جانا ہماری تنقید کے آگے ایک بڑا سوالیہ نشان اور ہماری ادبی روایات کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔''

اس کے اسباب وعلل پہ روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہم نے مولانا کی نعتیہ شاعری کو بنیادی نقطۂ نظر سے سمجھنے اور بحیثیت شاعر ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو پرکھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ خود کی، نہ دوسروں کو اس کی اجازت دی۔ مولانا کی نعتیہ شاعری اور ان کا شعری عمل خالص ادبی نقطۂ نظر سے ہونے والی گفتگو کا وسیع، خیال افزا اور خیال افروز ماحول چاہتے ہیں۔ مگر ہم مولانا کی نعتیہ شاعری کو ان کے دیگر اہم اور وقیع کاموں کے ساتھ ملا کر دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ جس کے نتیجے

میں وہ بحیثیت شاعر محدود تر حوالے سے موضوع گفتگو بنتے ہیں اور ایک معروف عالم دین اور مذہبی، مسلکی رہنما کی حیثیت سے زیادہ توجہ حاصل کرتے ہیں۔ اس صورت حال میں ادب کے نقاد اور قاری دونوں ہی ان کے کلام پر آزادانہ اور ناقدانہ رائے دینے میں محتاط رویوں کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں''

کچھ یہی احساس ہمارا بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت اپنے علم وفکر، تدبر وتفکر، فقہی بصیرت، محدثانہ فہم وفراست، مفسرانہ شعور وآگہی کی بنا پہ پوری دنیا میں ایک تسلیم شدہ شخصیت ہیں۔ آپ کی ادبی وشعری خدمات کا جادو بھی مذہبی مجالس ومحافل میں سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ وہ کون ساخطۂ ارض ہے جہاں ''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' کے بول نہیں گونج رہے ہیں۔ لیکن ہماری کوتاہ نظری کہ ہم اس قدآور نعت گو شاعر وادیب کی شاعرانہ عظمت ورفعت تسلیم کرنے کے لیے کشادہ ظرف نہیں۔ اسی داعیے اور پکار کے تحت ہم نے اس خصوصی شمارے کو اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کی مختلف نوع بنوع جہتوں کے حوالے سے قریب قریب مخصوص کر دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی نگارشات کا مطالعہ کرنے والے ہر فرد کا یہی اقرار واعتراف ہے کہ دین کا جو اساسی وبنیادی تصور ہے وہ محبت رسول ﷺ ہے۔ جو آپ کے یہاں بہت عیاں وبیاں ہے۔ ہند وپاک کے حالات تو اس وقت اس کا بہت شدت سے تقاضا کر رہے تھے کہ محبت رسول ﷺ کا اسیر بنا کر قوم مسلم کو اخوت واتحاد کی شاہ راہ پر چلا کر معرفت الٰہی کی منزل سے ہم کنار کیا جائے۔ اس باب میں اعلیٰ حضرت کی عقیدت ونیاز مندی اس حد تک آجاتی ہے کہ آپ حدیث کی کتابوں کے اوپر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر اقوال رسول ﷺ کی ترجمانی فرمارہے ہیں اور اس درمیان کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدہ خاطر ہوتے آپ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' تو نجات اخروی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔ یہ دیوان شروع سے آخر تک ایسی عقیدت ومحبت سے بھرا ہوا ہے کہ ایک دیندار اگر اسے اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھے تو کوئی بعید نہیں۔

ایک وسیع الخیال، بالغ نظر، لفظیات کے استعمال کے آداب سے آگاہی رکھنے والا نقاد جب ''حدائق بخشش'' کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے تو وہ وسعت قلبی کے ساتھ یہ تأثر پیش کرتا ہے کہ۔ اعلیٰ حضرت کے یہاں تخلیق شعر کا جوہر بڑا ثروت مند ہے۔ ان کے یہاں نہ تو مضامین کی تشنگی کا احساس ہے نہ لفظیات کے ذخیرے کم پڑتے معلوم ہوتے ہیں رواں دواں قافیے روشن ردیفیں اور دلوں میں کھب جانے والے کلمات جو تار نفس کو چھیڑتے ہیں۔ ڈاکٹر اسحاق قریشی اردو، فارسی اور عربی تین زبانوں پہ ماہرانہ قدرت رکھنے والے عظیم نقاد وقلم کار ہیں تاریخ پہ بھی ان کی گہری نظر ہے۔ اپنے وسیع مطالعے کے تناظر میں انہوں نے حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے۔ جو خاصے کی چیز ہے۔

دور جدید میں علم کا جس قدر شور ہے، علمی شعور سے آدمی اسی قدر دور ہے۔ انسانی آبادی کی اکثریت علم وفکر کے آبشار سے دور افتادہ ہے۔

علم وفکر کے ایوان میں جب ہم اپنے اسلاف کے نقوش علمی کی زیارت کرتے ہیں تو عقل ششدر و حیران رہ جاتی ہے۔ اللہ اللہ! وہ کیا تھے اور ہم کیا ہیں ان کی گرد قدم سے ہمیں نسبت نہیں۔ علم وفضل کے اس کارواں کا ایک ایک فرد تنہا اپنی ذات میں انجمن ہوتا تھا۔ فضیلتیں ان کے ارد گرد چکر لگاتی تھیں۔ وہ بولتے تھے تو علم وفکر کا آبشار جاری ہوتا تھا۔

اعلیٰ حضرت اسلاف کی انہی روشن و تابناک سلسلے کی ایک خوبصورت کڑی تھے، علم تفسیر سے لے کر علم حدیث تک، علم توقیت سے لے کر علم حساب تک، علم ہندسہ سے لے کر علم جفر تک علم وفکر کی وہ کون سی شاخ تھی جس پر تیرہویں صدی کے اس بلبل باغ رسالت کی چہچہاہٹ سنائی نہیں دے رہی ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم نے ہی کان بند کر لیے ہوں اور آنکھیں حقائق نظری سے موند رکھی ہوں۔ کئی زبانوں پر آپ کو عالمانہ وفاضلانہ قدرت حاصل تھی حضرت رضا کی شاعری وہبی تھی۔ ان کے اشعار کی تفہیم وتشریح کے لیے بھی قاری وسامع کا ذوق شعر وسخن اسی قدر بلند ہوگا تب ہی اسے کلام رضا صحیح لطف دے گا اور اس کی حقیقی لذتیں محسوس کر سکے گا ورنہ اس کی داد بھی بے داد ہوگی۔ آپ کی شاعری اردوئے معلّیٰ کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ آپ کے کلام سے دراصل وہی شخص صحیح طور پر لطف اندوز ہوسکتا ہے جسے عربی فارسی زبان پر اچھی دسترس حاصل ہو۔ حضرت رضا نعت گو کی حیثیت سے اپنی ایک مکمل شناخت و پہچان رکھتے ہیں۔ آپ اعلیٰ فکری صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے اور زبان و بیان پہ بھی عالمانہ قدرت رکھتے تھے۔ فن عروض کی باریکیوں سے بھی آگاہ تھے۔ اور الفاظ کو موسیقیت کی میزان میں تولنے پر بھی قدرت تھی۔ ہر شعر کمالِ سیرت کا ایک نیا پہلو پیش کرتا ہے۔ پروفیسر اقبال جاوید دانشوروں کے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ فکر میں گہرائی، نقد ونظر میں توازن ہے۔ ایک ایسے ہی بالغ نظر محقق و دانشور نے کلام رضا کا جائزہ وانتخاب پیش کیا۔ جو اعلیٰ حضرت کے شعری وادبی مقام ومعیار کو متعین کرتا ہے۔

نعتیہ ادب کی شاہ راہ پہ نہ صرف چلنے والے بلکہ اس راہ پہ پورا قافلہ تیار کرنے والے مخلص و بے لوث خدمت گار سید صبیح الدین صبیح رحمانی جو اپنی خدمات کی اساس و بنیاد پہ اس وقت قافلہ سالار نعت بن چکے ہیں۔ یہ نعت گو، نعت خواں اور نعتیہ ادب پہ نئے نئے دریچے کھولنے والے ایسے قلم کار ہیں کہ عقل حیران ہے۔ ذہن صحیح فیصلہ نہیں کر پاتا کہ یہ نعت خوانی عمدہ کرتے ہیں یا نئے لب و لہجے میں نعت نگاری خوبصورت کرتے ہیں یا پھر نعتیہ ادب پر حسین و جمیل رشحات قلم رقم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین فکر، خوبصورت لب ولہجہ اور شگفتہ زبان وقلم کی دولت سے نوازا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے عقیدت مند و نیاز مند ہیں۔ نعت سے شغف وتعلق رکھنے کے سبب انہیں سفیران نعت سے فطری لگاؤ وتعلق ہے اس لیے اعلیٰ حضرت سے بھی آپ کی عقیدت و نیاز مندی بحیثیت شاعر نعت زیادہ ہے۔ وہ اس بات پر نالاں رہتے ہیں کہ اب تک اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پہ کما حقہ کام نہ ہوسکا اور ان کی شاعرانہ رفعت وعظمت عصری دانش گاہوں میں غیر تسلیم شدہ ہے جو وقت کا ایک بڑا المیہ ہے اور ہمارے ادبی رویوں کی بے ادبیوں کا اشاریہ بھی۔ انہوں نے اس حوالے سے ''نعت رنگ'' کا ضخیم اور باوقار ''امام احمد رضا نمبر'' شائع فرمایا اور کلام رضا

کی تفہیم وتشریح کے لیے بیس گراں قدر مقالات کا مجموعہ ''کلام رضا: فکری وفنی زاویے'' کے نام سے تقریباً پانچ سوصفحات پر مشتمل خوبصورت کتاب منظر عام پہ لاکران کی شاعرانہ عظمتوں کا مختلف نوع بنوع جہات سے مستند دانش وروں، وسیع الخیال مفکروں اور روشن نگاہ محققوں سے اقرار واعتراف کرایا ''تفہیم کلام رضا: چند معروضات'' بہت مثبت تحریر ہے جو ہماری کوتاہ نظری پہ کھلی تنقید ہے۔

''سراپا نگاری'' ایک فن ہے اس میں ایک سے ایک فنکار گذرے ہیں اور اس کا اظہار شاعری میں بہت سلیقے مندی سے ہوا ہے عربی، فارسی اور اردو شاعری میں موجود نعتیہ سرمائے میں سراپا نگاری کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔اعلیٰ حضرت کے دیوان ''حدائق بخشش'' میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زلف مقدس سے ناخن پا تک مختلف اعضائے بدن کی توصیف کا نظارہ آپ کو حد درجہ نفاست کے ساتھ ملے گا۔ڈاکٹر محمد افتخار شفیع نے اس تناظر میں اعلیٰ حضرت کے دیوان کا جائزہ لے کر'' کلام رضا میں سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' پہ عمدہ مضمون قلمبند فرمایا ہے۔

دنیا کی وہ کون سی زبان ہے جس میں نعت نبی کی خوشبو نہیں ملتی۔ دنیا کی ساری زبانیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن و جمال، خوبیوں وکمال کی گواہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے نعتیہ دیوان میں عربی، فارسی، ہندی، اودھی برج، پنجابی اور ہریانی زبانوں کے الفاظ کو ہم آہنگ کر کے اپنی شاعری میں ایک نیا لہجہ پیدا کیا ہے۔آپ سے پہلے شاعری میں ایسے نمونے اگر نظر بھی آتے ہیں تو نمونے کے طور پر لیکن اعلیٰ حضرت نے مختلف زبانوں کے اتصال سے جو نیا لب ولہجہ پیدا کیا وہ لسانیات پہ ان کی ماہرانہ قدرت کی شہادت ہے۔''حدائق بخشش'' میں شمال مغرب، شمال مشرق، شمال جنوب کی بولیوں کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر تنظیم الفردوس نے'' حدائق بخشش'' کا جائزہ لیتے ہوئے'' کلام رضا کی لسانی تشکیلات اور اس پر مقامی اثرات'' کے عنوان سے تشفی بخش گفتگو کی ہے۔اعلیٰ حضرت کی شاعرانہ خصوصیات کے تعین میں یہ مضمون بہتر رہنما بنے گا۔

مفتی شمشاد حسین رضوی۔افکار رضا کی اشاعت میں جو قافلہ سرگرم ہے اس کے ایک نمائندہ فرد کی حیثیت سے اہل علم کے درمیان متعارف ہیں فکر میں گہرائی ہے۔

اعلیٰ حضرت اگر عالم شریعت تھے تو علم طریقت میں بھی آپ کا مقام بلند و بالا تھا سلسلۂ برکاتیہ سے وابستہ روشن ضمیر صوفی با صفا تھے۔

آپ کی شاعری میں تصوف کے اعلیٰ نکات بیان ہوئے ہیں اور صوفیانہ اثرات قدم بقدم دکھائی دیتے ہیں۔اس حوالے سے مفتی صاحب نے کلام رضا میں صوفیانہ اثرات کی نشاندہی اپنے مضمون ''امام احمد رضا کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات'' میں کی ہے۔ نیز امام احمد رضا کے علمی نوادرات پر ایک جائزہ لیا ہے۔

کوئی بھی فنکار اپنے عہد اور زمانے کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکا زبان کے اجتماعی نظام کے خول سے باہر نکل کر فکری چراغ نہیں جلاسکتا۔ فنکار اپنے زمانے کی ثقافت کو زبانوں کے اس نظام کے ذریعے خود میں جذب کر لیتا ہے۔ جس کے تحت اس کا ادب پروان چڑھتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری بھی اس عمومی جذب واثر سے محفوظ نہیں رہی اور آپ کی نعتیہ شاعری میں ثقافتی عناصر کا دائرہ سرزمین عرب سے لے کر ہندو پاک کی مذہبی رسمیات تک محیط ہے۔ اس تناظر میں پروفیسر کاشف عرفان نے ''حدائق بخشش'' کا ایک جائزہ اپنے مضمون ''کلام رضا میں ثقافتی عناصر کی تشکیل'' میں لیا ہے اور کلام رضا میں مذہبی ثقافت کے اثرات کا اس طرح تعین فرمایا ہے (۱) عشق رسول ﷺ (۲) قرآن، حدیث اور سنت (۳) تاریخی حقائق (۴) تہذیبی اشتراکات (۵) ثقافتی عناصر (۶) زبانوں کے اشتراکات سے پیدا ہونے والے اثرات (۷) مروجہ ادبی روایت (۸) سپردگی کی کیفیت (۹) مخصوص لفظیات۔

موصوف نے خوبصورت معنویت سے بھرپور جائزہ پیش کیا ہے۔ یقیناً کلام رضا کی تفہیم وتشریح میں نئے ابواب بھی کھلیں گے۔

اس دنیا میں عشق ومحبت سے سرفراز ہوجانے والوں نے کائنات کی تسخیر کی ہے اور وہی اپنے عہد کے ذہین ترین لوگ ہیں جنہیں عشق ومحبت کا سرمایہ فراہم ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت تو عشق ومحبت کے سفیر بن کر رہے، آپ کتاب زندگی کا سرنامہ، مقدمہ تمہید، مضمون، حاشیہ، بین السطور، اختتامیہ سب پر اسی کا عکس ونقش نظر آئے گا۔ ''حدائق بخشش'' سے لے کر ''فتاویٰ رضویہ'' تک ''الملفوظ'' سے لے کر تصنیفی خدمات تک ہر جگہ اسی کی جلوہ گری نظر آئیگی ''حدائق بخشش'' تو مکمل اسی کی بھینی بھینی خوشبو سے معطر ومعنبر ہے۔ محترم احمد جاوید نے اعلیٰ حضرت کے دیوان کا ایک جائزہ اسی تناظر میں لیا ہے۔ ان کا مضمون ''کلام رضا: آئینۂ مرکز رسول ﷺ'' قارئین کو تازہ ہوا کے جھونکے کا احساس دلائے گا۔

شاعری ایک وہبی وصف ہے اس میں کسب کا عمل دخل بہت کم ہے۔ شاعری کرنا ہر کہہ ومہ کے بس کی بات نہیں یہ الگ بات ہے کہ شاعری کی مشاطگی میں زبان وادب اور فن کا عمل دخل ہے لیکن جو شخص زبان وادب سے واقف ہو وہ شاعر بھی ہوجائے یہ ضروری نہیں اور وہ بھی نعتیہ شاعری جو پل صراط اور تلوار کی دھار پہ چلنے کے مترادف ہے کچھ سہل نہیں۔ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری میں ہی نہیں بلکہ ان کے بے کراں علوم ومعارف پہ گہری نظر رکھنے والوں کا یہی اقرار ہے کہ وہ علم لدنی اور معارف وہبی سے فیضیاب تھے۔ آپ کے نعتیہ کلام کا جائزہ ناقدین ادب اور ارباب فکر وتحقیق نے الگ الگ انداز میں لیا ہے۔ جناب شمیم احمد بریلوی نے آپ کی نعتیہ شاعری کا فنی ولسانی تجزیہ اپنے مضمون میں پیش کیا ہے جو کلام رضا کو ایک الگ انداز میں سمجھنے کا شعور بخشتا ہے۔

ڈاکٹر سراج احمد بستوی ایک اسکالر ہیں ان کی فکر وتحقیق کی جولان گاہ شعر وادب ہے۔ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری پہ انہوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔ ظاہر ہے کہ علم وتحقیق کی راہ کا مسافر جب شعر وسخن پہ قلم اٹھائے گا تو اس کے خیالات وافکار میں علم وفکر کے نقوش روشن وتاباں ہوں گے۔ موصوف نے اعلیٰ حضرت اور ان کے برادر اصغر حضرت حسن رضا بریلوی کی

نعتیہ شاعری کا ''مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا حسن رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا ایک موازناتی مطالعہ'' کے عنوان سے ایک اچھا خلاصۂ مطالعہ پیش کیا ہے ''الاستمداد علیٰ اجیاد الارتداد'' پہ بھی اپنی گراں قدر تحریر پیش فرمائی ہے جو اہل ذوق کے لیے توجہ طلب چیز ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی جیسا علم کا جبل شامخ اور عبقری روز روز خاکدان گیتی میں جنم نہیں لیتا بلکہ فلک کی برسوں کی گردش کے بعد خاک کے پردے سے ایک ایسا انسان جنم لیتا ہے جس پہ انسانیت ناز کرتی ہے۔آپ نے اپنی خداداد علمی وفکری صلاحیتوں کا فیضان عام وتام کیا اور کس کشت پہ اعلیٰ حضرت کا جھالا نہیں برسا علم وفکر کی تمام کھیتیاں اسی علمی آبشار سے سرسبز وشاداب نظر آرہی ہیں ۔تصنیف ،تالیف ،فتویٰ نویسی ،تدریس ،تبلیغ ،تقریر علم وفکر کا ہر میدان آپ کی جولان گاہ رہا۔آپ نے تدریس کا سلسلہ کسی درسگاہ کی مسند تدریس سے وابستہ ہوکر نہیں شروع فرمایا بلکہ اس سلسلۃ الذھب کا آغاز حصول علم کے زمانے میں ہی ہو چکا تھا یہی سبب ہے کہ آپ علمائے کرام کے لیے مرجع بن گئے اور دور دراز سے طلبہ آکر استفادہ کرتے۔آج ہندو پاک میں علم وفکر کے جتنے بھی چراغ جل رہے ہیں ان تمام میں بالواسطہ روغن اسی مرکز علم وفن بریلی شریف کا ہے۔

آپ کا انداز تدریس بھی بہت نرالا اور انوکھا ہوتا تھا اس تعلق سے حضرت مولانا مفتی سید محمد شاہد علی رضوی علیہ الرحمہ نے عمدہ تحقیقی کاوش پیش فرمائی ہے۔جو رضا شناسی میں نئے ابواب کھولنے میں ممد ومعاون ہوگی۔

اس طرف کچھ دنوں سے یہ بحث چل رہی ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کہنا درست ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اندھی عقیدت کے شکار ہیں؟ نیازمندی کے جذبے سے مغلوب ہوکر ہم نے یہ نعرہ ایجاد کرڈالا اور ایک غیر حکیمانہ روش پر چلنے کے لیے پوری جماعت کو مجبور کردیا۔پس منظر اور پیش منظر سے آنکھیں موند کر کورانہ تقلید کی راہ پہ چل پڑے۔مفتی محمد عیسیٰ رضوی شگفتہ قلم کے مالک ہیں افکار میں وسعت اور گفتگو میں شائستگی ہے اس حوالے سے انہوں نے اپنے افکار کی خوشبو بکھیری ہے اور ''مسلک اعلیٰ حضرت ضرورت، اہمیت اور افادیت'' پہ کھل کر بحث فرمائی ہے۔

مولانا سید اولاد رسول قدسی علم وفکر کا یہ آبشار ان دنوں امریکہ میں لوگوں کو فیضیاب کررہا ہے۔اس وقت کا ایک سلگتا ہوا مسئلہ ہے قادیانیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے خلاف بند باندھنا اور عقیدۂ ختم نبوت کی حقیقت کی وضاحت۔چنانچہ اعلیٰ حضرت کی تحریروں سے نور کشید کرکے انہوں نے عقیدۂ ختم نبوت پہ عمدہ مضمون قلم بند فرمایا ہے۔ماہ ربیع النور کی آمد آمد ہے۔جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مناسبت سے سیرت کے اہم گوشے ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاہیر اجداد کرام'' ان کی عمدہ کاوش زینت شمارہ ہے۔

دور جدید میں رویت ہلال کا مسئلہ کچھ زیادہ ہی پیچیدہ ہوگیا ہے یا کردیا گیا ہے۔بالخصوص عید کا چاند تو علماء، ائمہ کے لیے مسرت وشادمانی نہیں بلکہ رنج وآلام کی فضا قائم کردیتا ہے۔علمائے کرام کے طبقۂ اولیٰ کو اس سلسلے میں بیٹھ کر کوئی متفقہ لائحۂ عمل طئے کرنا چاہیے۔اس سال بھی ۲۹ رمضان کو کچھ ایسا ہی ہوا۔بات عقل سے بھی بہت دور ہے کہ جو ذمہ دار ادارہ ۲۹/رمضان کو

چاند کا اعلان جس بنیاد پہ کرتا ہے دو ماہ بعد عید الاضحیٰ کے اعلان رویت ہلال کے موقع پر وہ اس بنیاد کو عملاً رد کر دیتا ہے۔کیا شریعت میں اس کے لیے دو الگ الگ پیمانے ہیں؟ اس حوالے سے مفتیان کرام کی تحریروں کی روشنی میں ’’مسئلہ رویت ہلال: پس منظر اور پیش منظر‘‘ آپ کو دعوت فکر دے گا۔

علم وفضل کی بلندی پہ جانے والوں کے ساتھ یہ ہمیشہ ہوتا چلا آیا ہے کہ ان کے حاسدین بھی پیدا ہوتے رہے۔لیکن تیرھویں صدی کے اس مجدد کے جس قدر حاسدین ہیں شاید کسی دوسرے کے حصے میں نہ آئے ہوں جماعت مخالفین سے لے کر جماعت موافقین تک ہر جگہ آپ کے حاسدین ومخالفین ملیں گے بلکہ کچھ لوگوں کا تو مقصد تبلیغ ہی آپ کی مخالفت ہے۔رضا شناسی کی تحریک میں رنگ وروغن فراہم کرنے والا جو قافلہ ہے اس میں ڈاکٹر ساحل سہسرامی کا نام بھی اہمیتوں کا حامل ہے۔’’امام احمد رضا کی مقبولیت اور حاسدین کی ریشہ دوانیاں‘‘ کے عنوان پہ انہوں نے ایک جائزہ پیش کیا ہے۔

مفتی مطیع الرحمٰن رضوی مظفر پوری ہمارے اکابر اسلاف کے پروردہ ہیں سرکار مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے فیض یافتہ ہیں۔ایک عرصہ بریلی شریف کی باوقار درسگاہ میں مسند تدریس سجائی، فقہ وافتاء میں آپ بالغ نظر اور دوررس ہیں فتاوے کی زبان شگفتہ، شستہ اور رواں ہے تحریر میں اسلاف کی جھلک ملتی ہے۔آپ سے مولانا رحمت اللہ صدیقی نے جماعت کے سلگتے ہوئے حساس مسائل پہ ایک انٹرویو لیا ہے۔جو باذوق قارئین کی نذر ہے۔

اعلیٰ حضرت کی علمی، فکری سیادت وقیادت کی بنیاد پہ اہل علم کے دل ودماغ کا سارا کھنچاؤ بریلی شریف کی طرف ہونے لگا۔آپ مرجع فتاویٰ اور مرکز علما بن گئے اور بریلی شریف اہل سنت وجماعت کا مرکزی مقام قرار دیا گیا۔جماعتی سطح پہ شیرازہ بندی کے ساتھ وہاں سے قیادت بھی ہوتی رہی۔اس طرف بریلی کی مرکزیت پہ سوال اٹھ رہے ہیں۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری ہماری جماعت میں سنجیدہ، متین قلم کار اور دانشور کی حیثیت سے متعارف ہیں انہوں نے ’’بریلی شریف ہی مرکز اہل سنت کیوں؟‘‘ کے عنوان پہ بہت تفصیل سے سارے پہلوؤں کا منصفانہ جائزہ لیا ہے۔اس موضوع پہ پیدا ہونے والے اعتراضات کے خلاف ایک مضبوط بند باندھا ہے۔

دیگر اہل علم وفکر کے قیمتی مضامین بھی آپ کے ذہن وفکر پہ دستک دیں گے۔

ماہنامہ نور مصطفیٰ کا یہ خصوصی شمارہ آپ کو کیسا لگا اس سلسلے میں ہمیں اپنے قارئین کی آراء کا شدت سے انتظار رہے گا۔امام اہلسنت نمبر کی تقسیم میں ہم اپنے قارئین کا تعاون بھی چاہتے ہیں۔

ملک الظفر سہسرامی

۱۵ر صفر المظفر ۱۴۴۱ھ

باب دوم پیغامات

جانشین تاج الشریعہ حضرت مولانا مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری

محترم سید صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طالب خیر مع الخیر ہے۔

یہ جان کر بے پناہ خوشی ہوئی کہ آپ کے ادارہ ''الجامعۃ الرضویہ'' پٹنہ سٹی کی جانب سے میرے جد کریم، اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی رضی اللہ عنہ کی حیات وخدمات پر مشتمل ''نور مصطفیٰ'' کا خصوصی شمارہ ۱۰۱/ویں عرس رضوی کے موقع پر ''امام اہل سنت نمبر'' کی شکل میں منظر عام پر آرہا ہے، آپ کی اس کاوش پر میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مذکورہ شمارہ اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات اور آپ کی تعلیمات کے نئے گوشوں کو اجاگر کرے گا۔

صوبۂ بہار سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خانوادۂ رضویہ کے دیگر تمام اکابر کا خصوصی لگاؤ اور رشتہ رہا ہے، پٹنہ ہی کی سرزمین پر سرکار اعلیٰ حضرت کو مجدد کے عظیم الشان لقب سے ملقب کیا گیا، ملک العلما، قاضی عبد الوحید فردوسی اور علامہ سید سلیمان اشرف بہاری جیسے وفا شناس اور رضویات کے آفتاب وماہتاب اسی دیار وامصار کے مطلع پر نمودار ہوئے، جن پر اعلیٰ حضرت کو کس قدر اعتماد تھا یہ کوئی پوشیدہ امر نہیں اور ان حضرات نے اعلیٰ حضرت کے ساتھ کیسی وفاداری کا مظاہرہ کیا یہ بھی اہل علم سے مخفی نہیں۔

ایسے میں وہاں مسلک اعلیٰ حضرت سے منسوب جو بھی ادارے سرگرم عمل ہیں ان کی ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں، ان کا ایک ایک عمل مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان اور امام اہل سنت کی تعلیمات کا آئینہ دار ہونا چاہئے، ایسا ہرگز نہ ہو کہ ان اداروں کے کردار وعمل سے مذہب ومسلک کی روح مجروح ہو، اور مخالفین کو انگشت نمائی کا موقع مل جائے۔

والد گرامی کی جانب سے جو مناصب مجھ حقیر کو تفویض کئے گئے ان کے مقتضیات کے پیش نظر ہم یہ برملا کہتے ہیں کہ ہمارا موقف، مسلک اور نقطۂ نظر وہی ہے جو ہمارے اکابر واجداد کا رہا ہے، اسی میں ہم سب کے لئے دنیا وآخرت کی بھلائی مضمر ہے، ہم آپ سے اور وہاں کام کررہے اہل سنت کے دیگر اداروں سے یہی امید کرتے ہیں کہ آپ اور دیگر سبھی ادارے مسلک کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کریں گے، وقت کم اور کام زیادہ ہے اس لئے ہم سب کو مل کر اس عظیم مقصد کے لئے کام کرنا چاہئے۔

اخیر میں آپ اور آپ کی ٹیم کے جملہ علما اور اہل قلم بالخصوص مولانا ملک الظفر سہسرامی، فاضل بغداد مولانا انیس عالم سیوانی اور مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحبان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور سب کے حق میں دعا گو ہوں کہ رب کریم ہم سب کو ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رکھے اور دنیا وآخرت میں سرخروئی عطا فرمائے آمین۔

محمد عسجد رضا خاں قادری

خانقاہ قادریہ برکاتیہ رضویہ تاج الشریعہ، بریلی شریف

۱۱/صفر المظفر ۱۴۴۱ھ

شہزادۂ صدر الشریعہ، حضور محدث کبیر
علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری
نحمدہ ونصلی علیٰ رسول الکریم

امابعد

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ صوبۂ بہار کی راجدھانی پٹنہ کے مشہور ادارہ ''الجامعۃ الرضویہ'' کے زیر اہتمام عرس اعلیٰ حضرت کے موقع پر ''نور مصطفی پٹنہ'' کا امام اہلسنت نمبر شائع ہورہا ہے۔ میں اپنی مصروفیات اور ضعف کے سبب کوئی تفصیلی مضمون تو نہیں چند دعائیہ کلمات کے توسط سے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ عزیز مکرم سید ولی الدین رضوی اور حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی کو اللہ تعالیٰ اس کوشش میں سرخرو فرمائے اور غیب سے ان حضرات کی مدد فرمائے آمین۔

مجھے امید ہے کہ پٹنہ کی سرزمین پر ''الجامعۃ الرضویہ'' مسلک اعلیٰ حضرت کے حوالہ سے بہتر اور امید افزا خدمات کے ذریعہ مذبذب اور خلط ملط کی پالیسی اختیار کرنے والوں کے لئے چراغ سحری کا کام کرے گا۔

حالات بہت پیچیدہ ہوتے جارہے ہیں، بالخصوص مذہب ومسلک کے حامیوں کے لئے پُراسرار تاریکیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، عوام تو عوام خواص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت سے باز رکھنے کی کوشش ہورہی ہے۔ ہمارے ملک کی سیاست، مسلمانوں کی نوجوان نسل، مدارس کے ذمہ دار حضرات اور مذہب کا دم بھرنے والے لوگ، جس طرف نظر اٹھا کر دیکھیں ہر چہار جانب فکری اور نظریاتی طور پر عجیب وغریب کشمکش پھیلی ہوئی ہے۔ ان حالات اور پس منظر میں ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ مخلصانہ طور پر خدا ورسول کی رضا کے لیے کام کریں، ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کا نعرہ لگانا اعلیٰ حضرت پر تقریر اور مضمون تحریر کرنا آسان ہے، اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلک اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں، آج کا بڑا مسئلہ اختلاط کی پالیسی ہے، افسوس ہے ان تمام حضرات پر جو لوگ جانے انجانے میں صلح کل کی روش اپنا رہے ہیں، اعلیٰ حضرت، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں، سرکار مفتی اعظم، میرے والد ماجد حضور صدر الشریعہ اور استاذی الکریم جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہم الرحمۃ کا مذہب ومسلک وہی تھا جو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابوں اور فتووں میں مذکور ومسطور ہے نہ ہم اس سے الگ ہوسکتے ہیں اور نہ اس کے خلاف کی حمایت کرسکتے ہیں۔ اللہ رب العزت جل مجدہ الکریم اپنے کرم خاص سے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل ہم سب کے ایمان وعقیدے کی حفاظت فرمائے اور ایمان پر خاتمہ عطا فرمائے آمین

ضیاء المصطفیٰ قادری جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۱۱رصفر ۱۴۴۱ھ بروز جمعہ مبارکہ

استاذ الاساتذہ، جامع معقول ومنقول
علامہ وصی احمد وسیم صدیقی
سابق وائس پرنسپل الجامعۃ الاسلامیہ قصبہ رونا ہی فیض آباد

عزیزان گرامی قدر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ادیب شہیر حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب

کے ذریعہ یہ جان کر حد درجہ مسرت ہوئی کہ الجامعۃ الرضویہ کے زیر اہتمام جاری ہونے والا مجلہ ''نور مصطفیٰ'' کا خصوصی شمارہ اعلیٰ حضرت امام عشق ومحبت رضی المولیٰ تعالیٰ کی عالمی آفاقی شخصیت کے حوالہ سے منظر عام پر آنے والا ہے۔اس کوشش کی سراہنا نہ کرنا بڑی ناانصافی ہوگی۔

کیونکہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ہم سب کے محسن اور بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کے ایمان واعتقاد کے محافظین میں سرخیل اور علمبردار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت پوری زندگی اپنی گفتگو، اپنے فتوؤں، تحریروں سے اللہ ورسول کے دشمنوں کی سرکوبی فرماتے رہے، ان کی حیات مبارکہ کا اہم پہلو ان کا عشق رسول اور خدا کے محبوب کے باغیوں کی ناکہ بندی کرنا رہا ہے۔

ہمیں خوشی ہو رہی ہے کہ صوبۂ بہار کی راجدھانی پٹنہ سے الجامعۃ الرضویہ اعلیٰ حضرت پر خصوصی شمارہ شائع کر کے اس روایت کو آگے بڑھا رہا ہے جس کی ابتدا ملک العلما علامہ سید ظفر الدین بہاری، امام المتکلمین علامہ سید سلیمان اشرف بہاری، علامہ قاضی عبد الوحید فردوسی، مشہور ومعروف بزرگ حضرت مولانا مفتی عبد الرحمٰن محبیؔ، محدث اعظم بہار حضرت مولانا احسان علی مظفر پوری، شیخ الشیوخ حضرت تیغ علی شاہ علیہم الرحمہ جیسی مقبول شخصیتوں نے کی تھی، آج کے دور میں پہلے کے بالمقابل اس امت کو اعلیٰ حضرت کی ضرورت اور زیادہ ہے، جس قدر فتنے رونما ہونگے ان کے سد باب کے لیے اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا۔

میں ''نور مصطفیٰ'' کی پوری ٹیم کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور جماعت کے ذی ہوش، وفا شناس افراد سے درخواست کرتا ہوں کہ الجامعۃ الرضویہ اس وقت پٹنہ کی سرزمین پر خالص مذہبی نقطۂ نظر سے جو اقدامات کر رہا ہے اس کی ہم سب کو حمایت اور پُرزور تائید کرنی چاہئے۔

وصی احمد وسیم صدیقی گوپال گنج (بہار)

یکم صفر ۱۴۴۱ ہجری

حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، مظفر پور

امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ القوی اس یگانۂ روزگار، معجزۂ نبی مختار، نعمت پروردگار، شخصیت باوقار کا نام نامی اسم گرامی ہے جس کی خدا داد اور گوناگوں صلاحیتوں کا عرب وعجم نے نہ صرف علوم دینیہ بلکہ علوم عقلیہ اور سیاسی بصیرت کا اعتراف کیا اور انہیں اپنا امام و پیشوا مانا ہے۔

تحریک آزادی ہو یا مسئلۂ خلافت و امامت و ترک موالات ،عقیدہ توحید و الوہیت ہو یا تحفظ ناموس رسالت ،عبادات ہوں یا معاملات،غرض جس موضوع پر قلم اٹھایا حق تحقیق ادا فرما دیا سچ ہے ع جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں۔

ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کی مختلف دینی علمی وفنی خدمات پر مستقل خصوصی شمارے منظر عام پر لائے جائیں تاکہ خدمت فقہ وافتا کے علاوہ ان علوم وفنون میں بھی آپ کی انفرادی خدمات اجاگر ہوسکیں جنہیں معاصرین سے لے کر اگلے، پچھلوں نے ہاتھ تک نہیں لگائے ۔

مجھے حیرت کے ساتھ مسرت بھی محسوس ہو رہی ہے کہ اس میدان کے شہسوار نہ ہوتے ہوئے بھی محدود وسائل کے

باوجود محب گرامی قدر جناب سید محمد ولی الدین رضوی نے سال گزشتہ ”معارف تاج الشریعہ“ کے نام سے ایک ضخیم و وقیع نمبر شائع کر کے تحسین وآفریں حاصل کی تو اس بار عرس رضوی کے حسین موقع پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی بارگاہ عالی جاہ میں قیمتی معلومات اور چشم کشا تحریرات پر مشتمل ”امام اہل سنت نمبر“ کی اشاعت کر کے سچا خراج عقیدت پیش کرنے جارہے ہیں اس قابل تقلید مبارک اقدام پر دلی مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ان کے حوصلہ کو سلام اور دعائے دوام۔

اس سفر میں الجامعۃ الرضویہ کے لائق و فائق سرپرست حضرت علامہ محمد ملک الظفر سہسرامی اور مجلس ادارت کے رفیق کار حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی اور بااخلاص معاون و مددگار حضرت مولانا انیس عالم سیوانی بغدادی کو بھی ہدیۂ تبریک، جن کے مفید مشوروں، عملی قربانیوں کے ساتھ قلمی تعاون اور مضامین کی فراہمی نیز ترتیب و تبویب غرض مختلف مراحل میں ان کا سہارا و سنبھالا ملتا رہا۔ مولیٰ تعالیٰ ان سب کے ساتھ اس ناچیز کو بھی آسیب روزگار سے محفوظ رکھے اور آپس میں اخوت و مودت ایثار و قربانی، مہتر شناسی، کہتر نوازی اور جملہ اوصاف حمیدہ سے متصف بنائے اور خدمت مسلک و ملت کی توفیق ارزانی فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

دعا گو و دعا جو
محمد مطیع الرحمٰن غفرلہ رضوی
جامعۃ الخضرا، مظفر پور
۸ صفر المظفر ۱۴۴۱ھ ۸/۱۰/۱۹

حضرت مولانا مفتی اختر حسین قادری

محب مکرم نازش صحافت گل بزم ادب مولانا رحمت اللہ صدیقی قادری رضوی صاحب زید مجدہٗ کے ذریعہ یہ فرحت بخش اور مسرت خیز خبر موصول ہوئی کہ ناشر اسلام و سنیت، پاسبان مسلک اعلیٰ حضرت، زیب و زینت سیادت، گل گلزار الفت کرم نواز حضرت سید محمد ولی الدین رضوی صاحب دام مجدھم کی جد و جہد اور ان کے رفقائے کار کی کد و کاوش سے ”عرس اعلیٰ حضرت“ کے پُر بہار اور سعید و حمید موقع پر ”امام اہل سنت نمبر“ منظر عام پر آکر باعث انبساط اور وجہ ازدیاد نور و سرور ہوگا۔

بلاشبہ اس دور پرفتن اور عہد بلاخیز میں ایمان وعقیدے کا تحفظ، اعتقاد و عمل کی تطہیر اور گفتار و کردار کی پاکیزگی کا اطمینان بخش درس اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، کنز الکرامت، جبل الاستقامت، امام العارفین، قدوۃ السالکین، زبدۃ الواصلین، مجدد دین و ملت سیدنا امام احمد رضا قادری بریلوی رضی عنہ ربہ القوی کی تالیفات، تصنیفات، ارشادات، ملفوظات، فقہیات اور تعلیمات میں ہے۔

لہٰذا اس عظیم محسن اور ملک و ملت کی ہمہ جہت شخصیت کے انوار و تجلیات سے نسل نو کے قلوب و اذہان کو روشن و تابندہ کرنا وقت کا اہم تقاضہ بلکہ یک گونہ قلمی جہاد بھی ہے۔

میں اس ساعت خیر و برکت میں رسالہ ”نور مصطفیٰ پٹنہ“ کے ارباب حل و عقد بالخصوص حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی، آفت جان صلح کلیت فاضل بغداد حضرت مولانا انیس عالم سیوانی کو گلدستہ تہنیت پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ رب قدیر جملہ مجاہدین مسلک کی مساعی جمیلہ کو شرف قبول بخشے

اور بیش از بیش خدمت کی سعادت ارزانی فرمائے آمین۔ فقط

محمد اختر حسین قادری غفرلہ

خادم دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی، یوپی

۲۸ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ

حضرت مولانا مفتی شمشاد احمد مصباحی برکاتی

نازش فکر وفن، فخر اہل سنن، زینت صحافت، فدائے اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب صدیقی زید حبکم مدیر اعلیٰ پیغام رضا بمبئی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ سن کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ آپ ماہنامہ ''نور مصطفیٰ'' متعلقہ الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ پٹنہ کے بینر تلے 'امام اہلسنت نمبر' کی اشاعت کے سلسلے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ ان دنوں پٹنہ میں فروکش ہیں، میں اس تاریخ ساز نمبر کی اشاعت پر آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو بالخصوص مخیر قوم وملت، جناب سید ولی الدین رضوی صاحب کو ہزار بار مبارک باد، ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔

آپ نے ہمیشہ فکر رضا کی ترسیل اور مسلک اعلیٰ حضرت کی بے لوث خدمت میں کلیدی رول ادا کیا ہے اور مسلک کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں کی سرکوبی میں بھی آپ کا اہم کردار رہا ہے۔ اور آج بھی آپ اپنے اُن اسلاف کی روایات کو آگے بڑھا رہے ہیں جنہوں نے اپنا خون جگر بہا کر گلشن رضویت کو تر وتازگی اور رعنائی بخشی ہے۔ آپ کا حال آپ کے شاندار ماضی سے پیوستہ ہے، آپ کے زیر ادارت اب تک جو بھی نمبرات شائع ہوئے وہ علمی اور ادبی حلقوں میں اپنی مثال آپ ثابت ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مضامین کے انتخاب، مواد کی فراہمی، اور عمدہ قلمکاروں سے مسلسل رابطے میں آپ کوئی کسر نہیں چھوڑتے اور ہر نمبر میں خود آپ کا محیط اور مبسوط علمی، ادبی، فکری مقالہ نہ صرف نمبر کی شان وعظمت میں چار چاند لگاتا ہے بلکہ رضویات پر آپ کے حاکمانہ دسترس، اور امام احمد رضا کے علمی کمالات پر آپ کی گہری بصیرت کا پتہ دیتا ہے اور گزشتہ کئی سالوں میں مخالفین رضا کا جس طرح آپ نے تعاقب کیا ہے اور جس طرح آپ نے ان کی مضبوط علمی گرفت کی ہے، اس نے اچھے اچھے ادیبوں کی نیند اُڑا دی ہے۔ وہ آپ ہی ہیں جس نے شتر بے مہار کی طرح زباں چلانے والے خطیبوں اور بدمست شرابیوں کی طرح لڑکھڑانے والے قلمکاروں کی نکیل کسنے میں ایک حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔ اللہ رب العزت آپ کو دفاع امام احمد رضا پر دنیا اور آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ذات پر نمبر نکالنا اور ان کی زندگی کے نئے گوشوں کو اجاگر کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ امام احمد رضا کی ذات علم وعرفان کا بحر ناپیدا کنار ہے۔ اس عبقری ذات پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس سے بہت کم ہے جو باقی ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے ترپن (۵۳) سالہ دور تصنیف وتالیف میں سو (۱۰۰) سے زائد علوم وفنون پر مشتمل ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں، لاکھوں تحقیقی فتاویٰ تحریر فرمائے، ہزاروں فتاویٰ جو رجسٹر میں نقل نہ ہو سکے وہ غائب ہو گئے۔

فتاویٰ رضویہ کی کئی جلدیں جس میں کتاب الطلاق، کتاب السیر، کتاب الحظر والاباحۃ، سے متعلق ہزاروں

فتوے تھے وہ اب تک نایاب ہیں۔ اور کتاب الطلاق، کتاب السیر، کتاب الحظر والاباحۃ سے متعلق موجودہ فتاویٰ رضویہ میں جو فتاوے چھپے ہیں، یہ وہ ہیں جو ان جلدوں کے غائب ہونے کے بعد اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمائے۔ اگر اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے تمام فتاویٰ محفوظ ہوتے تو فتاویٰ رضویہ کی جلدیں ۱۲ سے زائد ہوتیں، یہی حال اعلیٰ حضرت کے رسائل کا بھی ہے۔ سینکڑوں رسائل اب تک غائب ہیں، کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اہل علم ودانش خود غور فرمائیں: جب امام احمد رضا قدس سرہٗ روزانہ سولہ سولہ گھنٹہ، سترہ سترہ گھنٹہ لکھتے تھے، اور مسلسل ترپن سال تک لکھتے رہے جن کی یومیہ تحریر کا اوسط تقریباً چھپن صفحات ہوتے ہیں۔ اور محققین کے ایک محتاط اندازے کے مطابق ان کے کل صفحات کی تعداد دس لاکھ پینسٹھ ہزار آٹھ سو پینتالیس (۱۰۶۵۸۴۵) ہوتے ہیں۔ ان کے علمی فکری، لسانی اور تحقیقی خدمات کا تعارف کیا کوئی آسان کام ہے؟

اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، شان تفقہ، اور مجتہدانہ بصیرت کا یہ عالم ہے کہ بعض مسائل کی تحقیق، تفصیل اور تشقیق میں فقہائے ماسبق پر بھی سبقت لے گئے۔ مثلاً مسائل تیمم ہی کو سامنے رکھئے۔ کن کن چیزوں سے تیمم جائز ہے اور کن کن چیزوں سے تیمم جائز نہیں۔ اس سلسلے میں فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ جو چیزیں زمین اور زمین کی جنس سے ہیں ان سے تیمم جائز ہے اور جو چیزیں زمین اور زمین کی جنس سے نہ ہوں ان سے تیمم جائز نہیں، کیا کیا چیزیں زمین کی جنس سے ہیں اور کیا کیا چیزیں زمین کی جنس سے نہیں ہیں، جبکہ ان پر بھی زمین کی جنس سے ہونے کا شبہ گزرتا ہے اس پر جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اپنی تحقیقات کے دریا بہائے تو بڑے بڑے محققین کو پیچھے چھوڑ دیا۔ آپ نے تحقیق فرمائی کہ ایک سو اسی (۱۸۰) چیزوں سے تیمم جائز ہے جبکہ فقہائے متقدمین کی کتابوں میں صرف تہتر (۷۳) چیزوں کا ذکر ملتا ہے ایک سو سات (۱۰۷) چیزوں کا استخراج خود امام احمد رضا کے اجتہاد کا نتیجہ ہے۔

اور جن چیزوں سے تیمم جائز نہیں جبکہ ان پر بھی بظاہر جنس ارض سے ہونے کا شبہ گزرتا ہے۔ ان کی تعداد ایک سو بتیس (۱۳۲) ہے۔ کتب فقہ میں صرف اُنسٹھ (۵۹) چیزوں کا ذکر ملتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس میں تہتر (۷۳) چیزوں کا اضافہ فرمایا جو آپ کی خداداد قابلیت اور غیر معمولی فقہی بصیرت کا بین ثبوت ہے، اس قسم کے صدہا مسائل ہیں جن کی اعلیٰ حضرت نے ایسی نفیس تحقیق فرمائی جو کہیں کسی اور کتاب میں نہیں ملے گی وہ سب اعلیٰ حضرت کا استخراج اور استنباط ہے جو قلب امام احمد رضا پر مبدأ فیاض کے فیضان کا ثمرہ ہے۔

اسی طرح جب پانی کی تحقیق اور اس کے اقسام کی تفصیل پر اعلیٰ حضرت نے قلم اُٹھایا تو بڑے بڑے دانشوروں اور محققوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ نے لکھا کہ پانی کی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) قسمیں ایسی ہیں جن سے وضو جائز ہے اور ایک سو پچیس (۱۲۵) قسمیں ایسی ہیں جن سے وضو جائز نہیں اور بیس (۲۰) قسمیں ایسی ہیں جن میں فقہا کا اختلاف ہے۔ اور پینتالیس (۴۵) قسمیں ایسی ہیں کہ ان میں بھی جواز اور عدم جواز کا فیصلہ نہیں

کیا جاسکتا اور یہ مؤخر الذکر قسمیں از اضافات رضویہ ہیں

(فتاویٰ رضویہ جلد اول، باب المیاہ)

مسئلہ لمعہ کی سب سے تفصیلی بحث شرح وقایہ میں موجود ہے اور اس کی کل پندرہ (۱۵) صورتیں ذکر کی گئیں ہیں۔ لیکن جب امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز نے اس پر قلم اُٹھایا تو اس کی انٹھانوے صورتیں اہل علم کے سامنے پیش کر دیں اور اس پر وارد ہونے والے تمام شبہات کا ایسا شافی وکافی جواب تحریر فرما دیا کہ تمام کتب فقہ اس سے خالی ہیں۔ بلا شبہ امام احمد رضا کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ اور ژرف نگاری اور اصابت فکر ونظر اس بات پر روشن دلیل ہے کہ امام احمد رضا کا علم، علم وھبی تھا، کسبی علم کا یہ جلوہ نہیں ہوسکتا۔

برصغیر ہندو پاک میں امام احمد رضا نے فقہ حنفی کی تنہا جو خدمت کی ہے وہ گزشتہ دو صدیوں میں پوری جماعت کی مجموعی خدمت پر بھاری ہے اسی لیے سید محمد یوسف شاہ بنوری کراچی کے والد سید زکریا شاہ بنوری پشاوری نے پشاور کی ایک مجلس میں برجستہ فرمایا: ''اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ہندوستان میں احمد رضا خاں بریلوی کو نہ پیدا فرماتا تو ہندوستان میں حنفیت ختم ہوجاتی۔''

(فاصل بریلوی اور ترک موالات، ص ۱۰۰)

اور حافظ کتب حرم سید اسماعیل ابن خلیل مکی امام احمد رضا کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

اگر امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ آپ کے فتاویٰ ملاحظہ فرماتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتیں اور اس کے مؤلف (یعنی امام احمد رضا) کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل فرما لیتے۔'' (الاجازات المتینہ)

امام اہل سنت نمبر کے لیے آپ نے پٹنہ کی سرزمین کو منتخب فرمایا ہے یہ بھی کسی نیک فال سے کم نہیں۔ یہ وہی عظیم آباد پٹنہ ہے جس کی ایک تاریخی کانفرنس منعقدہ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء جس میں ہزاروں سامعین، سینکڑوں مقامی وبیرونی علماء ومشائخ شریک رہے۔ خصوصیت کے ساتھ مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا معوان حسین رامپوری، علامہ ھدایت اللہ رامپوری، سید شاہ عبد الصمد پھپھوندوی، مولانا محب احمد بدایونی، مولانا عبد الکافی الہ آبادی، سید محمد فاخر الہ آبادی، وغیرہ اسی تاریخ ساز کانفرنس میں مولانا عبد المقتدر بدایونی نے سب سے پہلے امام احمد رضا کو ''مجدد ماۃ حاضرۃ'' کہہ کر مخاطب کیا اور تمام علماء ومشائخ اور عوام وخواص نے اس کی بھرپور تائید وتوثیق کی۔ علماء ومشائخ کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔ حیات اعلیٰ حضرت میں ۱۳۳ر شخصیات کا ذکر ہے۔ عالم اسلام میں اس شان وشوکت کے ساتھ اب تک کسی کی مجددیت کا اظہار واعلان نہیں ہوا ہے۔ میں دل کی گہرائیوں سے آپ کو حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی اور سید ولی الدین رضوی بلکہ الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ پٹنہ کے تمام اساتذہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں بے پناہ برکتیں نازل فرمائے اور اس نمبر کو قبول عام اور مقبول انام بنائے اور الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ پٹنہ کو مسلک اعلیٰ حضرت کا سچا داعی وترجمان بنائے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

شمشاد احمد مصباحی
خادم جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی
۲۸ر محرم الحرام ۱۴۴۱ھ
مطابق ۲۸ر ستمبر ۲۰۱۹ء

مفکر اسلام حضرت مولانا سید اقبال حسنی گیا

محترمی حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی زید مجدک العالی، تسلیمات وافرہ!

ماہنامہ ''نور مصطفٰی'' پٹنہ سیٹی کے ''امام اہلسنت نمبر'' کی اشاعت کی تیاریوں کی اطلاع جملہ محبان رضا کے لئے بالعموم اور بہار کی مذہبی صحافت کے لئے بالخصوص نسیم سحری کے لطیف جھونکوں کی مانند ہے۔آپ کی قیادت اور مسلک اعلی حضرت کے تئیں آپکی جانثاری وحمیت کے سائے میں ملک التحریر حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی کی ادارت، فکر رضا کی زمین پر ابر باراں کی طرح ہے۔مستزاد یہ کہ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سیٹی کے جنرل سکریٹری جناب سید محمد ولی الدین رضوی صاحب کی پیرخانہ سے والہانہ وابستگی جگ ظاہر ہے،اسطرح یہ نمبر دوآتشہ بلکہ سہ آتشہ بن کران شاءاللہ معرض وجود میں آرہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنی قوم کو اپنی تاریخ کے مایہ ناز سپوتوں اور لائق احترام وانقیاد شخصیات سے رو بہ رو کرانا تقاضائے انصاف بھی ہے اور علمی وتاریخی دیانت کا اظہار یہ بھی، کیونکہ قومیں اپنے اسلاف کی تاریخوں کے سائے ہی میں زندہ اور متحرک رہتی ہیں، جو قوم اپنے قابل تقلید پیش رو، محسنین کی سوانح حیات اور کارناموں سے نابلد رہی، وہ ناکام ونامراد ہی رہی۔اس حوالے سے قوم مسلم کا معاملہ واقعی اک طرفہ تماشا ہے۔بالخصوص فارغین جامعات کی اکثریت اپنے مقالات، مضامین، رسائل، اخبارات اور جرائد میں جہاں کہیں علمی، ادبی، تحقیقی، اخلاقی، سماجی، سیاسی اور معاشرتی سرخیلوں کے نظائر پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے فوراً ہی ارسطو، بیکن، بطلیموس، نیوٹن، رستم وسہراب وافراسیاب، نوشیروان عادل وحاتم طائی،سیکس پئر، ہومر، نپولین، کارل مارکس، فردوسی اور اسپارٹا اور دیگر فرمارو ایان عالم اور محققین واسکالرس کے اسما ان کے نوک قلم پرآجاتے ہیں اور حیدر وعمر، خالد وطارق، ابوذر وامام جعفر، رازی وغزالی، رومی وجامی ،سعدی وابن جریر،ابن اثیر وابن خلدون، ابن سعد وسیوطی، بخاری ومسلم،ابن ہشام،ترمذی اور واقدی کی تاریخیں اور ان کے کثیر الجہات کارنامے ذہن سے اڑن چھو ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی پراگندہ خاطر اور مخبوط الخیال افراد کو مختلف الانواع تحقیقات، توضیحات اور ایجادات کی حد تک علمی ادراکات رکھنے والی شخصیت امام اہل سنت مجدد دوراں امام احمد رضا خاں کے ذریعہ علوم ومعارف ، مذہبی واخلاقی اور ذہنی راستی کا صلائے عام اور علم وادب کا جام عطا کرنے والے محقق ومجدد کے جملہ ناقابل تسخیر کارناموں کو یکجا کرکے AT A GLANCE پیش کرنا وقت کا ناقابل تردید تقاضا تھا اور بجا طور پر اپنے محسن عقیدہ وایمان کے قدموں میں گلہائے عقیدت پیش کرنے کا حسین انداز بھی ہے۔جس کی تکمیل وادائیگی کا مذکورہ شخصیات اور ان کے وفا شعار علمی، قلمی، مالی اور انتظامی معاونین نے اپنی دیگر کثیر جہتی مصروفیات کے باوصف بیڑہ اٹھایا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ انقلاب پسند طبیعتیں اسی قسم کے کارنامے انجام دیتی رہتی ہیں۔ع

ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند!

مبارکبادیاں انہیں جنہوں نے یہ تحریک پیدا کی اور تہنیتیں انہیں جنہوں نے عقیدتوں کے چراغ قصر رضا کے

مناروں پر روشن کرنے کے لئے اپنا خون جگر پیش کیا۔ امید ہے یہ نمبر اپنے پورے علمی وتحقیقی وقار کے ساتھ افق صحافت پر جلوہ گر ہوگا اور اہل ذوق کی روحانی تسکین کا باعث ہوگا۔ اور اہل علم وتحقیق کے لئے ایک دستاویز ثابت ہو، یہی میری خواہش ودعا ہے۔ فقط

اسیر کوچہ برکات: سید اقبال احمد حسنی برکاتی
خادم نظامت جامعہ برکات، پیر منصور، شہر گیا (بہار)
وسکریٹری البرکات ٹرسٹ رجسٹرڈ گیا
9431988884

حضرت مولانا کوثر امام قادری سیوانی

محترم حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی صاحب

''ماہنامہ نور مصطفٰی پٹنہ'' کی نشاۃ ثانیہ کی خبر نے بہت زیادہ مسرور کیا ہے۔ دعا ہے کہ رب کعبہ اس کی اشاعت کو دوام اور تسلسل عطا فرمائے آمین۔

صوبائی سطح پر ماہنامہ ''نور مصطفٰی کی صحافتی خدمات سے ان کار بہت مشکل ہے۔ آج سے قریب قریب بیس سال قبل نور مصطفٰی کی تجلی سے بہار کا ہر خطہ روشن ومنور تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے سنی رسائل کی طرح یہ بھی نظر بد کا شکار ہو گیا۔ میرا اپنا ماننا ہے کہ علما، ائمہ اور طلبہ سنی رسائل کے خریدار ہو جائیں تو کوئی بھی رسالہ بند نہیں ہوسکتا۔ مگر افسوس کہ مذکورہ طبقہ کتب رسائل کو شجر ممنوعہ تصور کرتا ہے۔

''نور مصطفٰی'' کی نشاۃ ثانیہ امام اہل سنت نمبر سے ہو رہی ہے۔ میری معلومات کی روشنی میں اب تک اس نام سے کوئی نمبر شائع نہیں ہوا ہے۔ یہ خلا محسوس ہو رہا تھا آپ نے اس خلا کو پر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور رفقائے ادارہ کو دارین کی عافیتوں سے شاد کام فرمائے آمین۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری آل رسولی کا عالم اسلام کی عبقری شخصیات میں شمار ہوتا ہے۔ احادیث مصطفٰی ﷺ ان کی حیات کا ترجیحی عنوان ہے۔ احادیث مصطفٰی ﷺ کے حوالے سے اعلیٰ حضرت کے ہاں جو وسعت و گہرائی ملتی ہے۔ اس کی دوسری نظیر ماضی قریب میں بمشکل ملے گی محدث سورتی علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت کو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون کی سیکڑوں شاخیں ہیں اور ہر شاخ میں وہ امام یگانہ نظر آتے ہیں۔ ان پہ محققین جو کام کر رہے ہیں اس کی حیثیت ابتدائیہ کی ہے۔ ان کی ذات ہر فن میں بحر ناپیدا کنار نظر آتی ہے جو محقق، مدبر اور مفکر ان کی سمت متوجہ ہوتا ہے ان کے علمی آفاق میں گم ہو جاتا ہے۔ ان کی ذات جب تصور میں آتی ہے تو زبان وقلم کو بال و پر مل جاتے ہیں۔ ان کے نام میں بڑی برکت ہے جو شئی ان کے نام سے منسوب ہوتی ہے اسے انفس وآفاق میں غیر معمولی شہرت و قبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ نمبر بھی ان شاءاللہ تاریخی شہرت حاصل کرے گا۔ رفقائے ادارہ کو ہدیہ تبریک پیش ہے۔

دعاؤں کا طالب
محمد کوثر امام قادری

حضرت مولانا مفتی محمد رحمت علی امجدی

محترم جناب مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ذریعہ ماہنامہ ''**نور مصطفٰی پٹنہ**'' امام اہل سنت

نمبر کی اشاعت کی خبر سے بڑی مسرت ہوئی، ماہنامہ نور مصطفیٰ کی صحافتی تاریخ ہے، اس سے کوئی انصاف پسند آدمی انکار نہیں کرسکتا، اس کے بند ہوجانے کے بعد اہل سنت ایک خلا محسوس کررہے تھے، اب آپ کے ذریعہ اس کی سأۃ ثانیہ ہورہی ہے، ان شاء اللہ العزیز علمی وادبی حلقوں میں اس کے مثبت اثرات مرتب ہوں گے، اب امید بندھ چلی ہے کہ اس کے تسلسل میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی، نور مصطفیٰ نے ہمیشہ فکر رضا کو ہرطرح کی آمیزش سے بچانے کی کوشش کی ہے، راجدھانی پٹنہ میں مسلک اعلی حضرت کے حوالے سے الجامعۃ الرضویہ کی جو صاف وشفاف تاریخ ہے کوئی دوسرا ادارہ اس کی گرد راہ بھی نہیں پاسکتا، دعوے تو دوسرے ادارے بھی کررہے ہیں مگر ان کا دعویٰ دلیل کا محتاج ہے، رواں سال میں بعض اداروں کی رفتار وگفتار سے مسلک اعلیٰ حضرت کو جو چوٹ لگی ہے، سب پہ روشن ہے، اس باب میں الجامعۃ الرضویہ کی اصلاحی کوششیں قابل تعریف ہیں، یہ بات اہل علم وہنر پہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ہماری دینی، ملی اور مسلکی تاریخ کا ایک بہت ممتاز اور نمایاں نام ہے، اعلیٰ حضرت کی دینی وملی، علمی وعملی خدمات ہیں، ہم ان کی خدمات کا احسان تازندگی ادا نہیں کرسکتے، اعلیٰ حضرت اسلامی تاریخ کا وہ واحد چہرہ ہے، جو اپنے عہد میں پورے عالم اسلام پر چھایا ہوا تھا، اس سلسلے میں علما، مشائخ، مفکرین اور ماہرین فقہ وفتاویٰ کے خیالات ونظریات تاریخ کے دامن میں بکھرے ہوئے ہیں، اس مختصر سے تاثر میں ہم علما ومشائخ اور دانشوروں کے تاثرات کو پیش نہیں کرسکتے، جن حضرات کو تفصیلات کی ضرورت ہو وہ اعلیٰ حضرت سے متعلق کتابوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں، اعلیٰ حضرت میں بہت ساری عالمی خصوصیات ہیں ان خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اب تک اعلیٰ حضرت پہ قریب قریب پندرہ سو سے زائد کتابیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوچکیں ہی اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، اس کی رفتار میں مزید تیزی لانے کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ حضرت جس بلند وبالا مقام پر فائز ہیں ان کے شایان شان ترجمانی کا حق ابھی تک ادا نہیں ہوسکا ہے اور نہ ادا ہوسکے گا، وہ ایک بیکراں سمندر تھے جو اس میں غوطہ لگاتا ہے وہ موتیاں اور سیپ نکال لیتا ہے، لیکن اسے کنارہ نہیں ملتا ہے، اس لیے عہد حاضر کا جبری تقاضا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تحقیقات پہ باضابطہ نظم وضبط کے ساتھ کام کیا جائے، کیوں کہ یہی چراغ جلے گا تو روشنی ہوگی، اس کے لیے تحقیقاتی ادارے قائم کیے جائیں، دانشور علما ومفکرین کی باضابطہ ٹیم تشکیل دی جائے، انہیں خاطر خواہ تنخواہیں دی جائیں تاکہ وہ یکسوئی سے کام کرسکیں، بحمدہ تعالی اہلِ ناسک نے اس کی شروعات کردی ہے جس کی زندہ وتابندہ مثال امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر ہے لیکن یہ بھی ابھی ابتدائی منزل میں ہے اسے ابھی بہت آگے جانا ہے، ہماری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اسے بام عروج تک پہونچائے، نیز ”ماہنام نور مصطفیٰ“ کے اس خصوصی شمارہ کو قبول عام عطا فرمائے اور ادارہ کے جملہ ارکان ورفقاے کار کو جزائے خیر سے سرفراز فرمائے، آمین یارب العالمین۔

[میں رفقاے ادارہ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں خصوصیت کے ساتھ سید ولی الدین، حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی، حضرت

مولانا انیس عالم سیوانی، حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی]

خیر خواہ اہل سنت محمد رحمت علی امجدی
خادم تدریس و افتا جامعہ اہل سنت صادق العلوم
شاہی مسجد گھاس بازار، ناسک مہاراشٹر
7385463654

حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد اویسی امجدی

محترم قارئین۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صحافی عصر، آبروئے قرطاس وقلم حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی دام فیوضہم کے ذریعہ معلوم ہوا کہ سرزمین علم وادب عظیم آباد پٹنہ سے نکلنے والا اور تاریخ صحافت میں اپنی ایک منفرد وجداگانہ شناخت رکھنے والا مجلہ ''ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ''، مختصر مدتِ جمود وتعطل گذار کرامسال امام احمد رضا قدس سرہ کے ۱۰۱ رواں عرس رضوی کے عظیم موقعہ پر اعلیٰ حضرت کی حیات وخدمات پر ایک ضخیم خصوصی شمارہ نکالنے جارہا ہے، یہ مژدۂ جانفزا سن کر قلبی مسرت اور دلی فرحت محسوس ہوئی، یقینا اس کی نشاۃ ثانیہ اربابِ قرطاس وقلم، اصحابِ علم ودانش، دانشورانِ قوم وملت اور باذوق قارئین کے لیے بے حد خوشی کا سامان ہے، نیز مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی بارگارہ عالیہ میں حسین خراج عقیدت اور بے نظیر نذرانہ محبت ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات نہ صرف برصغیر ہندوپاک بلکہ پورے عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں، سال گذشتہ آپ کا صد سالہ عرس سراپا قدس تقریبا دنیا کے بیشتر ممالک میں نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا جو آپ کی محبوبیت کی کھلی دلیل اور واضح ثبوت ہے، آپ کا شمار دنیا کی ان عبقری شخصیات میں ہوتا ہے جو اپنے علم وفضل، زہدوورع، تقویٰ وطہارت، دینی خدمات اور مجددانہ شان وشوکت کی وجہ سے پورے عہد پر غالب وحاوی رہی ہے، آپ نے فروغ علم، فروغ عشق اور فروغ عمل میں بڑا نمایاں اور ممتاز کردار ادا فرمایا ہے، آپ کی حیات کا ہر باب اتنا طویل اور ضخیم ہے کہ اب تک آپ کی عہدساز شخصیت اور آپ کی علمی ودینی، ملی وقومی، تصنیفی اور تالیفی خدمات پر درجنوں پی ایچ ڈی اور ایم فل کے مقالے پایہ تکمیل کو پہونچ چکے ہیں اور مختلف یونیورسٹیوں نے اصحاب مقالات کو ڈگریاں تفویض کیں اور گولڈ مڈل سے بھی سرفراز کیا ہے اور کئی مقالے زیر تکمیل ہیں نیز ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک آپ کی حیات وخدمات پر ایک ہزار سے زائد کتب ورسائل اور خصوصی شمارے منصۂ شہود پر جلوگر ہو چکے ہیں مگر پھر بھی اب تک آپ کی حیات کے کئی ایک اہم پہلو تشنۂ تحریر ہیں، ایسی عظیم وجلیل ہستی کی حیات وخدمات پر خصوصی شمارہ کا اجرا بلا شبہ لائق تحسین اور قابل تقلید ہے۔

ہم سرزمین مہاراشٹر کے مفتی ساز منفرد ادارہ امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر زیر اہتمام جماعت رضائے مصطفیٰ شاخ ناسک کے جملہ ارکان وممبران کی جانب سے مجلہ کے تمام ارکان وکارکنان کی خدمت میں مبارکبادیوں کے حسین گلدستے پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ اس کے بڑھتے اقدام کو مزید تقویت واستحکام عطا فرمائے اور اسے روز افزوں شاہراہ ترقی پہ گامزن کرے، فقط والسلام۔

دعا گو ودعا: جومشتاق احمد اویسی امجدی
صدر مفتی و پرنسپل امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر،
ناسک، مہاراشٹر 8830789911

حضرت مولانا مفتی عبدالمالک رضوی

ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ نور مصطفی، پٹنہ کی نشاۃ ثانیہ کی مسرت افزا خبر سن کر دل و دماغ باغ باغ ہو گئے۔مزید یہ کہ عرس رضوی کے پر بہار موقع پر اس کا خصوصی شمارہ امام اہلسنت نمبر کی شکل میں شائع ہو رہا ہے یہ مسرت بالائے مسرت ہے۔اللہ رب العزت اس نمبر کو عوام وخواص کے لیے مفید سے مفید تر بنائے اور باب رضویات میں یہ سنگ میل ثابت ہو۔

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۸۵۶۔۱۹۲۱) عالم اسلام کی وہ عبقری اور نابغہ دہر شخصیت ہیں۔ ماضی کی صدیوں میں جن کی مثال ناپید ہے۔ان کی ذات علوم و معارف کا ایسا بحر ناپید کنار ہے جس میں تقریباً ایک صدی سے اہل علم و دانش غواصی کر رہے ہیں اور اپنے ظرف کے مطابق لوء لوو مرجان حاصل کرنے میں سرگرداں ہیں مگر کسی کے اندر یہ مجال نہیں کہ وہ دعویٰ کر سکے کہ میں ان کی شخصیت کی تہ تک پہنچ گیا۔تحقیقات کی نئی نئی دنیا اور نئے نئے ابواب جیسے جیسے وا ہو رہے ہیں ان کی شخصیت کی نئی نئی حیرت انگیز پرتیں کھلتی جا رہی ہیں۔ نیز یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ گزشتہ ایک صدی میں ذاتی انجمنوں سے لے کر عالمی جامعات تک میں ان کے حوالے سے مختلف جہات پر کام ہوئے ہیں اور تادم تحریر یہ سلسلہ جاری بھی ہے اس تناظر میں آپ کی جد و جہد بھی اسی سلسلۃ الذہب کی تابندہ کڑی ہے مگر پھر بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

امام اہل سنت محدث بریلوی صرف ایک عالم وفاضل اور فقیہ و مجدد ہی نہیں بلکہ وقت کی ضرورت کا نام ہے۔انھوں نے اپنی حیات میں جس طرح لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے کر مذہبی، سیاسی اور معاشرتی بے راہ روی کا سد باب کیا۔آج ایک صدی بعد بھی ان کے افکار و خیالات اور رہنما خطوط انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے مفید و کارآمد ہیں۔وہ صرف ماضی اور حال ہی نہیں بلکہ اپنی مومنانہ فراست سے مستقبل کے احوال و کوائف سے بھی خوب باخبر تھے اس لیے آج بھی ان کے خیالات سے روشنی کشید کر کے آبرومندانہ حال اور تحفظ آمیز مستقبل کا ہمالیائی قلعہ تیار کیا جا سکتا ہے۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ آج سے تقریباً اٹھائیس سال پہلے ماہ نامہ نور مصطفٰی، پٹنہ بہار کی راجدھانی سے نئے رنگ و آہنگ، انقلابی خیالات اور فکر انگیز عزائم کے ساتھ شائع ہونا شروع ہوا تھا اور بہت جلد ہی مذہبی صحافت میں اپنا نمایاں مقام بنانے میں کامیاب بھی ہو گیا تھا جس سے اسلام وسنیت کی نشر و اشاعت بھی ہو رہی تھی اور مسلک اعلیٰ حضرت کا ایمانی وعرفانی پیغام بھی گھر گھر پہنچ رہا تھا مگر محسوس ایسا ہوا کہ جیسے ہی اس کی خدمات کے گہرے نقوش مرتسم ہونے لگے یہ رسالہ بھی اپنے نامی گرامی اور قد آور پیش رؤں کی صف میں صلیب زدہ ہو گیا۔جس پر باحمیت افراد نے اپنے درد و کرب اور اضطراب و اضمحلال کا اظہار بھی کیا جسے محسوس کرتے ہوئے رسالہ کے مؤسس، ہمدرد سنیت سید ولی الدین رضوی صاحب بانی و سربراہ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ نے وقفہ وقفہ سے کئی مرتبہ اس کی نزاعی حالت میں خون جگر پیش کر کے بادہ کشان علم وادب کے

افکار عالیہ کو ضیا بار اور مشام جاں کو معطر کیا مگر اس راہ کی سنگلاخی کی وجہ سے ان کے حوصلے بھی دم توڑ دیا کرتے تھے مگر اس مرتبہ یقین ہے کہ آپ ارواح ثلاثہ یعنی حضرت سید ولی الدین رضوی کی بافیض سیادت، حضرت علامہ ملک الظفر صاحب کی مستحکم قیادت اور آپ کی جہاں دیدہ نظامت وادارت میں رسالہ طویل مسافت طے کرے گا بلکہ میری دلی دعا ہے کہ رسالہ کو کبھی منزل ہی نہ ملے اور یہ ہر دم جواں پیہم رواں کی لذتوں سے محظوظ ہوتا ہوا قارئین کی آسودگی کا سامان اور مسلک اعلیٰ حضرت کا آ ہنی ترجمان بنا رہے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فقیر (مفتی) عبد المالک مصباحی
بانی وسربراہ اعلیٰ دارین اکیڈمی، جمشید پور
8409987217

حضرت مولانا قاری قیصر رضا رضوی

نقیب مسلک اعلیٰ حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ نور مصطفیٰ کا ''امام اہلسنت نمبر'' کے اشاعت کی خبر سن کر بے حد مسرت ہوئی، جس زمانے میں میں مکتب کا طالب علم ہوا کرتا تھا اس زمانے سے سید ولی الدین رضوی ،الجامعۃ الرضویہ اور نور مصطفیٰ کے ذکر سے کان آشنا ہوتے رہے ہیں۔ جب شعور میں پختگی آئی تو محسوس ہوا کہ بہار کی سر زمین پر فکریات رضا کی ترویج کے حوالے سے رفقائے الجامعۃ الرضویہ انتہائی مخلص ہیں۔ فکریات رضا ایک ایسا آئینہ ہے جو کسی طرح کی دھول کو قبول نہیں کرتا۔ رفقائے ادارہ نے قدم قدم پہ اس چیز کا بھرپور خیال رکھا ہے رفقائے ادارہ نے کبھی اس بات کو قبول نہیں کیا کہ:

صبح کو خوب پیا شام کو توبہ کرلی
رند کے رند ،رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ مجھے الجامعۃ الرضویہ میں بحیثیت مدرس خدمت دین کا موقع ملے گا بچپن میں الجامعۃ الرضویہ کی جن خصوصیات سے کان آشنا ہوئے تھے جب بحیثیت مدرس کے حاضر ہوا تو وہ ساری خصوصیات محسوس پیکر میں نظر آئیں۔ سید صاحب کا دل درد ملت سے آشنا ہے۔ لوگ اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لیے ان کی شبیہ خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باغ کا مالی چمن کی شادابی چاہتا ہے، پودوں کی شادابی کے لیے کبھی کبھی وہ سخت قدم بھی اٹھا لیتا ہے۔

ماہنامہ نور مصطفیٰ ،الجامعۃ الرضویہ کا ترجمان اور مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان ہے اس میں سو فیصدی سچائی ہے ۔شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں نے تفسیر اشرفی میں، مسلک اعلیٰ حضرت کو دین اسلام سے تعبیر کیا ہے، اسلام کے جتنے مبادیات ہیں وہ سارے مبادیات مسلک اعلیٰ حضرت میں اپنی اصلی صورت میں موجود ہیں، برصغیر ہندو پاک میں مسلک اعلیٰ حضرت سے جدا ہو کر دین اسلام کا صحیح تصور بہت مشکل ہے۔

نور مصطفیٰ بہت دنوں سے بند تھا، ادھر اپنے سمجھے جانے والے لوگ فتنوں کی پشت پناہی میں مصروف ہو گئے، ان کی اصلاح اور تعاقب کے لیے ایک رسالے کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی ۔تا کہ نام نہاد رہنمایان ملت کی

کارستانیوں سے قوم وملت کو بروقت آگاہ کیا جاسکے۔نور مصطفیٰ کا آغاز''امام اہل سنت نمبر'' سے ہورہاہے۔یہ بڑی مسرت کی بات ہے۔ویسے کتب ورسائل کے خریدنے کا مزاج قریب قریب ختم ہوچکاہے،قوم کی زبوں حالی کا یہ بھی ایک سبب ہے۔بہرحال اہل علم اور اہل عقیدت کو یہ نمبر ضرور اپنی طرف متوجہ کرے گا۔اعلیٰ حضرت ہماری شناخت ہیں ہم اپنی اس شناخت کی ہرطرح حفاظت کریں گے۔دعاہے رب کائنات الجامعۃ الرضویہ،نور مصطفیٰ اور رفقائے ادارہ خصوصاً حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی،حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی اور حضرت مولانا انیس عالم سیوانی کو آسیب روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔آمین

دعاؤں کا طالب: محمد قیصر رضا رضوی

پرنسپل الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

حضرت مولانا قاری محمد سرفراز عالم رضوی

محترم قارئین!

ماہنامہ نور مصطفیٰ ترجمانِ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ کی دینی،ملی اور صحافتی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے،یہ ادارہ اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اپنی شناخت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کی حفاظت وصیانت میں مصروف ہے۔اس حوالے سے ادارہ کبھی کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوا اور نہ ہی اس سلسلے میں اس نے کسی کی رعایت کی۔آج تو عجب رسم چلی ہے کہ لوگ ذاتی مفاد کی خاطر لمحوں میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر لیتے ہیں۔الجامعۃ الرضویہ ایسے اذہان کی ہمیشہ مذمت کرتا رہا ہے اور اس حوالے سے آج بھی اس کی پالیسی بہت واضح ہے۔

زیر نظر نور مصطفیٰ کا''امام اہل سنت نمبر'' اپنے مشمولات کے اعتبار سے انتہائی جامع ہے۔اس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت کا ہرزاویے سے لحاظ رکھا گیاہے۔وقت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ نسل نو اعلیٰ حضرت امام عشق ومحبت کو پڑھتی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ دینی روایات اور اسلاف واکابر سے اس کا رشتہ کمزور ہوتا جارہاہے جب کہ دین کی دولت،اسلاف و اکابر کے قرب سے ملتی ہے۔جس قوم کا رشتہ اپنے اسلاف سے ٹوٹ جاتا ہے وہ قوم تاریکیوں میں گم ہوجاتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت نے اپنی دینی،ملی اور علمی تحقیقات سے پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔اس تعلق سے کافی سے وافی شواہد کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔اعلیٰ حضرت کو صحیح تناظر میں دنیا کے سامنے پیش کرنے میں ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں اور آج بھی ہم اسی ڈگر پہ چل رہے ہیں بلکہ اب تو اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کو نشانہ بنانے کی ذہنیت بھی پروان چڑھ رہی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس مہلک مرض سے محفوظ فرمائے۔آمین

نور مصطفیٰ کی اس فخریہ پیش کش''امام اہل سنت نمبر'' سے نسل نو کی سوچ میں تبدیلی آئے گی اور اعلیٰ حضرت کی تحریک تحریک عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیکراں جذبے کو فروغ ملے گا۔

ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ کی یہ نشاۃ ثانیہ ہے اور اب اس کی شروعات سیریز کے طور پر''امام اہل سنت نمبر'' سے ہورہی ہے۔اس ضخیم ووقیع نمبر کو منظر عام پر لانے میں رفقائے الجامعۃ الرضویہ بالخصوص نامور ادیب حضرت مولانا مفتی محمد ملک الظفر سہسرامی،مسلک اعلیٰ کے بے باک صحافی حضرت مولانا

محمد رحمت اللہ صدیقی ،صلح کلیوں کے لئے برق تپاں، فاضل بغداد حضرت مولانا انیس عالم سیوانی اور مخیر قوم وملت الحاج سید محمد ولی الدین رضوی کی کاوشیں قابل ذکر ہیں رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان حضرات کی خدمات کو قبول فرما کر دارین کی سعادت سے شادکام فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

طالبِ دعا محمد سرفراز عالم رضوی

مدرس الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

حضرت مولانا شمس الحسن ویشالوی

محترم سید ولی الدین صاحب رضوی

ہدیۂ تکریم وتسلیم عافیت طرفین

اللہ تعالیٰ غیب سے آپ کی مدد فرمائے اور آپ کی سچی، واضح رضویت کو پٹنہ کے جملہ سنیوں کے لئے مفید سے مفید تر فرمائے آمین

میں کن لفظوں میں آپ کی ستائش کروں، کہاں سے خوبصورت الفاظ وبیان کے گل ولالہ لاؤں، ویسے تو ہمیشہ سے آپ کے لئے میرا دل نرم رہا اور یہ نرمی اس نسبت کی بنیاد پر پیدا ہوئی جو آپ کو جان ایمان حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل پاک سے ہے، اس میں مزید اضافے کا باعث بنا، آپ کا مرکز اہل سنت کے سچے، مخلص حامیوں، میں ہونا۔

ایک عام آدمی ہوکر سنیت اور فکر رضا کی اشاعت کے لئے آپ کے دل میں جو تڑپ ہے اس کی قدر بھی کرتے ہیں اور تائید وحمایت بھی۔

ہم سب کے مرشد برحق، نبیرۂ اعلیٰ حضرت سرکار تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں حضرت کے حوالہ سے سمینار کا انعقاد، وصال کے بعد اعلیٰ وارفع پیمانہ پر ''معارف تاج الشریعہ'' کی اشاعت اور اب ''امام اہلسنت نمبر'' کے ذریعہ ۱۰۱ /رواں عرس اعلیٰ حضرت کا استقبال، کیا خوب ہمت وجرأت اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہے، ہم جتنی بھی تعریف کریں کم ہے۔

آپ کے عزائم اور حوصلے، آپ کے رفقا کی جماعت سب قابل داد وتحسین ہیں، جو آج کے سراسیمگی کے ماحول اور پُرخطر حالات میں بھی مذہب ومسلک کی بات کررہے ہیں۔

جہاں ہم پر حکومتی، سیاسی، میڈیائی سطح پر دباؤ بنائے جارہے ہیں، دین وایمان کا تحفظ موجودہ حالات میں بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے، یہی نہیں بلکہ ہر مسلمان گھبرایا اور سہما ہوا نظر آرہا ہے، ہر طرف سناٹے کا عالم ہے، اہل اسلام کی جان کے لالے پڑ گئے ہیں، کاروبار خطرے میں ہیں، پھر بھی دیوانوں کی جماعت جان کی نہیں ایمان کی بات کرتی ہے اور وہ ہر لحظہ یہی نعرۂ مستانہ لگاتی پھرتی ہیں:

زمانہ کچھ کہے دیوانے اپنی جان دیدیں گے
مگر دامن نہ چھوڑیں گے تمہارا یا رسول اللہ

ان سب کے بیچ سب سے پریشانی کی بات یہ ہے کہ بعض اپنے کہے جانے والے لوگ آستین کا سانپ بن گئے ہیں، مسلمان غیروں سے تحفظ کرے یا اپنوں کی جماعت میں شامل بیگانوں کی نشاندہی کرے

تو ادھر ادھر کی نہ بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
ہمیں رہزنوں سے غرض نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

علمائے اہل سنت پر پچھلے سو سالوں سے یہ الزامات عائد ہوتے رہے ہیں کہ اہل سنت کے علما، اہل خانقاہ اور بالخصوص

مرکز اہل سنت بریلی شریف سے مسلمانان ہند کے لئے سوا ردّ وہابیہ، دیابنہ اور عرس و نیاز فاتحہ کے کوئی کام نہیں ہوتا۔

سنی علما اور اہل خانقاہ سیلاب متأثرین کے لئے کچھ نہیں کرتے، انگریزی اسکول نہیں کھولتے، ڈھنگ کے مدرسے نہیں قائم کرتے، اصلاح معاشرہ اور غریب و نادار مسلمانوں کی امداد واعانت، فساد زدہ علاقوں میں کوئی تعمیری اور رفاہی کام نہیں کرتے۔

ہمارے علما یہ سنتے رہے لیکن اس کی طرف توجہ کرنے کی بجائے وہ یہی پیغام سناتے رہے

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

سنی علما کی بڑی پریشانی یہ رہی کہ ایک طرف ہماری جان کا مسئلہ ہے، تجارت اور تعلیم کا مسئلہ ہے اس کے علاوہ اور بھی مسائل ہیں لیکن ہمارے لئے جان، تجارت، باز آبادکاری جیسے مسائل سے بڑا ایک اور مسئلہ ہے، وہ ہے ایمان اور عقیدے کا تحفظ، ایک صحیح الدماغ کے نزدیک خدا ورسول کا باغی زندہ رہ کے بھی مردہ ہے اور ایک مسلمان محب صادق مر کر بھی زندہ ہوتا ہے، اسی نبیادی نکتے نے علمائے اہلسنت کو ایک نکاتی منصوبے پر ثابت قدم رہنے پر مجبور کر رکھا ہے اور یہ سودا گھاٹے کا نہیں بلکہ بہت سودمند اور نفع بخش ہے۔

حریص اور طمع پسند لوگوں کے لئے دنیاوی زندگی بہت قیمتی ہے لیکن اہل ایمان کی اصل زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جب روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے اور مومن قبر کی تاریک کوٹھری میں پہنچتا ہے، مومن کی قبر میں آقائے کریم کا جلوہ نظر آتا ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمیں نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی
تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

بریلی کے سامنے ہمیشہ نجدی، وہابی عقائد و نظریات سے مسلمانوں کے دین و ایمان کو بچانا بہت بڑا مسئلہ رہا ہے اور یہ ذمہ داری بریلی نبھاتا رہا ہے اور آج بھی یہ کام نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ تاج الشریعہ، قاضی القضاۃ فی الہند علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری مدظلہ العالی کی قیادت میں ہو رہا ہے لیکن صلح کل کے طرفدار، ضمیر فروشوں کی جماعت بجائے اس کے کہ مذہب حق کی حمایت اور باطل کی اماطت کا فریضہ نبھائیں وہ بریلی کی مخالفت کو بہت بڑا کارنامہ گمان کئے بیٹھے ہیں۔

حالانکہ ٹکوں کے مہنگے ان بدنہادوں کی نہ کوئی گنتی نہ وقعت، روزی روٹی اور اپنی جھوٹی انا کے لئے بے حیائی اور ہرزہ سرائی کے کرتب دکھاتے ہیں۔

سید صاحب! میر تقی میر کا ایک شعر یاد آرہا ہے۔

میرؔ نے کہا تھا:

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا
اب تو چُپ بھی رہا نہیں جاتا

پٹنہ کی سرزمین پر حضرت قاضی عبد الوحید فردوسی محب رضویت اور مخلص امام احمد رضا کی قربانیوں کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ اسی پٹنہ سے بریلی کے نام پر روٹیاں سیکنے والے مولوی جو دھرتی پر بوجھ سے زیادہ کی

حیثیت نہیں رکھتے، بریلی کو آنکھ دکھا رہے ہیں، چوری کرتے ہیں اور پھر سینہ زوری۔

حالانکہ وہ حالات سے بالکل بے خبر اور نا آشنا ہیں، اس لئے کہ وہ اپنی کمین گاہوں سے باہر نہیں نکلتے، انہیں نہیں معلوم کہ جسے وہ اپنے لئے محفوظ پناہ گاہ (جو درحقیقت فتنوں کی آماجگاہ ہے) سمجھ رہے ہیں وہ بھی بریلی کے نام سے ہے ورنہ ایسے لوگ جنہوں نے کسی ڈھنگ کے مدرسے کا منہ تک نہیں دیکھا وہ اپنے نام کے آگے مفتی کا پیوند لگا کر تال ٹھوک رہے ہیں اور یاروں کی جماعت میں اس مجنوں کی طرح ڈینگیں مار رہے ہیں جو پاگل پن میں کہتا ہے کہ اس پوری دنیا کا مالک اور بادشاہ میں ہوں حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے اس کے پاس دماغ نہیں اس لئے ایسا بک رہا ہے جیسے اُس کی دماغی حالت درست ہوتی ہے وہ اپنی بیوقوفی پر نادم ہوتا ہے۔

پٹنہ کی سرزمین پر بعض ایسے مولوی نما جو اعلیٰ حضرت اور بریلی کے نام پر کاروبار چلا رہے ہیں، نام تو مسلک اعلیٰ حضرت کا لیتے ہیں لیکن دل میں بغض وکینہ کی گھٹری چھپائے ہوئے ہیں،

تیرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرّانے والے

لیکن یہ عدیم الحیا، غلاموں سے نہیں جگر کے لالوں سے الجھ رہے ہیں۔

ایک عرصہ سے یہ پالیسی چلی آرہی ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اعلیٰ حضرت کو مانتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت کے جانشینوں سے اختلاف کرتے ہیں، بعض وہ جو کہتے ہیں اعلیٰ حضرت کہیں تو مان لیں گے، مفتی اعظم کہیں تو مان لیں گے لیکن مفتی اعظم اور اعلیٰ حضرت کے علم وفضل کے امین تاج الشریعہ کہیں گے تو ہم ان سے بحث کریں گے، دنیا نے دیکھ لیا کہ تاج الشریعہ سے بحث کرنے کا مزاج رکھنے والے کوّوں کو سنیوں نے ٹکے کے بھاؤ میں بھی نہیں گردانا، اب کچھ ایسے بیوقوف اور نادان نقاب سے باہر آئے ہیں جو شہزادۂ تاج الشریعہ سے مقابلے کی بات کرتے ہیں، ہم انہیں علی الاعلان چیلنج کرتے ہیں کہ جب جماعت نے مفتی نظام الدین صاحب مصباحی، مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا یسین اختر مصباحی، مولانا مطیع الرحمن پورنوی کو کسی خانے میں نہیں رکھا تو یہ بگلا بھگت خودساختہ مفتی وقاضی کس کھیت کی مولی ہیں۔

جہاں بڑے بڑے ڈھول وہاں ٹمکی کے مول

علم ضرور گھٹ رہا ہے، اکابر اٹھ رہے ہیں لیکن علم ابھی اتنا بھی نہیں اٹھ چکا ہے کہ جماعت جاہلوں اور بے بہروں کو مفتی وقاضی سمجھ لے۔

جنہیں اتنا شعور نہیں کہ رویت ہلال کے ثبوت کے طریقے کیا کیا ہیں، اعلان، خبر اور شہادت کی تمیز جنہیں نہیں وہ ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم احترام کرتے ہیں خانوادے کا، رہی بات علم کی تو ہمارے شاگردوں سے بات کرکے دیکھیں، واہ کیا کمال کے رضوی ہیں، ایسے اوباش اپنے کو مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کا مرید گمان کریں تو کمال بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے۔

سید صاحب بہت صاف ستھرے انداز میں یہ حقیر عرض کرتا ہے کہ بریلی کے مقابلے میں چاہے کوئی سید سراواں کا بابا ہو، یا ناگپوری نابکار ہوں یا کسی ادارۂ شرعیہ کا کوئی مزدور ہم

ایسوں کو جوتی کی ٹھوکروں سے اڑا دیتے ہیں۔

وہ زباں لفظ کے خنجر سے قلم کردوں گا
جو بھی اسلاف کے کردار پہ نکتہ رکھے

کیا کمال کا ادارۂ شرعیہ ہے، وہابیوں، دیوبندیوں کے ساتھ میٹنگ کریں، شیعہ وقف بورڈ کے اہتمام میں مدرسہ قائم کریں، چاند پورنیہ کمشنری کے مفتی دیکھیں اور بغیر شہادت شرعی کے پٹنہ سے سنٹرل مفتی اعلان جاہلانہ فرمائیں، ادارہ کے ذمہ دار کہے جانے والے لوگ پھلواریوں، مجیبیوں، صلح کلیوں کی نماز جنازہ میں شرکت کریں۔

پوری جماعت کے برخلاف نادانی اور خبط الحواسی کے باعث مسلمانوں کو پیشگی مشورہ دے ڈالیں کہ چرم قربانی کو دفن کردیں۔لاحول ولاقوۃ۔کیا اسی کا نام ادارہ شرعیہ ہے،ارے بھائی روزی روٹی کے لئے کوئی اور دوکان کھول لو،اس طرح کی حرکت جہاں ہوتی ہو اسے ادارۂ شرعیہ نہیں ادارۂ جبریہ ہونا چاہئے۔

ادارۂ شرعیہ پٹنہ کی تاریخ شاید لوگ بھول گئے ہوں تو بتا دوں کہ اس کے بانی مبانی قائد اہل سنت، پاسبان ناموس رسالت، رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بلیاوی نے اس ادارہ کو مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت کے لئے قائم کیا تھا مسلک کے کنیا دان کے لئے نہیں، نوخیز اور نو آموز مفتیوں، قاضیوں سے پوچھو، مولانا رکن الدین اصدق سے اخیر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے کیوں ادارہ شرعیہ سے ہٹا دیا تھا؟ اس لئے کہ ان کا نقطۂ نظر بریلی کے تعلق سے بہت صاف شفاف نہیں تھا، تو جب بانیٔ ادارہ نے مولانا رکن الدین اصدق جیسے معمر اور بڑے مصباحی عالم کو جو کہ بہار کے ایک مشہور خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں، برداشت نہیں کیا تو آپ جیسے طفل کی کیا گنتی، بریلی کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز پر ہماری نظر رہے گی۔ یہ ہمارے جذبات نہیں ہیں بلکہ حقیقت ہے۔

سید صاحب! اگر آپ برداشت کرسکیں تو میرا یہ پیغام اپنے نمبر میں شامل فرمائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ شہزادگان اعلیٰ حضرت کو چیلنج کرنے والوں کا ناطقہ بند کرنے کے لئے کسی شہزادے کی نہیں پٹنہ اور اس کے اطراف میں ایسے رضوی ہیں جو مخالف کلائیوں کو مروڑنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

سید صاحب اعلیٰ حضرت، مسلک اعلیٰ حضرت اور اپنے آقاؤں سے آپ کی غیر مشروط وابستگی پہ مجھے رشک آتا ہے آپ نے امسال بڑے پیمانے پر یوم رضا منایا جس میں صاف ستھری شبیہ رکھنے والی شخصیات کو مدعو کیا۔ ملک کے جید عالم دین، مستند فقیہ اور نامور خطیب حضرت علامہ مفتی شمشاد احمد رضوی، جامعہ امجدیہ گھوسی، کو بحیثیت خطیب کے دعوت دی۔ پوسٹر میں مفتی صاحب قبلہ مدظلہ کا نام دیکھ کر ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ آپ کو ڈرانے دھمکانے کی کوشش بھی ہوئی۔ مفتی صاحب کا نام بریلی شریف کے وفاداروں میں بہت نمایاں ہے۔ حضور تاج الشریعہ برسر اسٹیج ان کا نام لے کر دعائیں کرتے تھے۔ ان کا خطاب بغور سنتے تھے اور خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ جو لوگ مفتی شمشاد صاحب کی آمد پہ چراغ پا ہیں وہی لوگ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر صاحب کو اپنے اکثر پروگرام میں میر مجلس وصدر نشین بناتے ہیں۔ یہ وہی مفتی مطیع الرحمٰن صاحب ہیں جو حضور تاج الشریعہ کو قائد اہل سنت

تسلیم نہیں کرتے ، بریلی شریف کو مرکز اہل سنت نہیں مانتے ،اس سلسلے میں ان کی تحریر موجود ہے۔ڈاکٹر طاہر القادری جن کے کفر وارتداد پہ پوری دنیا کے علمامتفق ہیں مفتی صاحب انہیں مومن کامل مانتے ہیں، سید سراواں کے ڈھونگی ابومیاں جس کی گمراہی اور بد مذہبیت پہ پورا ملک متحد ہے مفتی صاحب کے نزدیک ان پہ توبہ بھی لازم نہیں ہے۔مفتی صاحب فرماتے ہیں سید سراواں میں ہمیں اپنے پیر (حضور مفتی اعظم) کی گلیوں کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔مفتی مطیع الرحمٰن مضطر صاحب کے ذریعے وہ اہل بہار کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں ۔ہم ان کے اس طرح کی حرکتوں کو کون سا نام دیں۔مسلک نوازی کا یا مسلک بیزاری۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا
عزم محکم ہو تو ہوتی ہیں بلائیں پسپا
کتنے طوفاں کو پلٹ دیتا ہے ساحل تنہا

شمس الحسن ویشالوی
۵/اکتوبر ۲۰۱۹ء

حکیم الامت حضرت مولانا مفتی عبد الحکیم نوری

عالی جناب سید ولی الدین صاحب۔سلام مسنون

امید ہے کہ بخیر و عافیت ہوں گے۔ یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آپ ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ کا ''امام اہل سنت نمبر'' شائع کرنے والے ہیں یقیناً یہ آپ جیسے لوگوں کے دل گردے کی بات ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی ہر طرح سے حمایت کرنا، ان کے مخالفین کا کھل کر رد و ابطال کرنا، ان کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کی دھجی اڑا دینا، مکروفریب، ظاہری باطنی ہر قسم کی سازشوں کو بے نقاب کردینا اور ہر محاذ پر امام احمد رضا اور مسلک اعلیٰ حضرت کی حمایت میں سینہ سپر رہنا بلا شبہ علمائے بہار کی موروثی چیز ہے۔

اعلیٰ حضرت کے حیات ظاہری میں یا بعد وصال فتنہ چاہے جہاں سے اٹھا رام پور ہو، بدایوں ہو، الہ آباد ہو یا کہیں اور ہو قاضی عبد الوحید فردوسی سے لے کر آج تک یہ علمائے بہار ہی ہیں جو ہر اٹھنے والے فتنہ کا کھل کر جواب دیتے رہے ہیں کبھی کسی مصلحت کو قریب بھی آنے نہیں دیا۔اس پر جس قدر علمائے بہار کو مبارک باد دی جائے کم ہے۔

اس سلسلہ کی ایک حسین کڑی ''ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ'' ہے یہ حمایت رضا کی واضح دلیل ہے کہ اس کی نشاۃ ثانیہ امام احمد رضا کے تذکرے سے ہو رہی ہے۔

سید صاحب مجھے یہ کہنے میں ذرہ برابر خوف نہیں کہ اس زمانے میں قاضی عبد الوحید کے نقش قدم پر کلک رضا علامہ رحمت اللہ صدیقی صاحب بھر پور چل رہے ہیں اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو یہ ضرور کہتا کہ قاضی صاحب کی روح رحمت اللہ صدیقی کے پیکر میں کام کر رہی ہے لیکن یہ جائز نہیں ہے اس لئے میں یہ ضرور کہ سکتا ہوں کہ قاضی صاحب کی روحانیت اور روحانی تصرف کا دوسرا نام کلک رضا علامہ رحمت اللہ صدیقی ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو، رفقائے ادارہ کو اور بالخصوص علامہ ملک الظفر صاحب سہسرامی اور فاضل بغداد علامہ انیس عالم صاحب سیوانی کو دارین کی سعادتوں سے شادکام فرمائے اور اس خصوصی شمارہ کو مقبول انام بنائے ۔آمین ثم آمین یارب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

فقط گدائے کوچہ مفتی اعظم عبد الحکیم نوری

حضور محدث کبیر نے حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی کے چھوٹے صاحبزادے محمد مونس رضا صدیقی کو قرآن پاک شروع کرایا

۱۳ر محرم الحرام ۱۴۴۱ھ بعد نماز جمعہ کیلاش کمپاؤنڈ سنٹرل ممبئ محترم زبیر برکاتی کے دولت خانہ پر حضور محدث کبیر علامہ مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری مدظلہ العالی نے مدیر پیغام رضا ممبئ مولانا رحمت اللہ صدیقی کے فرزند اصغر محمد مونس رضا کو سورۃ الفاتحہ اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات پڑھا کر افتتاح تعلیم قرآن فرمایا اور اپنی پُرتاثیر دعاؤں سے نوازا، اس موقع پر محدث کبیر کے داماد مفتی شاہد رضا صاحب، مولانا انیس عالم سیوانی و دیگر صاحبان موجود تھے۔

نماز جمعہ کی امامت برکاتی مسجد میں حضور محدث کبیر نے فرمائی، نماز سے قبل مفتی شاہد رضا صاحب کی فرمائش پر صلح کلیت اور جماعت میں پھیلی آزاد خیالی کے خلاف مولانا انیس عالم سیوانی نے خطاب کیا، آپ نے کہا کہ افسوس ہے کہ آج بہت سے سنی رضوی، برکاتی، اشرفی کہے جانے والے حضرات صلح کل کی بات کر رہے ہیں، لوگ چاہتے ہیں کہ وہابیوں، دیوبندیوں کے ساتھ ملنا جلنا ہو جائے، کچھ لوگ مسلک کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں تو کچھ لوگ مسئلوں میں اختلاف کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا حضور محدث کبیر اس زمانے میں اعلیٰ حضرت کے مسلک کے سچے پاسبان اور رضویت کے نگہبان ہیں، ان کے قول و فعل سے سنیت کو تقویت ملتی ہے، آپ نے کہا کہ جہاں آپ سے محبت کرنے والوں کی تعداد بہت ہے وہیں آپ کے مخالفین اور حاسدین بھی کافی ہیں لیکن آپ کی جتنی مخالفت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اتنی ہی آپ کی عزت و عظمت میں اضافہ فرما دیتا ہے۔

آپ کے مخالفین آپ کی مقبولیت اور عزت کے سبب حسد کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے محدث کبیر کو جو رتبہ بخشا ہے وہ ان کی دینی خدمات کا نتیجہ ہے، آپ نے کہا کہ ہم جیسے ہزاروں طالبان علوم نبویہ اپنا پیشوا اور قائد حضور محدث کبیر کو مانتے ہیں اور ان کے مخالفین کو دندان شکن جواب دینے کی ہمت رکھتے ہیں۔

رسم افتتاح قرآن حکیم کے بعد حضور محدث کبیر نے حاضرین اور بچے کے حق میں پُرتاثیر دعائیں کیں بعدۂ شیرینی وغیرہ سے حاضرین کی ضیافت ہوئی۔ حضور محدث کبیر نے اپنے ہاتھوں سے بچے کا منھ میٹھا فرمایا۔ رب کائنات سے دعا ہے کہ بچے کو دین و سنیت کے لیے مفید سے مفید تر بنائے۔ آمین بجاہ سید مرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

منجانب: ادارہ

باب سوم نبویات

سید اولاد رسول قدسی، امریکہ

آقائے کائنات کے مشاہیر اجدادِ کرام

ربِّ کائنات نے رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ صرف یہ کہ انبیاءِ کرام ورسولان عظام علیہم السلام سے افضل واعلیٰ اور جملہ خلائق سے برتر وبالا بنا کر اس خاکدانِ گیتی میں مبعوث فرمایا بلکہ آپ کو تمام دنیا پر قبضہ بھی عطا فرمایا یہاں تک کہ کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے قبضۂ اقتدار اور غلبۂ اطاعت سے باہر ہو۔اس سلسلے میں زرقانی علی المواھب کی وہ روایت پیش کی جاسکتی ہے جسے خطیب بغدادی نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان تحریر فرمایا ہے۔

آپ فرماتی ہیں کہ میرے نورِ نظر، لختِ جگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جب ولادت ہوگئی تو ناگہاں میں نے کیا دیکھا کہ ایک ایسی بدلی نمودار ہوئی جس میں روشنی کے ساتھ گھوڑوں کی ہنہناہٹ، پرندوں کی پرواز کی آواز اور کچھ انسانوں کی بولیاں سنائی دینے لگیں پھر یک لخت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ تلاشِ بسیار کے بعد وہ مجھے کہیں بھی نظر نہیں آئے۔معاً میں نے سنا کہ کوئی بطور اعلان یہ کہہ رہا تھا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشرق ومغرب میں گشت کراؤ تاکہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ ان کے نام اور ان کی صفات سے واقف ہوجائے اور تمام انس وجن وملائکہ اور پرند وچرند کے سامنے پیش کروتاکہ سبھوں کو ان کی معرفت حاصل ہوجائے اور انہیں جملہ انبیاء کرام ورسولان عظام کے کمالات واوصاف سے مزیّن کردو۔پھر تھوڑی دیر کے بعد بدلی غائب ہوگئی اور میرا لختِ جگر میرے سامنے ریشم کے سبز کپڑے میں لپٹا ہوا اس حال میں موجود تھا کہ اس کے کپڑے سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے۔آپ فرماتی ہیں جوں ہی میری نظر ان پر پڑی تو میری آنکھیں یہ دیکھ کر خیرہ ہوگئیں کہ ان کا رخِ زیبا بدرِ منیر سے بھی زیادہ چمکتا نظر آرہا تھا اور ان کے پاکیزہ بدن سے مشک کی ایسی بھینی بھینی خوشبو اُٹھ رہی تھی کہ گردونواح کا ذرّہ ذرّہ مشک بار محسوس ہونے لگا۔ پھر میں نے دیکھا کہ یکایک تین اشخاص آئے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا لوٹا، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت اور تیسرے کے ہاتھ میں ایک چمکدار انگوٹھی تھی۔تیسرے شخص نے انگوٹھی کو سات مرتبہ دھو کر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت لگا کر ریشم کے کپڑے پر لپیٹ کر میری آغوش میں ڈال دیا۔

خداوندِ قدوس نے جہاں اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر اوصاف وکمالات میں ساری مخلوقات میں افضل واعلیٰ بنایا وہیں حسب ونسب کے اعتبار سے بھی آپ کو مابہ الامتیاز فضیلت بخشی۔ میرے اس دعوے کے اشتہاد میں مشکوٰۃ شریف فضائل سید المرسلین کی مندرجہ ذیل حدیث کافی ووافی ہوگی۔ بعینہٖ ایسی ہی حدیث مسلم شریف کے اندر بھی موجود ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ''کنانہ'' کو برگزیدہ بنایا اور کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا۔ ایک عربی شاعر نے بڑے واضح انداز سے اس حقیقت کی اس طرح عکاّسی کی ہے۔

لہٗ النسب العالی فلیس کمثلہٖ

حسیبٌ نسیبٌ منعمٌ متکرَمٌ

یعنی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نسب پاک اس قدر بلند وبالا ہے کہ کوئی بھی حسب والا، نسب والا، نعمت والا اور بزرگی والا آپ کے مثل نہیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افضل واعلیٰ خاندان کی شرافت ونجابت ایسی مسلّم ہے کہ دوست تو دوست بدترین دشمن کفارِ مکہ کو بھی مجال انکار نہ رہی۔ جیسا کہ بخاری شریف کی پہلی جلد کے اندر جناب ابوسفیان کا قول واقرار آج بھی منقش ہے۔ ہر چند کہ ابوسفیان اس زمانے میں نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے مگر پھر بھی **الحق یعلو ولا یعلیٰ** کے تحت ہرقل شاہِ روم کے سامنے بھرے دربار میں آپ کے اعلیٰ نسب کا اعتراف کرتے ہوئے یہ برملا اظہار کرنا پڑا ''**ھو فینا ذو نسب**'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم میں عالی نسب ہیں۔ سرکارِ ابدقرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسب ونسب سے متعلق ہرقل کے سوال پر ابوسفیان کچھ بھی کہہ سکتے تھے کیوں کہ ان کا مقصودِ اصلی شاہِ روم کی نظروں میں رسولِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقار کو مجروح کرنا تھا مگر چاہ کر بھی وہ ایسا نہ کرسکے برخلاف اس کے انہیں کہنا پڑا کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نسب وحسب کے اعتبار سے ہم سب سے اعلیٰ وارفع ہیں۔ اسے کہتے ہیں۔**الفضل ما شھدت بہ الاعداء**۔ یعنی فضیلت اسے کہتے ہیں کہ دشمن بھی سرِ تسلیم خم کردیں۔

واضح رہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد مومن اور موحد گزرے ہیں جیسا کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں پاک اصلاب سے پاک ارحام کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی مایۂ ناز کتاب ''**شمول الاسلام لاباء ہ الکرام**'' میں دلائل باہرہ کے ساتھ تفصیلاً یہ ثابت کیا ہے کہ بلاشبہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء واجداد موحد مومن تھے۔ ربِّ کائنات نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو ایسی انفرادیت بخشی کہ حضرت شیث علیہ السلام جو آپ کے جدِّ امجد ہیں تنہا پیدا ہوئے تاکہ نورِ مصطفی کا اور کسی دوسرے کے درمیان اشتراک نہ ہو۔ واضح رہے کہ حضرت شیث علیہ السلام کی

ولادت سے قبل حضرت بی بی حوّا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہر حمل میں جڑواں بچے یعنی ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''مدارج النبوۃ'' کے جلدِ ثانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا سے رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے فرزندِ ارجمند حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اس نورِ مصطفیٰ کو پاک بیویوں میں منتقل کرنا۔ اسی طرح خود شیث علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت انوش کو اور پھر حضرت انوش نے اپنے فرزند کو یونہی اس وصیت کا سلسلہ قرناً بعد قرنٍ بدستور چلتا رہا یہاں تک کہ یہ نورِ مبارک حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منتقل ہو کر حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک آیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروری حدیث ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت کریمہ ''لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ '' کے فا کو زبر سے پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ میں نسب وصہر وحسب کے اعتبار سے تم سب میں نفیس تر ہوں۔ یعنی اگر اَنْفُسِكُمْ '' کے فا کو بجائے ضمّہ کے فتحہ سے پڑھا جائے تو لفظ ہوگا اَنْفَسِكُمْ جس کا معنیٰ ہوگا نفیس ترین کیوں کہ اَنْفَسْ نفیس کا اسم تفضیل بن جائے گا۔

جناب ابونعیم نے ''دلائل'' میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث یوں تحریر فرمائی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ میں نے زمین کے مشارق ومغارب کو دیکھا ہے مگر میں نے کسی شخص کو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل پایا اور نہ کسی کی اولاد کو بنی ہاشم سے۔

جیسا کہ ہم اس سے پہلے مسلم شریف کی حدیث پیش کر چکے ہیں کہ سرکار ابدقرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ربِّ کائنات نے اولادِ اسماعیل میں سے کنانہ کو، کنانہ میں سے قریش کو چنا اور برگزیدہ بنایا۔ آیئے ہم قریش سے متعلق چند تحقیقی معلومات فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ لفظ قریش حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دسویں پشت کے دادا حضرت فہر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ہے۔ اسی لقب کی مناسبت سے ان کی اولاد قریش یا قریشی سے متعارف ہونے لگی۔

جہاں تک لفظِ قریش کی وجہ تسمیہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔ ان اقوال مختلفہ میں مشہور قول وہی ہے جو مذکورہ بالا سطروں میں بیان کیا گیا کہ یہ حضرت فہر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ہے۔ اب رہی یہ بات کہ آپ اس لفظِ قریش سے کیوں ملقب ہوئے۔ یہ جاننے کے لئے ہمیں لفظِ قریش کے معانی پر غور کرنا ہوگا۔ ان معانی میں سے ایک تو یہ ہے کہ قریش ایک ایسے سمندری جانور کا نام ہے جو اس قدر قوی ہوتا ہے کہ سمندر کا کوئی اور جانور اس پر غلبہ حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے اور یہ ایسا غالب ہوتا ہے کہ دیگر آبی جانوروں کو بڑی آسانی کے ساتھ لقمہ بنالیتا ہے۔ چونکہ ربِّ کائنات نے حضرت فہر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر ایسی طاقت وشجاعت ودیعت فرمائی تھی کہ آپ عرب کے جملہ قبائل پر ہمیشہ غالب رہتے تھے اس لئے آپ کو قریش کے لقب سے سارا عرب یاد کرتا تھا۔ میرے اس دعوے کا

پشت پناہ شمرخ بن عمروحمیری کا مشہور زمانہ مندرجہ ذیل شعر ہے۔ جو ''زرقانی علی المواھب'' کی جلد ثانی میں مرقوم ہے۔

وقریش ھی التّی تسکن فی البحر
بھا سمیت قریش قریشا

یعنی قریش ایک ایسا جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اس کے نام کی مطابقت کرتے ہوئے قبیلۂ قریش کو قریش کہا جانے لگا۔

اس سے پہلے کہ ہم قریش کی دیگر وجوہات بیان کریں ایک اہم بات ذہن نشیں فرمالیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ بھی ایک مابہ الامتیاز وصف ہے کہ آپ اپنے والدگرامی اور اپنی والدۂ محترمہ دونوں کی جانب سے قریش ہیں کیوں کہ حضرت بی بی آمنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا سلسلۂ نسب حضرت فہر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصل ہوجاتا ہے۔

اب لفظِ قریش کی وجہ تسمیہ سے متعلق دوسرا قول ملاحظہ کریں وہ یہ کہ لفظِ ''قریش'' مشتق ہے تقرش سے جس کے معنیٰ مجتمع اور یکجا ہونے کے ہیں چونکہ قریش دیرینہ باہمی اختلاف وافتراق وانتشار کے بعد حرم پاک میں دوبارہ یکجا ہو کر متحد ہوگئے تھے اس لئے انہیں قریش کہا جانے لگا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ قرش کا معنیٰ ہے کسب وہنر۔ چونکہ قریش کا اہل ہنر ہونا اور کسب معاش کے سلسلے میں تجارت کرنا انتہائی مشہور ومعروف تھا اس لئے انہیں قریش سے مخاطب کیا جانے لگا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ لفظ تقرش کا معنیٰ ہے تفتیش اور چھان بین کرنا۔ چونکہ اہل قریش ایّام حج میں بالخصوص فقراء کے حالات کی اچھی طرح تفتیش کرنے کے بعد ان کا تعاون کرتے تھے اس لئے انہیں قریش سے یاد کیا جانے لگا۔ واضح رہے کہ ان تمام اقوال میں سے پہلا قول ارجح ہے یعنی قریش حضرت فہر بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب تھا اور اس لقب کے تناظر میں آپ کی اولاد پر لفظِ قریش یا قریشی کا اطلاق ہونے لگا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجدادِ کرام میں ایک بہت ہی اہم نام حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا آتا ہے۔ یہ آپ کی چھٹی پشت کے جدِّ مکرم ہیں۔ یوں تو آپ کے سارے اجدادِ کرام آفتاب وماہتاب سے بھی زیادہ روشن رہے مگر حضرت مرہ بن کعب کیسب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اپنے دور میں یوم عروبہ یعنی یوم جمعہ مقرر فرمایا۔ نہ صرف یہ کہ آپ نے یوم جمعہ مقرر فرمایا بلکہ اس دن آپ تمام قریش کو جمع فرمایا کرتے اور اس دن کے اہتمام وانصرام میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔ جب لوگو جوق در جوق مجتمع ہوجاتے تو حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بلند مقام پر قیام پذیر ہوکر انتہائی بلیغ خطبہ دیتے اور اپنے خطبہ میں خصوصی طور پر سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد پاک کا مژدۂ جانفزا سناتے اور بڑے ہی مفتخرانہ انداز میں شکر الٰہی ادا کرتے ہوئے فرماتے کہ اے اہل قریش! یاد رکھو نبیٔ آخر الزماں جو ساری کائنات کے قیامت تک کے لئے رسول بن کر تشریف لائیں گے اور عرب سے شرک وکفر کا خاتمہ فرمائیں گے بحمدہٖ تعالیٰ وہ میری نسل سے ہوں گے اور عرش میں ان کا نام احمد اور فرش میں ان کا نام محمد ہوگا۔ یہ وہی نبی آخرالزماں ہوں گے جن کی آمد کی بشارت ہر نبی اپنے زمانے میں دیتے آئے اور اپنی امتوں سے ان پر ایمان

لانے کا وعدہ لیتے رہے (بشرطیکہ وہ ان کا مبارک زمانہ پائیں) لہٰذا میں تم سب کو تلقین کرتا ہوں اگر تم میں سے کوئی بھی ان کا زمانہ پائے تو اپنی خوش بختی پر ناز کرتے ہوئے ان پر ضرور بالضرور ایمان لائے۔ جو ان کا زمانہ پانے کے بعد ان پر ایمان نہ لائے تو وہ دنیا و آخرت میں خائب و خاسر رہے گا اور وہ اخروی نجات سے یکسر محروم رہے گا۔ علاوہ ازیں حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرب کے انتہائی فصیح و بلیغ شخصیت کے مالک تھے اور شاعری میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

یہی وجہ ہے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت اور لوگوں کو آپ پر ایمان لانے کی تلقین سے متعلق انہوں نے بہت سارے ایسے اشعار کہے ہیں۔ جن کو پڑھنے کے بعد جہاں آپ کی شاعرانہ قدرت کا اعتراف ناگزیر ہوجاتا ہے وہیں آپ کی حق پسندی اور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے لوث محبت و عقیدت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔ ان قابل صد ستائش اشعار میں سے ایک شعر نذرِ قارئین ہے۔

لیتنی شاهداً فحواء دعوته

اذا قريش تنفي الحق خد لانا

حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت قصی بن کلاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چوتھے جدِّ کریم ہیں۔ حضرت قصی بن کلاب کا نام نامی اسم گرامی تاریخ عرب میں اس قدر نمایاں ہے کہ اسے کبھی فراموش کیا نہیں جاسکتا۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ آپ نے مختلف منتشر قبائل کو بڑی جانفشانیوں کے ساتھ یکجا کر کے مکۃ المکرمہ میں آباد ہونے اور امن و امان سے زندگی گزارنے کا موقع فراہم کیا۔ اس سے پہلے کہ ہم حضورِ والا کے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالیں آپ کے مقدس نام کی وجہ تسمیہ سماعت فرمالیں۔ لفظ ''قصی'' بروزن فعیل تصغیر کا صیغہ ہے قصی کا لغوی معنیٰ ہے بعید۔ آپ کا نام قصی اس لئے رکھا گیا کہ آپ کی والدۂ محترمہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایّامِ حمل میں اپنے قبیلے سے دور بلاد قضاعہ میں جا کر بود و باش اختیار کر لی تھی۔

جب آپ نے ہوش سنبھالا تو کیا دیکھا کہ مکہ مکرمہ کے حالات انتہائی کشیدہ اور دگرگوں ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب کے قبائل خزاعہ نے مکہ شریف میں غلبہ حاصل کرنے کے بعد مکۃ المکرمۃ کے قبائل کو دیگر دور دراز علاقوں میں منتشر ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ آپ نے بڑی کد و کاوش سے بکھرے ہوئے قبائل کو مجتمع کیا اور ان کے اندر ایسی ہمت و شجاعت کی روح پھونکی کہ سب نے متحد ہو کر بالآخر بنو خزاعہ سے مکۃ المکرمۃ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ آپ کا یہ ایسا شاندار کارنامہ ہے جو بلا شبہ آپ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ لوگوں کی آسانی کے لئے آپ ہی نے دار الندوہ کا بھی قیام فرمایا۔ یہی وہ دار الندوہ تھا جہاں قریش جمع ہوتے اور باہمی مشوروں سے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔

اب آیئے رسولِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد گرامی کے دادا یعنی آپ کے پردادا حضرت ہاشم بن عبد مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات طیبہ کی خوشبوؤں سے مشام جاں معطر کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت ہاشم کا نام عمرو ہے اور ہاشم آپ کا لقب۔ روضۃ الاحبار کی روایت کے پیش نظر

حضرت ہاشم اوران کے بھائی عبدالشمّس دونوں اس طرح جڑواں پیدا ہوئے تھے کہ دونوں کی پیشانیاں باہم متصل تھیں۔

بڑی کوششیں کی گئیں اور مختلف طریقے استعمال کئے گئے مگر جدا نہ ہوسکیں۔ انجام کار تلوار سے الگ کیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق پیشانیاں نہیں بلکہ دونوں کی کمر جڑی ہوئی تھی۔ بہرحال پیشانیاں ہوں یا کمر اتنا ضرور ہے کہ بذریعۂ تلوار الگ کرنا پڑا۔ بعض مؤرخین نے اس واقعہ کو دونوں کی اولاد کے مابین دیرینہ جنگ وجدال کی علّت قرار دیا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ربِّ قدیر نے آپ کو گونا گوں خصوصیات وصفات کا حامل بنایا تھا۔ آپ اس قدر وجیہ تھے کہ جو انہیں دیکھتا تو دیکھتا ہی رہ جاتا۔ آپ کے چہرۂ انور سے جہاں وجاہت کی شعاعیں پھوٹتی تھیں وہیں جاہ وجلال اور شان وشوکت کی ایسی روشنیاں نکلتی تھیں کہ دیکھنے والا نہ چاہ کر بھی آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ پورے عرب میں آپ کی شجاعت کا ایسا سکّہ بیٹھا ہوا تھا کہ دشمن آپ کے نام سے کانپا کرتا تھا۔ بڑے سے بڑا بہادر آپ سے متصادم ہونے سے پہلے ہی ایسا مرعوب ہوجاتا کہ جیسے کاٹو تو خون نہ نکلے۔

آپ کی مذکورہ بالا صفات تو قابل قدر تھیں ہی اس پر مستزاد آپ کا جذبۂ سخاوت لوگوں کو مسخر کئے ہوئے تھا۔ اسی جذبۂ سخاوت کا بین اثر تھا کہ آپ پورے عرب میں اعلیٰ درجے کے مہمان نواز مانے جاتے تھے۔ آپ کا خود لقب ''ہاشم'' آپ کی مہمان نوازی کا آج بھی کلمہ پڑھ رہا ہے۔ ہوا یوں کہ آپ کے دور میں پورے عرب میں قحط سالی کا ایسا شدید حملہ ہوا کہ لوگ دانے دانے کو ترسنے لگے۔ چاروں طرف بھوک مری کی مکدّر فضا چھائی ہوئی تھی۔ مزید برآں حج کا زمانہ بھی آپہنچا۔ گویا حالات انتہائی پرآشوب اور ناقابلِ برداشت ہوگئے۔ سارا عرب ذہنی طور پر مفلوج ہوکر رہ گیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی شدید قحط سالی اس سے پہلے کبھی عرب میں رونما نہیں ہوئی۔ بہرکیف ایسے نازک اور سنگین موقع پر بھلا حضرت ہاشم جیسا سخی اور مہمان نواز خاموش ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کیسے سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے بلا تاخیر ملک شام کے لئے رخت سفر باندھا اور وہاں سے ڈھیر ساری خشک روٹیاں خرید کر مکۃ المکرمۃ پہنچے اور اونٹ کے گوشت کے شوربہ میں روٹیوں کا چورہ کر کے ثرید بنا کر تمام حاجیوں کو اتنا کھلایا کہ سب کے سب شکم سیر ہوگئے۔

چونکہ ''ہاشم'' کا لفظی معنیٰ ہے روٹیوں کا چورہ کرنے والا اور اسی واقعے کے بعد ہی سے آپ کا لقب ہاشم پڑ گیا اور یہ لقب اس قدر مشتہر اور زبان زد خاص وعام ہوگیا کہ دنیا بجائے آپ کے نام عمرو کے ہاشم سے جاننے پہچاننے لگی۔ واضح رہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ثرید بے حد پسند تھی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ ثرید لذت آمیز ہونے کے باوصف کھانے والے کو جلد شکم سیر بھی کردیتی ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ''دیگر کھانوں میں ثرید کی فضیلت ایسی ہے جیسے عائشہ کی فضیلت عورتوں پر۔

یوں تو حضرت عبد مناف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار فرزند تھے لیکن حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سب میں مختلف اعتبار سے بلاشبہ حد درجہ لائق وفائق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد مناف کے وصال کے بعد بالاتفاق حضرت ہاشم

کعبۂ مقدسہ کے متولی اور سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نے مدینہ منورہ کے مشہور قبیلہ بنوخزرج کے ایک نامور سردار عمرو کی صاحبزادی حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ آپ کے والد گرامی کی طرح ربّ کائنات نے آپ کو بھی چار فرزند عطا فرمائے۔ ایک فرزند جس کا نام اسد تھا۔ یہی وہ اسد ہیں جن کی صاحبزادی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی والدہ ماجدہ، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انتہائی مشفقہ چچی اور آپ کے پیکرِ شفقت ومحبت چچا ابوطالب کی زوجۂ پاک ہیں اس پر مستزاد یہ کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کو ربِّ کائنات نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحابیہ ہونے کا بھی اعزاز بخشا۔ وفاء الوفاء'' کی جلد ثانی کے اندر یہ مندرج ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس وقت جب حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جدِّ امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر ملال کے بعد اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں تھے آپ کا بے حد خیال رکھا اور ایک مشفقہ ماں سے بڑھ کر خدمتیں کیں۔ انہیں خدمات کا ربِّ کائنات نے انہیں ایسا حسیں ثمرہ عطا فرمایا کہ آپ کے انتقال کے بعد نہ صرف یہ کہ تاجدارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی مشفقہ چچی کے لئے اپنے دستِ مقدس سے قبر کی لحد کھودی بلکہ انہیں اپنی متبرک چادر کا کفن پہنایا اور ان کی قبر میں کچھ دیر بہ نفسِ نفیس لیٹ کر خداوند قدوس کی بارگاہِ بے نیاز میں یوں دعا فرمائی۔

''یا اللہ! میری ماں (چچی) فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور ان کی قبر کو کشادہ فرمادے اپنے نبی کے وسیلے سے اور ان نبیوں کے وسیلے سے جو مجھ سے پہلے دنیائے فانی کو خیرباد کہہ چکے ہیں کیوں کہ تو ارحم الراحمین ہے۔

حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے فرزند کا نام نفیلہ، تیسرے فرزند کا نام صفی اور چوتھے فرزند سرکار ابد قرارِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جدِّ امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت اور نشوونما مدینہ منورہ میں اپنے نانا کے گھر ہوئی۔ جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو مکۃ المکرمۃ آکر اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہنے لگے۔ پچیس سال کی عمر میں حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور مقام غزہ میں جو ملک شام کے راستے میں واقع ہے مدفون ہوئے۔

واضح رہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی اسم گرامی شیبہ ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی گئی ہے کہ چونکہ آپ کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کے سر میں سفید بال تھے اس مناسبت سے آپ کا نام شیبہ رکھ دیا گیا۔ آپ کے نام عبدالمطلب رکھے جانے کے سلسلے میں محدث علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے کئی وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ کی ولادت کے بعد جب آپ کے چچا مطلب مدینہ منورہ آئے اور حسن وجمال کے پیکر بچے کو دیکھ کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ حسین بچہ کس کا ہے یہ تو ہمارے خاندان کا ہی چشم وچراغ لگتا ہے اور اس کے نازک بدن کی ساخت اور اس کے اعضاء کے نقش ونگار بہت حد تک ہم سے مشابہ ہیں تو لوگوں نے بتایا کہ آپ کا قیاس سو فیصد صحیح

ہے کیوں کہ یہ بچہ کوئی اور نہیں بلکہ آپ کے برادرِ اکبر جناب ہاشم کا نورِ نظر اور لختِ جگر ہے اور آپ کا بھتیجہ ہے۔ اتنا سنتے ہی مطلب کے چہرے پہ مسرت وشادمانی کی کلیاں مسکرانے لگیں اور انہوں نے فرطِ محبت میں اپنے حسین وجمیل بھتیجے کو گود میں اُٹھا لیا اور اپنے اونٹ میں بٹھا کر چلنے لگے تو اثنائے راہ لوگوں نے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ جسے آپ نے اپنے ساتھ اونٹ پہ بٹھا رکھا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ یہ میرا عبد ہے۔ اس طرح آپ کا نام عبد المطلب مشہور ہو گیا۔ حضرت محدث علی الاطلاق شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے روضۃ الاحبار کے حوالے سے دوسری وجہ یہ بتائی کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد گرامی کی دنیائے فانی سے رحلت کے بعد چونکہ جناب مطلب نے آپ کی پرورش کی اور عرب کے دستور کے مطابق جس کی پرورش کی جاتی تھی اسے عبد کہا جاتا تھا تو اس تناظر میں آپ کو عبد المطلب نام سے پکارا جانے لگا۔

زرقانی علی المواہب کی جلد اوّل میں بڑی صراحت واستناد کے ساتھ درج ہے کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقدس پیشانی میں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نورِ نبوت اس قدر درخشاں وتاباں تھا کہ جو بھی آپ کو دیکھتا اس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ کے کسی گوشے میں محوِ استراحت تھے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو یہ دیکھ کر لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ آپ کے جسم مقدس پر بے حد قیمتی زرق برق لباس تھا اور آپ کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا اور مزید برآں آپ کے سر کے بالوں سے تیل کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ اس وقت آپ کا حسن وجمال اس قدر دوبالا نظر آ رہا تھا کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں ٹھہر نہیں پا رہی تھیں۔ سارے کے سارے ایک دوسرے سے سرگوشی کرنے لگے کہ اخیر اس جوان کے حسن وجمال اور مرتبۂ کمال کا راز کیا ہے۔ جب یہ باتیں آپ کے والد حضرت ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوئیں تو آپ نے قریش کے مشہور کاہنوں سے رابطہ کیا اور جب سارا واقعہ بتایا تو کاہنوں نے کہا کہ اب بلا تاخیر اس نوجوان کا نکاح کر دیا جائے۔ گویا یہ من جانب اللہ اشارہ تھا کہ اب نورِ محمدی کے منتقل ہونے کا وقت آ پہنچا ہے۔

حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مابہ الامتیاز وصف یہ بھی تھا کہ آپ کے جسم مقدس سے ہمیشہ مشک کی ایسی بھینی بھینی خوشبو اُٹھا کرتی تھی کہ جس سے گرد ونواح معطّر ہو جایا کرتے تھے۔ آپ بلاشبہ موحد تھے اور ان ایّام جاہلیت کے شرمناک رسوم سے بے حد نفرت کیا کرتے تھے۔

شراب اور زنا کو سخت حرام جانتے تھے اور لڑکیوں کا زندہ درگور کیا جانا آپ کو اس قدر ناپسند تھا کہ آپ لوگوں کو اس ناپاک جرم کے ارتکاب سے بڑی سختی کے ساتھ روکا کرتے تھے اور اگر کسی شخص کی چوری حدِ ثبوت تک پہنچ جاتی تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتے تھے۔ آپ بے حد پاک باز، نیک طینت اور عابد وزاہد شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا مقدس سینہ خشیت الٰہی کا ایسا گنجینہ تھا کہ کئی کئی دنوں تک متواتر آپ غارِ حرا میں جا کر معتکف ہو جاتے اور ربِّ کائنات کی عبادت میں منہمک ومستغرق رہتے۔ گوشہ نشینی اور خلوت گزینی سے آپ کو اس قدر لگاؤ تھا کہ بالخصوص ماہِ رمضان المبارک میں تقریباً پورے ماہ غارِ حرا میں خداوند قدوس کی یادوں میں محو رہا کرتے تھے۔

مذکورہ اوصافِ حمیدہ کے علاوہ ربِّ کائنات نے آپ کے اندر سخاوت، خلق اللہ کی بے لوث خدمت، یتیموں اور غریبوں کی امداد کا ایسا وافر جذبہ عطا فرمایا تھا کہ انسان تو انسان اپنے دسترخوان سے پرندوں کیلئے بھی شکم سیری کا سامان فراہم کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں سارا عرب ''مطعم الطیر'' (پرندوں کو کھانا کھلانے والا) کے لقب سے یاد کرتا تھا۔

آپ کی انہیں قابل قدر خوبیوں کا بین اثر تھا کہ پورا عرب آپ کا بے حد احترام کرتا تھا اور دوست تو دوست دشمن بھی آپ کی عظمت شان کے سامنے سربہ خم رہا کرتا تھا۔ آپ کی غیر معمولی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ مکہ والوں پر جب بھی کوئی مصیبت ناگہانی آتی یا قحط سالی کا حملہ ہوتا تو مکہ والے آپ کو وسیلہ بنا کر خداوند قدوس کی بارگاہ میں دعائیں کرتے تو فوراً مصیبت ٹل جاتی اور قحط سالی سے نجات مل جاتی۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ احسان تاقیامت فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ آپ ہی نے چاہِ زم زم کی اس طرح نشاۃ ثانیہ فرمائی کہ اسے ازسرِ نو کھدوا کر درست کیا اور قیامت تک کے لئے مقدس وشفا بخش آبِ زم زم سے سیرابی کی سبیلیں ہموار فرمائیں۔ واضح رہے کہ حضرت ہاشم اور جناب مطلب کے بعد خانۂ کعبہ کی تولیت وسجادگی آپ میں منتقل ہوئی اور ساتھ ساتھ آبِ زم زم کی سقایت کے عظیم منصب پر بھی آپ تادمِ حیات فائز رہے۔

انتہائی سبق آموز اور درس خیز واقعۂ فیل بھی آپ ہی کے دور میں رونما ہوا۔ اصحابِ سیر اور مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعۂ فیل محسن انسانیت سرکارِ ابدقرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ٹھیک پچپن دن پہلے وقوع پذیر ہوا۔ قرآنِ مقدس میں ربِّ کائنات نے سورۂ فیل میں اس واقع کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

واقعۂ اصحابِ فیل کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ابرہہ نامی یمن کے بادشاہ کی آنکھوں میں خانۂ کعبہ کی عظمت وحرمت خاروں کی طرح کھلتی تھی۔ اس کے دل میں بغض وحسد کی آگ اس قدر تیز ہوئی کہ اس نے خانۂ کعبہ کے مدِّ مقابل یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک انتہائی پرشکوہ عمارت بنائی۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ بجائے خانۂ کعبہ کے اس کی بنائی ہوئی عمارت میں جوق درجوق آئیں اور اس کا طواف کریں اور اس کا احترام بجالائیں تاکہ اس کی واہ واہی ہو اور لوگوں کے دلوں سے خانۂ کعبہ کی عظمتیں کالعدم ہوجائیں۔ زرقانی علی المواہب جلد اوّل کی روایت کے مطابق جب یہ بات مکۃ المکرمہ میں مشتہر ہوئی تو قبیلۂ کنانہ کے ایک شخص کے سینے میں غم وغصّہ کی ایسی لہر دوڑی کہ وہ فرطِ غیض وغضب میں یمن جاکر ابرہہ کے بنائے ہوئے گرجا کو نجاست آلود کردیا۔ جب یہ بات ابرہہ کو معلوم ہوئی تو وہ مارے غصّے سے اس کی بھنوئیں تن گئیں اور اس کا جوشِ انتقام طشت ازبام ہوگیا اور اس نے اپنی ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خانۂ کعبہ کے انہدام کا برملا اعلان کردیا اور ہاتھیوں کی فوج لے کر مکۃ المکرمہ پر دھاوا بول دیا۔ اگر اس واقعہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کہ قبیلۂ کنانہ کے شخص کا ابرہہ کے تعمیر کردہ گرجا گھر کو نجاست آلود کرنا محض ایک بہانہ تھا دراصل ابرہہ کو اس واقعہ سے پہلے یہ کھل رہا تھا کہ اس کے بے

دریغ دولت خرچ کر کے خانۂ کعبہ کے بالمقابل عالیشان عمارت بنوانے کے باوجود وہاں زائرین کا اژدہام ہوتا اور نہ لوگ اس کا خاطر خواہ احترام بجالاتے اس کے برعکس خانۂ کعبہ میں زائرین کی ریل پیل ہوا کرتی تھی۔

محدث علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تصنیفِ لطیف مدارج النبوہ کی جلدِ ثانی میں فرماتے ہیں کہ جوں ہی ابرہہ مکۃ المکرمۃ کی حدود میں اپنا ناپاک قدم رکھا تو یک بیک اس کی نگاہیں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چار ہوگئیں ۔ نگاہوں کا چار ہونا تھا کہ اس کے اندر اس قدر ہیبت و وحشت طاری ہوئی کہ وہ چاہ کر بھی خود کو سنبھال نہ پایا اور اس پر بے ہوشی کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ دھڑام سے زمین پر بے سدھ گر پڑا۔ اس وقت اس کے منہ سے گائے کے ڈکارنے جیسی آواز بلند ہو رہی تھی ۔ بڑی دیر تک وہ اسی کیفیت میں مبتلا رہا جب ہوش بحال ہوا تو وہ بے ساختہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر **الفضل ما شهدت به الاعداء** کے تحت بول پڑا کہ بلاشبہ میں آپ کی عظمت شان کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں اور اس بات کا برملا اعلان کرتا ہوں کہ آپ قریش کے سچے اور مہتم بالشان سردار ہیں۔

اسی طرح محدث علی الاطلاق ایک اور روایت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ابرہہ ایک انتہائی مہیب وخوفناک سفید ہاتھی ساتھ لایا تھا جو خانۂ کعبہ کے ڈھانے کے مہم کو سرانجام دے گا۔ جب اس سفید ہاتھی کی نظر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارعب چہرۂ انور پر پڑی تو فوراً وہ ہاتھی آپ کے سامنے سربہ سجدہ ہو گیا۔ حالانکہ یہ وہ ہاتھی تھا جو اس سے پہلے کسی اور کے سامنے کیا خود ابرہہ کے سامنے سربہ سجدہ ہونا تو درکنار کبھی سربہ خم بھی نہیں ہوا تھا۔ ہر چند کہ ابرہہ اس ہاتھی کا بے حد خیال رکھا کرتا تھا اور اس کی نگہداشت میں کوئی کمی نہیں کرتا تھا۔ اگر اس روایت پر غور کیا جائے تو یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ سفید ہاتھی کا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روبرو سجدے میں گر جانا یقیناً من جانب اللہ تھا گویا وہ ہاتھی حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں بلکہ آپ کی مقدس پیشانی میں چمکتے ہوئے نورِ محمدی کو اپنے سجدوں سے خراجِ عقیدت پیش کر رہا تھا۔ روایت میں یہاں تک ہے کہ ہر چند کہ لوگوں نے بڑی کوششیں کیں اور بار بار اس کو کونچیں ماریں لیکن وہ بدستور سجدے کی حالت میں پڑا رہا گویا وہ نورِ محمدی کا ایسا گرویدہ ہو گیا تھا کہ سر اُٹھانا ہی نہیں چاہتا تھا۔

جب لوگوں نے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابرہہ کے ناگہانی حملے کی خبر جانکاہ بتائی تو آپ کی مقدس پیشانی پر ذرّہ برابر بھی شکن نہیں آیا جب کہ اس کے برخلاف لوگوں کے اندر بے حد خوف وہراس پھیلا ہوا تھا۔ ہر شخص اس حملہ کے بھیانک نتائج کو سوچ کر سراسیمہ نظر آ رہا تھا مگر آپ کے اندر نہ کوئی گھبراہٹ تھی اور نہ کسی قسم کی منفی فکر کا تسلط۔ لوگوں نے فرطِ حیرت سے پوچھ ہی لیا کہ حضور والا! پورا مکہ ابرہہ کے حملہ کو لے کر تھر تھر کانپ رہا ہے۔ لوگوں کی راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں مگر آپ بالکلیہ مطمئن نظر آ رہے ہیں۔ اخیر اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ایمان افروز جواب دیا کہ چشم زدن میں سارے مکہ والو کے دلوں میں

ہیبت کی جلتی ہوئی آگ بجھ کر خاکستر ہوگئی۔ جواب کیا تھا اس کے ایک ایک حرف سے خدائے وحدہٗ لاشریک پر توکل واعتماد کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ آپ نے برجستہ فرمایا کہ اے مکہ والو! قطعی گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ خانۂ کعبہ ہمارا گھر تھوڑے ہے جو ہمیں متردد و فکر مند ہونا ہے۔ یہ گھر خلّاقِ کائنات کا ہے وہی اس کا محافظ ہے۔ ایک ابرہہ کیا ہزاروں ابرہہ دنیا بھر کے پردہشت جانور اور جان لیوا ہتھیاروں سے لیس جانباز و دلیر افواج لے آئیں پھر بھی خانہ کعبہ کا کوئی ایک بال بھی بیکا نہیں کرسکتا کیوں کہ جس کی حفاظت خالق کرے مخلوق میں کہاں اتنی بساط کہ وہ اس کو ذرّہ برابر بھی گزند پہنچا سکے۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان موحدیت اور اندازِ توکل پہ قربان جایئے کہ جب خانۂ کعبہ کے ڈھائے جانے کی بات آپ نے سنی تو چہرے پر اضطراب کا کچھ بھی اثر مرتب نہیں ہوا لیکن جب آپ کو یہ خبر ملی کہ ابرہہ کی فوجیں آپ کے چارسو اونٹ ہنکا کر لے گئی ہیں تو آپ بے قرار ہوگئے اور غیض وغضب سے آپ کی بھنویں تن گئیں۔ اور سخت وغم وغصّہ کے عالم میں بلاخوف وخطر سیدھے ابرہہ کے پاس پہنچے۔ جوں ہی ابرہہ نے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بلندیٔ قامت، اندازِ رعبِ وفا اور بے مثل حسن وجمال کا اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو اس کے سارے کروفر کا دن دہاڑے جنازہ نکل گیا اس کی ساری سطوتیں دم توڑ گئیں، اس کی شہنشاہیت کی تمام تمکنتیں ہوش وحواس کھو بیٹھیں، اس کے کبروغرور کی عمارت کی ایک ایک اینٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی تخت شاہی سے اترتا ہے اور آپ کی بارگاہ میں تعظیماً وتکریماً باادب دست بستہ کھڑا ہوجاتا ہے۔ پھر انتہائی ادب واحترام سے عرض گزار ہوتا ہے کہ اے قریش کے عظیم المرتبت سردار تشریف آوری کا سبب بیان فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ آپ کی فوجیں ہمارے اونٹ، بکریوں اور دیگر مویشیوں کو ہانک لائے ہیں وہ سب ہمیں واپس کردیئے جائیں۔ ابرہہ کے کان کھڑے ہوگئے، اس کی حیرتوں کی انتہا نہ رہی، اس کے دل ودماغ پیچ وخم کھانے لگے، اس کے فکرواحساس کی زنجیریں ہلنے لگیں یہاں تک کہ اس کی شاہی سوچوں کی بنیادیں متزلزل ہوگئیں اور پھر اس سے رہا نہ گیا وہ بول پڑا جناب والا! سچ تو یہ ہے کہ میری نظروں میں آپ کا بے حد وقار قائم تھا اور میں آپ کو انتہائی ہمت ور اور بہادر سمجھتا تھا لیکن آپ کے مطالبے نے آپ سے متعلق میرے بلند ترین خیالوں کے سارے شیرازے بکھیر کر رکھ دیئے۔ کیا آپ تک یہ اطلاع نہیں پہنچی ہے کہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کا عزم مصمم لے کر آیا ہوں۔ یقینا آپ کو یہ ہوش ربا خبر مل گئی ہوگی لیکن تعجب بالائے تعجب بجائے خانۂ کعبہ سے متعلق گفتگو کرنے کے آپ مویشیوں کے بارے میں مطالبہ کر رہے ہیں۔ حیرت ہے آپ کو خانہ کعبہ کے بچانے کی فکر نہیں اگر فکر ہے تو اپنے مویشیوں کی۔ میں نے تو سوچا تھا کہ آپ میرے قدموں پر سر رکھ کر منت وسماجت کریں گے کہ بادشاہ سلامت! ہم پر رحم کھایئے ہم آپ کو اپنے خدا کا واسطہ دے رہے ہیں خانۂ کعبہ کو نہ ڈھایئے مگر آپ ہیں کہ!!! اتنا سننا تھا کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی شائستگی سے فرمایا جناب ابرہہ! کان کے دروازے کھول کر سنئے!

مویشی میرے ہیں مجھے ان کی فکر دامن گیر ہے۔ رہی بات کعبۂ مقدسہ کی۔ وہ میرا نہیں۔ جو اس کا مالک ہے۔ اور جس کا گھر ہے وہ اس کی حفاظت فرمائے گا۔ جناب یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ کعبہ اللہ کا گھر ہے کسی مائی کے لال میں ہمت نہیں اس کی کسی ایک اینٹ پر خراش تک لا سکے وہ قادر مطلق ہے اس کی طاقت کے سامنے ساری طاقتیں بے معنی و ہیچ ہیں۔ آپ کا یہ دنداں شکن جواب سن کر ابرہہ تلملاتے ہوئے کہنے لگا ٹھیک ہے تو آپ بھی سن لیجئے سردار قریش! مجھے اپنی مہم کو بہر صورت سر کرنا ہے اور میں خانہ کعبہ کو مسمار کر کے دنیا سے اس کے وجود کو کالعدم کر دوں گا۔ آپ یہ کہہ کر اپنے دولت کدے کی طرف روانہ ہو گئے ابرہہ! اب تو جانے اور خدا جانے۔

ابرہہ نے آپ کے مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ سردار قریش اور مکہ کے جن جن باشندوں کے جانور تم ہانک لائے ہو انہیں بلا چوں چرا واپس کر دو۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مویشیوں کی بازیابی پر خداوند قدوس کا شکر ادا کیا اور اپنے دولت کدے پر واپس ہونے کے بعد اپنے خاندان کے چند افراد کو لے کر خانۂ کعبہ تشریف لے گئے اور ساتھ ساتھ مکہ والوں کو جمع کر کے اعلان فرمایا کہ خداوند کونین پر مکمل طور پر توکل رکھتے ہوئے اپنے جانوروں اور ساز و سامان کو ساتھ لے کر مکہ شریف کے باہر نکل جاؤ۔ جسے جہاں موقع ملے وہ وہاں پناہ گزیں ہو جائے خواہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہو یا دروں کے اندر۔ متردد و متفکر ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ یہ معاملہ ربّ کائنات کے مقدس گھر کی حفاظت کا ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ ضرور بالضرور ربّ قدیر اپنی قہاریت کا مظاہرہ فرمائے گا اور ابرہہ سمیت اس کی ساری فوجیں ہلاکت خیزیوں سے دوچار ہوں گی۔ خانۂ کعبہ بدستور خداوند قدوس کی حفاظت کے نوری حصار میں یونہی جلوہ طراز رہے گا۔ ایسے سنگین موقع پر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بابِ کعبہ کے حلقے کو تھام کر بطریق الحاح جو دعا فرمائی تھی اس کا ایک ایک حرف آج تک آپ کی شانِ توکل کا خطبہ پڑھ رہا ہے۔ آپ کی مقدس دعا شعری پیکر میں یوں ڈھلی ہوئی تھی۔

لاھمّ انّ المرء یمنع رحلہ فامنع رحالک
وانصر علی ال الصلیب وعابدیہ الیوم اٰلک

ترجمہ :۔ یا اللہ! ہر شخص اپنی جائے سکونت اور مال و متاع کی حفاظت و صیانت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا ہے لہٰذا تو بھی اپنے تقدس مآب گھر کی حفاظت فرما اور آلِ صلیب یعنی عیسائیوں اور صلیب کے پرستاوں کے مدِّ مقابل اپنے مومن اور اطاعت شعار بندوں کو اپنی غیبی امداد سے شادکام فرما۔

تاریخ و سیر کی کتابیں شاہد ہیں کہ جب آپ کی زبان فیض ترجمان سے یہ منفرد دعائیہ کلمات نکل رہے تھے اس وقت خانۂ کعبہ کے در و دیوار سے اور آسمانی فرشتوں کی معصوم زبانوں سے آمین کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اِدھر آپ ربّ کائنات کی بارگاہ میں بڑی بے قراری کے ساتھ خانۂ کعبہ کی حفاظت کے لئے دعائیں کر رہے تھے اور اُدھر ابرہہ اپنی شقاوتِ قلبی کی بنیاد پر دنیاوی جاہ و حشمت اور مادی قوت و سطوت پر پر اعتماد ہو کر خانۂ کعبہ پر حملہ آور ہونے کی تمام تر تیاریوں میں مصروفِ کار تھا۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ

میرے پاس فوجیں ہیں، اسلحہ جات ہیں، مادی طاقتیں ہیں تو پھر مجھے ناپاک عزائم کی کامیابی کی راہوں میں کون سی طاقت مزاحم ہوسکتی ہے۔ وہ اس حقیقت سے مکمل طور پر نابلد تھا کہ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ یعنی بیشک تیرے رب کی پکڑ بے حد سخت ہے رب کائنات کبھی کبھی ظالموں کو ایک مدّت کے لئے ڈھیل دے دیتا ہے۔ تو پھر ظالم اپنی ستم رانیوں کی بھول بھلیوں میں کھوجاتا ہے۔ اور مظالم کی دنیا کا خود کو بے تاج بادشاہ تصور کر بیٹھتا ہے۔ نتیجتاً عاقبت وانجام سے بے خبر جو روجفا کی شعلہ زنی کو اپنے لئے باعثِ صدافتخار سمجھتا ہے۔ لیکن جب خدائے قہّار کی پکڑ ہوتی ہے تو پھر نہ صرف یہ کہ اسے دن میں تارے نظر آتے ہیں بلکہ اس کے سامنے تباہی و بربادی کی ایسی بھیانک گہری کھائی ہوتی ہے کہ اس میں اسے گرنے سے کوئی نہیں بچا پاتا۔ انجام کار آہوں پہ آہیں بھرتا ہوا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذابِ الٰہی کے شکنجے میں جکڑ جاتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال اس ناعاقبت اندیش اور متکبر وظالم ابرہہ کا ہوا۔ ہر چند کہ من جانب اللہ اسے اس جرم عظیم کے ارتکاب سے روکنے کے لئے ایک واضح اشارے دیئے گئے مگر جب بندہ ازلی طور پر شقاوت کا خوگر ہوتا ہے تو اس پر یہ ساری چیزوں کا کچھ بھی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اگر ابرہہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس کے سفید ہاتھی کا سجدے میں گرجانا اور سجدے سے سر نہ اُٹھانے ہی سے عبرت حاصل کرلیتا تو پھر وہ دائمی طور پر خائب وخاسر نہ ہوتا۔ مگر کیا کہئے گا بقول شخصے جب خدا دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے۔

المختصر ابرہہ بڑے ہی کروفر کے ساتھ اسلحوں سے لیس اپنی فوجوں اور ہاتھیوں کی قطاروں کے ساتھ جوں ہی خانۂ کعبہ کو ڈھانے کے مذموم عزم کے ساتھ آگے بڑھا تو خدائے وحدہٗ لاشریک نے ابابیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ کو اپنے قہر وغضب کا نمونہ بنا کر بھیج دیا۔

محدث علی الاطلاق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتابِ مستطاب ''مدارج النبوۃ کی جلدِ ثانی میں رقم طراز ہیں کہ ابابیل کی فوجیں ناگہاں سمندر سے نکل کر حرم کعبہ کی جانب اس طرح آنے لگیں کہ ہر ایک ابابیل کے منہ میں ایک کنکری اور دو دو کنکریاں ان کے پنجوں میں تھیں اور کنکری مسور کے دانے سے بھی چھوٹی تھی مگر ان کنکریوں کا کمال یہ تھا کہ ابرہہ کے کسی بھی فیل سوار کے سر پر پڑتیں تو چشم زدن میں اس کے بدن کو چھید کرتی ہوئی ہاتھی کے بدن سے اس طرح آرپار ہوجاتیں کہ وہ فوجی اس آسمانی عذاب کی تاب نہ لاکر ہاتھی سمیت ڈھیر ہوکر موت کے گھاٹ اُتر جاتا۔ ابرہہ اور اس کی تمام فوجیں ہاتھیوں سمیت سب کے سب ختم ہوگئے۔ کوئی ایک بھی عذابِ الٰہی کی زد سے بچ نہ سکا۔ تفسیر ابن کثیر میں مندرج ہے کہ ان کی ہلاکتوں کا یہ عالم تھا کہ زمین پر ان کے بدن کی بوٹی بوٹی ریزہ ریزہ ہوکر منتشر ہوگئی۔

ظالموں کی ہلاکتوں کی اطلاع پاتے ہی حضرت عبدالمطلب مع اہل خانہ پہاڑ سے اُترے اور ربِّ قدیر کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا۔ اس واقعہ کے رونما ہونے کے بعد پورے عرب میں آپ کی اس عظیم الشان کرامت کا گھر گھر چرچا ہونے لگا اور پورے عرب میں آپ کی عزت وتکریم دوبالا ہوگئی۔

☆☆☆

ثنا خوانِ رضا محبوب گوہر اسلام پوری
9934775291

منقبت

ہے حرا کے نور سے معمور ایوانِ رضا — اس لئے روشن ہے یوں شمعِ شبستانِ رضا

سارے سنّی مل کے بھی بدلہ چکا سکتے نہیں — ہے جہانِ سنیت پر اتنا احسانِ رضا

خوش عقیدہ آدمی ہونا نہایت شرط ہے — ورنہ برسے گا کہاں سے ابرِ فیضانِ رضا

جاہ وحشمت چومتی ہے آکے روزانہ قدم — تاجداروں سے نہیں ہیں کم غلامانِ رضا

ہر گھڑی احقاقِ حق، ابطالِ باطل کے لئے — برسرِ پیکار رہتے ہیں فدایان رضا

اپنی نسلوں کے لئے بھی یہ دعا کرتے ہیں ہم — یا الٰہی ہاتھ سے چھوٹے نہ دامانِ رضا

باغیانِ اہل سنت دیکھتے رہ جائیں گے — خلد میں جائیں گے جس دم ہم محبانِ رضا

آج کا سائنس داں جب ورطۂ حیرت میں ہے — عام انساں کیا سمجھ پائے گا پھر شان رضا

کیوں رضا پر ساری دنیا کر رہی ہے جاں نثار — کاش اتنا ہی سمجھ جاتے حریفانِ رضا

عرس رضوی ہو کہ عرس نوری یا پھر حامدی — خوش نصیب افراد ہی بنتے ہیں مہمانِ رضا

دیکھا کرتی ہے خزاں چشمِ حسد سے بار بار — ہیں شگفتہ پھر بھی گلہائے خیابانِ رضا

لذتِ عشقِ نبی سے آشنا ہوجائے گا — پڑھ کے دیکھے تو کوئی اشعارِ دیوانِ رضا

اشتہاروں میں اگر لکھئے کبھی گوہرؔ کا نام
نام سے پہلے لگادیجے ثنا خوانِ رضا

باب چہارم رضویات

حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ رضوی قادری

مسلک اعلیٰ حضرت ضرورت، اہمیت اور افادیت

برصغیر میں اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر بہت کچھ لکھا گیا، محققین واصحاب قلم مسلسل لکھ رہے ہیں، علماء اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد ان کی طرف مائل ومتوجہ ہے، مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ علوم وفنون کے وہ بحر بیکراں ہیں جس کی گہرائی وگیرائی کا ابھی تک اندازہ نہ ہوسکا، وہ فضل وکمال کے ایسے کوہ گراں ہیں جس کی بلندی تک بڑے بڑے کوہ پیما کی بھی رسائی نہ ہوسکی، ان کی ہیبت وجلال سے کج کلاہان زمانہ حواس باختہ ہوگئے، ان کے برق رفتار وبے باک قلم کی طاقت وتوانائی سے اہل حق اور فرقہائے باطلہ کے درمیان تفریق وامتیاز پیدا ہوگیا، وہ مرد حق آگاہ تھے ان کے فکر وتدبر سے بدعقیدگی وبدمذہبی کا وہ ناسور ختم ہوگیا جو ملت کو اندر سے کھوکھلا کررہا تھا۔

انہوں نے اسلامیان ہند کے عقیدہ وایمان کی نازک وقت میں حفاظت فرمائی، انہیں غیروں کے ہاتھوں بکنے سے بچایا، وہ سچے عاشق رسول تھے انہوں نے خوش عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول کی شمع روشن وفروزاں کی، اپنے تجدیدی کارناموں، فکری بصیرت ودانائی اور دینی خدمات سے انہوں نے معاصرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ان کی علمی تحقیقات وتصانیف اور سرعت تحریر کو دیکھ کر عرب وعجم کے علماء وفضلا حیران وششدر رہ گئے۔

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جو لوگ انگریز کے کاسہ لیس وریزہ خوار تھے وہ ان کا حق نمک ادا کرنے کے لیے ان کی بولی بولنے لگے اور استعماری قوتوں کو آقایان نعمت مان کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے، انگریز نے اسلام مخالف تحریک اور افتراق بین المسلمین کے لئے جن ایمان فروش ٹولیوں کو اپنا آلہ کار بنایا ان کے بدنصیب ہاتھوں سے شیرازۂ ملت تار تار ہونے لگا۔ انگریز کے بوئے ہوئے زہر آلود بیج سے جو پودا نکلا ایمان فروش جماعت نے اسے پروان چڑھایا، اس کی نگہبانی کی پھر اس کے زیر سایہ رہ کر انہوں نے ایسی خفیہ سازش وتدبیر کی جس سے ملت کو وہ نقصان پہنچا جس کی تلافی ممکن نہیں وہ یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ عظمت رسول پر بھی حملہ کرنے سے باز نہ رہے، راسخ العقیدہ مسلمانوں کے دلوں سے انہوں نے احترام وتکریم رسول کونین ﷺ اور اسلاف واکابر کا ادب نکال دینے کی بھرپور کوشش کی رسول کونین ﷺ کی شان اقدس میں نازیبا کلمات کہے، توہین وتنقیص اور گستاخیوں سے بھری ہوئی کتابیں لکھیں بزرگوں کے تصرفات اور ان سے

توسل واستمداد کا انکار کیا، انہوں نے مکرو دغا کا جو جال بچھایا تھا اس سے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔مگر ملت کا اتحاد واتفاق پارہ پارہ ہوگیا، وحدت وسالمیت مجروح ومتاثر ہوگئی مسلمان فرقوں میں بٹ گئے، ایک گھر دوسرے گھر سے جدا ہو گیا، ایسے نازک حالات اور خوفناک وقت میں جو مرد مجاہد سینہ سپر ہوکر سامنے آیا وہ بریلی کی مسند ارشاد وہدایت پر بیٹھنے والے ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی'' تھے بلکہ قدرت نے انہیں باطل قوتوں ، استعماری طاقتوں کا مقابلہ کرنے اور ان کے ہفوات وخرافات کا جواب دینے کے لئے مجدد بنا کر بھیجا ، انہوں نے خدا داد صلاحیت واستعداد سے ایمان فروشوں کی تمام عیاریوں کو طشت از بام کردیا، ان کے مکروہ چہروں کو بے نقاب کیا اور دنیا کو بتادیا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی شان رفیع میں ادنیٰ سی توہین وتنقیص کرے وہ ہمارا نہیں، وہ غیروں کا آلہ کار تو ہوسکتا ہے مگر اسلام اور مسلمانوں کا وفادار نہیں ہوسکتا ہے۔وفادار امتی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے نبی کے ایک بال پر جان دینے کو تیار ہوجائے بلکہ غدار اور وفادار کی یہ شناخت بتائی گئی ہے کہ جو اپنے نبی کی شان گھٹائے وہ غدار ہے اور جو نبی کی عزت وتوقیر میں مرمٹے وہ وفادار ہے۔زمانہ جانتا ہے کہ وفادار کون ہے؟ اور غدار کون ہے؟ جو اپنے نبی کی حیات وپیغمبری میں توہین وتنقیص کے پہلو تلاش کرے وہ تاریخ کا سب سے بڑا غدار ہے اور جو عشاق نبی ہیں وہی اصحاب باوفا ہیں، امام احمد رضا بریلوی بھی ایک باوفا عاشق رسول تھے ان کا عشق وعقیدت مشہور زمانہ ہے۔

تاریخ کی شاہراہ پر یہ بات جلی حرفوں سے لکھی ہوئی ہے کہ امام احمد رضا ہی وہ باکمال شخصیت ہیں، جن کی مساعی جمیلہ سے چودھویں صدی ہجری میں گستاخان رسول کے بدنما چہرے بے نقاب ہوئے ان کی افترا پردازیوں اور عیاریوں کا پردہ فاش ہوا، اہل حق اور اہل بدعت کے درمیان خط امتیاز کھینچا گیا، صحیح العقیدہ اور بدعقیدہ مسلمانوں کی شناخت وپہچان ہوئی، شان مصطفٰے ﷺ میں توہین وبے ادبی کرنے والوں کو حکم شرع کے مطابق کافر ومرتد کہا گیا۔امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا یہی وہ کارنامہ ہے، جو ان کے دیگر کارناموں پر بھاری ہے گو کہ ان کا ہر ایک وصف ممتاز ونمایاں ہے مگر وہ اسی وصف سے زیادہ مشہور ومتعارف ہوئے یہی ان کی تجدیدی خدمات وکارناموں کا اہم باب ہے۔

انگریز کی کوکھ سے جنم لینے والا ایمان فروش فرقہ یہ چاہتا تھا کہ ہم مسلمانوں میں گھل مل کر رہیں، ہم اپنا کام کرتے رہیں اور ہمیں کوئی پہچان نہ سکے اس لئے وہ حنفی بھی بنے رہے اور بظاہر سنی بھی، مگر امام احمد رضا بریلوی نے اپنے عشق وایمان کے حوالے سے جو پیغام، ملت کے نام نشر کیا تھا اس کا داعیہ اور اثر یہی تھا کہ تمام فرقہائے باطلہ اہل سنت وجماعت سے الگ ہوگئے، ان کے تعفن وتکدر سے ملت پاک ہوگئی۔اس جرأت مندانہ اقدام کے صلے میں اہل حق نے متفقہ طور پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو''مجدد''اور اپنا امام ومقتدا مانا، ان کی مرکزیت وعلمی برتری بھی تسلیم کی گئی چونکہ ملت اس وقت لامرکزیت کی شکار تھی کوئی ایسا نہ تھا جس سے ذہنوں کے اضطراب کو سکون ملتا، کوئی چشمۂ شیریں ایسا نہ تھا جس سے پیاسی دنیا کو تسکین وشادابی ملتی بچہ پیدا ہونے کے بعد

آغوش مادر میں راحت پاتا ہے دھوپ کی تمازت میں انسان سایہ دار درخت تلاش کرتا ہے ٹھیک اسی طرح ملت اسلامیہ کا شیرازہ جو مدتوں بکھرا رہا اسے کسی ایسے مرکز کی تلاش تھی جو اس کے درد و کرب کا علاج کرتا، جب امام احمد رضا بریلوی کی علمی گونج سنائی دی اور ان کے تجدیدی کارنامے سامنے آئے تو پورا برصغیر ان کے گرد جمع ہوگیا اور سب نے متفقہ طور پر ان کی مرکزیت اور علمی خدمات کو تسلیم کیا، ان کا فیضان علم و کرم ایسا برسا کہ زمانہ آج تک سیراب ہورہا ہے، یہ قدرت کا عظیم انعام واحسان ہے کہ اس نے امام احمد رضا کے ذریعہ سے تمام کثافتوں کو دور کردیا جو ملت اسلامیہ کو برسوں سے کمزور کررہی تھیں۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جن باطل فرقوں کا رد بلیغ فرمایا ان میں وہابی، دیوبندی، قادیانی، رافضی وغیرہ سرفہرست تھے، انہیں ان کے کیفر کردار تک پہنچانے اور ہر موڑ پر ان کی سرکوبی کے باوجود یہ نئے نام اور نئے روپ سے ابھرتے رہے جب کہ ان باطل فرقوں اور اہل سنت و جماعت کے درمیان واضح امتیاز ہوچکا تھا ان کے عقائد باطلہ طشت از بام ہوگئے تھے ان پر حکم کفر وارتداد لگایا جاچکا تھا، پھر بھی وہ خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے کمال بےحیائی سے اپنے کو حنفی اور سنی کہلاتے رہے، جو لوگ ان کے ناپاک عزائم و دام تزویر سے واقف وآگاہ نہ تھے وہ ان کی عیاریوں کے شکار ہوگئے، مبتدعین کی اس روش سے ملت اسلامیہ کے مقتدعلماء متفکر ورنجیدہ ہوئے کہ معرکۂ حق و باطل سر ہونے کے باوجود وہ کامیابی نہیں مل رہی ہے جس کی توقع کی جارہی تھی علمائے حق یہ سوچتے تھے کہ ایمان فروشوں کو دودھ سے مکھی کی طرح پھینک دیا گیا پھر بھی وہ نام اور لیبل کا غلط استعمال کررہے ہیں، لہٰذا ضرورت اور تقاضائے وقت کے لحاظ سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے معاصر علمائے حق اہل سنت و جماعت کے لئے لفظ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ایجاد کیا تاکہ فرقہائے باطلہ سنی مسلمانوں کو مزید دھوکا نہ دے سکیں پھر آہستہ آہستہ یہ لفظ اہلسنت و جماعت کے درمیان ایسا رائج ہوگیا کہ سنیت کا دوسرا نام ہی ''مسلک اعلیٰ حضرت'' پڑگیا۔

جیسے عہد صحابہ و تابعین اور ان کے بعد اہل اسلام بنام مسلمان جانے جاتے تھے مگر جب قدر و جبر اور اعتزال وغیرہ کا فتنہ پیدا ہوا اور وہ بھی اپنے کو مسلمان سمجھتے تھے تو اہل حق نے ان سے تفریق و امتیاز کے لئے ''اہل سنت و جماعت کا لفظ ایجاد کیا جس سے قدریہ و جبریہ معتزلہ وغیرہ چھٹ گئے۔ ٹھیک اسی طرح جب ہندوستان کے فرقہائے باطلہ دعوئے حنفیت و سنیت میں اہل سنت و جماعت کے اندر گھل مل گئے تو سنیت کے تحفظ وتشخص کے لئے لفظ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کو رواج دیا گیا، جس سے تمام فرقہائے باطلہ، اہلسنت و جماعت سے الگ ہوگئے اس سے ان کے مکروہ عزائم کو پامال کردیا گیا۔

ان کا سب سے بڑا دھوکا یہی تھا کہ وہ مذہب حنفی پر عمل اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کرتے تھے، ان کے فکر و عمل کے اس تضاد و تخالف سے ملت کراہ اٹھی، مگر مسلک اعلیٰ حضرت کی ایجاد وقت کی اہم ضرورت اور وقت کا عین تقاضا تھا اگر بروقت اس کی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہوتی تو غیروں کے اختلاط اور بدعقیدگی کے تعفن سے مسلمانوں کو بچانا مشکل ہوجاتا۔

اس موڑ پر ہم امام احمد رضا بریلوی کو تحسین وعقیدت کا

ڈھیروں خراج پیش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی سعی پیہم سے آج دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوگیا، اہل ایمان اب چہروں سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ وفادار رسول کا چہرہ ہے اور وہ غدار رسول کا، کیونکہ وفادار کے چہرے میں نورانیت وطمانیت ہوتی ہے اور غدار کے چہرے چمک وتابش سے معریٰ ، بے رونق اور داغدار ہوتے ہیں ، امام احمد رضا بریلوی کی یہ کاوش جہاں یاد رکھنے کے قابل ہے وہیں وقت کے وہ جلیل القدر علمائے دین بھی ہدیۂ تبریک وتحسین کے مستحق ہیں ، جنہوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کو قدم قدم پر فروغ واستحکام بخشا اور اپنے کردار وعمل سے اس کی تائید وحمایت کی ، اپنے متوسلین ومعتقدین کو اس پر گامزن وثابت قدم رہنے کی تاکید وتلقین فرمائی۔

مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت جب تھی تب تھی اب اس کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ کہے کہ اب وقت ، حالات ، تقاضے ، تمدن اور انسانی مزاج بدل گئے ہیں ، سائنسی ایجادات کے عروج وارتقاء کا دور آگیا ہے ، یا مسلک اعلیٰ حضرت پر غیروں کے بے جا اعتراضات اور غلط رنگ پاشی سے متاثر ہوکر کوئی اسے کہنا چھوڑ دے بلکہ کہنے والوں کو نشانۂ ملامت اور ہدف تنقید بنائے تو اسے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پاگل کتوں کے بھونکنے سے سورج کا کچھ نہیں ہوتا ، یا جو سورج کی طرف تھوکتا ہے وہ خود اسی کے منہ پر پڑتا ہے مگر سورج کا کچھ نہیں بگڑتا ، اس سے بڑا فرومایہ کون جو سورج کو چراغ دکھائے ، جس کے دل میں مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف فتور یا اکابر مخالف جذبہ پیدا ہوا ہے ، ہم ایسے شخص کو یہ پیغام فکروعمل دینا چاہتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت جس طرح کل تھی یونہی اسکی ضرورت آج بھی ہے ، اس سے جس بات کا امتیاز پہلے مقصود تھا وہ اب بھی ہے ، جب تک معاندین اور اہل باطل کی ریشہ دوانیاں رہیں گی مسلک اعلیٰ حضرت سے اہل حق کو تقویت وروشنی ملتی رہے گی۔

جب کہ آج کا ماڈرن دور پہلے کے اعتبار سے عقیدہ وعمل میں زیادہ بگڑا ہوا ہے ، مرکزیت فنا ہورہی ہے ، مغربیت کی اندھی تقلید سے ایمان واسلام کے تعلق سے غفلت وبے توجہی نظر آرہی ہے ، جرائم کی کثرت ہے ، محیر العقول ایجادات نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو چھین لیا ہے ، بدعملی کے راستے سے بدعقیدگی داخل ہورہی ہے ، بعض تعلیم گاہوں اور دانش کدوں میں بدعقیدگی کے اسباق داخل نصاب ہیں ، قلوب و اذہان سے رسول اللہ ﷺ کے احترام وتکریم کا جذبہ نکالنے کے اسباب بنائے گئے ہیں ، اسلاف اکابر کی روایت کو پارینہ اور فرسودہ سمجھا جارہا ہے۔ غرض صلح کلیت اور مذہب بیزاری کے اس پرفتن دور میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت واہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کے فروغ استحکام کی صورتیں تلاش کی جاتیں مگر اس کی راہیں مسدود کی جارہی ہیں ، اس پر قدغن لگایا جاتا ہے ، جس معنی اور جس ضرورت کی بناء پر مسلک اعلیٰ حضرت کا رواج ہوا اس معنی کے لحاظ سے جب تک دنیا میں ایک شخص بھی اہل حق سے باقی رہے گا اس کی ضرورت واہمیت باقی رہے گی ، کیونکہ یہ کوئی نیا اور خود ساختہ مسلک ومشن نہیں بلکہ یہ اہل سنت وجماعت کی دوسری تعبیر ہے اہل سنت وجماعت کے جتنے مبادیات ومقتضیات اور معتقدات ومسائل ہیں وہی ''مسلک اعلیٰ حضرت'' ہے۔ مسلک اعلیٰ حضرت ان

سب کا ناشر وحامی اور موید ہے ان سے کوئی سر منہ منحرف نہیں ہے، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کے کئی نام ہوں ہر نام سے وہی چیز مراد ہو۔ جیسے ہمارے ملک کو ہندوستان، بھارت، انڈیا سب کہا جاتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ انڈیا سے کوئی اور ملک مراد ہو اور بھارت سے کوئی اور یوں ہی مسلک اعلیٰ حضرت بولنے سے اہل سنت وجماعت ہی مراد ہوتے ہیں کوئی اور مسلک و مذہب مقصود نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کہنے سے عرفی طور پر بھی اہل سنت وجماعت اور حنفی ہی مراد ہوتے ہیں، کوئی نیا فرقہ یا نئی تحریک مراد نہیں ہوتی۔

غرض مسلک اعلیٰ حضرت ''وما انا علیہ واصحابی'' کی سچی تعبیر وتفسیر ہے، کیا کوئی یہ ثابت کرسکتا ہے کہ یہ بات اعلیٰ حضرت کی ایجاد واختراع یا خود ساختہ ہے سنیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے؟ بلکہ امام احمد رضا بریلوی نے تو مراسم اسلامیہ کو قوت واستدلال کی زبان عطا فرمائی ہے، بعض نو پید مسائل کا شرعی حل پیش فرمایا ہے۔

جو لوگ کبر ونخوت کی بناء پر یا ''پدرم سلطان بود'' کے زعم میں یہ کہتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کوئی چیز نہیں یا مسلک اعلیٰ حضرت کہنا بوالعجبی ہے، یا یہ پانچواں مسلک کہاں سے آگیا جب کہ مسالک صرف چار ہیں یہ آوازیں اگر صرف غیروں کی طرف سے اٹھتیں تو صبر وشکیب کا پیمانہ لبریز نہ ہوتا مگر حیرت یہ ہے کہ یہی باتیں غیروں کے ساتھ وہ بھی کہتے ہیں جنہیں ہم اپنا سمجھتے ہیں۔

غیروں کے لئے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہماری عداوت ودشمنی میں ایسا کہتے ہیں ارے جو رسول اللہ کا نہ ہوسکا وہ ہمارا ہمدرد وبہی خواہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مگر اپنوں کیلئے اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف یہ پروپیگنڈہ صرف مخالف عناصر کو ہوا دینے یا اپنی پھیکی دکانیں نہیں چمکانے کے لئے کیا جارہا ہے، کاش اس پر آشوب دور میں وہ اس کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے اور حقائق وشواہد کے اجالے میں ٹھنڈے دل سے غور کرتے تو ایسا ہرگز نہ کہتے نہ اس کی مخالفت ومقابلے پر کمر بستہ رہتے، یاد رکھو کہ آج مسلک اعلیٰ حضرت کی مخالفت یا اسے بے بنیاد وکمزور ثابت کرنا مذہب حق کی مخالفت اور مسلک حق سے بغاوت ہے جذبۂ مخالفت کے مضمرات میں کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ''حداثاء الاسنان'' کا کوئی نیا فتنہ ہے؟۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ سراج الامۃ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد واستنباط سے علم فقہ کو مدون کیا، قرآن وحدیث سے مسائل استخراج کئے، امت مسلمہ کے لئے عملی میدان میں آسانیاں فراہم کیں اور دین متین کی بے مثال اور باوقار خدمت انجام دی اس کے باجود ''مسلک امام اعظم'' نہیں کہا جاتا، لوگ صدیوں سے ان کی تقلید و پیروی کرتے آئے ہیں مگر مسلک امام اعظم نہیں کہتے۔ پھر کیا سبب ہے کہ چودھویں صدی ہجری میں ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کہنے کا رواج ہوا کیا اعلیٰ حضرت نے امام اعظم ابوحنیفہ کے برابر دینی وعلمی کارنامہ انجام دیا ہے؟ جب کہ اعلیٰ حضرت مجتہد نہیں مقلد ہیں، مسلک اعلیٰ حضرت کہنے سے اعلیٰ حضرت کا رتبہ امام اعظم سے بڑھ کر معلوم ہوتا ہے۔

ان باتوں کا جواب بھی وہی ہے کہ اگر اس دور میں ''مسلک امام اعظم'' کہا جاتا تو اہلسنت وجماعت اور دیوبندی

وغیرہ کے درمیان فرق وامتیاز نہ ہوتا،مسلک اعلیٰ حضرت کہنے سے جو تمیز وتفریق مقصود ہے وہ مسلک امام اعظم کہنے سے حاصل نہ ہوتی کیونکہ بعض فرقہائے باطلہ بھی اپنے آپ کو حنفی اور امام اعظم کے مقلد و پیرو کہلاتے ہیں،مسلک امام اعظم نہ کہنے سے اس کا انکار یا جذبہ مخالفت سمجھ میں نہیں آتا۔کسی چیز کا حق و درست ہونا اور بات ہے اور اسے رائج و استعمال نہ کرنا اور بات بلکہ جس طرح اہل سنت و جماعت کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے،یوں ہی اگر یہ کہا جائے کہ مسلک امام اعظم کا دوسرا نام مسلک اعلیٰ حضرت ہے تو بیجا نہ ہوگا۔

یہ حق ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ وعقائد کے اصول وکلیات اور مسائل شرعیہ کی توضیحات و تشریحات قرآن وحدیث اور شرعی دلائل سے پیش کی ہیں، امت پر امام اعظم کا عظیم احسان ہے،اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی ، امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد و معتقد تھے انہوں نے پچاس سال سے زائد عرصے تک مذہب حنفی ہی کے مطابق لکھا اور ایسا لکھا کہ علم وتحقیق کے نایاب ونادر لعل وگہر لٹا دیئے جن کی چمک وتابش سے علمی دنیا آج تک استفادہ اور راہ عمل متعین کررہی ہے، یہ سچ ہے کہ ان کی تحقیقات میں ایسی علمی گہرائی وگیرائی موجود ہے جسے صرف علما ہی سمجھ سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کئی دہائیوں سے علماء ومحققین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی علمی تحقیقات و باقیات پر کام کررہے ہیں اور ان نوادرات کے جدید تقاضوں کے مطابق عصری اسلوب میں پیش کررہے ہیں تاکہ ان سے عوام وخواص سب استفادہ کرسکیں۔

اس نوعیت سے ان پر قابل ذکر کام ہوا اور روز بروز مزید اضافہ ہورہا ہے مگر مدت کے حساب سے جتنا کام ہونا چاہئے وہ ابھی تک کماحقہ نہیں ہوا، نہ جانے ان کے باقیات ونوادرات اور فکری زاویوں کو سمیٹنے میں محققین کو اور کتنا عرصہ لگے گا، انہوں نے مختصر سے عرصے میں جو علمی اور تجدیدی کارنامے انجام دیئے ہیں انہیں کوئی انجمن یا کوئی بڑا ادارہ برسوں میں انجام نہیں دے سکتا،ان حیرت انگیز چیزوں کو دیکھ کر واقعی یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ وہ قدرت کے عظیم انعام اور معجزات رسول کونین ﷺ میں سے ایک معجزہ تھے۔

انھوں نے جو کام کیا وہ خلوص وللہیت کے ساتھ کیا انہوں نے بریلی کی مسند رشد وہدایت سے جو آواز دی وہ انفس وآفاق میں سنائی دی، اس کے اثر ونفوذ سے معاندین ومبتدعین کا زہرہ پانی ہوگیا،اہل حق میں نیا ولولہ پیدا ہوا، کیونکہ اس آواز میں صدیق کا خلوص،عمر کا رعب،عثمان کا دبدبہ اور علی کا جوش تھا۔امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جو بھی کیا وہ اتباع رسول کے ساتھ صحابہ وتابعین اور اسلاف وائمہ کی تقلید و پیروی میں کیا،ان کے اندر اگرچہ اجتہاد واستنباط کی بھرپور صلاحیت واستعداد موجود تھی مگر انہوں نے ہمیشہ اپنے امام کی تقلید کی اس سے سرمو انحراف نہ کیا نہ تقلید کے خلاف کبھی کوئی بات کی۔ اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ جنہوں نے اپنے امام کے خلاف زندگی بھر کوئی قدم نہیں اٹھایا وہ کوئی نیا مسلک ومشن کیونکر ایجاد واختراع کرتے۔ایسی صورت میں اگر غیروں سے امتیاز کے لئے ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کہا جائے تو کون ساستم ہے؟۔

یہاں سے مسلک اعلیٰ حضرت کی ضرورت اہمیت آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہوجاتی ہے یوں ہی حالات اور عہد حاضر

کے تقاضوں کے پیش نظر اس کی افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، اس کی اہم افادیت یہ ہے کہ اس نام کی برکت یا رعب سے دشمنان دین سنیوں کے قریب نہیں آتے، یہ لفظ ان کے لئے دھاردار ہتھیار سے زیادہ کارگر ہے، جیسے شیطان کو بھگا نے کے لئے لاحول پڑھنا موثر ہے یوں ہی بدمذہبوں اور بدعقیدوں کو برطرف کرنے کے لئے مسلک اعلیٰ حضرت کہنا اثرانگیز ہے۔

حالات گواہ ہیں کہ جن لوگوں نے اس کی افادیت و واقعیت پر حرف زنی کی وہ یا تو سنیت سے کٹ گئے یا صلح کل ہو گئے، اپنے ایمان واسلام کی حفاظت وصیانت کیلئے اسلاف واکابر اور علمائے حق کی تائید وحمایت ضروری ہے ورنہ اگر انھیں کونشانہ تنقید وملامت بنایا جائے تو پھر سرمایۂ ایمان ویقین ہاتھ سے جانے میں دیر نہیں لگے گی، علمائے حق پر طعن وتشنیع کے راستے سے ہی وہابیت ودیوبندیت آئی کیونکہ بارگاہ الوہیت، دربار رسالت اور اسلاف واولیاء کی شانوں میں بے ادبی اور گستاخی کرنے والی جماعت کا نام ہی وہابی اور دیوبندی ہے۔ ان کی نشریات اٹھا کر دیکھئے تو اس سچائی کا آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ انہوں نے کیسی کیسی دلدوز توہین وگستاخیاں کی ہیں۔

وہ لوگ انبیاء واولیاء سے استمداد واستعانت کے قائل نہیں، علم غیب مصطفیٰ ﷺ اور اختیارات مصطفیٰ ﷺ کے منکر ہیں، نبی کو اپنی طرح بشر یا بڑا بھائی کے مثل کہیں، نبی کو مردہ تصور کریں۔ (معاذ اللہ) ان کے عقائد باطلہ ہی کے سبب سے علمائے حرمین طیبین نے ان پر کفر وارتداد کا فتویٰ صادر فرمایا اور انہیں اسلام سے خارج قرار دیتے ہوئے یہ حکم سنایا ہے، کہ من شك في كفره وعذابه فقد كفر۔ (درمختار اول، ص ۲۵۶ کتاب الجہاد باب المرتد) یعنی جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

کوئی اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ چودھویں صدی ہجری میں مرتدین زمانہ کے ان عقائد باطلہ کو طشت از بام وآشکار کرنے والا سوائے امام احمد رضا کے کون ہے؟ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان مرتدین او رخوش عقیدہ مسلمانوں کے درمیان فرق کرنے والے اور ملت کو اس کا شعور دینے والے امام احمد رضا بریلوی ہیں اور اب سنیوں کو اس پر گامزن رکھنے والی قوت کا نام ہے ''مسلک اعلیٰ حضرت''اس کی اس سے بڑی افادیت کیا ہوسکتی ہے کہ اس پر چلنے والوں کے قریب بدعقیدگی وبدمذہبی کبھی نہ آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ ان کی تائید وحمایت سے اپنے دین وایمان کی حفاظت ہوگی۔

ایمان واسلام اور اہل سنت وجماعت کے جو معتقدات ومقتضیات ہیں وہی تو مسلک اعلیٰ حضرت کے منشور ہیں، اس کی اشاعت وترقی عین مذہب اسلام اور اہل سنت وجماعت کی اشاعت وترقی ہے، چودھویں صدی ہجری میں اگر امام احمد رضا بریلوی کا وجود نہ ہوتا تو یہ دین کے ڈاکو، متاع ایمان کے رہزن اہل اسلام کا تشخص مجروح کر دیتے، انگریزی استعمار کے ہاتھ انہیں ارزاں قیمت پر فروخت کر دیتے، امام احمد رضا نے ان کے متاع دین وایمان کا سودا ہونے نہ دیا، اپنا سب کچھ قربان کر کے ان کی حفاظت کا سامان کیا، اسی طرح ان کے وصال کے بعد اگر ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کی اصطلاح رواج نہ پاتی تو سنیت کی بقا خطرے میں پڑ جاتی، کام سے تو نام ہوتا ہی ہے مگر کبھی کبھی نام سے بھی بڑا کام ہو جاتا ہے، اس سے

سنیت کا کام ہوا سنیوں کا نام ہوا۔

دنیائے سنیت کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ چودھویں صدی ہجری میں سنیت کی صحیح پہچان امام احمد رضا بریلوی نے بتائی، سنیوں کا تشخص و وقار مٹنے سے بچایا، سرمایۂ اسلاف اور خانقاہوں کی حفاظت کا سامان فراہم کیا، خانقاہوں میں جو مسند نشین تھے ان کے قرار واقعی مقام و مرتبے سے دنیا کو آگاہ کیا، خانقاہوں میں ریاضت و مجاہدہ کرنے والے صوفیہ کو دعوت فکر دی، معاصر علما کو اچھے اور مناسب آداب والقاب دیئے، عوام کو ان کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دی، سنیت کے نام سے جو لوگ متعارف تھے انہیں قریب کرنے کی کوشش فرمائی۔ یہ سب انہوں نے بےلوث اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ کیا اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ انہوں نے حفاظت سنیت کے لئے تصانیف کی شکل میں جو علمی اثاثہ دیا وہ رہتی دنیا تک زندۂ جاوید اور عظیم یادگار رہے گا، مگر یہ وقت کی عجب ستم ظریفی ہے کہ جو محسن و مقتدا تھے ان کے احسانات کو بھلا دیا گیا، انہوں نے نازک اور زبوں حالی کے وقت جن کی حفاظت کی تھی وہ آج ان کے خلاف آمادۂ بغاوت ہوگئے، انہوں نے جنہیں اپنے ہاتھوں سے سہارے دے کر اُٹھایا پھر چلنا سکھایا تھا جب وہ چلنے کے قابل ہوئے تو ان کے نقش قدم سے ہٹ گئے ان سے اختلاف کیا اور انہیں آنکھیں دکھانے لگے۔

ہم نے دی تھی زباں جن پتھروں کو
وہ بولنے لگے تو ہمیں پر برس پڑے

اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت نے بنام سنیت تمام خانقاہوں اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا تھا، جب تک اجتماعیت رہی دنیا نے ہماری شوکت و قوت کو تسلیم کیا، ہماری طرف کسی کو نگاہ غلط سے دیکھنے کی مجال نہ تھی مگر جب سے حاسدین کے ذہن وفکر میں یہ بات آئی کہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' پانچواں مسلک ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے'' تو ہمارا وقار مجروح و متاثر ہوگیا، ہمارا تشخص بگڑنے لگا، ملی وحدت میں خوفناک ناسور پیدا ہوا پھر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

مسلک اعلیٰ حضرت سے دوری کا نقصان یہ ہوا کہ ملت کی شیرازہ بندی تو بکھر ہی گئی ہماری بعض خانقاہیں بھی غیروں کے دست تصرف میں چلی گئیں، جہاں پر تصوف و طریقت کی اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی وہاں اب شرک و بدعت کا سبق پڑھایا جاتا ہے، جہاں انبیاء واولیاء اور ائمہ ومشائخ کے ادب داں پیدا ہوتے تھے وہاں سے اب اسلامی شخصیات کے گستاخوں کی جماعت نکلتی ہے، میں کہتا ہوں کہ آج بھی اگر سنیت کے نام پر مسلک اعلیٰ حضرت کا پرچم لے کر اٹھیں تو خانقاہوں پر ہمارا تسلط وقبضہ ہوسکتا ہے، غیروں کے دلوں پر ہم اپنی عظمت وشوکت کا جھنڈا نصب کرسکتے ہیں، خانقاہوں کے پردے سے آج بھی جنید و بازید جیسے خدا رسیدہ افراد نکل سکتے ہیں، گو ہمارے پاس کھنکتے ہوئے ریال اور چمکتے ہوئے ڈالر کی دولت نہیں لیکن اگر دولت عشق وایمان سلامت ہے تو ہمارا ماضی کا کھویا ہوا وقار بحال ہوسکتا ہے۔

اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی یہ افادیت کیا کچھ کم تھی؟ اہل حق کے نزدیک آج بھی اس کی افادیت مسلم ہے جذبۂ بغاوت اگر نہیں ہے تو اس سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ وقت کے بڑے بڑے جلیل القدر علما و مشائخ نے مسلک اعلیحضرت کی رائج شدہ اصطلاح کو درست قرار دیا،

اسے نجات وسلامتی کا راستہ سمجھا، اسے سنیت کی علامت و پہچان بتایا، ایسا نہیں ہے کہ ان علما نے عقیدت میں ڈوب کر ایسا کہا یا لکھا وہ اس کی اہمیت وافادیت کو بخوبی سمجھتے اور جانتے تھے، جن علما کی نظروں مین مسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت واضح وآشکارتھی ان میں سے اکثر علماء نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کو قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا وہ اعلیٰ حضرت کی مرکزیت کو بھی تسلیم کرتے تھے اوران کی علمی عظمت و برتری کو بھی جس داعیہ کی بنا پر مسلک اعلیٰ حضرت کہا جانے لگا تھا وہ اس کی صداقت وحقانیت کو بھی جانتے تھے جن اکابر علماء ومشائخ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی واقعیت وسچائی کو تسلیم کیا ہے ان کے بعض اقوال واسماء یہ ہیں۔

میرا مسلک شریعت وطریقت میں وہی ہے، جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔

(حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں)

دین اسلام ومذہب اسلام کا سچا خلاصہ مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

(شیر بیشۂ اہل سنت مولانا مفتی حشمت علی خان صاحب)

میں مسلک اہل سنت پر زندہ رہا اور مسلک اہل سنت وہی ہے، جو مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

(مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی)

اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کا مسلک بالکل حق اور جو ان کے طریقے پر ہے وہی ٹھیک ہے۔

(ملک العماء مولانا مفتی ظفر الدین بہاری)

فقیر کا اور فقیر کے آباء واجداد کا وہی مسلک ہے جو مسلک اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے۔

(ابو البرکات مولانا مفتی سید احمد قادری)

اعلیٰ حضرت کے مسلک وتحقیقات میں کس کا زہرہ ہے جو جرأت لب کشائی کرسکے۔

(مولانا مفتی مظہر اللہ نقشبندی مفتی اعظم دہلی)

وہ میرا مرید نہیں جو مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف ہے۔

(مولانا مفتی احمد سعید کاظمی)

مذہب حق اہل سنت جس کا معیار اس زمانے میں حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تصانیف ہیں۔

(مولانا سید شاہ مصباح الحسن چشتی)

میرا جو مرید مسلک اعلیٰ حضرت سے ذرا بھی ہٹ جائے تو میں اس کی بیعت سے بیزار ہوں۔

(احسن العلماء مولانا مفتی سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن)

مسلک اعلیٰ حضرت واقعۃً مسلک اہل سنت و جماعت کا دوسرا نام ہے۔

(تاج الشریعہ مولانا مفتی اختر رضا خان ازہری)

سارے فرقہائے باطلہ کے مقابلے میں اپنی دینی وجماعتی شناخت کے لئے ہمارے پاس بریلوی یا مسلک اعلیٰ حضرت سے زیادہ جامع کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے۔

(رئیس القلم علامہ ارشد القادری)

یادرکھو یہ وہی علماء ہیں جنہیں سواد اعظم اہل سنت کی طاقت وآبرو سمجھا جاتا ہے اگر ان کے کردار وعمل پر رائے زنی یا انگشت نمائی کی جائے گی تو سواد اعظم اہل سنت کے پاس مسلکی ایقان واذعان کا کونسا سرمایہ رہ جائے گا گویا کہ انہیں بے وقعت وبے وزن ثابت کرنا اپنا ہی گھر کھودنے کے مترادف

ہے، وہ انسان بڑا نادان ومتکبر سمجھا جاتا ہے جو اپنے اکابر کی ہڈیوں پر اپنی ہوس کا تاج محل تعمیر کرنا چاہتا ہو، تاریخ ایسے شخ کو معاف نہیں کرے گی۔

آخر میں عرض یہ ہے کہ حقائق وشواہد کے اجالوں کے باوجود اگر کوئی مسلک اعلیٰ حضرت کو چھوڑ کر ذہنی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو وہ ان اقوال علماء کو دیکھ کر شاہراہ عمل متعین کرسکتا ہے۔ یہ علما مذہب حق کے ترجمان یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کے محافظ وپاسبان ہیں انہوں نے آخری دم تک مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ وترقی میں سعی بلیغ فرمائی اس کی ترویج واشاعت کو منشور حیات قرار دیا، مشربی تعصب وتنگ نظری سے بالاتر ہو کر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ علما بھی علم وفضل کے درخشندہ آفتاب وماہتاب ہیں، مسلک اعلیٰ حضرت کے تعلق سے ان کے اقوال وفرامین آپ زر سے لکھنے کے قابل ہیں آنے والی نسلوں کیلئے یہ ایک دستور حیات اور لائحہ عمل ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ نہ شرعی طور پر مسلک اعلیٰ حضرت کہنے میں کوئی قباحت وممانعت ہے، نہ عرفی طور پر کوئی خرابی، بلکہ یہ کہنا وقت کی اہم ضرورت اور وقت کا عین تقاضا ہے تاکہ اپنے کو سنی حنفی کہلانے والے مبتدعین وبدعقیدے، اہل سنت وجماعت سے علیٰحدہ رہیں اور سنیوں کا تشخص وامتیاز قائم وبرقرار رہے۔

یاد رکھو جس قوم کا امتیازی نشان وشعار مٹ جاتا ہے تاریخ کے صفحات سے اس کا نام ونشان مٹا دیا جاتا ہے اور وہ قوم دوسروں کی دست نگر ومحتاج ہو جاتی ہے، مسلمانوں میں جب تک اسلامی رجحان وتشخص باقی رہا وہ دور سے پہچانے جاتے رہے ان کا وقار ووزن بحال رہا ان کی ہیبت وخوف سے زمانہ کا نپتا رہا اور ان کے دشمن لرزہ براندام رہے، مگر جب سے انہوں نے اسلامی لبادہ اتار کر غیروں کا طرز عمل اپنایا، اپنی مذہبی نشانیوں کو کھو دیا، شکل وصورت بدل دی تو دشمنوں کے دلوں سے ان کا رعب وجلال نکل گیا اور وہ مغلوب ومرعوب ہو گئے پھر جو ان کے دشمن بدخواہ تھے وہی ان کی تقدیر کا فیصلہ کرنے لگے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنے عہد میں مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا، خود کو مضبوط وخود کفیل کرنے کی تدابیر بتائیں، فروغ دین ومذہب کیلئے موثر ومفید تجاویز پیش کیں کمزوروں کو سہارا دینا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، انہوں نے سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے اپنی بصیرت ودانائی سے مسلمان کے ہاتھ مضبوط ومستحکم کئے انہیں اسیر قسمت ہونے سے بچایا، یہی وجہ ہے کہ دلوں کے آفاق پر آج بھی ان کی حکمرانی ہے۔ علمی دنیا کے لئے ان کا وجود ایک نعمت عظمیٰ ہے، دنیا کو آج امام احمد رضا کی ضرورت ہے ان کا نام سنیت وحقانیت کی ضمانت ان کا پیغام وقت کی آواز ہے، ہمارے فکر وخیال میں وہ ہم سے تو قریب ہیں ہی ہمیں ان سے قریب ہونے کی ضرورت ہے، دین وایمان کے رہزنوں، مبتدعین زمانہ اور گستاخان رسول کو اپنے سے دور رکھنے کے لئے امام احمد رضا کا نام مثل منتر ہے اور اپنوں کو متحرک وبیدار اور راہ حق پر گامزن وثابت قدم رکھنے کے لئے مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ ایک موثر تدبیر ہے۔

مذہب اہلِ سنت پائندہ باد
مسلکِ اعلیٰ حضرت زندہ باد

□□□

حضرت مولانا مفتی سید شاہد علی حسنی نوری

امام احمد رضا کی تدریسی خدمات

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے درس وتدریس کا سلسلہ کسی مدرسہ میں مدرس ہوکر یا اپنا ہی مدرسہ قائم کر کے نہیں شروع کیا تھا۔ جبکہ علماء کرام عموماً فراغت کے بعد تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں مگر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حصول علم کے زمانہ میں ہی درس وتدریس کا کام شروع کر دیا تھا۔ آپ اپنے زمانہ میں مرجع علماء رہے دور دور سے طلبہ آکر مستفیض ہوتے رہے۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا بریلوی قدس سرہٗ آپ کے اس درس کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: اعلیٰ حضرت نے زمانۂ طالب علمی میں طلبہ کو پڑھایا۔

(مولانا، سلامت اللہ لاھل السنہ)

اس دور میں کن خوش نصیب حضرات نے فاضل بریلوی سے اکتسابِ فیض کیا۔ ان کے ذکر سے تاریخ وتذکرے بالکل خاموش ہیں اور اب تک کی تحقیقات رضویہ بھی اس کی کوئی نشان دہی کرتی نظر نہیں آتیں۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے فراغت کے بعد بھی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ خود ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ: فقیر کا درس بحمدہٖ تعالیٰ تیرہ (۱۳) برس، دس (۱۰) مہینے، چار (۴) دن کی عمر میں ختم ہوا، اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا۔

(الکلمۃ الملھمہ، ص ۶)

چند سال سے کیا مراد ہے؟ کتنی مدت درسِ رضا کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کی وضاحت کسی قدر مندرجہ ذیل تصریحات اور تحریرات سے ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں: اخیر محرم ۱۳۰۴ھ میں فقیر نے بدایوں مدرسہ طیبہ قادریہ میں خواب دیکھا کہ صحیح بخاری شریف نہایت خوش خط ومحشیٰ میرے سامنے ہے۔ اس کے حاشیہ پر غالباً بروایت امام شافعی علیہ الرحمہ یہ حدیث لکھی ہے کہ ''**الدعاء فی الشمس مرۃ افضل من الدعاء فی الظن سبع عشرۃ مرۃ**'' (یعنی دھوپ میں ایک بار دعا سائے میں ستر بار کی دعا سے بہتر ہے۔) اس مضمون کی حدیث فقیر کی نظر سے کہیں نہ گزری، حضرت عظیم البرکت مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب قادری دامت برکاتہم سے بھی اس کے متعلق استفسار کیا۔ فرمایا: ''میرے خیال میں بھی نہیں۔'' واللہ تعالیٰ اعلم۔ اسی طرح اب کوئی چند مہینے ہوئے اور سید شاہ فضل حسن صاحب پنجابی فقیر سے صحیح بخاری شریف پڑھتے تھے۔ ایک

دن فقیر نے اپنے مکان میں خواب دیکھا: ''جامع صحیح مطبوع' 'مطبع احمدی' پیش نظر ہے اور اس میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک عصر موقف میں کسی مؤذن کی اذان کا ذکر اور اس پر بحث ہے کہ اس کی اذان مطابق سنت ہے یا نہیں۔اس پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''**قد سمعه افقه بلدنا و اعظمهم علماء ابو حنيفة**'' (یعنی اس کی اذان کیوں کر صحیح نہ ہو حالانکہ اسے سنا ہے ہمارے شہر کے اکمل فقہاء و اعظم علماء ابو حنیفہ نے۔) خواب کی باتیں اکثر تاویل طلب ہوتی ہیں تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا حضرت امام پر زماناً تقدم کچھ مضر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احسن الوعاء لآداب الدعاء مع شرح ذیل المدعا لاحسن الوعاء، ص ۴۰) مذکورہ بالا حوالہ سے اتنا واضح ہو گیا کہ امام احمد رضا کا درس و تدریس ۱۳۰۴ھ میں بھی جاری تھا۔

درسی مشاغل کی کثرت:

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ ۱۳۰۶ھ تک درس و تدریس میں اس قدر مشغول و مصروف اور منہمک رہتے تھے کہ تصنیف و تالیف اور فتاویٰ کے لکھنے لکھانے کا وقت بھی بہت کم ملتا تھا۔ عموماً جمعہ کی تعطیل میں فتاویٰ کا کام کرتے تھے۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے ۱۳۰۶ھ میں کسی نے مصافحہ کے بارے میں سوال کیا کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ جائز ہے یا نہیں؟ اور غیر مقلد لوگ ایک ہی ہاتھ سے کرتے، اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو ناجائز و خلاف احادیث جانتے ہیں۔اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط؟۔

اعلیٰ حضرت نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے جواز اور غیر مقلدین کے دعویٰ کے ابطال میں ایک مستقل رسالہ چالیس صفحوں کا مسمیٰ بنام ''**الصفائح اللجين فى التصافح بكف اليدين**'' تحریر فرمایا۔اسی میں اپنی درسی مصروفیات اور قلت فرصت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

یہ مسئلہ فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر سے روزِ جمعہ ۱۹/ ذی القعدہ ۱۳۰۶ھ کو بعد نمازِ جمعہ پوچھا گیا۔جواب زبانی بیان میں آیا۔اور ازاں جا کہ آج کل قدر علالت اور بوجہ مشاغل درس قلت مہلت تھی۔خیال کیا کہ جمعہ آئندہ کی تعطیل انشاء اللہ تعالیٰ تحریر جواب کی کفیل ہوگی۔

(فتاویٰ رضویہ جدید، ج ۲۲، ص ۲۷۰)

اس تحریر سے یہ بات خوب تر تو مزید واضح ہو گئی کہ ۱۳۰۶ھ تک ''درس رضا'' کا سلسلہ شباب پر تھا اور مشاغل درس کی کثرت کی وجہ سے قلت مہلت تھے جس کی وجہ سے فتاویٰ لکھنے کا کام صرف جمعہ کو کرتے تھے مگر یہ پھر بھی واضح نہیں ہوا کہ درسِ رضا کا یہ سلسلہ کب تک جاری رہا۔اس کی وضاحت مندرجہ ذیل حوالہ جات سے مزید ہوتی ہے۔

۱۳۱۱ھ تک حضرت حجۃ الاسلام مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی نے والد ماجد اعلیٰ حضرت سے کتب معقول و منقول پڑھ کر انیس (۱۹) سال کی عمر میں درسیات کی تکمیل کی۔ حجۃ الاسلام کے ساتھ ان کے ہم عصر عید الاسلام مولانا عبد السلام رضوی جبل پوری قدس سرہٗ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے درس میں حضرت حجۃ الاسلام کے ساتھ شریک اسباق تھے۔ حجۃ الاسلام کے معاصرین میں یہ شرف تنہا حضرت عبد السلام کو ہی حاصل تھا۔

(حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، جدید ایڈیشن، ص ۱۴۲)

مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی رضوی صاحب ''تذکرۂ جمیل'' میں لکھتے ہیں کہ: سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد محدث سورتی حضرت مولانا وصی احمد کے تنہا یکتا صاحبزادے تھے۔ ۱۲۹۸ھ۔ ۱۸۸۳ء میں پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ تیرہ (۱۳) سال کی عمر (۱۳۱۱ھ) میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں کی خدمت میں بریلی حاضر ہو گئے اور آپ ہی سے دورۂ حدیث پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ امام احمد رضا نے خود اپنے دست مبارک سے دستار بندی کی۔ اپنے والد نامدار محدث سورتی سے علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں طب کی تکمیل کی۔ (تذکرۂ جمیل، ص ۲۲۹)

یہ ۱۳۱۱ھ کی بات ہے۔ اب اعلیٰ حضرت ہی کے قلم سے ایک شہادت اور ملاحظہ فرمائیں جو کہ آپ نے رسالہ ''قوارع القھار عکی المجسمة الفجار'' ۱۳۱۸ھ میں مرتب کیا اس کے اختتامیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ: باوصف کثرت کار وہجوم اشغال تعلیم وتدریس ومجالس مبارکہ میلاد سراپا تقدیس وقت فرصت کے قلیل جلسوں میں تمام ہوا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۱، ص ۲۶۳)

مولانا ڈاکٹر حسن رضا خاں پٹنہ رقمطراز ہیں: حضرت مولانا رحیم بخش صاحب اپنے وقت کی ایک بلند قامت شخصیت کے حامل تھے۔ ۱۳۱۲ھ کو مظفر پور ضلع کے ایک گاؤں باتھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے مقامی علما سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ کے والد نے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بھیجا۔ آپ نے مسلسل بارہ (۱۲) سال تک اعلیٰ حضرت سے تحصیل علم کیا۔ سند فراغت کے بعد آپ رشد وہدایت کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ بے شمار کرامات آپ سے صادر ہوئیں۔ ۱۹؍ جمادی الآخر ۱۳۹۷ھ کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔ آپ کا مزار باتھ ضلع مظفر پور میں مرجع خلائق ہے۔ (فقیہ اسلام، ص ۲۵۴)

ڈاکٹر حسن رضا خان صوفی قلندر علی سہروردی قدس سرہٗ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: ابوالفیض قلندر علی سہروردی گیلانی کے چشم و چراغ ہیں۔ کوٹلی لوہار ان سیال کوٹ وطن ہے۔ ۸؍ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی شوق میں دیوبند پہنچے۔ ایک رات قیام کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تقریباً ڈھائی سال تک قیام کیا اور علوم دینیہ کا استفادہ امام اہل سنت سے کیا۔ (فقیہ اسلام، ص ۲۴۷۔ بحوالہ سہروردی اولیا، ص ۳۶۶)

شرف ملت علامہ عبدالحکیم شرف قادری تحریر فرماتے ہیں کہ: استاذ العلماء مرجع الفضلاء، سید السند سید ابو البرکات صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث مرکزی حزب الاحناف لاہور فرماتے ہیں: جب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی عمر شریف پچاس (۵۰) برس ہو گئی تو آپ نے تمام تر توجہ تصنیف وتالیف کی طرف پھیر دی اور فرمایا: ''ایک دور یعنی نصف صدی (درس وتدریس میں) گزر گئی۔ زمانے کے حالات بدل گئے۔ اب ہمیں بھی اپنی عادات میں تبدیلی کرنی چاہیئے۔'' چونکہ لوگ تحریر سے زیادہ استفادہ کر سکتے ہیں اس لیے اعلیٰ حضرت نے تقریر کی بہ نسبت تحریر کی طرف زیادہ

توجہ فرمایا کرتے تھے۔ (یاد، اعلیٰ حضرت، ص ۲۴)

استاذ العلماء علامہ سید ابوالبرکات کی اس روایت سے یہ بات صاف اور واضح ہوگئی کہ ۱۳۲۲ھ تک امام احمد رضا فاضل بریلوی کی زیادہ تر توجہ درس وتدریس پر رہی۔ عمر شریف پچاس سال ہونے کے بعد اپنی تمام تر توجہ تصنیف وتالیف افتا اور رَدِّ وہابیہ کی طرف پھیردی۔ اس سلسلہ میں ایک مقام پر امام احمد رضا خود رقمطراز ہیں: افتا اور رَدِّ وہابیہ انہوں نے مشغلہ تدریس بھی چھڑا دیا۔

(الکلمۃ الملھمہ، ص۶)

ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تدریسی خدمات کے سلسلہ میں ''درسِ رضا'' کی برکتوں اور وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اعلیٰ حضرت نے کتب درسیہ سے فراغت کے بعد تدریس وافتاء وتصنیف کی طرف توجہ فرمائی۔ ابتدا میں تدریس کی طرف توجہ بہت زائد تھی۔ بریلی شریف میں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ اس لیے فقط اعلیٰ حضرت کی ذات مرجع طلبہ وعلماء تھی۔ جن کو علمی چشمہ سے فیضیاب ہونا ہوتا، وہ اعلیٰ حضرت کا قصد کرتے اور کامیابی حاصل کرتے۔

(حیات اعلیٰ حضرت (جدید) ج ۱ ص ۱۲۴)

الغرض اعلیٰ حضرت کا ایک زمانہ تدریس وتعلیم کا بڑے زور وشور سے گزرا ہے۔ جس میں دور دور سے طلبہ دوسرے مدرسوں کو چھوڑ کر یہاں حاضر ہوتے اور اس چشمہ علم ونظر سے فیضیاب ہوتے۔ چنانچہ اسی زمانہ کا ایک واقعہ جناب مولوی محمد شاہ خاں عرف تھن خاں صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن تین طالب علم نئے آئے اور اعلیٰ حضرت سے پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے دریافت کیا کہاں سے آپ لوگ آئے ہو، اس سے پہلے کہاں پڑھتے تھے؟ وہ لوگ بولے دیوبند میں پڑھتے تھے، وہاں سے گنگوہ گئے، اس کے بعد یہاں آئے ہیں۔ میں نے کہا یوں تو طلبہ کو ثم خیر اکا مرض ہوتا ہے، یعنی وہاں بہتر پڑھائی ہے۔ اسی لیے ایک جگہ جم کر بہت کم لوگ پڑھتے ہیں، بلکہ دو چار جگہ جاکر ضرور دیکھا کرتے ہیں۔ مگر یہ عموماً ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں کی تعریف انسان سنتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ لوگوں نے دیوبند یا گنگوہ میں بریلی کی تعریف سنی ہو اور اس وجہ سے یہاں کے مشتاق ہوکر تشریف لائے ہوں۔ بولے یہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اختلاف مذہب واختلاف خیال کی وجہ سے اکثر تو بریلی کی برائی ہی ہوا کرتی تھی۔ مگر ٹیپ کا بند یہ ضرور ہوتا کہ قلم کا بادشاہ ہے، جس مسئلہ پر قلم اٹھا دیا، پھر کسی کی مجال نہیں کہ ان کے خلاف کچھ لکھ سکے۔ یہی دیوبند میں سنا اور یہی گنگوہ میں بھی۔ تو ہم لوگوں کے دلوں میں شوق وذوق ہوا کہ وہیں چل کر علم حاصل کرنا چاہیے جن کے مخالفین فضل وکمال کی گواہی دیتے ہیں۔ **والفضل ما شهدت به الاعداء۔**

(حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱ ص ۲۱۱۔ ۲۱۲، قدیم)

ملک العلماء ایک دوسرے مقام پر امام احمد رضا فاضل بریلوی کے مجدد ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: چودھویں صدی کے مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت صاحب تصانیف کثیرہ تالیفات باہرہ جناب مستطاب معلی الالقاب مولانا مولوی حاجی حافظ قاری

محمد احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ قدس سرہٗ یوم القیامہ تحت ایامہ۔ اس لیے آپ کی ولادت باسعادت ۱۰؍شوال المکرم ۱۲۷۲ھ اور انتقال پر ملال ۲۵؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ ہے۔ تو تیرہویں صدی کے آپ نے ۲۸؍سال دو مہینے بیس دن پائے اور علوم وفنون، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتقریر میں مشہور دیار و امصار اوانی اقاصی ہوئے اور چودہویں صدی کے ۳۹سال ایک مہینہ پچیس دن پائے جس میں حمایت دین ونکایت مفسدین اور احقاق حق وازہاق باطل، اعانت سنت واماتت بدعت میں جان و مال علم وفضل صرف فرمایا اور جس طرح بنا ہمیشہ شرع ومذہب کی نصرت اور مخالفین، دینِ متین کا ردوطرد کیا اور اس میں کبھی نہ لومۃ لائم کی پرواہ کی اور نہ کسی بڑے سے بڑی شخصیت کا خیال آڑے آیا۔ نہ کبھی شہرت ومدح کی پرواہ کی نہ کسی کی طعن وقدح کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی۔ (چودہویں صدی کے مجدد، ص ۸۵)

مذکورہ بالا عبارت سے جہاں چودہویں صدی کے مجدد امام احمد رضا کے اوصاف حمیدہ اور زریں کارنامے معلوم ہوئے۔ وہیں تیرہویں صدی ہجری کے آواخر میں ''درسِ رضا'' کی شہرت دیار وامصار میں آشکارا ہوگئی۔

محقق اہل سنت مولانا محمد جلال الدین قادری امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تدریسی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: تعلیم سے فارغ ہوکر امام احمد رضا قدس سرہٗ نے تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے اکثر تلامذہ آسمان علم وفضل کے نیّر درخشاں بن کر چمکے۔ امام احمد رضا کی ذات مرجع العلماء تھی۔ دور دور سے طلبہ استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ سہارنپور اور دیوبند کے چند طلبہ بھی حدیث وفقہ کے درس کے لیے حاضر ہوئے۔

فاضل منظر اسلام مولانا محمد عیسیٰ رضوی امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تدریسی خدمات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: منظر اسلام کا قیام عمارت ومکان کی شکل میں اگر چہ باضابطہ طور پر (یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ) میں ہوا۔ مگر اس سے پہلے بھی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے دولت کدے میں درس وتدریس اور تعلیم کا باقاعدہ عمل جاری تھا۔ ملک اور بیرون ملک سے علماء وطلبہ ان کی بارگاہِ علم ودانش میں فیض صحبت اور تحصیل علم وفنون کے لیے آتے اور ان سے شرف تلمیذ وشاگردی حاصل کرنے کو باعث افتخار سمجھتے تھے۔ اس طرح تدریس وتعلیم کا یہ سلسلہ قیام منظر اسلام سے پہلے ہی امام احمد رضا نے علوم نقلیہ وعقلیہ کے حصول سے فارغ ہونے کے بعد قائم فرمایا۔ مدتوں اسی انداز میں ان کے کاشانۂ علم ودانش میں یہ علمی سلسلہ رائج وقائم رہا۔ جب کہ منظر اسلام کا وجود وقیام ابھی خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات مرجع علماء تھی۔ ملک اور بیرون ملک سے علماء اور طلبہ فیضِ ''درسِ رضا'' سے فیضیاب ہونے اور اکتساب علم ومعرفت کے لیے'' کاشانۂ رضا'' پر حاضر ہوتے۔ وہ کاشانۂ رضا جو فیوضات علمیہ وروحانیہ کا سرچشمہ تھا۔ جو علم ومعرفت کا منبع ومخزن تھا۔ جو حَبر الامہ اور رأس المفسرین سیدنا حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علوم قرآنی کا منظر، امام بخاری، امام مسلم اور

امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درس حدیث کا مظہر، امام رازی اور امام غزالی رضی اللہ عنہما کے درسِ علم وحکمت کا روشن چراغ تھا۔ یہی کا شانہ رضا تھا جہاں سے علم ومعرفت کے دریا جاری تھے۔ ان ہی دریاؤں میں غوطہ زن ہوکر گوہر مراد پاتے تھے اور دولت علم وفضل لےکر اپنے وطنوں کو جاتے تھے۔

''درسِ رضا'' کا یہ سلسلہ فراغت کے بعد ۱۲۸۶ھ۔ ۱۸۷۰ء سے ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء تک نہایت حسن وخوبی سے باضابطہ جاری رہا۔ تصنیفی مشاغل اور کار افتاء بڑھ جانے سے یہ سلسلہ مدہم اور وقفہ وقفہ سے تو ہوا مگر بند نہ ہوا۔ آپ کے اس دور کے اکثر تلامذہ آسمان علم وفضل کے نیّر تاباں اور خورشید درخشاں بن کر چمکے۔ استاذ زمن مولانا محمد حسن رضا خاں بریلوی، علم میراث کے ماہر فن استاذ مولانا مفتی محمد رضا خاں بریلوی، حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی، عید الاسلام مولانا عبد السلام جبل پوری، مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی، مولانا محمد عبدالاحد محدث پیلی بھیتی، مولانا سلطان احمد خاں بریلوی، مولانا سید امیر احمد بریلوی، مولانا حافظ یقین الدین بریلوی، مولانا حافظ عبد الکریم، مولانا سید نور احمد چاٹگامی، مولانا منور حسین بریلوی، مولانا واعظ الدین بریلوی، مولانا رحیم بخش باتھوی، مولانا صوفی قلندر علی سہروردی وغیرہم اسی دور کی یادگار ہیں جن کے علم وفضل کے ڈنکے دنیائے سنیت میں بج رہے ہیں اور بجتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہی وہ درسِ رضا، فکر رضا، عشق رضا، تقریرات رضا، تحقیقات رضا، تصنیفاتِ رضا اور کار افتاء کا فیضان تھا۔ جن کا ذکر آپ کے ہم عصر علما، فقہا، ادبا، شعرا، خطبا، مدرسین، مناظرین، مصنفین، مؤلفین، محققین، مشائخ وصوفیائے عظام اور سادات کرام کی زبانوں پر، درسگاہوں، خانقاہوں اور مجالس ومحافل میں جاری تھا۔ طالبانِ تحقیق کے لیے معاصرین کے تذکرے اور اس دور کے اخبارات ورسائل اس سے پر نظر آتے ہیں۔ اگر معاصرین کے تاثرات جمع کئے جائیں تو وہی ایک مبسوط مقالہ کی شکل اختیار کر جائیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کا یہی وہ ذکر خیر اور چرچہ تھا کہ جب استاذ العلماء حضرت مولانا سید احمد عالم قادری رجہتی نے اپنے مشفق ومہربان استاذ امام الحکمت حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور سے مدرسہ حنفیہ جون پور میں سنا تو دیدار رضا اور تلمیذ رضا کے مشتاق ہو گئے۔ استاذ العلماء حضرت مولانا سید احمد عالم قادری رجہتی جونپور کی شہرۂ آفاق درس گاہ مدرسہ حنفیہ میں اس وقت زیر تعلیم تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب امام الحکمت استاذ الاساتذہ حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری (م ۱۳۲۶ھ۔ ۱۹۰۸ء) تلمیذ ارشد امام المعقولات مجاہد آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) علیہما الرحمہ کی علمی جلالت کا ڈنکا پورے ملک میں بج رہا تھا۔ آپ نے مدرسہ عالیہ رامپور سے ۱۸۷۸ء میں جون پور آکر مسند تدریس سنبھالی تو جونپور کو شہرستانِ علم و فضل بنا دیا۔ پورے برصغیر سے تشنگانِ علم کشاں کشاں چلے آتے۔ علم کے گہر سے اپنے خالی دامنوں کو بھرتے۔ علم کے بحر ذخار سے اپنے ظرف کے مطابق اپنا حصہ لیتے اور خوشی خوشی رخصت ہوتے۔ استاذ العلماء مولانا سید احمد عالم قادری رجہتی امام الحکمت کی بارگاہ علم ودرس میں کسب فیض اور حصول

علم وفنون میں شب وروز ہمہ تن مشغول ومصروف تھے مگر جب امام الحکمت کی زبان، زبانِ حق ترجمان سے درس کے دوران بار بار جامع العلوم، مخزن فنون، امام احمد رضا کا ذکر خیر سنا تو زیارت رضا اور ملاقات رضا کے لیے مضطرب اور بے چین ہوگئے۔ پھر کیا ہوا موصوف کے فرزند ارجمند مولانا سید بدر عالم رضوی نوری رجھتی بکاروتھرمل (جھارکھنڈ) کی زبانی سنئے وہ کیا کہتے ہیں۔

موصوف اپنے والد ماجد مولانا سید احمد رجھتی کے جون پور سے بریلی شریف پہنچنے کا حال ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: جون پور میں کچھ دنوں تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا محدث جون پوری سے اپنے درس کے دوران بار بار ذکر سنا کرتے تھے۔ آپ کا اشتیاق بڑھا اور اپنے استاذ مکرم سے بریلی شریف جاکر امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی اجازت چاہی تو محدث جونپوری نے بخوشی اجازت دے دی اور اعلیٰ حضرت کی خدمت اقدس میں ۱۳۲۱ھ میں آپ کو سپرد کیا گیا۔ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے فرمایا: ''اپنی زندگی کا انمول ہیرا آپ کی نذر کر رہا ہوں۔''

امام احمد رضا کے علوم فنون فقہی تبحر، درسی مہارت اور افتاء میں کمال عبور وملکہ کا یہی ذکر جب ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری نے اپنے مشفق ومہربان استاذ اعلیٰ حضرت کے ہم عصر ومکتسب وخلیفہ علامہ وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۴ھ۔ ۱۹۱۶ء) سے درس کے درمیان بار بار سنا تو ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اور شوق دید بریلی کھینچ لایا۔

۱۳۲۱ھ میں امام احمد رضا کی خدمت میں بریلی پہنچے۔ ملک العلماء نے امام احمد رضا کی تصنیفی مصروفیات اور کار افتاء کی زیادتی دیکھی تو کچھ دنوں کے لیے مدرسہ ''اشاعت العلوم'' بریلی میں زیر تعلیم رہے اور ''دارالافتائے اہل سنت وجماعت'' میں حاضر ہوکر مشفق افتاء کرتے رہے آپ کے ساتھ آپ کے ہم وطن حضرت مولانا عبدالرشید عظیم آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان بھی تھے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ مستقل طور پر فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوکر کسب، فیض کرنے لگے۔ اپنی اس نسبت پر فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اور پھر ان تمام نعمتوں کے علاوہ سونے پر سہاگا یہ کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد مأۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ مولانا مولوی حافظ قاری شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی نے بیعت وتلمیذ وارشاد وخلافت کے شرف سے مشرف فرمایا جو شریعت مطہرہ اور طریقۂ منورہ کی علمی تصویر تھے۔ جو شریعت کا رہنما، جن کا ہر فعل احکام الٰہی کی اتباع جنہوں نے بلا خوف لومۃ لائم مسائلِ شرعیہ ومسائل فقہیہ کی تعلیم وتبلیغ فرمائی اور عمر بھر تالیف وتصنیفات و افتاء وتدریس کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت ورہنمائی فرمائی۔

مرکز علم وعرفان جامعہ رضویہ ''منظر اسلام'' کا قیام:

جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹؍مارچ ۱۹۰۵ء بروز دوشنبہ قائم ہوا۔ تلمیذ ومرید خاص ملک العلماء حضرت علامہ مفتی سید عزیز حسین صاحب رضوی ظفری بھاگلپوری قدس سرہٗ قیام ''منظر اسلام

''سے متعلق رقمطراز ہیں کہ:

یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹/ مارچ ۱۹۰۵ء بروز دوشنبہ کو جناب تحصیلدار رحیم یار خاں صاحب رئیس اعظم بریلی کے عالی شان مکان پر واقع محلّہ ''گلاب نگر'' میں ''مدرسہ اہل سنت والجماعت'' قائم ہوا۔اعلیٰ حضرت نے اس کا تاریخی نام ''منظر اسلام ''رکھا۔مولانا مولوی حسن رضا خاں صاحب حسنؔ بریلوی اس مدرسے کے منتظم قرار پائے اور جناب مولانا شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب مدظلہ مہتمم جن کے اہتمام ونگرانی میں یہ مدرسہ کمال وترقی کے مراتب طے کرتا ہوااس وقت بہت اچھی حالت میں طلاب علم دین کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہے۔یہ ''مدرسہ''ایک زمانے تک تو''گلاب نگر''ہی میں رہا مگر چونکہ وہ محلّہ شہر کے کنارے پر واقع تھا اور طلبا کو وہاں پہنچنے میں وقت ہوتی تھی اس لیے مدرسہ کچھ دنوں کے لیے محلّہ ''بہاری پور مسجد بی بی'' میں منتقل ہوا اس کے بعد ایک زمانہ تک جناب مولوی شاہد علی خاں صاحب ہمشیر زادہ اعلیٰ حضرت کے مکان واقع محلّہ ''سوداگران'' میں رہا پھر مدرسے کے لیے مستقل مکان خرید لیا گیا اور اب مدرسہ اپنے ذاتی مکان میں ہے علاوہ اور عوامی چندہ کے ریاست حیدر آباد سے مبلغ دو ہزار چار سو سالانہ مقرر ہے۔

(جہان ملک العلماء،ص۱۲۱)

ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی مصباحی رقمطراز ہیں کہ:

(ملک العلماء نے)۱۳۲۲ھ میں قیام منظر اسلام کے لیے ذہن سازی کی، راہ ہموار کی،یہی ''منظر اسلام''بر صغیر کا ''بغداد العلم'' کہلایا، ایشیا کا ''ازہر'' ثابت ہوا۔نابغۂ روزگار درسگاہ کہلائی۔

(جہان ملک العلماء،ص۲۵۶)

رشک، یونان واصفہان بنا،غرناطہ سبکسار اور دہلی،لکھنؤ شرمسار ہوا،بڑے بڑے علمی مراکز سرنگوں ہوئے،اونچی درسگاہیں اور نامور تعلیم گاہیں للچائی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہوگئیں،رحمتِ رب کی گھٹائیں ٹوٹ کر برسیں اور باب العلم کے محافظ وامین نے دَرْ وا کر دیا اور مدینۃ العلم رحمت بردوش معلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوازش وکرم نے اعلیٰ حضرت کو حجازی حافظانِ حدیث اور فاضلانِ علومِ اسلامیہ کا معلم بنا دیا۔

ایک جگہ یوں رقمطراز ہیں کہ: زمانہ شاہد ہے، برصغیر کے کرۂ زمین پر قدیم وجدید تعلیمی مراکز میں جو چراغِ علم فروزاں ہے اس کے روغن کا سررشتہ مجددِ اسلام اور منظر اسلام سے ضرور جڑا ہوا ہے، ماتم یہ ہے کہ تاریخ مرتب نہیں،منظر اسلام کی خدمات (جو شجر سایہ دار کی طرح پھیلی ہوئی ہیں) کا تاریخی تناظر میں جائز لیا جائے۔ تاریخ ہند میں خدمتِ علم اور اشاعتِ دین کا یہ سب سے روشن باب ہے مگر ہائے صد حیف! یہی باب سب سے زیادہ تاریکیوں میں مستور ہو کر رہ گیا ہے،خزانے کھنگالے جائیں،دفینے اُچھالے جائیں، جامعہ ''منظر اسلام'' کے موجودہ اربابِ مجاز کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔(جہان ملک العلماء،ص۳۷۰)

منظر اسلام کے پہلے شیخ الحدیث اعلیٰ حضرت:

یکم محرم الحرام ۱۳۲۲ھ۔۱۹/مارچ ۱۹۰۵ء کو بریلی میں منظر اسلام کے قیام کے بعد تلامذہ وخلفاء اور احباب کے بے حد اصرار پر مدرسہ اہلِ سنت منظر اسلام کی سرپرستی اور شیخ الحدیث کا منصب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے قبول کیا۔ استاذ زمن مولانا محمد حسن رضا خاں قادری منتظم دفتر مدرسہ اہل سنت ''منظر اسلام'' بریلی، مدرسہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

سب میں بڑھ کر خوش نصیبی اس مدرسہ کی یہ ہے کہ مجدد مأۃ حاضرہ صاحب براہین قاہرہ، عالم اہل سنت حضرت مولانا مولوی حاجی محمد احمد رضا خاں قادری برکاتی مدظلہم العالی نے باوجود قلت فرصت اس کی نگرانی کے ساتھ درسِ حدیث شریف بھی اپنے ذمہ لیا ہے۔

(روداد منظر اسلام (۱۳۲۲ھ (ص ۴۔۵)

ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری اور مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی کو دیگر درسی کتابوں کے ساتھ بخاری شریف پڑھائی۔ علامہ ڈاکٹر محمد ارشاد احمد ساحلؔ سہسرامی علیگ لکھتے ہیں:

(حضرت ملک العلماء) ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلد ہی اوپ کر سرچشمۂ علم وادب اور مصدر عشق ومحبت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہیں کے ہو کر رہ گئے۔ بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کردی۔

حضرت ملک العلماء کے ذوقِ علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ۔۱۹۰۵ء میں مدرسہ منظر اسلام قائم فرمایا۔ جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا۔ (۱) ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری رضوی۔ (۲) مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی۔

حضرت ملک العلماء نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اُقلیدس کی چھ مقالے، تشریح الافلاک، تصریح، شرح چغمینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علم ہیئت، توقیت، جفر، تکسیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتاب ''رسالہ قشیریہ'' اور ''عوارف المعارف'' کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاس انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہو کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے سال فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔

(فتاویٰ ملک العلماء، ص ۱۱۔۱۲)

اعلیٰ حضرت کا درس بخاری:

تلمیذ ومرید خاص ملک العلماء مفتی سید عزیز حسین رضوی ظفری بھاگلپوری حضرت ملک العلماء کا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے بعد ظہر تقریباً ڈھائی سال تک برابر بخاری شریف کا درس لینے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

حضرت مولانا (ملک العلماء) فرمایا کرتے تھے کہ یوں تو میرے تمام اساتذہ میرے حد سے زیادہ مشفق اور مجھ پر مہربان تھے اور ہر ایک اپنے اپنے انداز تعلیم میں ایک سے ایک تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت کے پڑھانے کا طریقہ ان سب سے جدا تھا۔ میں نے بخاری شریف کی ایک حدیث پڑھی۔ پہلے آپ سند کے متعلق گفتگو فرماتے مگر، اس کے بعد ایک مسلسل تقریر شروع فرماتے، جس میں پہلے نفس حدیث کا مطلب بیان کرتے، اس کے بعد ارشاد ہوتا کہ اس حدیث سے یہ یہ مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور لفظ لفظ سے جو مسئلے نکلتے، ان کو بیان فرماتے، جو حدیثیں ایسی آتیں جن سے مخالفت اہل سنت حضرات اہل حدیث اپنے مذہب پر استدلال کرتے ان کی تقریر وطریقۂ استدلال کو نہایت ہی وضاحت کے ساتھ غیر متعصّبانہ طریقہ پر ظاہر فرماتے۔ جس سے سننے والا سمجھتا کہ ان کا استدلال بہت ہی ٹھیک اور واضح ہے۔ اس کے بعد اس کا رد نہایت ہی وضاحت کے ساتھ مفصل ارشاد فرماتے۔ اس وقت صاف معلوم ہوجاتا کہ اس حدیث سے مسئلے پر استدلال ہرگز صحیح نہیں۔

اعلیٰ حضرت کی تقریر و درس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام صداقت التیام کا جلوہ آنکھوں کے سامنے آجاتا جو انہوں نے امام اعظم قدس سرہٗ کے حق میں فرمایا تھا کہ: ''وہ اس پائے کے ہیں کہ اگر اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو دلیل سے ثابت کردیں۔''

۔۔۔۔اگر چہ اسباق میں اور لوگوں کی بھی شرکت تھی خصوصاً صحیح بخاری شریف کے درس میں تو شریک ہونے والوں کی تعداد انیس بیس تک پہنچ گئی تھی شارع وقاری (کتاب شروع کرنے والے اور پڑھنے والے) حضرت الاستاذ (ملک العلماء) ہی ہوتے اور لوگ محض سامع تھے۔

(جہان ملک العلماء، ص ۱۲۲)

درسِ حدیث کا یہ سلسلہ ۱۳۲۷ھ تک منظر اسلام میں باقاعدہ جاری رہا۔ شہزادہ اصغر مفتی اعظم مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری اور استاذ العلماء مولانا سید خلیل احمد کاظمی امروہوی کو باضابطہ بخاری شریف پڑھائی۔ معقولات ومنقولات کی منتہی کتابوں کی تکمیل کرا کر زیور علم وعمل سے آراستہ فرما کر سندِ فراغ عطا فرمائی۔

اس کے بعد ''درس رضا'' کا یہ سلسلہ مخصوص طلبہ کے لیے اور مخصوص علم وفن کی تعلیم وتربیت کی حد تک وقفہ وقفہ سے ۱۳۴۰ھ تک جاری رہا۔ چنانچہ ۔۱۳۳۱-۱۳۳۰ھ میں آخری درس حدیث صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی رضوی اعظمی اور ان کے ہم درس ساتھیوں کو امام احمد رضا قدس سرہٗ نے دیا۔ جیسا کہ مولوی ابوعلی محمد تقی احمد صاحب مالاباری قادری نقشبندی امام مسجد کلیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں دھوراجی عبد الغفور صاحب کے یہاں مقیم تھا کہ استاذی صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب وہاں تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت کے حالات کے ضمن میں بیان فرمایا کہ:

ہم اعلیٰ حضرت سے درس حدیث لے رہے تھے کہ خلاف عادت حضرت وہاں سے اٹھے اور پندرہ منٹ

بعد قدرے متفکر پریشان واپس لائے اور دونوں ہاتھ آپ کے مع آستین کے تر تھے تو مجھے (صدر الشریعہ) پکارا، ''میں'' مسجد کے باہر آیا تو حکم فرمایا کہ دوسرا خشک کرتا لے آیئے۔ میں نے حاضر کیا۔ حضور نے پہنا، اور ہم لوگوں کو درس حدیث دینے لگے لیکن میرے دل میں یہ عجیب بات کھٹکی تو میں نے وہ دن تاریخ وقت لکھ لیا چنانچہ گیارہ دن کے بعد ایک جماعت تحفہ تحائف لے کر حاضر ہوئی، جب وہ لوگ چند دن رہ کر واپس جانے لگے تو میں نے ان سے حال پوچھا کہ کہاں مکان ہے؟ اس وقت کہاں سے تشریف لائے اور کیسے آنا ہوا؟ تو ان لوگوں نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ ہم فلاں تاریخ کشتی میں سوار ہوئے، ہوا تیز چلنے لگی، موجیں زیادہ ہونے لگیں، یہوں تک کہ کشتی کے الٹ جانے اور ہم لوگوں کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوا تو ہم نے اعلیٰ حضرت سے توسل اور نذر مانی تو دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کشتی کے نزدیک آیا اور کنارا اس کا پکڑ کر گھاٹ کے کنارے پہونچا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت کے توسل کی برکت سے ہم لوگوں کو بچا لیا۔ تو وہی نذر پوری کرنے اور اعلیٰ حضرت کی زیارت کو آئے ہیں۔ حضرت استاذ نے اس جگہ کا نام فرمایا تھا لیکن ہم اس وقت بھول گئے۔ (حیات اعلیٰ حضرت جدید، ج ۳، ص ۲۵۴۔۲۵۵، مطبوعہ بولٹن یو، کے۔ ترتیب جدید، مفتی مطیع الرحمٰن رضوی)

امام احمد رضا قدس سرہٗ عشق ومحبت رسول ﷺ کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے درس حدیث کھڑے ہو کر دیا کرتے تھے اور درس حدیث کے لیے کمال درجہ کا اہتمام فرماتے۔ (جاءالحق، ج ۱)

علم حدیث میں عشق ومحبت نبوی ﷺ کے آداب کی رعایت کا جذبۂ صادق جتنا ضروری ہے اس سے ہر صاحب ایمان بخوبی واقف ہے۔ بے عشق محمدی ﷺ جو درس بخاری دیتے ہیں برکت وسعادت اس کے قریب بھی نہیں آتی۔ حضرت فاضل بریلوی کا سینہ عشق رسالت ﷺ کی سرشاریوں سے لبریز تھا اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے نگاہیں شاد کام ہوتیں یا درس حدیث دیتے تو اس وقت اس کی وارفتگی کا عالم دیدنی ہوتا اور فیضان محمدی ﷺ کی موسلا دھار بارش میں ان کا سارا وجود بھیگ جاتا۔ دلوں کے اطمینان اور یقین واذعان کی دولت سے سرفراز ہونے کے لیے میں آنے والے اس محسوس واقعہ کو سب سے بڑی شہادت قرار دیتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی درس حدیث کی کیا کیفیت تھی؟ زبدۃ السادات علامہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے حوالے سے مفتی محمد غلام سرور لاہوری رقمطراز ہیں: جامع مسجد ہارون آباد کے امام اور غلہ منڈی ہارون آباد کی مسجد کے خطیب مولانا مولوی احمد الدین صاحب فاضل مدرسہ انوار العلوم نے راقم الحروف کو بتایا کہ میں نے حضرت علامہ فہامہ محقق اہلسنت مولانا مولوی نور احمد صاحب فریدی رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا یہ فرماتے سنا کہ:

عارف باللہ امام اہلسنت حضرت مولانا مولوی سید پیر مہر علی شاہ صاحب قبلہ گولڑوی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ آپ اعلیٰ حضرت کی زیارت کے لیے بریلی شریف حاضر ہوئے تو اعلیٰ حضرت حدیث پڑھا رہے تھے۔فرماتے تھے مجھے یوں محسوس ہوتا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی حضور پرنور ﷺ کو دیکھ دیکھ کر آپ کی زیارت شریفہ کے انوار کی روشنی میں حدیث پڑھا رہے ہیں۔(الشاہ احمد رضا،ص ۱۰۳)

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو علوم منقولہ کے علاوہ علوم معقولہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ملک العلماء مولانا سید ظفر الدین بہاری نے لکھا ہے کہ: ۱۳۲۹ھ،۱۹۱۱ء سے قبل ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے علم المربعات کا ایک سوال اخبار دبدبۂ سکندری (رامپور) میں شائع کرایا کہ کوئی ریاضی داں اس کا جواب دے۔مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اس کا جواب اور اپنی طرف سے ایک سوال شائع کرایا۔ڈاکٹر ضیاء الدین کی نظر سے جب یہ جواب وسوال گزرا تو ان کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ایک مولوی نے نہ صرف ان کے سوال کا جواب دے دیا بلکہ اپنی طرف سے ایک سوال بھی پیش کر دیا۔ڈاکٹر ضیاء الدین نے مولانا بریلوی کے سوال کا جواب شائع کرایا،لیکن مولانا بریلوی نے اس کی تغلیط کر کے ڈاکٹر صاحب کو اور حیرت میں ڈال دیا۔

یہ ابتدائی غائبانہ تعارف تھا اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے ایک مسئلہ میں مشکل پیش آئی جس کے لیے وہ جرمنی جانا چاہتے تھے مگر پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی) کے ایماء پر وہ مولانا بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔پروفیسر موصوف،مولانا بریلوی کے خلیفہ تھے۔جب مولانا بریلوی کو ڈاکٹر صاحب کی آمد کی خبر ملی تو فطری طور پر ان کو خیال ہوا کہ جس شخص نے ساری عمر ریاضی کی تحصیل میں گزار دی،نہ معلوم وہ کیا کیا سوال کرے۔مولانا بریلوی نے سید ایوب علی صاحب سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

> ڈاکٹر صاحب کے آنے سے پہلے ایک قسم کا خیال آتا تھا کہ انہوں نے اس علم کے حصول میں اپنی زندگی صرف کر دی ہے نہ معلوم کیا کیا سوالات کریں گے بخلاف اس کے یہاں تو صدہا مصروفیتیں ہیں، خدا جانے میں جواب دے سکوں گا یا نہیں۔مگر بحمدہٖ تعالیٰ پروردگار عالم نے ان کی پوری تشفی کرادی۔اور وہ بہت مسرور ہو گئے۔

جس دن ڈاکٹر ضیاء الدین حاضر ہوئے سید ایوب علی صاحب ان کے بھائی سید قناعت علی صاحب موجود تھے،ان دونوں نے اپنے چشم دید واقعات قلمبند کرائے ہیں۔سید ایوب علی صاحب نے لکھا ہے کہ کہ ڈاکٹر صاحب نے جب مسئلہ کے بارے میں مولانا بریلوی سے پوچھا،تو فوراً حل فرما دیا۔اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے علم ریاضی پر ایک عربی کتاب کا ذکر کیا جو مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ کی لائبریری میں موجود تھی۔ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ ایک عالم کے ساتھ یہ کتاب بھیجیں گے،مولانا بریلوی ان عالم کو پڑھا دیں پھر ان سے وہ خود پڑھ کر انگریزی میں ترجمہ کر لیں گے۔چنانچہ وہ

عالم کتاب لے کر آئے اور مولانا بریلوی نے ان کو پڑھایا۔

مولوی محمد حسین میرٹھی (موجد طلسمی پریس) نے ۱۹۲۹ء میں شملا میں قیام کے دوران ڈاکٹر ضیاء الدین سے مولانا بریلوی اور ان کی ملاقات کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاحل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصہ سے ریسرچ کیا ہے۔اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج ۳،ص ۲۵۴۔۲۵۵،جدید)

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے پاس حجاز وروس تک سے علوم جدیدہ کی تحصیل کے لیے تشنگانِ علوم وفنون آتے اور اس تاجدار علم وفن سے علمی پیاس بجھا کر واپس جاتے تھے۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے مولانا سید حسین مدنی (ابن سید عبد القادر شامی) علم تکسیر کی تحصیل کے لیے آئے اور چودہ (۱۴) مہینے دولت خانہ پر قیام کیا۔ موصوف ہی کے لیے علم تکسیر میں یہ رسالہ تصنیف کیا۔ ''**اطائب الاکسیر فی علم التکسیر**'' مولانا سید حسین مدنی کی بریلی آمد کے سلسلہ میں خود امام احمد رضا فاضل بریلوی نے تفصیل بیان کرتے ہوئے اپنے سفر حج کے احوال میں ارشاد فرمایا:

میں نے یہ خیال کیا کہ یہ شہر کریم تمام جہاں کا مرجع وملجا ہے۔ اہلِ مغرب بھی یہاں آتے ہیں،ممکن کہ کوئی صاحب جفر داں مل جائیں کہ ان سے اس فن کی تکمیل کی جائے۔ ایک صاحب معلوم ہوئے جفر میں مشہور ہیں۔ نام پوچھا،معلوم ہو مولانا عبد الرحمٰن دہان، حضرت مولانا احمد دہان مکی کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ نام سن کر اس لیے خوش ہوا کہ یہ اور ان کے بڑے بھائی صاحب مولانا اسعد دہان کہ اب قاضی مکہ ہیں، مجھ سے سند حدیث لے چکے تھے۔ میں نے مولانا عبد الرحمن کو بلایا، وہ تشریف لائے۔ کئی گھنٹے خلوت رہی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاعدہ جو ان کے پاس ناقص تھا، اس کی تکمیل ہوگئی۔

اسی کے مثل سرکار مدینہ میں واقع ہوا، وہاں بھی ایک صاحب عبد الرحمٰن نام ہی کے ملے، یہ عبد الرحمٰن عربی مکی ہیں اور وہ عبد الرحمٰن آفندی ترکی شامی۔ کئی روز متصل تشریف لاتے اور دیر تک بیٹھ کر جاتے۔ ہجوم حضرات اہل علم ومعززین کے سبب انہیں بات کا موقع نہ ملتا۔ ایک دن میں نے ان سے غرض پوچھی، کہا: تنہائی میں کہوں گا۔ دوسرے دن ان کے لیے وقت نکالا۔ کہا: میں جفر میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے فرمایا: یہاں نہ اب میرا زیادہ قیام ہے، نہ تیرا۔ میں خاص اس کی تحصیل کے لیے تیرے پاس ہندوستان آؤں گا۔

وہ تو نہ آئے، مگر مولانا سید حسین صاحب مدنی صاحبزادہ حضرت مولانا سید عبد القادر شامی مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور چودہ مہینے فقیر خانہ پر قیام فرمایا اور علم اوفاق وتکسیر سیکھے۔ انہیں کے لیے میں نے اپنا رسالہ ''**اطائب الاکسیر فی علم التکسیر**'' زبان عربی میں املا کیا۔ یعنی میں عبارت زبانی بولتا جاتا اور وہ لکھتے جاتے اور اسی لکھنے میں اسے سمجھتے جاتے۔ علم جفر میں اتنی دست گاہ ہوگئی تھی کہ پانچ سوالوں میں دو کا جواب صحیح نکال لیتے کہ ان کے لیے میں نے اس علم سے

اجازت تعلیم کا سوال پہلے کرلیا تھا اور جواب ملا کہ ضرور بتاؤ کہ یہ اسی کے لیے اتنی دور سے سفر کر کے آئے ہیں۔ اگر چند مہینے اور رہتے تو امید تھی کہ سب جواب صحیح نکالتے۔ میں نے جو جداول کثیرہ اس فن کی تسہیل جلیل کے لیے اپنی طبع زاد ایجاد کی تھیں، رخصت کے وقت انہیں نذر کر دیں کہ خود اس فن کے ترک کا قصد کرلیا تھا، جس کی وجہ سوالوں کی کثرت سے لوگوں کو پریشان کرنا تھا۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کو علم جفر میں بھی مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ چنانچہ بخارا (روس) سے مولوی عبد الغفار بخاری علم جفر سیکھنے کے لیے امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آٹھ (۸) مہینے تک اس علم کو حاصل کیا۔ امام احمد رضا کا مندرجہ ذیل رسالہ اس موضوع پر موجود ہے ''سفر السفر عن الجفر بالجفر''

مولانا محمود احمد رفاقتی مصنف تذکرہ علماء اہلسنت، قیام منظر اسلام کے بعد اعلیٰ حضرت کے زیر درس کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: قیام منظر اسلام کے بعد آپ کے زیر درس جو کتابیں رہیں وہ یہ تھیں۔ حدیث میں بخاری شریف، تصوف میں عوارف المعارف، رسالہ قشیریہ، علوم عقلی میں اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح، تشریح الافلاک اور شرح چغمینی، تصوف وسلوک کی دونوں معرکۃ الآرا کتابوں کے درس کے وقت طلبا تو ہوتے ہی تھے، علماء کی جماعت بھی شریک درس ہوا کرتی تھی۔

ان کے طریقہ تدریس اور طرز تعلیم کا شہرہ اتنا ہوا کہ اقطار ہند وسندھ، کابل وقندھار، جو ان کے مورث اعلیٰ کا وطن اصلی تھا حتیٰ کہ حجاز وعرب سے بھی محبان علم وعرفان کشاں کشاں چلے آئے، جیسا کہ درج فہرست طلباء کی سکونت وولدیت سے پتہ چلتا ہے، صاحب سیرت کے ایک سیرت نگار نے لکھا ہے کہ بعض طلباء دیوبند وگنگوہ کے مدارس چھوڑ کر درسگاہ بریلی آپہنچے۔ کیونکہ اختلاف مسلک وعقیدہ کے باوجود ان مدارس میں، ان کے اساتذہ وعلما کی نجی محفلوں اور خلوتوں میں امام احمد رضا ک علمیت وعبقریت اور فقاہت وبصیرت کے چرچے ہوتے رہتے تھے، سیرت نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ سے ۱۲۸۶ھ تا ۱۳۴۰ھ پورے چون (۵۴) برس کے عرصہ میں سیکڑوں نہیں ہزاروں طلباء مستفید وفیض یاب ہوئے۔ (الف) حیات اعلیٰ حضرت، ج۱، ص ۱۲۔۱۳ (ب) ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی شمارہ ۱۹۸۹ء مضمون ملک العلماء)

۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت امام اہلسنت قدس سرہٗ کا وصال ہوا، اسی سال ۲۳ رتا ۲۴ رشعبان ۱۳۴۰ھ/ ۲۱ رتا ۲۳ راپریل ۱۹۲۱ء کو مدرسہ اہل سنت ''منظر اسلام'' کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ جلسہ کے انعقاد سے پہلے ایک دعوتی اطلاعی رپورٹ ہفت روزہ اخبار ''دبدبۂ سکندری'' رامپور میں چھاپی گئی، اس میں لکھا گیا ہے کہ اس وقت تک دو کم تین سو طلباء دستار وسند فضیلت لے کر فارغ التحصیل علماء میں شامل وشمار ہو چکے ہیں۔

(ہفت روزہ اخبار ''دبدبۂ سکندری'' رامپور، ص ۶، مجریہ ۱۷ر اپریل ۱۹۲۲ء)

OOOO

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری

بریلی شریف ہی مرکز اہل سنت کیوں؟

اپنے مرکز سے جدائی ہے تباہی اجمل
بوئے گل گل سے جدا ہو کے بھٹکتی ہی رہی

کوئی کوئی لفظ کسی کسی کے لیے ایسا مختص ہو جاتا ہے کہ اس لفظ کے بولتے ہی معہود ذہنی ادارہ یا شخص فوراً ذہن کے پردے پر نمودار ہو جاتا ہے۔ مثلاً اعلیٰ حضرت بولیے تو بولتے ہی فوراً ذہن امام احمد رضا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور مرکز بولیے تو فوراً بریلی شریف کی یاد آجاتی ہے۔ یقین نہ ہو تو ذرا دس بیس آدمی کے جھرمٹ میں ''ہمارا مرکز'' بول کر دیکھئے، فوراً مشترکہ جواب آئے گا بریلی شریف۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بریلی شریف کی مرکزیت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ عالم آشکار ہے، زبان زد خاص وعام ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرکز کون ہوتا ہے؟ مرکز کے لیے کتنے جوہر ذاتی اور حسن صفاتی کی ضرورت ہے؟ کتنے اوصاف ومحاسن ایک جگہ جمع ہوتے ہیں تو مرکز مرکز بنتا ہے؟

مرکز کا دعویٰ تو کوئی بھی کرسکتا ہے مگر جہاں علوم فراواں کی دولت، لاینحل مسائل کو حل کرنے کی قوت، باطل کے یلغار میں سینہ سپر رہنے کی صلاحیت، زمانہ کچھ کہے صحیح اسلامی تعبیر پیش کرنے کی سکت، مسائل دینیہ کی ضرورت ملتجیہ کے سانچے میں نہیں بلکہ ضرورت ملتجیہ کو مسائل دینیہ کے نور سے درخشاں کر دینے کی مومنانہ بصیرت، انسان کو خدا کا مطلوب انسان بنانے کی تڑپ، استقامت علی الشریعہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اوصاف سے مزین جلووں کی جہاں بہتات ہوگی وہی مرکز ہوگا اور اسی کو مرکز کہنے یا کہلانے کا حق حاصل ہوگا۔ الحمدللہ آج کے پرخطر اور پرفتن ماحول میں یہ تمام خوبی بکمال جاہ وجلال جس جگہ نظر آتی ہے وہ صرف بریلی شریف ہے۔ اور تقریباً دوسو برس سے بریلی شریف نے مرکز کی آبرو سنبھال رکھا ہے۔ آج بھی حضرت تاج الشریعہ، جانشین حضور مفتیٔ اعظم حضرت علامہ الشاہ اختر رضا خان صاحب قبلہ ازہری افکار وآثار اکابر واساطین کو سینے سے لگا کر جس طرح حفاظت فرما رہے ہیں یہ انہی کا حق اور بریلی شریف کا حصہ ہے۔ ورنہ دار الافتاؤں نے اباحت کا جو صدر دروازہ کھول رکھا ہے اسے دیکھ کر زبان سے بس یہی نکلتا ہے۔ الامان والحفیظ۔

آئیے اس تناظر میں مرکز اور مرکزیت پر ذرا غائرانہ نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ''مرکز اہل سنت بریلی شریف ہی کیوں ہے؟''۔۔۔۔۔۔۔ ہمارے ملک میں ایک سے بڑھ کر ایک شہر موجود ہیں جو گوناگوں اوصاف کی وجہ سے دوسرے شہروں پر فائق اور ممتاز ہیں۔ کوئی معاشیات واقتصادیات میں

اپنا ارفع مقام رکھتا ہے۔کوئی علم و ہنر اور صنعت و حرفت میں اپنا جواب آپ ہے۔تو کوئی تاریخی روایات و مناظر کا امین ہونے کی بنیاد پر یادوں کے دریچے میں محفوظ ہے۔مگر ان تمام شہروں میں جو شہر عقیدت و احترام کی زبان پر بار بار آتا ہے اور ہر دن نہ معلوم کتنے ذہن میں عقیدت کا رس گھولتا ہے اور مختلف حوالے سے جو سب سے زیادہ یاد کیا جاتا ہے وہ صرف بریلی شریف ہے۔ یادوں کا یہ سلسلہ تقریباً دو سو سال سے پورے تسلسل اور ارتباط کے ساتھ جاری ہے، جس شخصیت نے پہلے پہل بریلی شریف میں مرکزی دارالافتاء کی مسند بچھا کر بریلی کو مرکز اہل سنت کا اولین شرف بخشا وہ امام احمد رضا کے جد امجد، مجاہد حریت، حضرت علامہ مفتی رضا علی خان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔مولانا رضا علی خان کے عہد میں بریلی شریف میں جید علمائے کرام موجود تھے، مفتی محمد عرض عثمانی، مولانا محمد احسن بریلوی وغیرہ اپنے اپنے طور پر خدمات دینیہ میں مصروف تھے، مگر باضابطہ طور پر مسند افتاء کی بنیاد ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء میں اعلیٰ حضرت کے دادا مفتی رضا علی خان نے ڈالی۔اس تاریخ کی نشان دہی خود امام احمد رضا کے ملفوظات سے ہوتی ہے۔امام احمد رضا بریلوی نے اپنے وصال سے ایک ماہ قبل ۱۳ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ، ۱۹۲۱ء میں اپنے پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت سید آل رسول مارہروی کے عرس کی تقریبات میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”اللہ کے فضل اور اس کے کرم سے اس گھر سے فتویٰ نکلتے ۹۰ر برس سے زائد ہو گئے، میرے دادا رحمۃ اللہ علیہ نے مدت العمر یہ کام کیا، جب وہ تشریف لے گئے تو اپنی جگہ میرے والد ماجد قدس سرہ العزیز کو چھوڑا، میں نے ۱۴ر سال کی عمر میں ان سے یہ کام لے لیا، پھر چند روز بعد امامت بھی اپنے ذمہ لے لی۔۔۔۔۔۔۔۔جب انہوں نے رحلت فرمائی تو مجھے چھوڑا“۔

(مولانا رضا علی خان اور جنگ آزادی، ص: ۳۲)

امام العلما مولانا رضا علی خان نے نہ صرف خود مسند افتا کو زینت بخشی بلکہ اپنے فرزند سعید امام المتکلمین مولانا مفتی نقی علی خان بریلوی قدس سرہ (۱۲۹۷ھ) کو خصوصی تعلیم و تربیت دے کر مسند افتا پر فائز کیا، حضرت مولانا مفتی سید شاہد علی رضوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

”آپ نے مسند افتا پر فائز ہونے کے بعد ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا بلکہ معاصر علما و فقہا سے اپنی علمی صلاحیت اور فقہی بصیرت کا لوہا منوا کر مرجع فتاویٰ ہو گئے۔“

(مفتی اعظم اور ان کے خلفاء، ص: ۵۷، ج: ۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مفتی نقی علی خان کے بعد جب اعلیٰ حضرت کا دور شروع ہوا اور حقیقت میں یہی دور دور زریں ہے اسی دور میں بریلی رشک لکھنؤ، فخر دہلی بن کر پورے برصغیر کی قیادت کرنے لگا۔مفتی رضا علی خان نے مرکز کا پودا لگایا، مفتی نقی علی خان نے خون جگر پلا کر شاداب و شباب آ گیں کیا اور امام احمد رضا نے ایسی نگرانی و سرپرستی فرمائی کہ تناور درخت کی ڈالی ڈالی جھومنے لگی، مشام جسم و جگر کو معطر کر دینے والے پھول اور نقد جان و ایمان کو مست و بے خود کرنے والے پھلوں نے وہ نکہت و لذت پھیلائی کہ شرق و غرب پروانہ وار لوٹنے اور دیوانہ وار ٹوٹنے لگے۔ساڑھے تیرہ

چودہ سال کا ایک نوجوان دین و دانش کے ہتھیار سے لیس ہو کر ہاتھ میں شریعت کا اصول لے کر گلے میں طریقت کا پٹہ ڈال کر سر پر عشق رسالت کا تاج سجا کر آگے بڑھتا ہے اور اپنے علم وفن، اخلاص و ایثار کا وہ جوہر دکھاتا ہے کہ صاحبان کج کلاہ کی نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں۔کیا اپنا اور کیا بیگانہ سب پکار اٹھتے ہیں وہ علم کا تاجدار ہے، عمل کا شہسوار ہے اور عشق کا شاہکار ہے۔امام احمد رضا کی نظر دین و دانش کی ہر جہت پر بیک وقت تھی، اس لیے انہوں نے نہ صرف دین کی زلف پریشان ہی کی زیبائی کی بلکہ دانش کے بلکچے چہرے کو بھی رعنائی بخشی۔ بقول ماہر رضویات ”فیض رب قدیر سے کارگہِ فکر میں انجم ڈھلتے تھے اور کمال یہ کہ صبح ومسا کی یہ مساعی جمیلہ محض خلوص وللٰہیت کی بنیاد پر تھی،کسی مستفتی نے فتویٰ نویسی کی فیس کے بارے میں دریافت کیا تھا، امام احمد رضا جواب میں لکھتے ہیں:

”یہاں بحمد اللہ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی، بفضلہ تعالیٰ ہندوستان و دیگر ممالک مثلاً چین، افریقہ، امریکہ وخود عرب شریف و عراق سے استفتے آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو جمع ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔بحمد اللہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا۔۔۔۔۔بھائیو! ما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی اللہ رب العالمین، میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا ہوں، میرا اجر تو سارے جہان کے پروردگار پر ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، سوم، ص: ۲۳۰)

فتاویٰ کی کثرت کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں:

فقیر کے یہاں علاوہ دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار فتویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے، شہر و دیگر بلاد و امصار، جملہ اقطار ہندوستان، بنگال و پنجاب، ملیبار، برما، ارکان، چین، غزنی، امریکہ وافریقہ حتی کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتے آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں۔(فتاویٰ رضویہ، چہارم، ص: ۱۴۹)

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عالم اسلام کا یہ واحد دار الافتا تھا جہاں دنیا کے کونے کونے سے اور اس کثرت سے فتوے آتے تھے۔ بیک وقت چار چار، پانچ پانچ سو فتووں کا جمع ہو جانا، دس آدمیوں کے کام سے زائد کام کا انبار لگ جانا، امصار ہند واقطار عالم کا فاضل بریلوی سے رجوع کرنا کئی حقیقتوں کی نقاب کشائی کرتا ہے۔مثلاً

(۱) ان کی علمی شہرت اور دینی بصیرت کا غلغلہ اطراف عالم میں تھا۔

(۲) علمی تحقیقی فضا میں ان کی عبقریت مسلم تھی اور وہ عالم اسلام ہی کے نہیں، عالم دین و دانش کی رہنمائی ونمائندگی کر رہے تھے۔

(۳) دس آدمیوں سے زائد کا کام وہ تنہا انجام دیتے تھے۔

(۴) چوں کہ ان کے یہاں اس وسیع خدمت پر کوئی فیس نہیں تھی اس لیے وہ دین کے سچے خادم اور دانش کے بے لاگ محسن تھے۔

(۵) دنیائے فکر ونظر کو آپ کے فتووں اور فیصلوں پر اعتماد تھا جبھی تو سبھی ادھر ہی کا رخ کرتے تھے۔

(۶) دارالافتاء میں بیک وقت چار چار پانچ پانچ سو فتاوی کا جمع ہو جانا یہ شان صرف مرکزی بین الاقوامی دارالافتاء کی ہو سکتی ہے۔

(۷) جہاں تمام دارالافتاء کسی سوال کے جواب میں عاجز وساکت ہو جاتے اور کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑتا تو لوگ اخیر میں بریلی کا رخ کرتے، یہاں چشم زدن میں تشنہ سوال کو جواب باصواب سے مرصع کر دیا جاتا۔ یہی تو مرکز کی شان ہے۔

اگر علوم سائنس ٹیکنالوجی میں مہارت اور شناخت کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو اس شعبۂ جدیدہ میں بھی وہ اپنی مثال آپ ہی نظر آتے ہیں۔ انھوں نے ان تمام علوم جدیدہ سے صرف دین کی خدمت کی ہے، اسلام کا نام فروزاں کیا ہے۔ مثلاً میں آپ سے پوچھتا ہوں بتائیے جب حرکت زمین کا نظریہ پیش کر کے قرآنی ارشادات کی فصیل پر گولے داغے جا رہے تھے تو وہ کون تھا جو ''فوز مبین'' لکھ کر سینہ سپر ہو گیا تھا اور قرآن متصادم نظرئے کی بخیہ دری کر دی تھی، جب جدید آلات واسباب کا سہارا لے کر علوم خمسہ میں علم مافی الارحام کو چیلنج کیا جا رہا تھا تو وہ کون تھا جس نے ''الصمصام'' لکھ کر انگریزی نظریات کے قلعے کو چھلنی کر دیا تھا اور جب پروفیسر البرٹ ایف پورٹا نے اپنے زعم علم میں چور ہو کر ۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کی آنے والی تباہی اخبارات میں چھپوا کے پورے ملک میں بے چینی پیدا کر دی تھی تو ایسے مضطرب ماحول میں وہ کون تھا جو سکون دل کا مرہم بانٹ رہا تھا اور البرٹ ایف پورٹا کو اسی کی دلیل سے ذلیل کر رہا تھا، اس طرح کے تمام علمی دفاعی مورچہ پر جو ذات علم بردوش نظر آتی ہے وہ صرف امام احمد رضا کی ذات ہے، اس شخصیت کی انفرادیت کا کیا کہنا۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے قادر الکلام شخص نے جس کے الفاظ اپنے تقابلی مطالعے کے ایک مضمون کی تمہید میں بطور مستعار لیے ہوں۔

(پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر، ۲۴۳)

اس شخصیت کی مرکزیت کا کیا پوچھنا مولانا رشید احمد گنگوہی جیسے اپنے مکتبۂ فکر کے فقیہ النفس شخص نے جس کے فتاویٰ سے کئی مسئلوں کو اپنے فتاویٰ میں نقل کیا ہو۔

(معارف رضا کراچی، ۱۹۹۱ء، ص: ۲۶۱)

پتہ چلا امام احمد رضا مرکز دائرہ علوم ومعارف ہیں اچھے اچھے ان کے دسترخوان علم کے ریزہ چین نظر آتے ہیں۔ امام احمد رضا کی حیثیت صرف بریلوی یا ہندوستانی نہیں ہے جہانگیر قیادت کی بنیاد پر امام احمد رضا آفاقی حیثیت کے حامل ہیں، مشہور نومسلم محقق ڈاکٹر محمد ہارون گہر ریز ہیں:

> ''عالمی حیثیت کی حامل وہی شخصیت ہو سکتی ہے جو دور جدید کی خوفناکیوں اور ناکامیوں میں انسانیت کی رہنمائی کی اہلیت رکھتی ہو، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ایسی ہی شخصیت تھے اور اس وجہ سے ان کی عالمی اہمیت ہے۔''

(پیغام رضا مسلک اعلیٰ حضرت نمبر، ص: ۵۱)

امام احمد رضا کے زمانے میں ملک وبیرون ملک فتنوں اور سازشوں کا جال بچھا ہوا تھا اور اسلام کے خلاف سازشی تحریکیں پورا زور صرف کر رہی تھیں ذرا ذیل کے فتنوں پر نظر ڈالیے ان میں سے کوئی فتنہ فتنۂ قیامت سے کم نہیں ہے۔ مہدویت ونبوت کا فتنہ، وہابیت کا فتنہ، قربانیٔ گاو کی ممانعت کا

فتنہ، تحریک خلافت کا فتنہ، تحریک ترک موالات کا فتنہ، ہندو مسلم اتحاد کا فتنہ، شدھی تحریک کا فتنہ، ان میں کچھ فتنے وہ تھے جو آفاق پر اسلام کے خلاف سیاسی جال پھیلا رہے تھے اور کچھ وہ تھے جن کا مطمح نظر یہ تھا کہ اہل سنت و جماعت کو گمراہ کر کے ان کے متاع ایمان کو ضائع کر دو۔ یعنی

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

آپ غور کریں یہ فتنے کوئی معمولی فتنے نہ تھے، ان میں کا ہر فتنہ اپنی جگہ پر سراپا آتش فشاں تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی پشت پناہی بڑے بڑے ادارے، بڑی بڑی تنظیمیں اور بڑی بڑی شخصیتیں کر رہی تھیں، ظاہر ہے اتنے بڑے بڑے فتنوں سے نبرد آزما ہونا ان کے سامنے سینہ سپر رہنا، انہیں ترکی بہ ترکی جواب دینا، ان کے اٹھائے ہوئے طوفان ابر و باد سے پوری قوم وملت کو بچانا اور ساحل نجات سے ہمکنار کرنا وہی کر سکتا تھا جو آہنی عزم، فولادی ارادہ کے ساتھ شاہین کا دماغ، شیر کی ہمت، چیتے کا جگر اور سب پر مستزاد یہ کہ مومن کامل کا دل رکھتا ہو گویا کہ:

تنگیٔ کنج قفس رنجِ اسیری داغِ گل

اتنے سامانِ ستم اور ایک جانِ عندلیب جس دور میں آپ نے اپنے فکر و فن کا پرچم لہرایا تھا وہ دور وہ تھا جس میں بڑی بڑی عہد آفریں اور تاریخ ساز شخصیتیں اپنے اپنے دائرۂ اثر اور حلقۂ نفوذ میں اپنے علمی، فکری معیار و اقدار کی دھاک بیٹھائے ہوئے تھیں، ایک طرف سر سید احمد خان کا طوطی بول رہا تھا، تو دوسری طرف شبلی و حالی کا سکہ چل رہا تھا، ایک طرف مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر کی لہر چلی ہوئی تھی، تو دوسری طرف پنڈت جواہر لال نہرو کے طوفان اور گاندھی کی آندھی میں قوم وملت اڑی چلی جا رہی تھی اور یہی وہ دور ہے جس میں مولانا اشرف علی تھانوی ''حفظ الایمان'' اور قاسم نانوتوی ''تحذیر الناس'' اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی ''براہین قاطعہ'' لکھ کر ایک بالکل نئے مکتبۂ فکر کی بنیاد ڈال رہے تھے، غرض کہ دین و دانش کے ہر افق پر مختلف شخصیتیں اپنی اپنی شخصی سحر کاریوں میں مصروف تھیں۔ تاہم امام احمد رضا اپنے مضبوط علم و فکر، محفوظ شعور و عمل اور بسیط فہم و ادراک کی بنیاد پر اپنے پورے عہد پر چھائے رہے۔ یقین محکم، عمل پیہم اور محبت فاتح عالمؒ کے بل بوتے تمام معاصر شخصیتوں کو متحیر و مسخر کرتے رہے، اپنی شبانہ یومیہ کی کاوش سے بنجر زمین میں خوشۂ گلاب اگاتے رہے، صحرا میں پھول کھلاتے اور پتھر سے عقیدت وعرفان کے چشمے جاری کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ردائے لالہ وگل سے پردۂ مہ وانجم تک یکساں تعظیم وتکریم کی نظر سے دیکھے جاتے رہے اور دیکھے جا رہے ہیں۔ کام تو سب کرتے ہیں مگر جس کا کام کارنامہ بن کر قبولیت دوام کے شیریں جام سے شادکام ہو جائے تو سمجھ جائیے اخلاص فکر و عمل کے جلووں کی برسات میں سارا کام ہوا ہے، امام احمد رضا اس خوش نصیب مرد مومن کا نام ہے آج جس کے نام اور کام کی بزم انسانیت میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ ہر چہار طرف جس کے فکر عالی کے شہرے اور ہمت بلند کے تذکرے ہیں۔ امام احمد رضا یوں ہی دل اور روح کی آواز نہیں بنے ہوئے ہیں انہوں نے وہ ولولۂ مردانہ، جذبۂ قلندرانہ اور جرأت مومنانہ کا مظاہرہ کیا ہے کہ زمانے کی نظریں آج بھی ان کے کارناموں کی چاندنی سے

چکا چوند ہے۔ اسے اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ یہ سب کرم پروردگار، نوازش رسول مختار اور عنایت غوث نامدار ہے، رب کریم کی نظر کرم کا متوجہ ہونا تھا کہ محبوبان رب قدیر نے بھی امام احمد رضا کو اپنی کرمپاشیوں کا مرکز بنالیا۔ اولیائے کرام نے ان کے نام اور کام کو وہ محبوبیت کا شرف بخشا کہ دیکھتے دیکھتے پورا دینی سرمایہ آپ سے منسوب ہوگیا۔ آپ کا نام عشق رسالت کی علامت بن گیا اور آپ کا شہر مرکز اہل سنت بن کر دلوں کی دھڑکن بن گیا اور بیک زبان اکابر واصاغر نے مذہب اہل سنت کو مسلک اعلیٰ حضرت کا نام دے کر اس زور کا نعرۂ مستانہ لگایا کہ دشت وجبل گونج گونج اٹھے۔

اعلیٰ حضرت کے عظیم کارناموں میں ایک عظیم کارنامہ دارالعلوم منظر اسلام کا قیام بھی ہے۔ گرچہ آپ کے والد ماجد نے ۱۳۸۶ھ/ ۱۸۷۲ء میں ''مصباح التہذیب'' نام کا ایک ادارہ قائم کیا تھا مگر وہ زمانے کی دست برد کا شکار ہو کر رہ گیا۔ دارالعلوم منظر اسلام کی شان نزول یہ ہوئی کہ ملک العلما حضرت مولانا محمد ظفر الدین بہاری جب اعلیٰ حضرت کا شہرہ سن کر حافظ بخاری حضرت سید محدث سورتی کی درسگاہ سے وارد بریلی ہوئے تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی یہاں سب کچھ تھا مگر تشنگان علم کی سیرابی کے لیے آب حیات کا کوئی چشمہ نہ تھا، ملک العلما کی مخلصانہ تڑپ، شبانہ یومیہ اضطراب اور تمنائے پیہم کے نتیجے میں اعلیٰ حضرت مدرسہ کے قیام کے لیے تیار ہو گئے اور اس طرح ملک العلما کی حسرت، بے قراری کو راحت اور نہ ختم ہونے والا آبشار میسر آیا۔ اعلیٰ حضرت نے دارالعلوم منظر اسلام کا اعلان فرمادیا اور ملک العلما حضرت مولانا محمد ظفر الدین بہاری، حضرت مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی کو بخاری شریف پڑھا کر اعلیٰ حضرت نے منظر اسلام کی تعلیمی ابتدا فرمائی اور مدرسے کھلتے ہیں تو بنتے بنتے مرکز بنتے ہیں ''دارالعلوم منظر اسلام'' کھلا، مرکز بن کے کھلا اور مدرسوں میں ہوتے ہوتے بخاری شریف کا درس ہوتا ہے، منظر اسلام کی ابتدا ہی بخاری شریف سے ہوئی۔ اس پس منظر میں منظر اسلام کو کہنے کا حق حاصل ہے کہ وہ حضرات کوئی ہوتے ہیں جو اپنے مدارس سے علما تیار کرتے ہیں اور وہ اعلیٰ حضرت ہوتے ہیں جو اپنے مدرسے سے وقت کے ملک العلما تیار کرتے ہیں۔ مولانا قمر الحسن قادری منظر اسلام کی عظمتوں کے یوں گن گاتے ہیں۔ اس کی رفعتوں کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

''دارالعلوم منظر اسلام میں جس میحا کا درد دل جذب تھا اس کا اثر خوب ظاہر ہوا، اس کے فاضل اسلامیان ہند کی عظمتوں کے مینار ٹھہرے، اس دانشگاہ نے علم وفضل، زہد وتقویٰ، فکر ونظر، سیادت وقیادت، علم ودانش، تسخیر اقوام، سیاست وثقافت، اخلاق ومروت کے ایسے خوش نما پیکر ڈھالے جن سے ارض ہند جنت نشان بن گیا اور فلک کے ماہ ونجوم ان پر رشک کرنے لگے۔ شعبہ ہائے حیات کی ہر روش پر جس سے اسلام کی بقا اور اس کی ارتقا وابستہ تھی، ان جیالوں نے جادہ پیمائی کی اور ملک کو مرکز نگاہ بنا دیا۔ اسلام کے خلاف جب جب کوئی سازش کی گئی تو اس دانشگاہ کے نونہالوں نے اس کا مقابلہ کیا، جماعت رضائے مصطفی (۱۹۱۷ء) کے غیور دیانتداروں نے جو اس امام کے خوشہ چیں

تھے ارض ہند پر اسلامی قدروں کے آئینے کو جلا بخشی اور جتنی بھی تحریکیں بگولوں کی طرح اٹھیں ان کا سد سکندری بن کر مقابلہ کیا، چاہے وہ کسی مہدی، یا متبنی وقت کا فتنہ ہو، یا اشتراکیت وسوشلزم کا وہابیت و دیوبندیت کی شر انگیزی ہو یا خارجیت وناصبیت کی، سرمایہ داری کا شر وفساد ہو یا سیاست کا۔ اسلام کی عظمتوں کے خلاف ان جیالوں نے کبھی بھی سمجھوتہ نہیں کیا۔

(منظر اسلام کا صد سالہ نمبر،ص:۱۹۵)

یہ عہد رضا کی شان ہے جس نے ایک چھوٹے سے شہر کو عالمی سنی مرکز بنا دیا اور جس کے نام کو رہتی دنیا تک کے لیے زندۂ جاوید کر دیا۔ یہی وہ دور ہے

جس میں عالم اسلام کے خوش عقیدہ مسلمان فکر رضا کو نقطۂ اتحاد واتفاق مان کر اس کے گرد اگرد صف بہ صف کھڑے ہی نہیں ہوئے بلکہ اپنی دفاعی دیوار بن گئے۔ پوری دنیا کے پیاسے اس چشمۂ صافی سے اپنی ایمانی روحانی پیاس بجھانے لگے۔ فیضان اعلیٰ حضرت کا چشمہ کل کی طرح آج بھی اپنی روایتی شان کے ساتھ ابل رہا ہے گویا کہ مرقد رضا سے آواز آرہی ہے ع

ہم پرورشِ لوح وقلم کرتے رہیں گے

اعلیٰ حضرت کے بعد حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفسر اعظم سے ہوتے ہوئے جب سرکار مفتیٔ اعظم کا دور شروع ہوا ہے اس وقت بریلی شریف کی مرکزیت واضح ہو چکی تھی اور اس اعتبار سے اس کی داخلی اور خارجی ذمہ داریاں بہت بڑھ چکی تھیں۔ حضور مفتیٔ اعظم علم میں جتنے بلند تھے عمل وتقویٰ میں اس سے کہیں بڑھ کر تھے۔ اگر وہ علم میں دریائے ذخار تھے تو عمل میں بحرنا پیدا کنار، سفر ہو یا حضر، فرصت ہو یا مصروفیت کیا مجال کہ ان کے معمولات میں کوئی فرق، کوئی لچک یا کوئی نزاکت آجائے۔ وہ جیسے گھر میں تھے ویسے ہی باہر، ان کی جلوت خلوت کی آئینہ دار تھی تو خلوت جلوت کی راز دار، ان کی صبح وشام کے جلوے جلوہ دکھانے والے ہر کام پر احتیاط کی دبیز چادر تنی تھی۔ یوں تو ان کی طویل زندگی عجائبات ومعارف کا نگارخانہ ہے مگر دو کارنامہ انہوں نے ایسا انجام دیا ہے جس کی مقناطیسیت دنیا کو ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کرتی رہے گی اور جس سے مرکز اہل سنت کی اہمیت عیاں اور نمایاں ہوتی رہے گی۔

(۱) تقسیم ہند سے قبل شدھی تحریک نے جس طرح شر وفساد پھیلائے اور مسلمانوں پر جس جس انداز میں مظالم ڈھائے وہ کسی سے مخفی نہیں، زبردستی مسلمانوں کو شدھی کیا جاتا اور روپیوں کا لالچ دے کر ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت پیدا کی جاتی۔ طمع پرست انسان ان کے دام فریب میں آکر اپنے مذہب کا سودا کرتے، نوبت بہ ایں جا رسید کہ ہندو ببانگ دہل یہ اعلان کرنے لگے کہ چار کروڑ مسلمانوں کو شاستر اور شستر کے ذریعہ شدھ کیا جائے گا۔ (روزنامۂ الجمیعت، ۲۱؍مئی، ۱۵۴) ساتھ میں وہ ایسے نعرے بھی لگاتے جس سے مسلمانوں کا خون کھول جاتا۔ الغرض ایک منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو ہندو بنایا جا رہا تھا، ایسے میں وہ ذات با برکات حضور مفتی اعظم کی تھی کہ بلند عزائم وحوصلے کے ساتھ جان کی بازی لگا کر میدان میں نکل پڑے، میلوں بھوکے پیاسے چل کر دین حق کی تبلیغ کی، مشرکین

کے دام تزویر سے مسلمانوں کو بچایا اور جو مسلمان دھوکے میں آکر مرتد ہو گئے تھے انھیں ارتداد سے نکال کر توبہ کرائی اور دامن اسلام سے دوبارہ وابستہ کیا۔ اس طرح ۹ رلاکھ مسلمانوں کو آخرت کی تباہی سے بچایا۔
(امام احمد رضا اور عشق مصطفیٰ، ص: ۴۰۶ بحوالہ استقامت، مفتیٔ اعظم نمبر، ص: ۱۹۴)

(۲) ۱۹۷۶ء-۱۹۷۷ء کا وہ دور جسے ایمرجنسی کا دور کہا جاتا ہے، جب نس بندی کی وبا پھیلی تو گھر کا گھر، خاندان کا خاندان اس کی لپیٹ میں آگیا، کہیں ڈرا دھمکا کر، کسی پر زور دباؤ ڈال کر آئندہ کے لیے اولاد کا سلسلہ بند کیا جارہا ہے، شیخ جی کی شخصیت اور حضرت جی کے تقویٰ کو لقویٰ مار گیا حکومت کے ڈر سے سب حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے لگے، پورے ملک میں صرف حضور مفتیٔ اعظم کی ذات تھی جو اپنی آبائی وراثت، شریعت پر استقامت اور مرکز اہل سنت کی عزت کو اپنے سر کا تاج بنائے اپنی جگہ پر مستقیم اور اٹل تھی، حضور مفتی اعظم پر دباؤ بڑھتا جارہا تھا کہ آپ نس بندی کی حمایت میں ایک بیان جاری فرما دیں تا کہ مسلمانوں کے لیے راستہ ہموار ہو جائے۔ ہندوستان کے تمام مسلمان صرف اور صرف آپ کے بیان والا شان کے منتظر ہیں، مگر ایسے نازک حالات اور اتنے حکومتی دباؤ کے باوجود بھی مفتیٔ اعظم نے وہی جواب دیا جس کی اس ذات سے امید تھی۔ آپ نے فرمایا "جس چیز کو میرے مصطفیٰ کی شریعت نے حرام قرار دے دیا، مصطفیٰ رضا اسے کسی قیمت پر حلال نہیں کہہ سکتا۔" اور پھر ہمت دیکھئے کہ فتویٰ مرتب کر کے قانون کی تیز وسرخ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، انسائیکلو اسٹائل کروا کر پورے ملک میں اس کی تشہیر کروا دی، حکومتی اہل کار حرکت میں آئے، مفتی اعظم کو گرفتار کرنا چاہا مگر مفتی اعظم کی آسمان چھوتی مقبولیت دیکھ کر بادل ناخواستہ قانونی چارہ جوئی سے باز رہے۔ یا یہ کہ مفتی اعظم نے قانون خداوندی کی صیانت فرمائی اور خدائے قدیر نے مفتی اعظم کی حفاظت فرمائی۔ مفتیٔ اعظم کے فتویٰ کی دھمک ایسی تھی کہ حکومت کو اپنا قانون واپس لینا پڑا۔ ان حالات وتجربات کی روشنی میں یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آج جو مسلم نسل کی فصل لہلہا رہی ہے یہ مفتی اعظم کے اس تاریخی فتویٰ کی کرامت ہے۔

۱۹۷۷ء کے بعد پیدا ہونے والے تمام افراد واشخاص کو حضور مفتیٔ اعظم کا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ ان کی حیات مفتیٔ اعظم کا بیش بہا عطیہ ہے اور تمام ماؤں کو بھی حضور مفتیٔ اعظم کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنا چاہیے کہ ان کی گود جو ہری بھری ہے اور آنگن میں جو کسی نوخیز شگوفے کی چہل پہل ہے تحفۂ خلوص ہے حضور مفتی اعظم کا۔

حضور مفتیٔ اعظم کے بعد حضرت ریحان ملت نے جب مرکز کی باگ ڈور سنبھالی تو اپنی بھرپور قائدانہ صلاحیت، سیاسی اثر ورسوخ، ذاتی نفوذ وکشش سے حکومتی سطح پر مرکز کی پہچان کروائی اور مرکز اہل سنت بریلی شریف کی انفرادیت کا قرار واقعی اعتراف کروایا۔ تب سے ایوان حکومت میں بھی مرکز کی آواز کا اپنا ایک نمایاں مقام و اعتبار ہے۔ حضور مفتیٔ اعظم کے

وصال باکمال کے بعد عرس چہلم شریف میں جانشین مفتیٔ اعظم کے لیے جب حضرت علامہ الشاہ اختر رضا خان صاحب ازہری کے نام کا اعلان ہوا، اسلامیہ انٹر کالج کا پورا میدان نعرۂ تکبیر ورسالت کی جھنکار سے گونج اٹھا، یہ عوامی مقبولیت کا پہلا اشارہ تھا جو نعروں کی زبان میں لوگ دے رہے تھے اور علما ومشائخ حیرت سے سن اور دیکھ رہے تھے۔ حضور مفتیٔ اعظم کے بعد جب کہ قیادت کی بساط سمٹ چکی ہے، آزادخیالی اورکس مپرسی کا دور دورہ ہے، اکثر لوگوں پر اپنا قبلہ الگ بنانے کا بھوت سوار ہے، مسائل میں اباحت پسندی آرہی ہے، نظریات میں جدت طرازی کا رنگ نمایاں ہو رہا ہے، کون کب اپنے افکار کہنہ سے رجوع کر لے کہنا مشکل ہے، ایسے زہر گداز ماحول میں صراط مستقیم پر مستقیم رہنا طوفان بلاخیز میں بھی پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش کا نہ آنا، افکار سنت کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا، مخالف فضا میں بھی حالات سے سمجھوتہ نہ کرنا سب وشتم سننا، سہنا اور اپنے استحکام پر مسکرانا، بعض رفقائے مجلس کا بھی ساتھ چھوڑ دینا مگر بے نیاز رہنا یہ وہ اوصاف کمالات ہیں جس نے کل کے مولانا اختر رضا کو آج کا حضرت تاج الشریعہ بنا دیا ہے۔ زمانے کے سرد وگرم تجربات نے، عالم اسلام کے سب سے بڑے مفتی حضور مفتی اعظم عالم کی جانشینی کی نازک وہمہ گیر ذمے داریوں نے، جدید حالات کے بطن سے جنم لینے والے نت نئے مسائل کی تحقیق وتنقید نے، عالمی سطح پر منعقد ہونے والے فقہی سمیناروں کی مجلسوں نے، انھیں علمی اعتبار سے کتنا پختہ، فقہی اعتبار سے کتنا گہرا اور فکری اعتبار سے کتنا وسیع النظر بنا دیا ہے۔ حقائق زمانہ کی نظروں کے سامنے ہیں، اسلام کا وہ کون سا عنوان اور فقہ کا وہ کون سا باب ہے جو ہر وقت پیش نظر نہیں ہے۔ خدائے علیم وخبیر نے علم حضوری کی دولت سے ایسا مالا مال کر دیا ہے کہ سوال کیجیے اور جواب حاضر۔ وقت کے بحر العلوم، دور کے فقیہ النفس، زمانے کے محقق عصر بھی ان کی بارگاہ میں تشنہ کام حاضر ہوتے اور رفائز المرام واپس لوٹتے ہیں۔ اس وقت خدا نے ان کی ذات کو اسلام وسنیت کی ڈھال بنا دیا ہے۔ اس تناظر میں اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ مجدد اعظم کے علم، مفسر اعظم کے حلم اور مفتیٔ اعظم کی فکر کے حسین مجموعہ کا نام ہے ازہری میاں۔ مجدد اعظم کی تحریر، مفسر اعظم کی تقریر اور مفتیٔ اعظم کی تنویر کا نام ہے ازہری میاں۔ مجدد اعظم کی بے باکی، مفسر اعظم کی گویائی اور مفتیٔ اعظم کی خاموشی کا نام ہے ازہری میاں۔

ان فیوضات ونوازشات نے وہ کرم فرمائی کی کہ جس بزم میں جاتے ہیں چھا جاتے ہیں، جس محفل میں ہوتے ہیں جان محفل اور میر مجلس ہوتے ہیں، حدیث شریف میں ہے **کل ذی نعمة محسود**، ہر صاحب نعمت محسود ہے۔ اس حدیث کی چلتی پھرتی تفسیر دیکھنی ہو تو حضور ازہری میاں کو دیکھ لیجیے۔ مخالفت کی باد صرصر چلتی ہے مگر اللہ اور اس کے رسول پر توکل ایسا کہ طوفان آتا ہے، گزر جاتا ہے، آندھی آتی ہے چلی جاتی ہے، استقامت علی الشریعت کی کرامت ایسی کہ نہ مادح کی مدح سن کر اتراتے ہیں اور نہ قادح کی قدح سے گھبراتے ہیں۔ یہ وہ چراغ رضا ہے جو ماحول کے تقاضے سے بے پرواہ جل رہا ہے، پوری دنیا ان کی جولان گاہ ہے جہاں جاتے ہیں اختر رضا بن کر جاتے ہیں، گوہر رضا لٹاتے ہیں اور صفدر رضا بن کر واپس آتے ہیں۔ غرض وہ اپنانے کی چیز ہیں انہیں اپنایا جائے، وہ

حق وصداقت کی آواز ہیں ان کا ساتھ دیا جائے، وہ مسلک حق کے علم بردار ہیں ان کی صف میں جگہ بنائی جائے، وہ اس وقت مرکز اہل سنت بریلی شریف کی آبرو وسرمایہ ہیں ان کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنی آخرت کو سنوارا جائے۔ میری اس گفتگو کا مقصد حضرت تاج الشریعہ کی قصیدہ خوانی نہیں اور نہ وہ کسی قصیدہ خوانی کے محتاج ہیں بلکہ یہ دیکھنا اور دکھانا مقصود ہے کہ آج کچھ لوگ جو مرکز کو آنکھیں دکھا رہے ہیں اور مرکز میں بزعم خود نقص نکال کر کسی اور مرکز کا خواب دیکھنے لگے ہیں صرف انھیں آئینہ دکھا دیا جائے۔ واضح رہے کہ بریلی شریف کی مرکزیت کسی اور کی مرہون منت نہیں یہ غوث وخواجہ کی عنایت اور رسول پاک کا کرم ہے۔ مفتی رضا علی خان سے لے کر امام احمد رضا تک اور امام احمد رضا سے سرکار مفتیٔ اعظم تک، پچھلے اوراق میں ہم نے ان محسنین ملت کی جو قربانیاں، فکر انگیزیاں، بے لوث محنت اور خدمات جلیلہ کی جو جھلکیاں پیش کی ہیں ہے کوئی خانقاہ ہے کوئی درسگاہ اور ہے کوئی کج کلاہ جو ان کا جواب لا سکے، مرکز محض کھوکھلے دعوے سے نہیں بنتے، مرکز علمی دلائل سے تابناک ہوتے ہیں۔ مرکز اخلاص وایثار پر مبنی جفاکشی کے خمیر سے وجود وآباد ہوتے ہیں۔ مرکز محض علم وفکر کے ذخیرے سے نہیں بنتے مرکز جوہر ذاتی اور لولوے صفاتی سے نسیم ریز ہوتے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ مرکز فضل پروردگار سے مرکز بنتے ہیں۔

ماضی میں جس طرح بریلی شریف نے مرکز اہل سنت کی حیثیت سے قوم وملت کی کشتی کو بدعقیدگی وکج فکری کے بھنور سے نکال کر ساحل نجات سے ہمکنار کیا ہے اور اس حوالے سے سرکار اعلیٰ حضرت اور حضور مفتیٔ اعظم کی حیات مبارکہ سے جو ناقابل فراموش حقائق ہم نے پیش کئے ہیں وہ مرکز کے تاج کے جگمگاتے ہیرے ہیں۔ وہی ہیرے جگمگائیں گے تو کاخ مرکز میں اجالا ہوگا۔

آج جب کہ مسائل دینیہ شرعیہ میں من مانی موشگافی ہونے لگی ہے، بلا تکلف حرام کو حلال کے لباس زیبا میں پیش کرنے کی تگ ودو جاری ہے، لگتا ہے کہ ملت سے امان اٹھ رہا ہے۔ ایسے ماحول میں خدا سلامت رکھے حضرت تاج الشریعہ کو کہ بلا خوف لومۃ لائم کل جو تحفظ شریعت کا بیڑا اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم نے اٹھایا تھا آج ناخدائی کا وہی فریضہ حضرت تاج الشریعہ انجام دے رہے ہیں۔ شریعت غرا کے مبارک چہرے سے پوری یکسوئی اور بے نیازی کے ساتھ گرد وغبار صاف کرنے اور شریعت مطہرہ کا اصل چہرہ اجالنے میں لگے ہیں۔ بے ریا خدمت دینیہ کی برکت ہے کہ مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے، محبوبیت چھاتی جا رہی ہے، مرکز میں عیب جوئی سے پہلے آدمی کو سوچنا چاہئے کہ ہمارا بھی شجرۂ علمی اس مرکز سے وابستہ ہے۔ یہ تو شاخ پر بیٹھ کر جڑ کاٹنے والی بات ہوگئی۔ سوچئے کیا یہ آں جناب کے لیے عاقبت نا اندیشانہ عمل نہیں تھے۔ مرکز اپنے کار متعلقہ میں انہماک کے ساتھ جٹا ہوا ہے، اس رسہ کشی اور کس مپرسی کے عالم میں بھی وہ پوری دنیائے سنیت کے لیے فکر مند ہے، وہ قوم وملت کو کیا نہیں دے رہا ہے اور کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو اتنا تو سب کو ماننا ہی پڑے گا کہ ناموافق حالات میں بھی صالح قیادت برپا ہے۔ بکھرے ہوئے لوگوں کو سمیٹ کر امامت کا فریضہ انجام دے رہا ہے اور جہاں تک دینے کی بات ہے نکتہ رس محدث، بالغ نظر مدرس، دیدہ ور مفکر، ساحر البیان خطیب،

دلوں کو موہ لینے والا واعظ، لوح ذہن پر نقوش عمل مرتسم کر دینے والا مبلغ، نازش ادب ادیب، آبروئے نقد نقاد، جان تصنیف مصنف، جبین تحقیق کو نور تحقیق سے منور کر دینے والا محقق، ادارہ ساز شخصیت اور انقلاب آفریں افراد سے ملی خزانوں کو جس نے سب سے زیادہ لعل وگہر دیے ہیں وہ ہے مرکز اہل سنت بریلی شریف اور وہ ہے دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف۔ آج بنام سنیت جہاں کہیں بھی دینی ادارے کا چراغ روشن ہے اس میں روغن منظر اسلام کا ہے۔ سو برس پہلے امام احمد رضا نے جو شجر کاری کی تھی اس کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی ہیں اور شاخیں اتنی پھیل چکی ہیں کہ دنیا کا ہر خطہ اس سے فیضیاب ہو رہا ہے اور دیدہ زیب عمارت، قابل رشک بلڈنگ، آسائشوں سے بھرپور ہاسٹل، نتیجہ خیز نظام درس وتدریس، فیض بخش نصاب فکر ونظر زمانے کے جدید تقاضوں کا آئینہ دار طلبا کو مطمئن کر دینے والا اسلوب تعلیم وتعلم، خالص دینی رنگ وآہنگ سے ملی ہوئی فضا، مدنی فیض اور رضا کے فیضان کا کھلکھلاتا گلستان۔ یہ سب چیزیں اگر ایک جگہ کسی ایک ادارے کے دامن میں آپ ملاحظہ کرنا چاہیں تو مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا کا معائنہ کرلیں، آپ کی روح پکار اٹھے گی کہ

ے
ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

اس ڈیڑھ پونے دو سو سال کے طویل دورانئے میں جتنا علمی، فکری، روحانی، عرفانی، سیاسی، معاشرتی، سماجی فیض دینا کو بریلی سے ملا ہے سچ یہ ہے کہ کہیں سے نہیں ملا۔ حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان قادری (م ۱۹۴۳ء) مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان قادری (م ۱۹۸۱ء) صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۹۴۸ء) ملک العلماء مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری (م ۱۹۶۲ء) صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (م ۱۹۴۸ء) محدث اعظم سید محمد میاں کچھوچھوی اشرفی (م ۱۹۲۵ء) شیخ المحدثین مولانا سید دیدار علی الوری (م ۱۹۳۳ء) مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (م ۱۹۵۲ء) قطب مدینہ مولانا شاہ محمد ضیاء الدین مدنی (م ۱۹۸۱ء) حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (م ۱۹۵۹ء) حضرت مولانا محمد برہان الحق جبل پوری (م ۱۹۸۵ء) حضرت مولانا تقدس علی خان (م ۱۹۸۸ء) یہ سب نگارخانۂ فکرو ادراک کے تابندہ نقوش ہیں، یہ سب مرکز اہل سنت بریلی شریف کے کوہ نور ہیرے ہیں، ان میں کا ہر فرد اپنی جگہ پر سپہ سالار ہے جن کے ماتحت نہ معلوم کتنے بٹالین ہیں۔

ع　　پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

اور اب بزرگوں کے روحانی نورانی سائے میں حضور تاج الشریعہ کے ذریعے اسلام وسنیت کی جو نکھری نکھری اعلیٰ اعلیٰ خدمت ہو رہی ہے اور پورا عالم مستفیض ہو رہا ہے یہ میکدۂ بریلی ہی کا نوری فیضان ہے اور ”رائل اسلامک اسٹڈ یجک عمان کی تیار کردہ دنیا کی ۵۰۰ موثر ترین شخصیات کی تازہ لسٹ آگئی ہے جس کے مطابق تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان ازہری بریلوی دنیا کی ۲۷/ویں اور ہندوستان کی پہلی موثر ترین مسلم شخصیت ہیں۔“

(جام نور، اکتوبر ۲۰۱۰ء)

یہ اظہاریہ اس بات کا اعلامیہ ہے کہ بریلی کی برکزیت ابھی سدابہار ہے اور ان شاءاللہ وہ سدابہار ہی رہے گی۔

OOOO

ملک الظفر سہسرامی

محدث اعظم ہندامام احمد رضا کی خدمت میں

یہ اس دور کی بات ہے جب روحانیت پر مادیت غلبہ نہ ہوا تھا۔جب دلوں میں عشقِ رسول علیہ التحیۃ والثناء کی حرارت تیز تھی۔جب بے عمل زندگی کا آغاز علی الاعلان نہ ہوا تھا۔اس زمانے میں مادی ترقیات کا ایسا برق رفتار سلسلہ بھی نہ تھا گلوبلائزیشن کا یہ ترقی یافتہ دور نہ تھا کہ پوری دنیا ایک مٹھی میں سمٹی ہوئی محسوس ہو۔لوگ دور دراز کا سفر بھی بڑی مشقتوں کے ساتھ کرتے۔سفر کی جدید سہولتوں سے محروم اس دور میں بھی علم دین کا سودا مسلمانوں کے سر میں سمایا ہوا تھا۔وہ اس سلسلے میں لمبے لمبے سفر کی ناقابل برداشت صعوبتوں کا خندہ پیشانی کے ساتھ خیر مقدم کرتے تھے۔

دہلی ،لکھنؤ،کانپور ،بدایوں ،اجمیر اور بریلی میں مقتدر علماے کرام کی مسند تدریس بچھی ہوئی تھی۔ایک دن خاتم المحدثین حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بزم تدریس سجی ہوئی ہے تلامذہ زانوئے ادب تہہ کئے ہوئے ہیں۔محترم استاذ کی زبان فیض ترجمان سے احادیث نبویہ کا درس جاری ہے۔عشق رسول ﷺ سے تر و تازہ زبان معارف و معانی کے لعل و گہر لٹا رہی ہے۔اثنائے گفتگو محدث سورتی علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ کی زبان پر اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا کا تذکرہ محویت کے ساتھ ہونے لگا اور ایسا بارہا ہوا کہ درمیانِ درس کسی زاویے سے محدث سورتی علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ کی زبان پر اعلیٰ حضرت کا تذکرۂ جمیل آجاتا۔آج بھی اس امام عشق و محبت کے تذکرے میں محدث سورتی رطب اللسان ہوگئے۔لیکن آج طلبہ کے درمیان درس حدیث لینے والے یہ کم عمر طالب علم اپنے تجسس کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ادب کے سارے تقاضوں کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے کچھ عرض کرنے کی اجازت طلب کی شفیق استاذ نے خاموش لہجے میں اجازت مرحمت فرمائی تو شاگرد رشید عرض گزار ہوتے ہیں حضور گستاخی معاف! مجھے ایک بات آج سمجھ میں نہ آسکی میں نے سنا تھا کہ ''جو جس کا کھاتا ہے اسی کا گاتا ہے'' آپ کے تعلق سے مجھے علم ہے کہ آپ کو شرف بیعت حاصل ہے حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے لیکن آج تک آپ کی زبان سے ان کا تذکرۂ جمیل میرے ان کانوں نے نہیں سنا۔البتہ امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت کا خطبہ آپ خوب والہانہ انداز میں پڑھتے ہیں۔شاگرد کے اس سوال پر محدث سورتی علامہ وصی احمد علیہ الرحمہ نے جو جواب مرحمت فرمایا ہے وہ اگر اعلیٰ حضرت کے مقام علمی وفکری کے تعین میں سنگ میل

کی حیثیت رکھتا ہے تو وہیں اس جواب نے شاگرد کے دل میں لگی ہوئی تجسس کی آگ کو سرد کرنے کی بجائے مزید بھڑکا دیا ۔محدث سورتی نے فرمایا۔ ''جب میں نے پیر و مرشد سے بیعت کی تھی بایں معنیٰ مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان کا خاندان سمجھا جاتا تھا۔مگر جب اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا تو ایمان کی حلاوت مل گئی ۔اب میرا ایمان وہبی نہیں بلکہ بعونہ تعالیٰ حقیقی ہے۔جس نے حقیقی ایمان بخشا اس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں''۔ محدث سورتی کے اس بیان پر شاگرد اپنے تأثرات کا اظہار فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت کا انداز بیان اور چشم پرنم ۔مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ واقعی ''ولی را ولی می شناسد اور عالم را عالم می داند۔'' شاگرد پھر عرض گزار ہوتے ہیں کہ حضور علم الحدیث میں کیا وہ آپ کے برابر ہیں ؟ فرمایا ہرگز نہیں ۔پھر فرمایا ''شہزادے صاحب ! آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے ؟ سنیئے کہ اعلیٰ حضرت امیر المومنین فی الحدیث ہیں ۔ میں سالہا سال صرف اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں گا۔''

اعلیٰ حضرت کے علمی مقام و مرتبہ کا خطبہ آپ نے اپنے استاذ محترم اور وقت کے عظیم محدث کی زبان سے بایں انداز سنا تو پھر دل بریلی کی طرف کھینچنے لگا۔محدث سورتی حضرت علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں اپنے تجسس کا اظہار فرمانے والے یہ طالب علم تھے حضرت علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان۔

آیئے اب بریلی شریف کی اس معروف درسگاہ میں جہاں علوم و معارف کے لولو و مرجان اعلیٰ حضرت کی زبان فیض ترجمان سے لٹائے جارہے ہیں، وہاں ان سیدزادے کی تعلیم و تربیت کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیسا اہتمام فرمایا دیکھتے ہیں۔لکھنؤ میں آٹھ سال قیام کے سبب وہاں کی خوبو حضرت محدث اعظم ہند میں اچھی خاصی تھی ۔عمر بھی بہت زیادہ نہ تھی ۔ جمعہ اسلامی درسگاہ کے معمول میں فرصت کا دن ہوتا ہے۔ اس دن کے لیے پہلے سے ہی ذہنی طور پر منصوبہ بندی ہوچکی تھی۔ بریلی کا جغرافیہ بھی لوگوں سے معلوم کر رکھا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے پچھلی صف کا انتخاب کیا۔نماز و دعا مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے حضرت محدث اعظم ہند کا نام لے کر لوگوں سے دریافت فرمایا۔ چونکہ بریلی میں حضرت محدث اعظم ہند نو وارد تھے ۔اس لیے لوگ آپ سے ناواقف تھے ۔ لاعلمی کی بنا پر ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے۔آخرش اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ خود کھڑے ہوگئے اور مسجد کے دروازے پر حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کو دیکھ لیا تو مصلے سے اٹھ کر صف آخر میں آکر ان سے مصافحہ کیا اور اس سے زیادہ کا ارادہ فرمایا تو حضرت محدث اعظم ہند فرماتے ہیں کہ ''میں تھرا کر گر پڑا۔'' اعلیٰ حضرت پھر مصلے پر تشریف لے گئے اور سنن و نوافل ادا فرمانے لگے۔مسجد کے ایک ایک شخص نے اسے دیکھا اور بہت حیرت سے دیکھا۔

تربیت کا یہ انوکھا اور نرالا طریقہ کیا رنگ لاتا ہے اسے بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے بازار اور کتب خانے کی سیر کو طئے کر رکھا تھا۔شام کو جب چلا تو شہادت گنج کے موڑ پر پہلے پان

کھانے کی خواہش ہوئی ابھی پان والے سے کہا بھی نہ تھا کہ ہر طرف سے السلام علیکم آیئے اور مجھ کو جواب دینا پڑا اب پان والے کی دکان کے سامنے کھڑا ہونا بھی میرا دشوار ہو گیا سلام ومصافحہ کی برکت نے میرا سارا پروگرام ختم کر دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ بریلی کا ذکر نہیں کلکتہ، بمبئی، مدراس میں بھی پا پیادہ نہیں بلکہ موٹر میں بیٹھ کر بھی سیدھے بازار کی طرف نہیں نکلا تربیت کا کیسا انوکھا اور پیارا انداز تھا کہ ایک سلام ومصافحہ سے لکھنؤ کی ساری خو بو ہوا ہو گئی۔

محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ تربیت افتاء کے لیے اس فقیہ اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے لیکن اعلیٰ حضرت کی تعلیم وتربیت نے ایک ایسا رنگ جمایا کہ پھر سارے رنگ پھیکے پڑتے نظر آئے اور کہنے والے کہنے پر مجبور ہو گئے" زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لیے سرمایۂ حیات ہو گئیں اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پالیا ہے۔ علم کو راسخ فرمانا اور ایمان رگ وپے میں اتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرما دینا کرامت تھی جو ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔"

کار افتاء کی تربیت حاصل کرنے کے دوران حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے تبحر علمی، وسعت فکری اور خداداد صلاحیتوں کا جو کھلی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا اس نے حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت کا گرویدہ بنا دیا۔ اعلیٰ حضرت کا معمول تھا کہ عصر ومغرب کے درمیانی وقفے میں زیر تربیت مفتیان کرام سے فتوے سماعت فرماتے مصنفین کی تصانیف دیکھتے، زبانی سوال کرنے والوں کے سوالات سماعت فرماتے اور یہ سب کچھ بیک وقت ہوتا جو کسی بھی طرح کرامت سے کم نہیں۔ اس پر حضرت محدث اعظم ہند کا تاثر ملاحظہ فرمایئے:" عادت کریمہ تھی کہ استفتاء ایک ایک مفتی کو تقسیم فرماتے اور پھر ہم لوگ دن بھر محنت کر کے جوابات مرتب کرتے پھر عصر ومغرب کی درمیانی مختصر ساعت میں ہر ایک سے استفتاء پھر فتوے سماعت فرماتے اور بیک وقت سب کی سنتے۔ اسی وقت مصنفین اپنی تصانیف دکھاتے، زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی کہ جو کہنا ہو کہیں، جو سنانا ہو سنائیں، اتنی آوازیں اور اس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا جوابات کی تصحیح وتصدیق مصنفین کی تائید وتصحیح واغلاط، زبانی سوالات کا تشفی بخش جواب عطا ہو رہا ہے۔"

فقہی جزئیات کا استحضار کار افتاء میں کس قدر اہم وضروری ہے وہ اہل فن پر پوشیدہ نہیں۔ اعلیٰ حضرت کو فقہی جزئیات پر کس قدر عبور تھا اس کا ایک نظارہ کرنے کے لیے محدث اعظم ہند کی مشاہداتی آنکھوں نے جو دیکھا ہے اس کی ایک جھلک آپ بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔ یہ چیز روز پیش آتی تھی کہ تکمیل جواب کے لیے جزئیات فقہ کی تلاش میں جو لوگ تھک جاتے تو عرض کرتے۔ اسی وقت فرما دیتے 'ردالمختار کی جلد فلاں کے صفحہ فلاں کی سطر فلاں میں ان لفظوں کے ساتھ جزئیہ موجود ہے۔ درمختار کے فلاں صفحہ کی فلاں سطر میں یہ عبارت ہے۔ عالمگیری میں بقید جلد وصفحہ وسطر یہ الفاظ موجود ہیں۔ ہندیہ میں، خیریہ میں ایک ایک کتاب فقہ کی اصلی عبارت بقید صفحہ وسطر ارشاد فرما دیتے۔ اب جو کتابوں میں

جا کر دیکھتے تو صفحہ وسطر وعبارت وہی پاتے جو اعلیٰ حضرت نے فرمایا تھا۔''اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے اس استحضار علمی پر حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے جو تبصرہ فرمایا ہے وہ سیدی اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کا شاندار خطبہ ہے وہ فرماتے ہیں:'' اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کو چودہ سو برس کی ساری کتابیں حفظ تھیں یہ چیز بھی اپنی جگہ حیرت انگیز ہے مگر میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حافظ قرآن کریم نے سالہا سال قرآن عظیم کو پڑھ کر حفظ کیا روزانہ دہرایا ایک ایک دن میں بار بار دیکھا حافظ ہوا محراب سنانے کی تیاری میں سارا دن کاٹ دیا اور صرف ایک کتاب سے واسطہ رکھا حفظ کے بعد سالہا سال مشغلہ رہا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی حافظ کو تراویح میں لقمے کی حاجت نہ پڑی ہو مگر ایسا دیکھا نہیں گیا اور ہوسکتا ہے کہ حافظ صاحب کسی آیۃ قرآنیہ کو سن کر اتنا یاد رکھیں کہ ان کے پاس جو قرآن کریم ہے اس میں یہ آیت کریمہ داہنی جانب ہے یا بائیں جانب ہے۔ گو یہ بھی بہت نادر چیز ہے مگر یہ تو عادتاً محال اور بالکل محال ہے کہ آیۃ قرآنیہ کے صفحہ وسطر کو بتایا جاسکے۔ تو کوئی بتائے کہ تمام کتب متداولہ وغیر متداولہ کے ہر جملے کو بقید صفحہ وسطر بتانے کے لیے پورے اسلامی کتب خانے کا صرف حافظ ہی ہے یا وہ اصلی کرامت کا نمونۂ ربانیہ ہے جس کے بلند مقام بیان کرنے کے لیے اب تک ارباب لغت واصطلاح لفظ بنانے سے عاجز رہے ہیں۔''

علم الفرائض میں مناسخہ جب زیادہ بطون پر مشتمل ہو تو مفتی کے لیے ایک بڑا دردسر ہوتا ہے۔ محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے علم الحساب کی تعلیم چونکہ اسکول میں حاصل کی تھی لہٰذا فرائض سے متعلق جو سوالات ہوتے وہ انہیں سپرد کر دیے جاتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ پندرہ بطون پر مشتمل ایک استفتا اعلیٰ حضرت نے حضور محدث اعظم کے سپرد کر دیا۔ دو رات ایک دن کی مسلسل محنت کے بعد اس کا جواب تحریر فرما کر حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں جواب کے لیے پیش کیا۔ اب اس سلسلے کی مزید تفصیل محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔'' نماز عصر کے بعد بیٹھا کہ استفتاء سناؤں وہ بہت طویل تھا۔ فلاں مرا اور فلاں فلاں کو وارث چھوڑا پھر فلاں مرا اور اس نے اتنے وارث چھوڑے۔ اس میں صرف ناموں کی تعداد اتنی بڑی تھی کہ فل اسکیپ سائز کے دو صفحے بھرے ہوئے تھے۔ جب یہ استفتاء میں پڑھ رہا تھا تو دیکھا کہ اعلیٰ حضرت کی انگلیاں حرکت میں ہیں۔ ادھر استفتاء ختم ہوا ادھر بلا کسی تاخیر ارشاد فرمایا کہ آپ نے فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا درجنوں لوگوں کا نام بنام حصہ بتا دیا۔ اب میں حیران وششدر کہ استفتا کو پہلی مرتبہ تو میں نے پڑھا ہر ایک نام کو بار بار پڑھ کر ان کا حصہ قلم بند کیا۔ لیکن مجھ سے جب سب الاحیا کا نام کوئی پوچھے تو بغیر استفتا اور جواب دیکھے نہیں بتا سکتا۔''

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے علم وفکر کی برکھا برسات میں فیضیاب ہونے والوں کا ایک لمبا سلسلہ تھا۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فیض بخشیوں کے اس نورانی سلسلے کا مشاہدہ بہت قریب سے فرمایا۔ اس لیے ان کے بیان کا مقام ایک مشاہد کی حیثیت سے بہت اہم ہے۔ وہ فرماتے ہیں:'' روز کا معمول تھا کہ فلکیات وارضیات کے

ماہرین اپنی علمی مشکلات کو لے کر آتے اور دم بھر میں حل فرما کران کو شاد شاد رخصت فرما دیتے۔ میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ ماہرین فن آئے اور فنی دشواریوں کو پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے ہنستے ہوئے اس طرح جواب دے کر خوش کر دیا کہ گویا یہ اس کا حل پہلے سے فرمائے ہوئے تھے۔''

اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی پہ ریسرچ و تحقیق کے لیے آج عالمی جامعات کے دروازے کھل چکے ہیں۔ آپ کی بارگاہ علم وفضل میں بڑے بڑوں نے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ تیرہویں صدی عیسوی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو اپنے علم وفکر کی انفرادیت کی بنیاد پر ہندوستان کے چھوٹے سے شہر سے اٹھی اور پھر دیکھتے دیکھتے دنیا کے علمی آفاق پر کچھ اس طرح چھائی کہ آج وہ علم وفکر کا ایک روشن اشاریہ سمجھی جانے لگی۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اس آفاقی شخصیت کے علم وفکر کی جولان گاہ میں بیٹھ کر جو تاثرات اخذ فرمائے، اسے زبان وبیان کی یوں قوت عطا فرمائی۔''ایک بار صدرا کے مایۂ ناز حماری وشکل عروسی کے بارے میں مجھ سے سوال فرما کر جب کتابی جواب کی صحت دیکھی تو اپنی تحقیق بیان فرمائی، تو میں نے محسوس کیا کہ حماری کی حماریت بے پردہ ہوگئی اور عروسی کا عروس ختم ہوگیا۔ مسئلہ بخت واتفاق شمس بازغہ کا سر مایہ تفلسف ہے مگر اس بارے میں اعلیٰ حضرت کے ارشادات جب مجھے ملے تو اقرار کرنا پڑا کہ ملا محمود آج ہوتے تو اعلیٰ حضرت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت محسوس کرتے۔ اعلیٰ حضرت نے کسی ایسے نظریے کو کبھی صحیح سلامت رہنے نہیں دیا جو اسلامی تعلیمات سے متصادم رہ سکے۔ اگر آپ وجود فلک کو جاننا چاہتے ہوں اور زمین وآسمان دونوں کا سکون سمجھنا چاہتے ہوں اور سیاروں کے بارے میں کل فی فلک یسبحون کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں تو ان رسائل کا مطالعہ کریں جو اعلیٰ حضرت کے رشحات قلم ہیں اور یہ راز آپ پر کھلتا جائے گا کہ منطق وفلسفہ وریاضی والے اپنی راہ کے کس موڑ پہ کج رفتار ہوجاتے ہیں۔''

اعلیٰ حضرت کے ہمہ جہت علوم پر محدث اعظم ہند نے جو شاندار تبصرہ فرمایا ہے وہ اعلیٰ حضرت کے فضل علم وفکر کا روشن اشاریہ ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے کنزالایمان کے نام سے اردو زبان میں جو شاہکار ترجمۂ قرآن فرمایا ہے، اس سے اعلیٰ حضرت کے علم القرآن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ امر بھی اتنا آسان نہں کہ ہر کہہ ومہہ اس پر اپنا تبصرہ تحریر کرسکے۔ اس کے لیے بھی گہرا علم ومطالعہ درکار ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے علم القرآن کے حوالے سے مختصر الفاظ میں جو تبصرہ بیان فرمایا ہے، اپنے آپ میں وہ اتنا لاجواب ہے کہ بڑے سے بڑا تبصرہ اس مختصر سے تبصرے کے سامنے پھیکا اور بے رنگ نظر آتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:''علم القرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت کے اس ترجمۂ قرآن سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے، نہ فارسی میں اور نہ اردو میں۔ اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جاسکتا جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں قرآن ہے۔''

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت کے علم حدیث کے حوالے سے جو اپنے ذاتی تاثرات بیان فرمائے ہیں، وہ جہاں اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کے گواہ ہیں، وہیں صاحب بیان کی وسعت علمی کی دلیل بھی، وہ فرماتے ہیں: ''علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں بروقت پیش نظر۔ اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت ودرایت کی خامیاں ہر وقت از بر۔ علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے، اُٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب وتہذیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ یحییٰ نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں لیکن جس یحییٰ کے طبقہ اور استاد اور شاگرد کا نام بتادیا جاتا تو اس فن کے اعلیٰ حضرت خود موجد تھے کہ طبقہ واسماء سے بتادیتے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح۔ اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت اور خداداد علمی کرامت۔''

درج بالا تبصرے کی ایک ایک سطر زبان حال سے شہادت پیش کررہی ہے کہ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اس ذات وشخصیت کی وسعت علمی کا قریب رہ کر گہرا مطالعہ کیا۔ اس بیان کی گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی وسعت علمی کا بھی قائل ہونا پڑے گا۔

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو جس قدر وعظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس میں ایک شاگرد رشید کی سعادت مندیوں کی جھلک تو ہے ہی، لیکن اسی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے مقام علم وفکر کی وسعتوں، گہرائیوں اور خداداد صلاحیتوں کا بھی مکمل عمل دخل رہا ہے۔ چنانچہ شوال ۱۳۷۹ھ میں ناگپور کے اس عظیم الشان اجلاس میں جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے جشن یوم ولادت کے موقعے پر منعقد ہوا، اس میں منصب صدارت سے حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے علم وفکر پر جو علمی وفکری خطبہ پیش فرمایا ہے وہ یقیناً اس بات کا بین ثبوت ہے۔ اعلیٰ حضرت کے تعارف میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں: ''ہم اور آپ قرآن کریم کا سہارا لے کر اس مہینے کی یادگار منانے کے لیے یک جا ہوئے ہیں، جس مہینے میں اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک کا سچا نائب، علم کا جبل شامخ اور عمل صالح کا اسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر ذخار، منقولات میں دریائے ناپیدا کنار اہل سنت کا امام، واجب الاحترام اور اس صدی کا باجماع عرب وعجم مجدد، تصدیق حق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم وکرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدر کی شمشیر، دولت فقہ ودرایت میں امیر المؤمنین اور سلطنت قرآن وحدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین، اعلیٰ حضرت علی الاطلاق، امام اہل سنت فی الآفاق، مجدد ماءۃ حاضرۃ، موئد ملت طاہرہ، اعلم العلماء عند العلماء قطب الارشاد علیٰ لسان الاولیاء مولانا وفی جمیع الکمالات اولانا فانی فی اللہ والباقی باللہ عاشق کامل رسول اللہ مولانا شاہ احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ کے قدم اول اول اس خاکدان

دنیا میں جلوہ فرما ہوئے۔''

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت کے اوصاف کے بیان میں ایک ایک لفظ نگینے کی طرح جڑ دیا ہے۔مختصر الفاظ میں حضرت کی جو تصویر کشی کی ہے، مکمل طور پر وہ آپ کا عکس و آئینہ محسوس ہوتا ہے۔حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو ہمہ جہت علوم کے ماہر اور آفاقی شخصیت کی حیثیت سے سمجھا اور کھلی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔وہ فرماتے ہیں:''تیرہویں صدی کی یہ وہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم و فضل کا آفتاب فضل و کمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب و عجم پہ چھاگئی اور چودہویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلام میں اس کو حق و صداقت کا منارۂ نور سمجھا جانے لگا۔میری طرح سے سارے حل و حرم کا اعتراف ہے کہ اس فضل و کمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پاسکا۔''

اپنے اس بیان پر بطور استشہاد حضرت مولانا سید سلیمان اشرف کی معیت میں علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کی اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضری کا واقعہ نقل فرمایا۔'' مولانا سلیمان اشرف بہاری مرحوم مسلم یونیورسیٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کو لے کر جب اس لیے حاضر خدمت ہوئے کہ ایشیا میں ڈاکٹر صاحب ریاضی و فلسفے میں فرسٹ کلاس کی ڈگری رکھتے ہوئے ایک مسئلہ کو حل کرنے میں زندگی کے قیمتی سال لگا کر بھی حل نہ کر پائے تھے اور فیثا غوثی فلسفۂ کشش ان پر چھایا ہوا تھا تو اعلیٰ حضرت نے عصر و مغرب کی مختصر درمیانی ساعت میں مسئلہ کا حل بھی قلم بند کر دیا اور فلسفۂ کشش کی کھینچ تان کو بھی ختم فرما دیا۔جو رسالے کی شکل میں چھپ بھی چکا ہے اس وقت ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ ان کو یورپ کا تھیوریوں والا درس دے رہا ہے یا اسی ملک کا کوئی حقیقت شناس سبق پڑھا رہا ہے۔انہوں نے اس صحبت کے تاثرات کو اجمالاً یوں کہا تھا کہ'' اپنے ملک میں جب معقولات کا ایسا اکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا اپنا وقت ضائع کیا۔''

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اس ضمن میں اپنا ایک مشاہدہ بھی پیش فرمایا۔وہ بیان فرماتے ہیں''اعلیٰ حضرت نے نماز عصر کے لیے وضو فرماتے ہوئے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ عرض شجرہ کا حساب یونانیوں نے جس وتد سے کیا تھا اب دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یونان بلکہ دنیا کے ہر پہاڑ سے بلند کوہ ہمالہ کی ایوریسٹ چوٹی ہے، کیا اس سے حساب لگا دوگے۔میں نے دو دن کی مہلت مانگی اور رات و دن صفحات کو سیاہ کرتا رہا جب صحیح حساب تیار کر کے حاضر ہوا تو فرمایا کہ کیا آپ کا جواب یہ ہے؟ میں نے ہاں تو عرض کر دیا مگر حیران تھا کہ جس حساب میں میرا مغز سر سوکھ گیا وہ برجستہ ارشاد فرمانے والا صرف ایک عالم ہے یا وہ ایسا ہے کہ لغت میں اس کے اظہار کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔میرے صحیح جواب پر جو دعائیں فرمائیں آج وہی میرے لیے سب کچھ ہیں۔''

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں جہاں دوسروں کو لب کشائی کی جرأت نہ تھی۔جہاں بڑے بڑے ناطقوں کی زبانیں گنگ ہو جایا کرتی تھیں وہیں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کو ایک مقام امتیاز حاصل تھا جس کی بنا پر کبھی کچھ

سوالات کرگزرتے۔لیکن اعلیٰ حضرت کے جواب میں جو نیاز مندی، عاجزی اور انکساری کا اظہار ہوتا وہ خود اپنے آپ میں ایک مستقل باب کا دلچسپ عنوان ہے۔اس سلسلے میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ایک دو واقعات بیان فرمائے ہیں۔

''میں اس سرکار میں کس قدر شوخ بنا دیا گیا تھا۔ اپنا جواب اعلیٰ حضرت کی چار پائی پر رکھ کر عرض کرنے لگا حضور! کیا اس علم کا کوئی حصہ عطا نہ ہوگا،جس کا علمائے کرام میں نشان بھی نہیں ملتا۔مسکرا کر فرمایا کہ میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں یہ تو آپ کے جد امجد سرکار غوثیت کا فیض کرم ہے اور کچھ نہیں۔'' مجھے اپنی یہ شرارت یاد ہے کہ جان بوجھ کر اپنے جانے بوجھے جزئیات فقہ کو دریافت کرتا تو اعلیٰ حضرت مسکرا کر بتا دیتے اور مزید حوالے عطا فرماتے مع صفحہ وسطر وعبارت نوٹ کر لیتا کہ شاید کبھی صفحہ یا سطر یا عبارت میں کسی لفظ و نقطے کی بھول ہو جائے۔مگر آج میں بڑی مسرت کے ساتھ باقرار صالح اپنا بیان دیتا ہوں کہ میری شریرانہ خواہش ہمیشہ ناکام رہی۔''

اعلیٰ حضرت کی تعلیم وتربیت کے فیضان نے حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کو جس انداز میں سجایا سنوارا، وہ افادے واستفادے کی ایک شاندار ولا جواب مثال ہے،اب درسگاہوں کی وہ رونقیں کہاں باقی رہیں؟ نہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ جیسے مربی استاذ مسند تدریس کی زینت ہیں، نہ ہی شاگرد میں حضرت محدث اعظم ہند جیسی شخصیات۔ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

OOOO

مفتی ڈاکٹر ساحل شہسرامی [علیگ]

امام احمد رضا کی مقبولیت اور حاسدین کی ریشہ دوانیاں

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عالم اسلام کی عبقری ترین شخصیت تھے اور آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کا ایک زندہ معجزہ تھے۔اس کا اعتراف ایک جہان فکر ودانش کرتا ہے۔آپ کے پاکیزہ ترین اوراق حیات ،آپ کی ہزار پہلو دینی وعلمی خدمات اور آپ کے عشق رسول کا جذب دروں اس کی بہترین شہادت ہے۔آپ کی واضح کرامت علمی یہ ہے کہ آپ کو جو جس قدر پڑھتا ہے، وہ خود کو آپ سے اتنا ہی زیادہ قریب محسوس کرتا ہے۔یہ بے پناہ مقبولیت، محبوبیت اور مرجعیت آپ کو بارگاہ خدا ورسول جل و علا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم اور دربار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عطا ہوئی بلکہ ساری ظاہری وباطنی خوبیاں، علوم کا وسیع جہان اور فنون کی نوع بہ نوع شاخوں پر دسترس سب اسی دربار کرم کے عطیات ہیں جہاں سے سارے جہان کو نعمتیں تقسیم ہوتی ہیں۔اس کا نیاز مندانہ اعتراف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تحریروں میں جابجا ملتا ہے۔

نعمتیں ہمیشہ سے وجہ حسد رہی ہیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری تو مہبط انعامات الٰہیہ تھے۔اس لئے اسی تناسب سے آپ کے حاسدین کا بھی وسیع دائرہ ابتدا سے رہا۔آپ ایک جگہ خود اعداء وحاسدین کی ریشہ دوانیوں کے ذیل میں اس کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میری اتنی عمر گذری ،لوگ میری مخالفت ہی کرتے رہے۔ایک طرف کفار کا نرغہ ،دوسری طرف حاسدین کا مجمع۔مجھ سے بعض لوگوں نے کہا کہ مجموعۂ اعمال بھرا ہوا ہے، سپیاں بھری پڑی ہیں،کوئی عمل کر لیجئے۔میں نے کہا: جنہوں نے یہ تلواریں مجھے دی ہیں ،انہیں کا یہ حکم ہے کہ تلوار ہاتھ میں کبھی نہ لینا ،ہمیشہ ڈھال ہی سے کام لینا۔چنانچہ کبھی کسی پر حملہ نہ کیا، سوائے ایک دفعہ کے کہ میں نے کرنا چاہا اور نہ ہوا، جس سے ثابت کر دیا گیا کہ تیرے کئے کچھ نہیں ہوسکتا، ہم کرتے ہیں۔''

[الملفوظ، حصہ چہارم، ص۴۸۹، مکتبۃ المدینہ، دہلی]

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طریقے سے مقبول عالم ہیں، اسی طور سے محسود عالم بھی ہیں۔میری تحریر کا موضوع اس قدر بسیط ہے کہ اس پر خاصی ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے، کیونکہ اعلیٰ حضرت کی پوری زندگی

حاسدین اور مخالفین سے رزم آرائیوں میں گذری ہے۔ میں اس مختصر مقالے میں اشارہ جاتی انداز میں صرف اپنے امام کی مقبولیت کے بنیادی خاکے اور آپ کے موجودہ حاسدین کی بل کھاتی پیشانیوں کے چند خطوط کی وضاحت پر اکتفا کروں گا۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ [۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء---۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء] تقریباً چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم وفنون کی تحصیل سے فارغ ہوکر مسند درس وافتا کو زینت بخش چکے تھے۔ مختصر سی عمر میں آپ نے زیادہ سے زیادہ فنون وآداب کی شاخوں پر دسترس حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کی فہرست بہت مختصر ہے۔ سارے مروجہ درسیاتی علوم والد ماجد امام المتکلمین حضرت علامہ نقی علی خان قادری قدس سرہٗ سے حاصل کئے۔ مرزا عبد القادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ ابتدائی درجات کے استاذ تھے۔ ان مراحل درس کا تذکرہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنی تصنیف ''الکلمۃ الملہمۃ'' میں فرمایا ہے۔ رقمطراز ہیں:

''فقیر کا درس بحمدہ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا، اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا۔ فلسفۂ جدیدہ میں کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ علوم ریاضیہ و ہندسیہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے چار قاعدے کہ بہت بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے اور صرف شکل اول تحریرُ اقلیدس کی اور بس۔ جس دن یہ شکل حضرت اقدس حجۃ اللہ فی الارضین، معجزۃ من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد سے پڑھی اور اس کی تقریر حضور میں کی، ارشاد فرمایا:

''تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو، ان علوم کو خود حل کرلوگے۔''

اللہ عزوجل اپنے مقبول بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے۔ حسب ارشاد بعونہ تعالیٰ فقیر نے حساب وجبر ومقابلہ ولوگارثم وعلم مربعات وعلم مثلث کروی وعلم ہیئت قدیمہ وہیئات جدیدہ وزیجات وارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفات فائقہ لکھیں اور صدہا قواعد وضوابط خود ایجاد کئے، تحدیثاً بنعمۃ اللہ تعالیٰ۔ یہ بحمد اللہ تعالیٰ اس ارشاد اقدس کی تصدیق تھی کہ ''ان کو خود حل کرلوگے۔'' فلسفۂ قدیمہ کی دو چار کتابیں مطابق درس نظامی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ الشریف [والد ماجد] سے پڑھیں اور چند روز طلبہ کو پڑھائیں، مگر بحمد اللہ تعالیٰ روز اول سے طبیعت اس کی ضلالتوں سے دور اور اس کی ظلمتوں سے نفور تھی۔ سرکار ابد قرار بارگاہ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ سے دو خدمتیں اس خانہ زاد ہیچ کارہ کے سپرد ہوئیں: افتا اور رد وہابیہ۔ انہوں نے مشغلۂ تدریس بھی چھڑایا اور آج ۴۵ برس سے زائد ہوئے کہ بحمد اللہ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رخ نہ کیا۔'' [فتاویٰ رضویہ، ۲۷/ ۳۸۴-۳۸۵]

مسند درس وافتا کی شہ نشینی کے بعد آپ پر علم لدنی کے دروازے کھل گئے اور بارگاہ رسالت اور دربار غوثیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وابنہ الکریم وبارک وسلم سے ایسی ایسی بیش بہا نعمت ہائے الٰہیہ آپ کو حاصل ہوئیں کہ زمانہ آج بھی محو حیرت ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے جب سر ضیاء الدین وائس چانسلر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے مسئلۂ ریاضی کا حل پیش فرمایا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر استفسار کیا کہ آپ نے یہ علوم کہاں سے حاصل کئے؟ تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا:

''میں نے اپنے والد صاحب سے [محض] تفریق، ضرب، تقسیم کے قواعد محض اس لئے سیکھے تھے کہ علم میراث میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ والد مکرم نے منع کر دیا اور کہا کہ ان میں کیوں وقت صرف کرتے ہو۔ یہ تمام علوم بارگاہ رسالت میں تمہیں خود بخود سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں، اسی بارگاہِ اقدس واعظم کا فیضان ہے۔ میں اپنے مکان کی چار دیواری میں بیٹھا خود ہی یہ اشکال بناتا اور مسائل حل کرتا رہتا ہوں۔'' [المیز ان کا امام احمد رضا نمبر، ص۹۹]

دوسری جگہ فیضان غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک بار میں نے دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک سواری ہے، بہت نفیس اور اونچی بھی تھی۔ والد ماجد نے کمر پکڑ کر سوار کیا اور فرمایا: ''گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا، آگے اللہ [عزوجل] مالک ہے۔'' میرے خیال میں اس سے مراد غلامی ہے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔'' [الملفوظ، ۳/ ۴۱۴، مکتبۃ المدینہ، دہلی]

حضرت محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے فرمایا:

''میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں، یہ تو آپ کے جد امجد سرکار غوثیت کا فضل و کرم ہے اور کچھ نہیں'' [المیز ان، امام احمد رضا نمبر، ص۲۶۱، مطبوعہ ۲۰۱۸ء، جماعت رضائے مصطفیٰ، اورنگ آباد، مہاراشٹر]

ان عالی بارگاہوں کے فیضان نے اور آپ کے عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کہ تہہ دار دمکتی کرنوں نے آپ کی ذات اقدس کو بقعۂ نور بنا دیا تھا جس کی جگمگاہٹ سے زمانے کی نگاہیں خیرہ ہوئی جاتیں۔ آپ کی شہرت کا آفتاب وسط عمر میں ہی نصف النہار کو پہنچ چکا تھا۔ آپ کی عبقریت کی گونج بہت جلد بحر و بر کی وسعتوں میں پھیل گئی۔ شہرت وجہ حسد ہوتی ہی ہے جس کی وجہ سے آپ کے حاسدین اور معاندین کا ایک طبقہ ہر دور میں رہا۔ آیئے پہلے امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمہ گیر آفاقی شہرت اور مقبولیت کے اسباب کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں، پھر معاندین وحاسدین کی معاندانہ اور حاسدانہ ریشہ دوانیوں کے وجوہ بھی تلاش کریں گے۔

اس فقیر قادری رضوی کی فہم نارسا کے مطابق سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لافانی شہرت اور بڑھتی پھیلتی مقبولیت کے اسباب کو ان نکات میں سمیٹا جا سکتا ہے:

بارگاہ خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم میں شرف قبول پا جانا۔ دراصل آپ بچپن سے ہی قدرت کا انتخاب اور کرامت آثار تھے۔ اس کے کثیر شواہد آپ کے اوراق حیات اور سوانحی خاکوں میں ملاحظہ کئے

جا سکتے ہیں۔ بے پناہ قوت حافظہ، بزرگوں کی فیض بخشی اور آمد آمد، رجال غیب سے ملاقات، مجاذیب کرام کی خصوصی توجہ، جد امجد کی بشارت شواہد قرب الٰہی کے واضح خطوط ہیں۔ کئی پشتوں سے آپ کی نسل پاک میں ولایت محمدی کے سلسلے دراز رہے ہیں۔ آپ کے اجداد کرام میں حضرت شاہ محمد اعظم خان، حضرت شاہ حافظ محمد کاظم علی خان، قطب وقت علامہ رضا علی خان، امام المتکلمین علامہ نقی علی خان قدست اسرارہم ولایت محمدی کے شاہکار اور اولیائے اسلام کی زریں کڑیاں تھے۔ ان پاکیزہ نسبتوں کے قدسی اثرات نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو تقدس ولایت کا جگمگاتا آئینہ بنا دیا تھا جسے دیکھنے والا ہر صاحب باطن سر بہ خم ہو کر تسلیم پیش کرتا۔ تحدیث نعمت کے طور سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ خود فرماتے ہیں:

[سورۂ مجادلہ کی آیت پیش کرنے کے بعد فرمایا] ''بحمد اللہ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے اور میرے بچوں کے بچوں کو بھی بفضل اللہ تعالیٰ عداوت اعداء اللہ، گھٹی میں پلا دی گئی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوگا: أُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمُ الۡاِیۡمَانَ [المجادلۃ: ۲۲] یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا] بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اور بحمد اللہ تعالیٰ ہر بد مذہب پر ہمیشہ فتح و ظفر حاصل ہوئی۔ رب العزت جل جلالہٗ نے روح القدس سے تائید فرمائی .... یہ سب برکات ہیں حضرت جد امجد [قطب عصر حضرت شاہ رضا علی خان قدس سرہٗ] کی۔ قرآن عظیم میں خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں ہے کہ دو یتیم بچے ایک مکان میں رہتے تھے، اس کی دیوار گرنے والی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ اس واقعہ کو فرمایا جاتا ہے: ''وَکَانَ اَبُوۡھُمَا صَالِحًا'' [کہف: ۸۲] ان کا باپ صالح تھا۔ اس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ علما فرماتے ہیں: وہ باپ ان کی ساتویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی یہ برکات ہوتی ہیں۔ یہاں تو ابھی تیسری پشت ہے۔ دیکھئے کب تک برکات کے سلسلے اس میں رہیں۔'' [الملفوظ، ۳/ ۴۱۲]

دربار رسالت میں کیسی مقبولیت نصیب ہے اس کا اندازہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال اقدس کے وقت شامی بزرگ کے خواب سے ہوتی ہے کہ انہوں نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کو خواب میں ملاحظہ کیا جیسے آپ کسی کے منتظر ہوں۔ عرض کی: یارسول اللہ! کس کا انتظار ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: احمد رضا ہندی کا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی مشہور زمانہ نعت ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

کی مواجہہ اقدس میں پیش کش کے بعد چشم سر سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہونا آپ کے مقرب بارگاہ رسالت

ہونے کی واضح نشانیاں ہیں۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال کے بعد متعدد سعید حضرات نے آپ کو دربار رسالت میں خدمت گاری مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا میں مصروف دیکھا ہے۔اس طور سے آپ کو حاضر بارگاہ لولاک ہونے کا شرف حاصل ہے۔جب حضور کا قرب حاصل ہوگیا تو اللہ کی محبوبیت حاصل ہوگئی۔"اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ"میں یہی رمز پوشیدہ ہے۔ع وہ اپنے ہوگئے تو رحمت پروردگار اپنی۔

حدیث پاک میں ہے:" ان اللّٰہ اذا احب عبدا دعا جبرئیل علیہ السلام فقال انی احب فلانا فاحبہ قال فیحبہ جبرئیل ثم ینادی فی السمآء فیقول ان اللّٰہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السمآء قال ثم یوضع لہ القبول فی الارض الخ۔جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر ارشاد فرماتا ہے کہ بے شک میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں ،تم بھی اس سے محبت کرو تو جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے کو اپنا محبوب رکھتا ہے،اے اہل آسمان !تم بھی اس سے محبت کرو تو سارے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں ۔حضور فرماتے ہیں: پھر اس بندے کی شہرت ومقبولیت روئے زمین میں عام کردی جاتی ہے۔[مسلم شریف،۲/۳۳۱]

دربار رسالت اور بارگاہ غوثیت سے اعلیٰ حضرت کے عشق کی دستاویز آپ کا شعری دیوان حدائق بخشش ہے جس کی سطر سطر سے عشق خدا ورسول اور محبت غوثیت مآب کی خوشبو پھوٹی پڑتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی شہرت ومقبولیت کی دوسری وجہ آپ کی بے مثل علمی عبقریت ہے۔اہل نظر کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے چھ سو سال تک پوری دنیائے اسلام میں آپ جیسا کوئی عبقری فاضل نظر نہیں آتا جس کے یہاں علم وفن کی ایسی وسعت ہو ،فکر وادب کا ایسا تنوع ہو،تصنیف وتالیف کی ایسی ہمہ گیری ہو ،محاسن وکمالات کی ایسی جامعیت ہو،زبان وقلم کا ایسا تحفظ ہو ،قول وعمل کی ایسی یکسانیت ہو،سادگی وپرکاری، پرہیزگاری کا ایسا امتزاج ہو۔۵۵ر سے زائد علوم وفنون اور اس ترقی یافتہ دور میں علم کی ضرب دیتی شاخوں کے تناظر میں دو سو سے زائد علوم وفنون پر امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قدرت ہی نہیں مہارت کی حد تک دسترس حاصل تھی ۔قریب قریب ہر فن میں آپ نے اپنی علمی یادگاریں چھوڑی ہیں ۔لیکن افسوس کہ وہ سارے آثار علمیہ محفوظ نہ رہ سکے،ورنہ دنیا دیکھتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب بندے کو کیسا اور کس قدر نوازا تھا اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی اپنے اس چہیتے غلام پر کس قدر نوازشات تھیں ۔اس علم راسخ اور خداداد فنی قدرت ومہارت کی وجہ سے آپ کی علمی شہرت کا آوازہ بہت جلد چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے،جو چاہے تصانیف رضا کا مطالعہ کر کے رضوی فنون کی جلوہ آرائیاں چشم سر سے ملاحظہ کرسکتا ہے۔

عشق رسول کے سوز نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمائے اسلام کا ایسا بدر کامل بنا دیا ہے جس کی چاندنی اور تب وتاب دن دونی رات چوگنی اپنی

ضیائیں بکھیر رہی ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ قادیانیت اور وہابیت کی ہلاکت خیز آندھیوں میں اسلامیان ہند کے دلوں میں روشن شمع عشق رسول کی لو کبھی مدھم نہیں ہونے دی۔

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفیٰ
سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

آپ کی تحریروں کی سطر سطر سے عشق رسول پھوٹا پڑتا ہے اور ہر باغی آداب مصطفیٰ کے خلاف کلک رضا کی جھنکار سنائی دیتی ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ فقہ حنفی اور رد وہابیہ یعنی تحفظ ناموس رسالت کی خدمت بارگاہ خدا و رسول سے مجھے سپرد ہوئی ہے۔

''سرکار ابد قرار بارگاہ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ سے دو خدمتیں اس خانہ زاد ہیچ کارہ کے سپرد ہوئیں: افتا اور رد وہابیہ۔'' [فتاویٰ رضویہ، ۲۷/ ۳۸۵]

مسلمانوں کو اپنے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے عشق کی حد تک لگاؤ ہوتا ہے اور جو فرد اُن کے محبوب رسول سے شیفتگی کی حد تک لگاؤ رکھتا ہے، وہ مسلمانوں کو بہت عزیز ہوتا ہے۔ اس لئے ماہ رسالت کے عاشق جانباز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے جذبۂ عشق رسول کی بدولت مسلمانوں کے دلوں میں گھر کرتے گئے۔ اس ذیل میں ان کی پرسوز والہانہ نعتوں نے بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ حدائق بخشش کے اشعار فضاؤں میں کیا بلند ہوئے کہ ہر عاشق رسول کے دل میں اتر گئے، ہر محفل میلاد نبوی میں پڑھے اور سنے جانے لگے اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعتوں کی بارگاہ رسالت میں مقبولیت ایسی ہے کہ یہ اشعار وہاں بھی پڑھے اور سنے جاتے ہیں جہاں اردو سمجھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ سچ کہا کوثر نیازی صاحب نے:

''اذان کے بعد فضاؤں میں سب سے زیادہ بلند
ہونے والا نغمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کا قصیدۂ سلامیہ
''مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' ہے۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کا فیضان اس طور سے ہے کہ آپ ہر اسلامی ماحول اور محفل کی ضرورت بن چکے ہیں۔ اس کا سراغ دیتے ہوئے خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

فقہ حنفی کی لازوال خدمت بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقبولیت اور شہرت کا بنیادی سبب ہے۔ امام الائمہ سراج الامہ، کاشف الغمہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نور الٰہی سے سرفراز مقبول بارگاہ الٰہی تھے۔ آپ کی اجتہادی فقہ کو خاص تائید الٰہی حاصل ہے، بقول حضرت امام ابن قدامہ حنبلی: ''اگر امام اعظم کی فقہ میں کوئی راز الٰہی مضمر نہیں ہوتا تو دنیائے اسلام کی دو تہائی اکثریت فقہ حنفی کے مطابق اپنے رب کی عبادت میں مصروف نہ ہوتی۔

[المغنی لابن قدامہ حنبلی]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ حنفی کے ممتاز اور جانباز نمائندہ ہیں۔فقہ حنفی کی تائید، تفہیم اور ترسیل کا جیسا فریضہ آپ نے انجام دیا ہے، وہ اپنے آپ میں بے نظیر ہے۔فتاویٰ رضویہ کے صفحات اس کے بہترین شاہد ہیں۔فقہ حنفی کی نمائندگی اور فقہ حنفی کے مخالفین کی دہن دوزی آپ کا مجددانہ کارنامہ ہے۔دنیائے اسلام کے حنفیوں نے اپنے امام اعظم کے اس ممتاز اور اعلیٰ نمائندے کو گلے سے لگایا اور خوب پذیرائی کی۔علمانے آپ کے حنفی فقہی افادات سے خوب فائدہ اٹھایا اور آج تک مستفید ہو رہے ہیں اور قیامت تک فیض اٹھاتے رہیں گے۔فتاویٰ رضویہ، فقہ وافتا کے مراکز کی بنیادی ضرورت بن چکی ہے۔اپنے تو اپنے ٹھہرے، غیر بھی اپنے آپ کو اس سے بے نیاز نہیں سمجھتے۔جب علما اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گرویدہ ہیں تو عوام تو علما کے تابع ہوتے ہیں۔اس طور سے سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ علما اور عوام سب کے دلوں میں اس طور سے گھر چکے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کا اسم مبارک سنتے ہی ان کے دمکتے چہروں پر ایمانی مسرتوں کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکاتب تصوف کی بھی لازوال خدمت کی ہے اور عملی سطح پر اسے فروغ بخشا ہے۔تصوف کے روشن چہرے کو معاندین تصوف کے اوچھے حملوں اور اڑاتے ہوئے غباروں سے صاف کیا ہے۔آپ کی تحریروں میں اسلامی تصوف اور مشائخ اہل سنت کے ستھرے خانقاہی نظام کی جیسی بھرپور اور مدلل تائید ملتی ہے، وہ بے مثل ہے۔مشائخ تصوف پر اگر کسی نے حرف گیری کی تو آپ نے اپنے آقاؤں اور اکابر کی نمک خواری کا پورا حق ادا کر دیا ہے اور بے راہ رو معاند کو مسکت اور دنداں شکن جواب دیا ہے۔سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تو آپ بندۂ بے دام ٹھہرے۔پوری زندگی سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دم بھرتے رہے، گن گاتے رہے۔حدائق بخشش کے صفحات مدائح غوثیہ سے لبریز ہیں۔سرکار غوثیت ماب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے اس وفادار نیازمند کو خوب نوازا۔آج دنیا دونوں ہاتھوں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانۂ کریمہ سے خزانۂ غوثیہ لوٹ رہی ہے۔سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدۂ لامیہ معروف بہ قصیدۂ غوثیہ کی عربیت پر کسی نے سوال اٹھایا، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ''الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ'' میں اس منکر معاند کے ہوش وحواس درست کر دیئے ہیں۔اس رسالہ مبارکہ میں آپ کی غیرت قادریت دیکھنے کے قابل ہے۔رسالۂ مبارکہ کے اخیر میں فرماتے ہیں:

''الحمد للہ! کلام اپنے منتہیٰ کو پہنچا اور ارتیاب مُرتاب اپنی سزا کو۔اب مجھے اتنا ظاہر کرنا پڑ رہا ہے کہ اول تا آخر یہ سارا کلام میں نے اس تسلیم پر منتہی کیا ہے کہ قصیدۂ مبارکہ میں قوانین عربیات سے مخالفات ہیں۔معترض دیکھے کہ اس تسلیم پر بھی بحمد اللہ سرکار قادریت نے ہم پر کیا کچھ لطف فرمایا اور کن کن وجوہ قاہرہ سے انکار منکر کو ہباء منثور کر دکھایا۔مگر ابھی تو ہمیں حضرت معترض کی مزاج پرسی کرنی ہے۔ذرا

مہربانی فرما کر اپنے اعتراضات تفصیلی سے اطلاع دیں اور اس وقت جواب تفصیلی کے مرتبے میں ہم پر ہمارے آقا کا فیضان دیکھیں ۔ہاں ہاں !اصلا نہ شرمائیں، جہاں تک اعتراض خاطر میں آئیں ،سب ایک ایک کر کے بیان فرمائیں۔کچھ اٹھا رکھنے کی تکلیف ہرگز نہ اٹھائیں۔ہم بھی تو جانیں کہ قصیدۂ مبارکہ میں ایسے کیا کچھ اغلاط دیکھ پائے ہیں ،جن کی بنا پر یہ شورا ٹھائے ہیں۔امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ القادر بیان کرتے وقت کھل جائے گا کہ ع

با کہ باختۂ عشق در شب دیجور

[الزمزمۃ القمریۃ،ص ۳۸]

صلوٰۃ غوثیہ کے استناد پر کسی نے سوال اٹھایا تو آپ نے دو مبسوط رسالے تحریر فرمائے :''ازہار الانوار من صبا صلوٰۃ الاسرار'' اور'' انہار الازہار من یم صلوٰۃ الاسرار''۔سلسلۂ عالیہ فردوسیہ کے ممتاز بزرگ مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ کی بعض عبارات مکتوبات پر کسی نے طعنہ زنی کی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے حمایت مخدوم جہاں میں پورا رسالہ تحریر فرمایا:''حجب العوار عن مخدوم بہار''۔ سلسلۂ رفاعیہ کے بانی قطب الاقطاب حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے بعض حضرات نے نازیبا غلو کیا جو خود حضرت رفاعی کے ارشادات عالیہ کے خلاف تھا تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے''طرد الافاعی عن حمی ہاد الرفاعی'' نامی رسالہ میں حضرت رفاعی کی قرار واقعی عظمتیں بیان فرمائیں ۔یونہی حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی سیدنا سید محمد نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کے فواد الفواد کی ایک عبارت پر کسی نے زبان طعن دراز کی تو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس کی تشفی بخش وضاحت فرمائی۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعۂ فتاویٰ میں کثیر استفتا ،خانقاہی معمولات و مراسم سے متعلق ہیں۔آپ نے اپنے جوابات میں مشائخ کے معمولات خانقاہی کو دلائل سے مزین کر کے پیش فرمایا ہے، چاہے وہ کسی سلسلۂ تصوف سے متعلق ہوں۔البتہ ان میں در آنے والے عجمی غیر اسلامی اضافوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہے۔

حضرات صوفیا اور اصحاب خانقاہ و تصوف کی مدلل نمائندگی کا نتیجہ تھا کہ ہر مشرب کی خانقاہیں اور ان سے وابستہ افراد آپ کے گرد سمٹ آئے اور آپ کو سر آنکھوں پہ رکھا،اپنے ماننے والوں اور منتسبین کے دلوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت پیدا فرمائی ،انہیں معیار سنیت قرار دیا ،ان سے فکری ہم آہنگی اور قلبی وابستگی کو لازم ٹھہرایا اور اسے حقانیت کی شناخت قرار دیا۔یوں آپ کا چرچا شرق وغرب ،شمال وجنوب ہر سمت پھیل گیا اور آپ خوشبو کی مانند اہالیان عالم اسلام کے دلوں میں جا بسے۔

اعلیٰ حضرت کے ایک معاصر عظیم المرتبت عالم دین طوطی ہند، حافظ الحدیث حضرت علامہ قادر بخش نقشبندی شہسرامی [م ۱۳۳۷ھ] کی ایک روایت اعلیٰ حضرت کے ممتاز شاگرد ملک العلما شاہ ظفر الدین قادری رضوی]م ۱۳۸۲ھ] حیات اعلیٰ حضرت میں بیان کرتے ہیں:

''مولانا مولوی قادر بخش صاحب شہسرامی جو ایک بہت بڑے مشہور عالم اور زبردست واعظ تھے، ایک مرتبہ بسلسلۂ

وعظ موضع رجہت ضلع گیا تشریف لے گئے۔ یہ بستی سادات کرام کی ہے اور اس بستی کے لوگ سجادہ نشینان شہسرام کے رشتہ دار ہیں۔ وعظ کے بعد کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ مولانا سنی اور وہابی کی کیا پہچان ہے؟ ایسی بات بتائیے جس کو ہم لوگ کر سکیں اور اس کے ذریعہ سنی وہابی کو پہچان سکیں۔ کوئی بڑی علمی بات نہ ہو۔ انہوں نے فرمایا: ایسا آسان اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتا دیتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہے۔ آپ جب کسی کے بارے میں مشتبہ ہوں کہ سنی ہے یا وہابی بد مذہب تو اس کے سامنے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا تذکرہ چھیڑ دیجئے اور اس کے چہرے کو بغور دیکھئے۔ اگر چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار دیکھئے تو یقین جانئیے کہ سنی ہے اور اگر چہرے پر پژمردگی اور کدورت دیکھئے تو سمجھئے کہ وہابی ہے اور اگر وہابی نہیں جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے۔ اس زمانے میں: ''لَا یُحِبُّهُ اِلَّا مُومِنٌ وَ لَا یُبْغِضُهُ اِلَّا مُنَافِقٌ'' [ان سے محبت وہی رکھے گا جو مومن ہوگا اور بغض وہی رکھے گا جو منافق ہوگا] میں یہ ضمیریں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی طرف پھرتی ہیں۔''

[حیات اعلیٰ حضرت، قدیم ایڈیشن ۱ / ۶۲ - ۶۳]

حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسند نشین خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

''بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کو ان کے معتقدین، مجدد مأتہ حاضرہ کہتے ہیں، درحقیقت طبقہ صوفیائے کرام میں یہ منصب مجدد کے مستحق ہیں، انھوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھیں جو سالہا سال سے فرقہ وہابیہ کے زیر تحریر وتقریر تھیں، جن کے جوابات گروہ صوفیاء کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیئے گئے تھے۔ ان کی تالیفات وتصنیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔ یہ کتابیں دیکھ کر مصنف کے تبحر علمی کا شدید سے شدید مخالف کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسمٰعیل اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھی ہیں، جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیاء علمی حیثیت سے مولانا احمد رضا خاں صاحب کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔۔ میرے نزدیک مولانا موصوف کی جرأت ودلیری علمائے دیوبند وفرنگی محل اور تمام لیڈران گرم و سرد سے بڑھ کر ہے، انھوں نے جو کام کیا وہ کسی ایک سے بھی نہ ہوسکتا تھا اور نہ ہو سکے گا۔''

[المیزان امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ ص ۲۱ / دبستان رضا ص ۱۱۴]

ان تمام اسباب ووجوہ کو ایک جملے میں سمیٹا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے: ''ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔'' فضل الٰہی

نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چار دانگ عالم میں ہویدا کر دیا ہے۔دلوں کو ان سے مانوس، زبان وقلم کو ان کی مدح وثنا میں رواں کردیا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

امام اہل سنت مجدد دین وملت کنز کرامت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خداداد مقبولیت اور شہرت کے اسباب کا مختصر جائزہ لینے کے بعد اب ان سے بغض وحسد رکھنے والے معاندین ومخالفین کے اسباب مخالفت وحسد کا بھی ایک سرسری جائزہ لیتے چلتے ہیں۔ع

حسد سزائے کمال سخن ہے کیا کہیے

جہاں پھل ہیں، وہاں پتھر آتے ہی ہیں، اس لئے اس کم عمری اور قلیل مدت میں اس قدر شہرت اور مقبولیت حاصل ہو جانے سے آپ سے حسد رکھنے والوں کا ایک طبقہ ہمیشہ سر گرم رہا لیکن آپ ان سب سے بے نیاز ہو کر اپنے رب اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی یاد میں قلندرانہ مست وسرشار رہے اور ان کے بتائے ہوئے دین متین کی خدمت میں مصروف رہے اور کبھی مخالفین کے سب وشتم کی جانب توجہ نہ فرمائی۔خود فرماتے ہیں۔

نہ مرا نوش ز تحسین، نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے، نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

نہ مجھے کسی کی تعریف وتحسین سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ کسی کی طعن وتشنیع سے کوئی الجھن ہوتی ہے۔نہ کسی کی مدح وثنا کی جانب ہمارے کان لگے رہتے ہیں اور نہ کسی کے برا کہنے کی فکر ہوتی ہے۔بس میں ہوں اور ایک گوشۂ تنہائی جس میں صرف میں رہتا ہوں، چند کتابیں ہوتی ہیں اور دوات وقلم، کسی اور چیز کی یہاں گنجائش نہیں۔

امام اہل سنت، مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کنز الکرامت جبل استقامت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے: اپنے اور بیگانے۔اپنوں میں وہ جملہ صحیح العقیدہ اہل سنت ہیں جو آپ کی مقبولیت اور مرجعیت سے دلوں میں خلش محسوس کرتے ہیں اور حسد جلن میں اعلیٰ حضرت پر زبان طعن دراز کر کے لوگوں کی توجہ آپ سے پھیرنا چاہتے ہیں اور یوں اپنے دل کا غبار نکالتے ہیں۔اور بیگانوں میں جملہ بد مذہبوں کا شمار ہوتا ہے جن کی فکری بے راہ روی اور گمراہ گردی کا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعاقب کیا ہے اور ان کی بد مذہبی اور عیاری طشت از بام کی ہے۔

غیروں میں اس دور کے جملہ بد مذہب فرقے شامل ہیں خاص طور سے قادیانی، وہابی، غیر مقلد، دیوبندی، نیچری، ندوی زیادہ درپے ہوئے۔سب وشتم، کردار کشی، دروغ گوئی، بہتان طرازی، حیلہ جوئی، عیاری و مکاری غرض دشمنی کے سارے تقاضے پورے کئے لیکن مدینہ طیبہ کے قلندر ہمارے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نور ایمان سے دمکتی پیشانی پر ذرا بھی شکن نہ پیدا ہوئی۔اہل ایمان کی یہی شان قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہے:

"یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلاَ يَخَافُونَ لَوْمَةَ لآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَشَآءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ "[المائدۃ:۵۴]

وہ اللہ کے پیارے اللہ ان کا پیارا، مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے متعدد جگہ برسبیل تذکرہ بدمذہبوں کی ایذا رسانیوں کا ذکر فرمایا ہے اور اس پر کبیدہ خاطر ہونے کے بجائے شکر الٰہی ادا کیا ہے جو خاصان خدا کی شان ہے۔ فرماتے ہیں:

"وہابیہ کی تو کیا شکایت کہ وہ پورے اعداء ہیں اور کیوں نہ میرے دشمن ہوں کہ میرے مالک و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ ان کے افتراؤں نے بعض جاہل کچے سنیوں کو بھی میرا مخالف کر دیا تھا یہ بہتان لگا کر کہ یہ معاذ اللہ حضرت شیخ مجدد [الف ثانی] کو کافر کہتا ہے اور جب مکہ معظّمہ میں علم غیب کا مسئلہ بفضلہٖ تعالیٰ باحسن وجوہ روشن ہوگیا، علم الٰہی اور علم نبوی کا غیر متناہی فرق میں نے ظاہر کر دیا تو اب یہ جوڑی کہ عیاذاً باللہ یہ قدرت نبوی کو قدرت الٰہی کے برابر کہتا ہے۔ کچے ناسمجھ لوگ آیۂ کریمہ "اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ [حجرات:٦] پر عمل نہ کرنے والے ان کے داؤ میں آگئے۔ [الملفوظ، ۲/ ۲۲۴]

"عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے اُن پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحاق صاحب کو کافر کہہ دیا، مولوی عبدالحی صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوئی ہے، وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبد العزیز کو کہہ دیا، مولانا شاہ فضل الرحمٰن کو کہہ دیا، یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے اوپر گذر گئے، وہ یہاں تک بڑھتے ہیں، عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو کہہ دیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جا کر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے۔ انہوں نے آیت کریمہ: اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَيَّنُوْا " پر عمل فرمایا۔ خط لکھ کر دریافت کیا جس سے یہاں سے رسالہ "انجاس البری عن وسواس المفتری" لکھا، ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تازیانہ بھیجا۔ غرض ہم پر ایسے ہی افتراء و بہتان کرتے ہیں۔"[حسام الحرمین، ص ۴۲/ المیز ان کا امام احمد رضا نمبر، ص ۴۰۷]

''امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی ۔ان کو کسی نے خواب میں دیکھا ، پوچھا؛ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: جنت عطا کی گئی نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیئے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے۔

مانیں یا نہ مانیں ، یہ ان کا کام ،سرکار نے فرمایا کہ بھونکے جاؤ، بس اس قدر نسبت کافی ہے۔لاکھ ریاضتیں ،لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان ۔جس کو یہ نسبت حاصل ہے ،اس کو کسی مجاہدے، کسی ریاضت کی ضرورت نہیں

[پھر فرمایا] اور اسی میں ریاضت کیا تھوڑی ہے۔ جو شخص عزلت نشین ہو گیا۔نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے ، نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو۔اس سے کہئے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے اور چاروں طرف سے موسل کی مار پڑ رہی ہے۔کئی ہزار کی تعداد میں وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے نہ مجھ کو دیکھا ، نہ میں نے کبھی ان کو دیکھا اور روزانہ صبح کو اٹھ کر پہلے مجھے کوستے ہوں گے اور پھر اور کوئی کام کرتے ہوں گے اور بحمد اللہ تعالیٰ لاکھوں کی تعداد میں وہ لوگ بھی نکلیں گے جنہوں نے نہ مجھ کو دیکھا اور نہ میں نے ان کو دیکھا اور روزانہ صبح اٹھ کر نماز کے بعد میرے لئے دعا کرتے ہوں گے۔

[پھر فرمایا:] گالیاں جو چھاپتے ہیں اخباروں میں اور اشتہاروں میں،وہ اخبار واشتہار تو ردّی میں جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں لیکن وہ چٹکیاں جو اُن کے دلوں میں لی گئی ہیں،وہ قبروں میں ساتھ جائیں گی اور ان شاء اللہ تعالیٰ حشر میں رسوا کریں گی۔

صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وصال کو تیرہ سو برس سے زائد ہوئے ،اس وقت تک تبرّ ے سے انہیں نجات نہیں ۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ غاشیۂ حق اٹھایا اپنے کاندھوں پر اور دور مٹایا اہل باطل کا۔''رَحِمَ اللّٰہُ **عمر ترکه الحق لیس له من صدیق**''۔اللہ رحمت کرے عمر پر کہ حق گوئی نے اسے ایسا کر دیا کہ اس کا کوئی دوست نہ رہا۔

[الحدیث][الملفوظ، ۳/ ۳۷۳-۳۷۴]

اس کا کیا خوف !دل میں کیا، برملا فحش گالیاں دیتے ہیں ،بعض خبثا تو مغلظات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں ۔پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں، مجھے اس کی پرواہ نہیں اس سے زیادہ میری ذات پر حملہ کریں۔ میں تو شکر کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھ کو کوستے ،گالیاں دیتے ، برا بھلا کہتے ہیں ،اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص سے باز رہتے ہیں ۔اِدھر سے کبھی اُس کے جواب میں وہم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت اُن کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لئے ہے، بلکہ اُن پر نثار ہونا ہی عزت ہے ۔قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا:

''وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا ۔''

[آل عمران:۱۸۶]

البتہ تم مشرکوں اور اگلے کتابیوں سے بہت کچھ برا سنو گے

بڑے بڑے ائمہ ومجتہدین وصحابہ وتابعین تو مخالفین کے

سب وشتم سے بچے نہیں، یہ درکنار جب اللہ واحد قہار اور اس کے پیارے حبیب ومحبوب احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹانا چاہی، انہیں عیب لگائے تو اور کوئی کس گنتی میں؟

ایک صاحب ولایت نے حضرت محبوب الٰہی قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ میں حاضری کا منزل دور دراز سے قصد فرمایا۔راہ میں جس سے حضرت محبوب الٰہی کا حال دریافت فرماتے۔لوگ تعریف ہی کرتے۔انہوں نے اپنے دل میں کہا: میری محنت ضائع ہوئی کہ یہ اگر حق گو ہوتے تو لوگ ضرور ان کے بدگو ہوتے۔جب دہلی قریب رہی، انہوں نے لوگوں سے پوچھا، اب مذمتیں سنیں۔کوئی کہتا: وہ دہلی کا مکار ہے، کوئی کچھ کہتا، کوئی کچھ کہتا۔انہوں نے کہا: الحمد للہ! میری محنت وصول ہوئی۔............

اس پر بھی بعض احمق سختی کا الزام دیتے ہیں۔اللہ ورسول کو گالیاں دینا تو کوئی بات ہی نہ ہو۔نہ وہ سختی، نہ بے تہذیبی، نہ کوئی بری بات۔اِدھر سے اُن کی اِس ناپاک حرکت پر کافر کہا اور بس! سختی و بے تہذیبی سب کچھ ہوگئی۔ہاں ہاں! اللہ و رسول کی شان میں جو گستاخی کرے گا، اُسے ضرور کافر کہا جائے گا، کسے باشد اور واللہ کہ میں یہ اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام بیان کرتا ہوں۔میں تو اُن کا چپراسی ہوں۔چپراسی کا کام ہی سرکاری حکم نامہ پہنچانا ہے، نہ کہ اپنی طرف سے کوئی حکم لگانا۔اللہ عزوجل کے کرم سے امید کہ وہ قبول فرمائے، آمین!''
[الملفوظ، ۲/ ۴۱]

بدمذہبوں نے افترا اور سب وشتم پر مشتمل مستقل کتابیں لکھیں۔صرف ''الشہاب الثاقب''میں چھ سو سے زیادہ گالیاں اعلیٰ حضرت کو دی گئی ہیں۔ہر جگہ مستقل محاذ قائم کیا۔تکفیر پسندی، شدت مزاج، غرور علمی کے بہتان تراشے گئے اور منظم انداز میں تحریری اور تقریری طور سے کھلے بندوں اور نجی محفلوں میں پھیلائے گئے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابوں کو اہل علم کے درمیان اور لائبریریوں میں پہنچنے سے روکا گیا۔اعلیٰ حضرت کے ہم خیال اصحاب علم ودانش کو دانش کدوں میں اور مختلف مناصب پر پہنچنے سے باز رکھا گیا اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام فتنوں اور بدمذہبوں کی ریشہ دوانیوں کے باوجود حق کی حمایت اور حفاظت کا سلسلہ جاری رکھا اور بہت حکمت عملی سے بدمذہبوں کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور بدمذہبی کے سیلاب بلا پر بند باندھنے کی کامیاب کوشش فرمائی۔

اب حاسدین رضا کی کرم فرمائیوں کا بھی ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں۔پہلے بیان ہو چکا کہ ابتدائے عمر سے ہی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حاسدین کا ایک طبقہ اپنی ریشہ دوانیوں میں سرگرم رہا۔خود فرمایا:

''میری اتنی عمر گذری، لوگ میری مخالفت ہی کرتے رہے۔ایک طرف کفار کا نرغہ، دوسری طرف حاسدین کا مجمع۔''[الملفوظ، حصہ چہارم، ص ۴۸۹، مکتبۃ المدینہ، دہلی]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم شہرت، مقبولیت اور مرجعیت سے نہ جانے کتنے سینے داغ

داغ تھے۔ دوسروں کی شہرت کا چاند گہنانے لگا، اوروں کی مقبولیت ماند پڑنے لگی، رجوع خلق کم ہونے لگا تو وہ افراد اور طبقے، عالم اسلام کے اس ماہ کامل کے درپے ہونے لگے اور آج بھی حاسدین کے مختلف طبقات اسی قلبی آزار میں گرفتار ہیں۔ شہرت طلبی وجہ حسد ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''فقیر میں لاکھوں عیوب ہیں مگر بحمد اللہ تعالیٰ میرے رب نے مجھے حسد سے بالکل پاک رکھا ہے۔ اپنے سے جسے زیادہ پایا۔ اگر دنیا کے مال ومنال میں زیادہ ہے، قلب نے اسے اندر سے حقیر جانا، پھر حسد کیا حقارت پر؟ اور اگر دینی شرف وافضال میں زیادہ ہے، اس کی دست بوسی وقدم بوسی کو اپنا فخر جانا، پھر حسد کیا اپنے معظم با برکت پر؟ اپنے میں جسے حمایت دین میں دیکھا، اس کے نشر فضائل اور خلق کو اس کی طرف مائل کرنے میں تحریر وتقریر سے کوشاں رہا، اس کے لئے عمدہ القاب وضع کر کے شائع کئے، جس پر میری کتاب ''المستند المعتمد'' وغیرہ شاہد ہیں۔ حسد شہرت طلبی سے پیدا ہوتا ہے اور میرے رب کریم کے وجہ کریم کے لئے حمد ہے کہ میں نے کبھی اس کے لئے خواہش نہ کی بلکہ ہمیشہ اس سے نفور و گوشہ نشینی کا دلدادہ رہا۔''

[فتاویٰ رضویہ، ۱۲/ ۱۳۳، قدیم ایڈیشن]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑھتی مقبولیت، پھیلتی شہرت اور لازوال مرجعیت سے بہت سی قدیم خانقاہوں اور افراد کو الجھن رہی اور ہے۔ انہیں اعلیٰ حضرت کی اس شہرت، مقبولیت اور مرجعیت سے اپنی کور دبتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ لوگوں کی اس خلش کا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو بھی شروع سے احساس اور اس کے حاسدانہ اثرات کا سامنا رہا۔ جبھی آپ نے کہیں صراحتاً اور کہیں اشارتاً بادل ناخواستہ تذکرہ کر دیا ہے۔ آپ کے مجموعۂ کلام کے یہ اشعار اس کا واضح اشارہ ہیں۔

اک طرف اعدائے دیں، ایک طرف حاسدیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروروں درود
عطائیں مقتدر غفار کی ہیں
عجب بندوں کے دل میں غِل ہے یا غوث
دیا مجھ کو، انہیں محروم چھوڑا
مرا کیا جرم، حق فاصل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کر دے
کہ بدتر دق سے بھی یہ سل یا غوث

حاسد اور بدخواہ فتنہ پروری اور دشمنی نکالنے کے لئے ہمیشہ نقائص کی تلاش میں رہتا ہے تاکہ ان کی اشاعت کر کے لوگوں کو محسود سے بدظن اور دور کیا جاسکے، اس کے خلاف نفرت اور وحشت کا بیج بویا جاسکے، اور اگر نقائص نہیں ملتے تو بہتان طرازی اور اتہام پر اتر آتا ہے۔ بزرگوں نے تحریر فرمایا ہے کہ دشمن تین باتیں چاہتا ہے:

۱- جس سے دشمنی رکھتا ہے، اس کا خاتمہ تاکہ قصہ ہی ختم ہو۔

۲- اگر اس پر قدرت نہیں پاتا تو جس سے دشمنی رکھتا ہے، اس کی مکمل تباہی وبربادی اور مغلوبی کا خواستگار ہوتا ہے۔

۳-اور اگر اس پر بھی قدرت نہیں پاتا تو کم از کم پریشان کرنے، ذلیل کرنے اور اذیت پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔

ہمارے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان تینوں مراحل کا سامنا رہا بلکہ ان کا خانوادہ بھی دشمنوں کی ان تمام قسم کی شرارتوں کا شکار رہا کرتا ہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو قدرت کا انتخاب تھے۔ نبی گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ اور سرکار غوث اعظم کی زندہ کرامت تھے، اس لئے نقائص سے تو آپ کے اوراق حیات بالکل پاک تھے۔ اب دشمن اور حاسد و بدخواہ کے لئے تہمت اور بہتان طرازی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے؟ اس لئے اس نے یہی حربے اپنائے۔ وہابیہ، دیابنہ اور قادیانیوں نے آپ کو تکفیر باز، گرم مزاج، مغرور و خودسر، ہر اصلاحی تحریک کا مخالف، بے بضاعت، علم حدیث میں معمولی شد بد رکھنے والا اور انگریزوں کا وظیفہ خوار مشہور کیا تو سنی حاسدوں نے آپ کو فتویٰ باز، حب جاہ رکھنے والا مولوی ٹھہرایا۔ سادات وشیوخ میں جو تعصب کے مریض اور حسد گزیدہ تھے، انہوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عجمی النسل اور خان زادہ ہونے کا طعنہ دیا، آپ کے اعلیٰ حضرت کہلانے پر چیں بہ جبیں ہوئے اور آج بھی یہ سلسلے کم وبیش جاری ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وہابیوں نے قاتلانہ حملہ کرایا لیکن اللہ کا فضل وکرم دستگیر رہا، دربار رسالت وغوثیت سے آپ کی پشت پناہی کی گئی۔ ملک العلما مولانا سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مانا میاں صاحب سجادہ نشین حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مخالفین کی جانب سے اعلیٰ حضرت کے قتل کی منظم سازش کی گئی اور دو آدمیوں کو مقرر کیا گیا کہ وہ عشا کے بعد مسجد سے آتے ہوئے راستے میں آپ کو شہید کر دیں۔ یہ دونوں آدمی ایک دن مسجد سے آپ کے پیچھے ہو لئے اور راستہ میں اپنے ناپاک خیال سے حملہ کرنا چاہا تو ایک خوفناک چیخ مار کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگ چیخ کی آواز سن کر ادھر ادھر سے آ گئے اور ان کو بے ہوش دیکھ کر ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ جب ہوش وحواس ٹھیک ہوئے تو ان کے حالات دریافت کئے گئے تو ان دونوں آدمیوں نے قتل کی سازش بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب ہم نے حملہ کرنا چاہا تو اعلیٰ حضرت کے دائیں بائیں دو شیر نمودار ہوئے اور ہماری طرف نہایت غضب ناک طریقہ سے بڑھے۔ پھر ہم کو نہیں معلوم کہ کیا ہوا؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بظاہر شیر تھے لیکن حقیقت میں اللہ کے پیارے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے عاشق وشیدا حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد تھی/ ان کا دست حمایت تھا جو شیر کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ دونوں شخص اسی وقت اعلیٰ حضرت کے سامنے تائب ہو کر بیعت ہو گئے۔'' [حیات اعلیٰ حضرت، ۲/۵۳۱-۵۳۲، مرتبہ مفتی مطیع الرحمٰن

رضوی، مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات]

حضرت مفتی اعظم قطب عالم شاہ مصطفیٰ رضا قادری نوری قدس سرہٗ کی بے پناہ مقبولیت پر جب حاسدین بند نہ باندھ سکے تو کوٹہ راجستھان کے ایک دعوتی سفر میں آپ کو زہر قاتل دلوایا جس سے آپ جانبر تو ہو گئے لیکن مکمل طور سے صاحب فراش ہو گئے اور تبلیغی ودعوتی سفر بالکل موقوف ہو گیا ۔حضرت تاج الشریعہ مفتی شاہ اختر رضا قادری ازہری قدس سرہٗ پر ظالموں نے متعدد بار مہلک سحر کرایا۔ بالآخر آپ اسی کے زیر اثر ایک سال سے زیادہ صاحب فراش ہو کر واصل بحق ہوئے۔

تباہی وبربادی اور مغلوبی کی کوششیں تو شروع سے جاری ہیں ۔رامپور کے ابتدائی سفر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند ایسے افراد بیعت ہوئے جن کے خانوادے میں مجددی سلسلہ رائج تھا۔اس سے وہاں کے مجددی صاحبان چڑ گئے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے درپے آزار ہوئے ۔مارہرہ میں پہلے بدایونی افراد حاوی تھے ،مارہروی سادات کے بچے بدایوں کے مدرسے میں تعلیم پاتے ،علمی اور دینی معاملات میں خانوادۂ مجیدی سے رجوع ہوتا، یہاں تک مارہرہ میں مریدین کو جو شجرہ دیا جاتا ،وہ بھی بدایونی صاحبان کا نظم کیا ہوا تھا۔لیکن جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مارہرہ جا کر حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے تو مرید مراد بن کر لوٹے۔ سارے سلاسل کی خلافتیں ،اوراد کی اجازتیں فوراً عطا ہوئیں اور یہ تمغۂ امتیاز بھی کہ احمد رضا ہمارے لئے سرمایۂ روز قیامت اور بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جانے والا تحفہ ہے۔ پھر تو اعلیٰ حضرت مارہرہ میں بھی چھا گئے ۔سرکار نور سے ''چشم و چراغ خاندان برکات'' کا لقب، ہر دینی اور شرعی معاملے میں اعلیٰ حضرت کی جانب رجوع کی تلقین ، ہر فرد اعلیٰ حضرت کا مداح وشیفتہ ،حتیٰ کہ شجرہ بھی اعلیٰ حضرت کا نظم کیا ہوا دیا جانے لگا تو بدایونی صاحبان کو بہت کوفت ہوئی اور ان کے فطری حسد کا جذبہ پوری قوت سے بیدار ہو گیا۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی عبقریت اور مقبولیت اور مارہرہ بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے مرجعیت تو ان کے لئے وجہ حسد تھی ہی ،ساتھ ہی نسلی تعصب کا عفریت بھی انہیں مارے ڈال رہا تھا کہ ہم عربی النسل عثمانی شیوخ ہو کر بھی حاشیے پر جا پڑے اور ایک خان زادہ، مارہری سیدوں پر حاوی ہو گیا۔زمانۂ جاہلیت کا متعصّبانہ مزاج ان کے اندر پھر سے پوری طرح بیدار ہو گیا۔ پھر ان کے حسد وتعصب نسلی نے جو قیامت صغریٰ برپا کی ہے،اسے ہر واقف کار جانتا ہے۔دلائل وبراہین میں تو اعلیٰ حضرت کو نیچا دکھانے سے رہے،اب آ گئے اپنی شیخانہ فطرت پر ۔اوچھی حرکتیں، گندی سازشیں،سب وشتم،کردار کشی،طعن وتشنیع حتیٰ کہ انگریزوں کے کورٹ میں مقدمہ بازیاں اور اعلیٰ حضرت کے خلاف سمّن اور وارنٹ نکلوانا، یہ سب کچھ کیا لیکن ہر محاذ پر منھ کی کھائی اور آج تک غیظ وحسد کے لہو پی رہے ہیں ۔میں حضرت سید ابوالقاسم اسمٰعیل حسن قادری برکاتی قدس سرہٗ کے ایک طویل مکتوب کا اقتباس پیش کر رہا ہوں جس سے بدایونی فطرت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔حضرت تاج العلما مرتب مکاتیب رقم طراز ہیں:

حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس

سرہٗ کے نام ایام مقدمہ بدایوں متعلقہ مسئلہ اذان جمعہ میں بریلی ارسال فرمایا:

مکتوب ۱۸: فخر الافاضل صدر الاماثل افضل العلما اجل الفضلا دامت برکات افاداتہم علینا۔ پس از تسلیم مالوف بالوف تعظیم ملتمس ہوں۔ بفضلہٖ تعالیٰ فقیر بخیر ہے اور خیر عافیت مزاج مبارک کا مستدعی۔ فقیر کو اس حملہ نامرضیہ کا جو بظاہر آپ پر اور اصل میں دین اسلام پر ہے، نہایت رنج ہے۔ افسوس صد افسوس! ابھی کچھ عرصہ نہیں گذرا ہے اور تقریباً ہزاروں آدمی اس وقت موجود ہیں جنہوں نے حضرت استاذی مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ اور آپ کے مراسم اور محبت کے برتاؤ دیکھے ہیں۔ یا اب یہ حال ہوا ہے کہ جس سے مسلمان دین داروں کو روحی صدمہ اور بد مذہبوں کو موقع شماتت اور خوشی کا موقع مل گیا ہے۔ اگرچہ انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا کچھ نہیں، مگر معاندین اور مخالفین مذہب حق کو چند دنوں یہ خوشی کا موقع مل گیا۔ فقیر اگرچہ آپ کی کسی ظاہری اعانت کے لائق نہیں مگر ہر وقت دل سے دعا کر رہا ہے کہ اس مخمصہ سے باحسن وجوہ آپ کو طمانیت حاصل ہو اور آپ کے دست و قلم سے دین حق کی ہر طرح سے اعانت ہوتی رہے اور مخالفین دین کو ذلت پہونچتی رہے۔

مکتوب ۱۹: نواب سید سردار علی خاں صاحب سردار نواز جنگ بہادر کے نام ۲۴ر ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ کو لنگور ریاست حیدرآباد ارسال فرمایا:

سید صاحب جمیل المناقب رفیع المناصب اوصلہ اللہ **تعالیٰ الیٰ مایتمناہ۔** پس از سلام مسنون و دعاہائے ترقیات اقبال وعمر و دولت مشحون واضح رائے گرامی ہو، بفضلہٖ تعالیٰ فقیر بخیر ہے اور خیر و عافیت آپ کی مع متعلقین مطلوب۔ آپ کا عنایت نامہ پہونچا۔ مندرجہ سے مطلع ہوا۔ جس مشرب کے ہم نقال ہیں ،اس میں کسی سے رنج رکھنا کب جائز ہے؟ اگر کسی نے کچھ خلاف بھی کیا تو اگر ہم اس کے مستحق تھے تو اس کی کیا بے جائیت ہے اور اگر ہم مستحق نہ تھے تو اللہ تعالیٰ جو چاہے گا اس کا بدلہ کرے گا۔ بہر حال میں ناخوش نہ تھا۔

اب تھوڑا سا حال محمد میاں سلمہ کے رسالہ شائع کرنے کی ضرورت کا تحریر کرتا ہوں۔ دبدبہ سکندری رامپور میں یہ مسئلہ طبع ہو کر مارہرہ پہونچا، مہدی حسن نے اول دیکھا نماز جمعہ کے وقت دکھا کر کہا گیا کہ مسئلہ بہت مدلل معلوم ہوتا ہے، ہم اپنی مسجد میں اس پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔ میں نے بھی دیکھا واقعی استناد کے ساتھ تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب کتابیں دیکھ لوں گا کہوں گا، مگر میں بادی[آغاز کرنے والا] اس وقت نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ لوگ شروع کراتے ہیں تو میں مانع بھی نہیں ہوں۔ بہر حال اس جمعہ کو اذان فصیل مسجد پر ہوئی۔ اس کے بعد میں نے اور محمد میاں سلمہ نے گھر پر آکر جہاں تک اپنا علم اور فہم تھا، اس حد تک اس مسئلہ کی تنقید کی۔ بالکل صحیح معلوم ہوا۔ اس کے بعد سے برابر مسجد خانقاہ برکاتیہ میں سرکار کلاں وخورد میں اذان جمعہ بیرون مسجد ہونے لگی۔ اس کے بعد وہابیان بریلی اور کانپور وغیرہ کے اور بعض رامپوریوں کے

رسائل وغیرہ اس فتوے کے خلاف میں آئے مگر بالکل نامضبوط باتوں سے بھرے ہوئے اصلاً کوئی مضبوط استناد اُن میں نہ تھا۔ ان کے دیکھنے سے زیادہ تو وثوق فتوائے اذان بیرون مسجد پر ہوا۔ بہرحال ہماری مسجد میں اذان باہر ہی ہوتی رہی، یہاں تک کہ عرس شریف اخی الاعظم حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کا وقت آیا اور اس میں بغرض شرکت مولانا عبدالمقتدر صاحب معہ اپنے اعزہ مولوی عبدالقدیر صاحب ومولوی عبدالماجد اور محب احمد صاحب اور ان کے صاحبزادے وغیرہ صاحبان متوسلان مدرسہ عالیہ قادریہ آئے اور مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی آئے۔ مولانا عبدالمقتدر صاحب معہ اپنے بعض ہمراہیوں کے فقیر کے تکیہ پر مقیم ہوئے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب مہدی حسن کے مکان پر مقیم ہوئے۔ ایام قیام میں ایک روز مولوی محب احمد نے تذکرہ اس مسئلہ کا چھیڑا۔ جناب مولانا صاحب بھی تشریف فرما ہیں، میں نے فہم ناقص کے موافق جواب دئے، برخوردار محمد میاں سلمہ بھی آ گیا، اس نے بھی جواب دئے۔ ہمارے جواب لاجواب دیکھ کر مولوی محب احمد نے اپنی تقریر کا رخ بدل کر ایسے کلام کئے جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیں کچھ بیجا ذاتی طرفدار مولوی احمد رضا خاں صاحب کا جانتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ خوب سمجھ لیں کہ مراسم محبت ومروت اور تعلیم اور تعلم وقدامت رشتہ توسل جو فقیر کو حضرات اکابر مدرسہ قادریہ کے ساتھ ہے اس کا عشر عشیر مولوی احمد رضا خاں صاحب سے نہیں اور نہ ہوسکتا ہے بلکہ معاملات دنیاوی میں تو مولوی احمد رضا خاں صاحب ہمارے اعزہ مخالفین کے ساتھ ہیں۔ مگر یہ معاملہ دینی ہے اگر ہمارا جانی دشمن بھی دین کے امر میں حق پر ہوگا تو ہم کیا بلکہ سب سچے مسلمان اس کے ساتھ ہوں گے۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہاں اس وقت سب پڑھے لکھے ہوئے صاحبوں کا مجمع ہے۔ ہمیں اقوال مفسرین ومحدثین وفقہا سے اس مسئلہ کو اپنا سا سمجھا دیجئے، ہم پھر مسجد کے اندر اذان دلوانے لگیں گے اور بہتر تو یہ ہے کہ اس وقت آپ دونوں طرف کے صاحب یہاں تشریف فرما ہیں اور اپنے آپ کو اس آستانہ کا خادم ومتوسل سمجھتے ہیں اور ہم سب آپ دونوں کو اپنے خاندان کا رکن رکین سمجھتے ہیں۔ دونوں طرف والے بالمواجہہ بیٹھ کر اس مسئلہ کو صاف کرلیں مگر محب احمد صاحب اور ان کے صاحبزادہ وغیرہ ہم نے اس میں طرح طرح کی گریزانہ گفتگو کر کے مولانا صاحب کو اس پر نہ آنے دیا۔ میں نے مولانا صاحب سے کہا کہ آپ ان سے اگر بالمواجہہ کلام فرمانا نہیں چاہتے تو اپنا مسئلہ آپ ہم ہی کو سمجھا دیں، اس کے مستند دلائل بتادیں تو ہم جا کر مولانا احمد رضا خاں صاحب سے کہیں کہ اس کا کیا جواب ہے؟ اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو ان سے کہیں کہ آپ اپنی رائے کو واپس لینے کا اظہار کیجئے اور اگر وہ جواب مدلل دیں تو آپ سے عرض کریں، آپ مان لیں۔ اس پر بھی لوگوں سے مولانا صاحب نے فرمایا کہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، تکدر بڑھے گا۔ میں نے کہا کہ اس سے ضرور اس قدر فائدہ ہوگا کہ اگر وہ خواہ مخواہ آپ کے دلائل نہ مانیں گے تو لوگوں پر ظاہر ہوجائے گا کہ وہ برخلاف انصاف ہیں اور کم از کم فائدہ یہ ہوگا کہ ہم لوگ تو مسئلہ کی حقانیت سمجھ جائیں گے مگر مولانا صاحب نے کچھ توجہ نہ

کی۔ اس مسئلہ کا ذکر ہی چھوڑ کر اور باتیں ہونے لگیں۔ اس کے بعد مولانا صاحب کئی روز یہاں تشریف رکھتے رہے مگر تصفیہ پر آمادہ نہ ہوئے۔ یہاں سے تشریف لے جانے پر چند روز کے بعد ایک فتویٰ مولوی ابراہیم کی جانب سے شائع ہوا، جس کے مصدقین میں مولانا صاحب بھی تھے۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ صاحبزادگان مارہرہ کے کہنے کے بموجب تحریر ہوا۔ اس فتوے میں بھی بالکل دلائل مضبوط نہ تھے۔ وہی تھے جو وہابیان بریلی وغیرہ یا مخالفان رامپور وغیرہ نے لکھے تھے اور جن کا رد اہل تحقیق نے بہت واضح اور لائح کر دیا تھا مگر اس فتویٰ کا جواب نہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھا اور نہ ہم لوگوں نے کچھ عرض کیا، کہ ہم نے جو عرض کیا تھا وہ کب مانا گیا، ہم نے فتویٰ تحریر کرنے کو کب کہا تھا اور فتویٰ بھی ایسا کہ جو ہمارے مدرسہ عالیہ کی شان علمی کے بالکل لائق نہیں ہے۔ اس خاموشی پر لحاظ نہ کر کے پھر دوسرا اشتہار صاحبان مدرسہ نے لکھا، تیسرا رد لکھوایا مگر ہم لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوئی۔ احمد رضا خاں صاحب کی طرف سے تیسرے رد کے بعد ردو جواب ہوا جو مارہرہ میں حضرت بھائی صاحب قدس سرہٗ کے عرس ۱۳۳۳ھ میں شائع ہوا۔ مولانا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عرس میں نہ تھے۔ ہم لوگوں نے اس سے کوئی حصہ نہیں لیا کہ دونوں صاحب جانیں اور سمجھیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب والے اس اشتہار کا جواب مولوی عبدالماجد صاحب نے عرس ہی میں قلمی عبدواحد کے نام سے لکھا، جس کو غلام شبر صاحب فقیر کے پاس لائے۔ میں نے اسے دیکھا اور غلام شبر سے کہا کہ اس میں جواب تو کسی مسئلہ کا ہے نہیں، صرف مولوی احمد رضا خاں صاحب کو سبّ وشتم ہے۔ میری رائے میں اس کو اس قدر جلد اور بے سوچے شائع کرنا نہیں چاہئے بلکہ بجائے اس کے یہ ہونا چاہئے کہ آپس میں جو ذاتی کوئی رنج ہو، وہ صاف کر لیا جائے اور مسئلہ کو بھی بلا نفسانیت کے بعد دیگرے صاف کر لیں تو بہت اچھا ہے۔ غلام شبر صاحب نے بھی میری اس رائے کی پسندیدگی ظاہر کی اور کہا کہ اچھا ابھی شائع نہ ہوگا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اگر شائع بھی ہو تو اس میں یہ فقرہ نہ ہو کہ جس کا مفہوم اور محصل یہ ہے کہ صاحبزادوں میں سے جو اس مسئلہ میں اس پر ہیں کہ اذان مسجد سے باہر ہو، وہ فریب اور چکر میں ہیں۔ کیونکہ جب یہ ہوگا تو ہمیں بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ ہم فریب اور چکر میں نہیں بلکہ تحقیقات علمائے سلف اور محققین مذہب کے اتباع سے یہ مسئلہ اسی طرح سے حق معلوم ہوتا ہے۔ غلام شبر صاحب وعدہ عدم اشاعت کر کے چلے گئے مگر بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اشتہار قلمی لکھوا کر شائع کر دیا گیا اور ایک درگاہ معلیٰ کے بڑے دروازہ خانقاہ پر لگوا دیا گیا۔ اس اشتہار کو جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو چوٹ اپنے مخدوم زادوں پر کی گئی تھی، وہ بدستور ہے۔ عبدالماجد صاحب تو ملے نہیں، کیونکہ وہ بخلاف اپنے بزرگوں کے طریقے کے صاحبان سرکار خورد سے مراسم بہت زیادہ رکھتے ہیں اور انہیں سے ان کو دلچسپی ہے مگر جو صاحب ملے ان سے کہا گیا کہ عبدالماجد صاحب نے بیکار ہم فقیروں کو بھی اپنے خلاف کچھ لکھنے پر مجبور کیا اور باوجود منع کرنے کے ہم پر چوٹ کی کہ جس سے عوام کی نظر میں ہمارا فریب اور چکر میں پھنسا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ دلائل کہ جن سے ہم اس مسئلہ کو حق

جانتے ہیں، لکھ کر پیش کرنا پڑیں گے ۔ یہ سب محمد میاں کے رسالہ لکھنے کا ہوا اور ہنوز محمد میاں سلمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ مکمل نہیں لکھ لیا تھا کہ بدایوں اپنے خسر کے طلبیدہ گئے ۔مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں بھی اس کا ذکر آیا۔ محمد میاں سلمہ نے بمواجہہ مولانا صاحب ومولوی عبدالقدیر صاحب ودیگر صاحبان مدرسہ سے کہا کہ آپ سب صاحب اس مسئلہ کو مجھے سمجھادیں، جوحق ہوگا وہ بلانفسانیت مان لوں گا مگر کسی صاحب نے کچھ مسکت جواب نہ دیا اور واقع یہ ہے کہ یہ مسئلہ ازروئے تحقیق بھی یہی ہے کہ اذان خارج مسجد ہو۔ اگر حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ اس وقت پردہ فرمائے ہوئے ہماری ظاہری نظروں سے نہ ہوتے تو اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی دلیلوں سے ثابت فرمادیتے کہ اذان مسجد کے باہر ہی ہونی چاہئے۔محمد میاں سلمہ نے بعد واپسی بدایوں رسالہ کی تکمیل کی اور طبع کرا کر مولانا صاحب کی خدمت میں جو اپنی تحقیقات تھی بھیج دی۔اس رسالہ کا نام مبحث الاذان ہے۔ اگر آپ کے پاس ہو تو اس کو دیکھئے کہ اول سے آخر تک جناب مولانا صاحب کی کہیں خدانخواستہ توہین یا اہانت ہے؟ بلکہ مولانا صاحب سے تو رد میں خطاب بھی نہیں، عبدالواحد وغیرہ سے بکمال تہذیب ان کے استدلالات کے ضعف اور اپنے دلائل کی قوت بیان کی ہے۔یہ رسالہ مولانا صاحب کی خدمت میں تین چار ماہ قبل از وصال پہونچایا گیا تھا۔مولانا صاحب نے اس کو دیکھا مگر کسی طرح کا اپنا تکدر وملال ہم پر ظاہر نہیں کیا، یہاں تک کہ مولانا صاحب کا انتقال ہوا، جس کے بعد مولوی عبدالماجد صاحب نے چند اور صاحبوں کی کوشش مجموعی کے ساتھ اس کا جواب تصنیف فرمایا جو ایک ابھی کے طالب علم عبدالواحد کے نام سے چھپا اور اس میں کلمات خلاف تہذیب اور شان اپنے پیرزادوں کو تحریر فرمائے، ہمیں اس کا گلہ نہیں۔ ہاں ان کا یہ رسالہ اگر ان کے والد ماجد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر ان کے جدالاجداد حضرت مولانا مولوی عبدالمجید صاحب قدست اسرارہم دیکھتے اور حیات ظاہری میں دنیا میں تشریف فرما ہوتے تو عبدالماجد صاحب کو معلوم ہوتا کہ وہ حضرات مدرسہ کے لڑکوں کے نام سے اپنے پیرزادوں کے ایسا سب وشتم کرنے سے راضی ہیں یا ناراض اور اب بھی جس کی چشم بینا ہے، وہ رضامندی اور ناراضی ان حضرات کی معلوم کرسکتا ہے۔آپ مبحث الاذان اور اس کا یہ جواب مباحث الاذان دونوں دیکھئے اور اگر پاس نہ ہوں تو مجھ سے منگوا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ محمد میاں سلمہ نے صرف ایک فرعی مسئلہ میں دلائل اپنے مضبوط پا کر اس مسئلہ کو غیر مضبوط سمجھنے والوں اور اسے فریب وچکر میں پھنسا ہوا بنانے والوں کو نہایت تہذیب سے سمجھایا ہے۔الخ......

فقیر اسمٰعیل حسن عفی عنہ قادری برکاتی آل احمدی

[۲۴؍ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ از خانقاہ برکاتیہ مارہرہ[مفاوضات طیبہ]

۲۵؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوگیا۔حضرت حجۃ الاسلام شاہ محمد حامد رضا قادری نوری قدس سرہٗ آستانیہ عالیہ قدسیہ رضویہ کے سجادہ نشین ہوئے۔ان کے دور سجادگی میں ملک کے اندر سیاسی اتھل پتھل رہی۔انگریزوں نے ہندوستان چھوڑا ،ملک عزیز آزاد اور تقسیم ہوا پھر حضرت حجۃ الاسلام کا ۱۳۶۲ھ

میں وصال ہوا اور مرجعیت سرکار مفتی اعظم قطب عالم شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری قدس سرہٗ کے حصہ میں آئی۔آپ کی شہرت اور مقبولیت کا غلغلہ بلند ہوا اور خلق خدا کا ہجوم بڑھنے لگا تو حاسدین کی بھی کثرت ہوئی۔آپ کو ایسی خداداد شوکت نصیب تھی کہ بڑے بڑوں کا زہرہ آب تھا۔اس لئے کھل کر مخالفت یا محاذ آرائی کی جراءت تو نہ ہوئی لیکن درون خانہ حاسدانہ جذبے پنپ رہے تھے۔بدایوں، مارہرہ، کچھوچھہ اور بھی دیگر خانقاہیں حسد کے زیر اثر کسمسا رہی تھیں۔۱۴/محرم الحرام ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء کو حضرت مفتی اعظم قطب عالم قدس سرہٗ کا وصال ہوتا ہے اور نہ جانے کتنے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں کہ بریلی کی خانقاہ رضویہ میں اب کوئی قد آور شخصیت نہ رہی۔چلو اب ہماری دبتی کورا ُبھر جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحمت نے مرشد گرامی حضرت تاج الشریعہ قدس سرہٗ کو ایسا نمایاں کر دیا کہ ان کے جلوؤں سے نگاہیں خیرہ ہوکر رہ گئیں۔یاروں نے تو سوچا تھا کہ اب بازی مار لی جائے گی اور بریلی کی مرجعیت کی بساط سمیٹ دی جائے گی لیکن فضل الٰہی نے بریلی کو پھر ایسا نوازا کہ ان بدنیتوں کے مذموم منصوبے خاک میں ملتے نظر آئے، اس لئے حاسدین کی تلملاہٹ خاصی تھی۔پہلے کچھوچھہ کے پیرزادے در پے ہوئے اور حاسدانہ کاروائیوں میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور برسوں اپنی ژولیدہ فطرت کا مظاہرہ کرتے رہے۔حضرت احسن العلما کے وصال، جدید منصب داریوں اور وسائل کی فراوانی نے مارہروی پیرزادوں کو حوصلہ دیا کہ اب یہی وقت ہے کہ بریلی کی بساط سمیٹ دی جائے اور مرکزیت و مرجعیت کا تمغۂ امتیاز اپنے سر سجا لیا جائے یا کم از کم بریلی کے سر نہ رہنے دیا جائے، لیکن یہاں بھی من جانب اللہ چال الٹی پڑ گئی اور بے چاروں کو لینے کے دینے پڑ گئے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

رہ گیا دشمنی کا تیسرا مرحلہ کہ دشمن جب کسی طرح قابو نہیں پاتا تو ذلیل وخوار کرنے اور اڑچنیں پیدا کرنے پر اتر آتا ہے تو سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے خانوادۂ کریمہ کو ہمہ دم اس کا سامنا رہتا ہے اور یہ مظلوم ومحسود گھرانہ ہر گھڑی حاسدین اور مخالفین کی سازشوں کے نرغے میں رہتا ہے۔لیکن یہاں کا معاملہ تو یہ ہے کہ ع

یہ گھٹائیں، اسے منظور بڑھانا تیرا

بد مذہب تو خیر غیر ٹھہرے، ان کی ستم رانیوں کا کیا شکوہ ؟ جب وہ اللہ ورسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم کی بارگاہ کے گستاخ اور دشمن ہیں تو پھر خاصان خدا تو بندے اور امتی ہی ٹھہرے، لیکن اہل سنت میں حاسدین و معاندین رضا کا جو طبقہ ہے، ان کے اسباب حسد وعناد پر غور کرنے کے بعد یہ گوشے سامنے آتے ہیں:

نسلی اور مشربی تعصب: سادات اور شیوخ کی بعض خانقاہیں اس لئے بھی حسد رکھتی ہیں کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید یا شیخ نہیں۔اعلیٰ حضرت اگر سادات یا شیوخ سے ہوتے تو یہ لوگ اعلیٰ حضرت کی علمی عبقریت، شخصی وجاہت اور بے پناہ مقبولیت کے سبب اعلیٰ حضرت کا اسم گرامی بھی باوضو لیتے اور بڑے فخر سے اپنے سر کا تاج بنائے

پھرتے۔ انہیں یہ خلش رہتی ہے کہ ہم سید اور شیخ ہو کر اور قدیم ترین خانقاہی پس منظر رکھتے ہوئے بھی مقبولیت اور ہمہ گیری میں امام احمد رضا کی گرد راہ کو نہیں پہنچتے۔ یہ خان صاحب تو پھیلتے چلے جارہے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ خان صاحب کو پھیلانے والے سید العالمین ہیں اور ان کی پشت پناہی دربار غوث الکونین سے ہوتی ہے۔

ایسوں سے اعلیٰ حضرت نے خود عالم جلال میں فرمایا ہے:

''مگر یہ نہ دیکھا کہ احمد رضا کی جان کن کن پاک دامنوں سے وابستہ ہے الخ''

[فتاویٰ رضویہ، ۲۹/ ۸۴]

نسلی وجاہت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن دل کی پاکیزگی اور قرب الٰہی کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی لئے علامہ جامی نے فرمایا ہے ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اگر دل طہارت سے ورا ہے اور انسان صرف نسلی وجاہت اور پدرم سلطان بود پر پھولتا رہتا ہے تو اسے نہ دربار خدا ورسول سے کچھ عطا ہوتا ہے اور نہ دنیا اسے کچھ تسلیم کرتی ہے اور وہ صرف بے جا مفاخرت، حسد وبغض اور فتنہ پروری سے اپنا نامۂ اعمال سیاہ اور اپنی عاقبت برباد کرتا رہتا ہے۔

ان بے چارے حسد کے ماروں کو نہیں معلوم کہ اکابرین اسلام اور کبار مشائخ کی توجہات عالیہ ہی نے تو اعلیٰ حضرت کو یہ منصب عالی عطا فرمایا ہے، ان کی روحانی توجہات قدسیہ ہی نے تو اعلیٰ حضرت کو مرکز توجہ اور قبلۂ مقصود بنایا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی ذات اقدس ایسا عطر مجموعہ ہے جس میں ہر گل کی خوشبو اور ہر گلشن کی بہار موجود ہے۔ ان حسد کے ماروں کو دہائی دینی ہے تو اپنے اکابر کے پاس دُہائی دیں کہ ہم آپ کی اولاد ہیں، اور آپ نے ہمیں نہ نواز کر ایک غیر سید کو نواز دیا، انہیں مرکز توجہ بنا دیا، بھلا ہمارا کیا قصور تھا؟ تو ان اکابر مشائخ اور محبوبین بارگاہ الٰہی کی نورانی مرقدوں سے یہی آواز آئے گی کہ تم میری اولاد سہی لیکن تمہارے پاس احمد رضا کی طرح دل کہاں ہے؟ تم احمد رضا جیسی جامعیت کہاں سے لاؤ گے؟ اللہ ورسول کی بارگاہ کا ویسا قرب کہاں سے پیش کرو گے؟ ہم نے جو احمد رضا کو نوازا ہے، وہ اللہ ورسول کی مرضی بلکہ حکم کے مطابق نوازا ہے۔ بیٹا! اللہ ورسول کی مرضی میں کسے دخل؟ وہ جسے چاہیں، جب چاہیں، جتنا چاہیں نوازیں، **ذٰلك فضل الله یو تیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم۔**

رہ گیا نائب غوث اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے قادریت کا بے مثل فروغ کہ آج اعلیٰ حضرت کے وسیلے سے پندرہ سولہ کروڑ افراد سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہیں تو یہ بھی فضل الٰہی، عطائے مصطفوی اور عنایت غوثی ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو سلسلۂ عالیہ قدسیہ قادریہ کی بے مثل خدمت کا ایسا شرف بھی عطا کیا گیا، ورنہ اعلیٰ حضرت نے ابتداءً بیعت لینے کا سلسلہ شروع نہیں فرمایا تھا، جو طالب آتا، اسے سرکار نوریا تاج الفحول کی خدمت میں بھیج

دیتے ۔جب پیر و مرشد حضرت خاتم الاکابر قدس سرہٗ نے خواب میں تشریف لاکر بیعت لینے کا حکم فرمایا تو آپ نے بیعت وارشاد کا آغاز فرمایا اور پھر مشائخ سلسلہ کا ایسا فیضان ہوا کہ ساری دنیا اس کا اثر چشم سر سے ملاحظہ کررہی ہے۔

بہت سے خانقاہی افراد کے دلوں میں خلش یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے عالم،مفتی،محقق،محدث،مفسر،نعت گوشاعر،فلسفی،اسکالر تھے، رہتے ۔وہ کتابیں لکھتے ،فتاویٰ تحریر فرماتے ،نعتیں کہتے ،ان کا بہت بڑا ادارہ ہوتا ، ہزاروں شاگرد ہوتے ،ان پر کتابیں لکھی جاتیں،سیمینار ہوتے ،مقالات قلم بند ہوتے ،یہ سب ٹھیک تھا۔لیکن مولانا احمد رضا صاحب پیر کیوں ہو گئے اور وہ بھی ایسے پیر کہ ان کے سامنے ہماری پیری مریدی کے لالے پڑ گئے ۔ایک مولوی پیر کے عرس میں بیس پچیس لاکھ کا مجمع اکٹھا ہو جاتا ہے ،ہم تو چند ہزار بھی جمع نہیں کر پاتے ۔ بھائی !یہ بات ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ۔انہیں صرف عالم اور مولوی رہنا چاہئے تھا ،پیری مریدی وہ ہمارے لئے چھوڑ دیتے ۔

اب ایسے کور باطنوں ،دل کے مریضوں ،حسد کے ماروں اور تعصب گزیدہ افراد کا کیا علاج ؟ان کے بارے میں صرف دعائے ہدایت کی جاسکتی ہے۔کیا پیری مریدی پر ان کی موروثی اجارہ داری ہے جو دوسروں کے پاس جانے سے انہیں ہوک اٹھتی ہے؟

آجکل کی اکثر خانقاہیں باپ دادا کی وراثت ہیں الا ماشاءاللہ۔بقول ڈاکٹر اقبال ۔

قم باذن اللہ جو کہتے تھے وہ رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گور کن

آج کل کے پیرزادوں کے یہاں صرف دنیا طلبی ،عیش کوشی اور مریدین سے استفادۂ مالی مقصود بن کر رہ گیا ہے۔بقول شخصے جو خود بھی سید پیر زادے ہیں:’’پیری مریدی کا آج کل پورے طور سے کمرشیلائزیشن ہو گیا ہے۔‘‘مرید بنانے ،لوگوں کو اپنی سمت مائل کرنے اور خود کو منوانے کے لئے سارے ہتھکنڈے اپنائے جاتے ہیں۔ایجنٹ چھوڑے جاتے ہیں،تجوریوں کے دہانے کھولے جاتے ہیں۔مولویوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے ،طرح طرح کے پروپیگنڈے کئے جاتے ہیں،من گھڑت روایات و کرامات پھیلائی جاتی ہیں۔لیکن خانقاہ عالیہ رضویہ ،بریلی شریف ایسی خانقاہ ہے جہاں مرید بنانے کے لئے ایجنٹ نہیں چھوڑے جاتے بلکہ لوگ خود آکر جوق در جوق حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے ہیں۔یہاں کرامت سے زیادہ دینی استقامت پر زور دیا جاتا ہے۔

لگے ہاتھ یہ بھی عرض کردوں کہ قدیم خانقاہوں کے ذمہ داران ،بریلی شریف سے لوگوں کی توجہ پھیرنے کے لئے یہ ہتھکنڈہ بھی اپناتے ہیں کہ فتویٰ پوچھنا ہو تو بریلی جاؤ، وہاں مولوی مفتی رہتے ہیں۔مرید ہونے کے لئے کسی خانقاہی شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہیے جہاں خانقاہی نظام ہو، ذکر وفکر کا دستور ہو۔بریلی میں درسگاہ ہے، خانقاہ نہیں۔

ان بے چارے خانقاہیوں کو ہمارے مشائخ بریلی شریف کی شریعت وطریقت میں جامعیت کا اندازہ ہی نہیں۔

ان کے نزدیک صرف چار پانچ تسبیح گلے میں ڈال لینا، انگلیوں میں پانچ دس انگوٹھیاں پہن لینا، ملا گیری رنگ کا لباس پہن کر دھونی رما لینا اور قوالی کی دُھن پر رقص بسمل کر لینا ہی مشیخت ہے چاہے وہ جتنی اور جیسی بھی ناکردنی کرتے رہیں۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ انہیں مشیخت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ہمارے مشائخ کے یہاں اخفائے احوال باطنی ہوتا ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف عبقری فقیہ اور بے مثل محدث ہی نہ تھے بلکہ وقت کے قطب الارشاد، قطب المدار اور نائب غوث اعظم تھے۔ آپ کے یہاں تصوف علمی اور تصوف عملی دونوں اعلیٰ سطح پر پایا جاتا ہے۔ آپ کے تصوف علمی کی معلومات کے لئے آپ کی تصانیف عالیہ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور آپ کے تصوف عملی کے بارے میں جاننے کے لئے آپ کے اوراق حیات اور آپ پر لکھی جانے والی سوانحی کتابیں ملاحظہ کی جائیں۔ اس جلوۂ صد ہزار کی صوفیانہ جھلک دیکھنے کے لئے استاذ محترم علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہٗ کی تصنیف ''امام احمد رضا اور تصوف'' کا مطالعہ کریں۔ میں اعلیٰ حضرت کے تصوف علمی کی ایک جھلک کے لئے دربارۂ ذکر الٰہی بعض اقتباسات رضویہ پیش کرتا ہوں۔

قطب الارشاد، عارف باللہ، نائب غوث اعظم، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے ذکر کی مشہور اقسام، اس تقسیم کا پس منظر اور پھر ذکر کے پانچ طریقے بہت حکیمانہ انداز میں پیش فرمائے ہیں۔ اس کی تلخیص یہاں پیش کرتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:

''اللہ عزوجل کا ذکر اصل مقصود واجل مقاصد ومغز عبادت ہے۔ [چند آیات اور حدیث پاک ذکر کر کے فرماتے ہیں:]

ذکر کے لیے کثیر طریقے ہیں: قلبی ولسانی، خفی وجلی، تلاوت وثنا، درود ودعا، عبادات وطاعات۔

اطلاق کے باوجود بعض مقامات کو بعض طریقے سے خصوصیت ہوتی ہے جیسے محل جنازہ مقام تفکر ہے کہ ذکر قلبی ہے۔ ''تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ'' [گھڑی بھر کا تفکر انسانوں اور جنوں کی عبادت سے بہتر ہے] جہاں مقام تفکر ہے، وہاں ذکر قلبی کو ذکر لسانی پر ترجیح ہوگی ورنہ ذکر پر تفضیل محال ہوتی ''وَ ذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ'' [اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑھا ہوا ہے] اس قسم کے ذکر کے لیے صمت یعنی خاموشی بہتر ہوتی ہے۔ اسی لیے فقہاء نے فرمایا: ''ینبغی ان یطیل الصمت'' [طویل سکوت کرنا چاہیے]

صدر اول میں غالباً یہی معمول تھا، یہاں تک کہ جنازہ کے ساتھ چلنے میں یہ نہ معلوم ہوتا کہ ہمارے داہنے ہاتھ پر کون اور بائیں ہاتھ پر کون ہے، ہر شخص اپنی فکر میں مشغول ہوتا اور اپنے لئے یہ وقت آنا، اور پھر اس وقت کیا ہوگا، کیسے گذرے گی، اپنے اعمال کی حالت کیا ہے:؟ اس دُھن میں مستغرق ہوتا، گویا ہر شخص اس جنازہ کو اپنا ہی جنازہ جانتا۔ بلاشبہ اس وقت کے مناسب یہی حالت ہے اور اس حال کے مناسب وہی خاموشی کہ سانس کے سوا بالکل آواز نہ ہو۔ جب زمانہ بدلا اور صدر اول کی طرح خوف مسلمانوں میں نہ رہا، محض خاموش رہنا بہت لوگوں کو باعث پریشان خیال ہوا۔ اطبائے قلوب نے ذکر لسانی خفی کا اضافہ فرمایا:

"ان اراد ان یذکر اللّٰہ تعالیٰ یذکرہ فی نفسہ" [اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو آہستہ کرے] اس میں حکمت یہ تھی کہ خود خاموشی کوئی شیء مطلوب نہیں، کہ اچھی بات کہنا، کچھ نہ کہنے سے بہر حال افضل ہے۔

اسی لئے ارشاد ہوا:

"ان لایزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ" [ترمذی، ۲/ ۱۷۳، کتاب الدعوات] ہمیشہ تمہاری زبان ذکر الٰہی سے تر رہنی چاہئے۔ اگر چہ اگلی شریعتوں نے خاموش رہنے کا حکم روزے میں رکھا تھا مگر ہماری شریعت نے اسے منسوخ فرمادیا۔ مجوس کے یہاں کھانے کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے، ہماری شریعت میں وہ مکروہ ولازم الاحتراز ہے۔ یہاں ایک ذریعہ بعد معین مقصود ہوکر مطلوب ہوا تھا کہ زبان کا عمل توجہ ہٹنے کی وجہ نہ ہو۔ اب دیکھا کہ زمانہ بدلا، اب وہ معین ہونے کے عوض بہت لوگوں کے لئے مقصود میں خلل ہونے لگا، اصل مقصود حاصل ہونے کے لئے ذکر لسانی بتایا اور خفی رکھا کہ سب تو ایسے پریشان خیال نہیں، جہر سے اہل تفکر کا ذہن نہ ہٹے۔

جب زمانہ اور بدلا اور اکثر عامۂ ناس اسی قسم کے رہ گئے تو اطبائے روحانی نے جہر بالذکر کی اجازت دی کہ وہ نفوس میں زیادہ کارگر، وسوسوں کو زیادہ دور کرنے والا اور لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔ وہ ذاکرین کی زبانوں اور سامعین کے کانوں کو مشغول کرتا اور غافلین کو جگا کر لغویات سے باز رکھ کر ذکر وسماع کی طرف لاتا ہے تو اب ذکر جہر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے افراد سے ہے۔"

[فتاویٰ رضویہ جدید مترجم جلد ۹ص ۱۵۱-۱۵۲]

اعلیٰ حضرت اس کے بعد ذکر کی اقسام اور لوازمات بیان فرماتے ہیں:

"**ذکر جہر چہار ضربی:** چارزانو بیٹھے، بائیں زانو کی رگ کے پاس داہنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے برابر کی انگلی میں دبالے، پھر سر جھکا کر بائیں گھٹنے کے محاذی لاکر لا کا لام یہاں سے شروع کر کے داہنے گھٹنے کے محاذات تک کھینچتا ہوا لے جائے، اب یہاں سے الٰہ کا ہمزہ شروع کر کے لام کے بعد کا الف داہنے شانے تک کھینچتا لے جائے اور داہنی طرف خوب منہ پھیر کر کہے، پھر وہاں سے الا اللہ بقوت دل پر ضرب کرے۔ سوبار یا مناسبِ قوت کم سے شروع کرے، پھر حسبِ طاقت وفرصت بڑھاتا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ پانچ ہزار ضرب روزانہ تک پہنچائے۔ جب حرارت بڑھنے لگے ہر سوبار کے بعد ایک یا تین بار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہہ لے، تسکین پائے گا۔

مگر مبتدی جب تک زنگ دور نہ ہو، خالص حرارت کا محتاج ہے۔ یہ ذکر ایسے وقت اور ایسی جگہ ہو کہ ریا نہ آئے، کسی نمازی یا ذاکر یا مریض یا سوتے کو تشویش نہ ہو، اگر دیکھے کہ ریا آتی ہے تو نہ چھوڑے اور خیال ریا کو دفع کرے اور اللہ عزوجل کی طرف اس کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے رجوع لائے، تائب ہو انشاء اللہ تعالیٰ ریا دفع ہوگی۔"

ذکر خفی: دو زانو آنکھیں بند کئے زبان تالو سے جمائے کہ متحرک نہ ہو، محض تصور سے کہ سانس کی آواز بھی نہ سنائی دے۔ ان پانچ طریقوں سے جو طریقہ چاہے اختیار کرے خواہ وقتاً فوقتاً پانچوں برتے۔

۱- سر جھکا کر ناف سے لا کا لام نکال کر سر بتدریج اوپر اٹھاتا ہوا الٰہ کی ہ دماغ تک لے جائے اور معاً الا اللہ کا پہلا ہمزہ وہاں شروع کر کے اس کی ضرب ناف خواہ دل پر کرے۔

۲- اسی طور پر لا الٰہ الا ھو اس میں دوسرا جز الا ھو ہوگا۔

۳- صرف الا اللہ کا پہلا ہمزہ ناف سے اٹھا کر الا دماغ تک لے جائے اور پھر لاہ کو وہاں سے اتار کر ناف یا دل پر ضرب کرے۔

۴- فقط اللہ کا پہلا ہمزہ ناف سے شروع کرے، لا کو دماغ تک پہنچائے اور ہٗ کی ضرب ناف یا دل پر لگائے۔

۵- محض اللہ بسکون ہا، پہلا ہمزہ ناف سے اٹھا کر لام دماغ تک اور لاہ کی ضرب ناف یا دل پر لگائے۔ اسے سو بار سے شروع کرے، حسب وسعت ہزاروں تک پہنچائے۔ ان پانچوں میں افضل پہلا طریقہ ہے۔ یہ طریقے اس درجہ مفید ہیں کہ انہیں اخفا کرتے ہیں، رمز میں لکھتے ہیں۔ فقیر [اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری] نے خاص اپنے برادران طریقت کے لئے اسے عام کیا۔ انہیں پانچوں طریقوں میں سے جسے چاہے ہر سانس کی آمد و رفت میں کھڑے بیٹھے لیٹے چلتے پھرتے وضو بے وضو بلکہ قضائے حاجت کے وقت بھی ملحوظ رکھے یہاں تک کہ اس کی عادت پڑ جائے اور تکلف کی حاجت نہ رہے۔ اب سوتے میں بھی سانس کے ساتھ ذکر جاری رہے گا۔

اذکار واشغال میں مشغولی سے پہلے اگر قضا نمازیں یا روزے ہوں ان کا کر لینا جس قدر جلد ممکن ہو نہایت ضروری ہے۔ جس پر فرض باقی ہے، اس کے نفل اعمال مستحبہ کام نہیں دیتے بلکہ قبول نہیں ہوتے جب تک فرائض نہ ادا کر لے۔

اذکار واشغال کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے: ۱- کم کھانا، ۲- کم بولنا، ۳- کم سونا

[حیات اعلیٰ حضرت ۳/ ۱۴۶، ادارہ اشاعت مسجد نور الاسلام بولٹن]

اب تصور شیخ اور آداب شیخ سے متعلق قطب الارشاد نائب غوث اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نادر علمی افادات ملاحظہ کیجئے۔ آپ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اعلیٰ حضرت ہر سطح پر اعلیٰ ہیں۔ یہ بات تصوف کی معمولی شد بد رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ جب تک شیخ سے تعلق مضبوط نہیں ہوگا، اس وقت کچھ ہاتھ آنے کا نہیں۔ اسی لئے مشائخ سب سے پہلے برزخ شیخ کا حکم دیتے ہیں۔ اس کا طریقہ بیان کرتے ہوئے عارف باللہ قطب الارشاد امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''برزخ شیخ کا طریقہ یہ ہے کہ یہ خیال رکھے کہ میرا شیخ میرے سامنے ہے اور اپنے قلب کو اس کے قلب کے نیچے تصور کر کے اس طرح سمجھے کہ سرکار رسالت سے فیوض وانوار قلب شیخ پر فائض ہوتے اور

اس سے چھلک کر میرے دل میں آرہے ہیں۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ حالت ہوجائے گی کہ شجر و حجر و در و دیوار پر شیخ کی صورت صاف نظر آئے گی، یہاں تک کہ نماز میں بھی جدا نہ ہوگی اور پھر ہر حال میں اپنے ساتھ پاؤگے۔'' [الملفوظ، ص ۳۳۰]

یہ تعلق شیخ اسی وقت مضبوط اور کار آمد ہوگا جب آداب شیخ کا لحاظ رکھے گا۔ آداب شیخ کا بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''بیکار باتوں سے تو ہر وقت پرہیز کرنا چاہیے، اور شیخ کے حضور خاموش رہنا افضل ہے، ضروری مسائل پوچھنے میں حرج نہیں۔

اولیائے کرام فرماتے ہیں شیخ کے حضور بیٹھ کر ذکر بھی نہ کرے کہ ذکر میں دوسری طرف مشغول ہوگا۔ یہ حقیقتاً ممانعت ذکر نہیں بلکہ تکمیل ذکر ہے کہ وہ جو کرے گا بلا توسل ہوگا اور شیخ کی توجہ سے جو ذکر ہوگا، یہ اس سے بدرجہا افضل ہے۔

پھر فرمایا، اصل کار حسن عقیدت ہے۔ یہ نہیں تو کچھ نفع نہیں اور صرف حسن عقیدت ہے تو خیر اتصال تو ہے۔ پرنالہ کی مثل تم کو فیض پہنچے گا، حسن عقیدت ہونا چاہیے۔'' [الملفوظ سوم، ص ۵۳۱، تخریج شدہ، ایڈوانس پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ، دہلی]

شیخ سے مکمل فیض اٹھانے کے لئے ان کے حقوق کی رعایت کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پیر اور مرید کے حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''مرید کا پیر پر حق یہ ہے کہ:

- اسے مثل اپنی اولاد کے جانے۔
- جو بات بری دیکھے اس سے منع کرے، روکے۔
- نیکیوں کی ترغیب دے۔
- حاضر و غائب اس کی خیر خواہی کرے۔
- اپنی دعا میں اسے شریک کرے۔
- اس کے مال سے کچھ طلب نہ کرے۔
- اس کی طرف سے براہ نادانی جو گستاخی بے ادبی واقع ہو اس سے درگزر کرے۔
- اس پر اپنے نفس کے لئے ناراض نہ ہو۔
- تابمقدور اس کی ہر مشکل میں مددگار رہے۔
- اس کی ہدایت کے لئے غصہ ظاہر کرے اور دل میں اس کی بھلائی کا خواستگار رہے۔ وغیرہ وغیرہ

پیر کے حقوق مرید پر شمار سے افزوں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ:

- اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔
- اس کی رضا کو اللہ کی رضا اس کی ناخوشی کو اللہ کی ناخوشی جانے۔
- اسے اپنے حق میں تمام اولیائے زمانہ سے بہتر سمجھے۔
- اگر کوئی نعمت بظاہر دوسرے سے ملے تو اسے بھی پیر ہی کی عطا اور اسی کی نظر توجہ کا صدقہ جانے۔
- مال اولاد جان سب اس پر تصدق کرنے کو تیار رہے۔
- ایک باپ سے دوسرا باپ نہ بنائے۔
- اس کی جو بات اپنی نظر میں خلاف شرع بلکہ معاذ اللہ کبیرہ معلوم ہو اس پر بھی نہ اعتراض کرے،

نہ دل میں بدگمانی کو جگہ دے بلکہ یقین جانے کہ میری سمجھ کی غلطی ہے۔

- دوسرے کو اگر آسمان پر اڑتا دیکھے جب بھی پیر کے سوا دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو سخت آگ جانے۔
- اس کے حضور بات نہ کرے، ہنسنا تو بڑی چیز ہے۔
- اس کی غیبت میں بھی اس کے بیٹھنے کی جگہ نہ بیٹھے۔
- اس کے سامنے آنکھ، کان، دل ہمہ تن اسی کی طرف مصروف رکھے۔
- جو وہ پوچھے نہایت نرم آواز سے بکمال ادب بتا کر جلد خاموش ہو جائے۔
- اس کے کپڑوں، اس کے بیٹھنے کی جگہ، اس کی اولاد، اس کے مکان، اس کے محلہ، اس کے شہر کی تعظیم کرے۔
- جو وہ حکم دے کیوں نہ کہے، دیر نہ کرے۔ سب کاموں پر اسے تقدیم دے۔
- اس کی موت کے بعد بھی اس کی زوجہ سے نکاح نہ کرے۔
- اس کے دوست کا دوست، اس کے دشمن کا دشمن رہے۔
- روزانہ اگر وہ زندہ ہے، اس کی سلامت وعافیت کی دعا بکثرت کرتا رہے، اور اگر انتقال ہو گیا تو روزانہ اس کے نام پر فاتحہ ودرود کا ثواب پہنچائے۔

غرض اللہ ورسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اس کے علاقہ کو تمام جہان کے علاقہ پر دل سے ترجیح دے اور اسی پر کاربند رہے۔ جب یہ ایسا ہوگا تو ہر وقت اللہ عزوجل وسید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحضرات مشائخ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مدد زندگی میں، نزع میں، قبر میں، حشر میں، میزان پر، پل صراط پر، حوض پر ہر جگہ اس کے ساتھ رہے گی۔ اس کا پیرا اگر خود کچھ نہیں تو اس کا پیر تو کچھ ہے، یا پیر کا پیر یہاں تک کہ صاحب سلسلہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، پھر یہ سلسلہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اوران سے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوران سے اللہ رب العٰلمین تک مسلسل چلا گیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ پیر چاروں شرائط بیعت کا جامع ہو، پھر اس کا حسن اعتقاد سب کچھ پھل لا سکتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔''[فتاویٰ رضویہ جدید ۲۴/ ۳۶۸، پور بندر]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تصوف عملی کے لئے صرف ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جو صدر الافاضل کے حوالے سے حضرت علامہ سید شاہد علی رضوی نوری مدظلہٗ نے مجھ سے بیان فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت صدر الافاضل، حضرت مفتی اعظم اور ملک العلما رضوی دار الافتا کے سامنے سیڑھی کے پاس تبادلۂ خیال فرما رہے تھے کہ سلطان الاذکار [جس میں ذاکر کے اعضائے جسمانی بکھر کر ذکر الٰہی کرتے ہیں] کے لئے قلب جاری نہیں ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت سے عرض کیا جائے۔ اسی وقت اعلیٰ حضرت سیڑھیوں پر نمودار ہوئے اور حضرت مفتی اعظم سے فرمایا: میرے بستر پر جا کر لیٹ جاؤ۔ جیسے ہی حضرت مفتی اعظم، اعلیٰ حضرت کے بستر پر جا کر آرام فرما ہوئے، فوراً قلب جاری ہو گیا۔ یہ حضرات محو حیرت ہو گئے، فرمایا: جس کے بستر کی تاثیر کا یہ عالم ہو، خود اس کی تاثیر کا عالم کیا ہوگا۔

رہ گئے اعمال واشغال اور دیگر عملیات تو اس کے لئے

اعلیٰ حضرت کا تحریر فرمودہ ''الوظیفۃ الکریمۃ'' اور آپ کے اعمال کا مجموعہ ''شمع شبستان رضا'' ملاحظہ کرنا چاہئے۔عملیات کی ساری کتابیں ایک طرف اور ''شمع شبستان رضا'' کی مقبولیت ایک طرف۔جیسی مقبولیت اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو عطا فرمائی ،وہ اپنے آپ میں بے نظیر ہے۔اس میں درج عملیات کی برکت ہے کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں یہ کتاب چھپ کر شائقین اور اصحاب ذوق کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔

حضرت مفتی اعظم قطب عالم قدس سرہٗ اپنے دور کے رجال غیب اور ابدال کے شیخ تھے۔یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔حضرت مفتی اعظم قطب عالم کی حیات مبارکہ اور شب وروز جس نے دیکھے ہیں،ان میں کے خواص اس کی گواہی دیتے ہیں۔مجھ سے مولانا جمیل احمد نوری مدظلہٗ نے علی گڈھ میں بیان فرمایا کہ ہمارے یہاں ضلع بستی میں ایک ماسٹر صاحب تھے جنہیں ذکر وفکر کا شوق تھا۔ایک مرتبہ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ ہمارے علاقہ میں تشریف لائے تو ماسٹر صاحب نے حضرت سے ذکر بالجہر کا طریقہ دریافت کیا۔حضرت نے عملی طور سے کر کے انہیں بتایا۔ایک ولی کامل کی تلقین کا فیض تھا کہ اب جب ماسٹر صاحب ذکر کرتے تو درو دیوار سے بھی ''اللہ'' کی آواز آتی۔

بریلی شریف میں ایک مسلمان دفن کیا گیا۔رات میں اس کی قبر سے آگ کے شعلے اٹھتے دیکھے گئے جو قد آدم تک بلند ہورہے تھے۔حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کو اس کی اطلاع دی گئی۔آپ مسلمانوں کے ایک مجمع کے ساتھ قبر کے پاس تشریف لے گئے اور کچھ پڑھنا شروع کیا۔رفتہ رفتہ وہ شعلے کم ہوتے ہوتے انگارے کی صورت میں ہو گئے پھر بجھ گئے ،تب آپ وہاں سے واپس ہوئے۔

حضرت تاج الشریعہ قدس سرہٗ کے پاس ایک صاحب نے ایک موکل بھیجا کہ جاؤ ذرا دیکھ آؤ کہ ان کے پاس قوت باطنی بھی ہے یا یونہی بھیڑ لگی ہوئی ہے؟ موکل حضرت کی بارگاہ میں پہنچا تو دیکھا کہ یہاں جناتوں کا زبردست پہرہ ہے۔ہانپتا کانپتا الٹے قدم واپس آیا۔شیخ نے پوچھا کہ کیا دیکھا؟ موکل نے بتایا کہ میں تو حضرت تک پہنچ بھی نہ سکا۔وہاں جناتوں کا زبردست پہرہ ہے۔شیخ نیک دل تھے،نادم ہوئے پھر حضرت سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔حضرت تاج الشریعہ نے انہیں دیکھ کر متبسم لہجے میں فرمایا: خود تشریف لاتے ،کسی کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔مولانا عاشق حسین کشمیری کے یہاں جب حضرت تاج الشریعہ تشریف لے گئے تو کثیر اجنہ حضرت کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے۔[دیکھئے نقوش تاج الشریعہ،ص ۱۰۶۰]

حضرت محمد عسجد رضا قادری جانشین تاج الشریعہ مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں:

> ''متعدد اصحاب عرفان وحال نے ابا کو صاحب عرفان وحقیقت سمجھا اور فرمایا۔قطب مدینہ حضرت علامہ شاہ ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ کی نماز جنازہ جنہوں نے پڑھائی ،ان کے برادر محترم جو خود صاحب عرفان کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں یعنی حضرت شیخ انس مراد دامت برکاتہم نے فرمایا:''حضرت شیخ اختر رضا قادری ازہری اصحاب حقیقت میں سے

ہیں۔'' صاحب ابریز سیدی شیخ عبد العزیز دباغ قدس سرہٗ کے فرد خاندان صاحب ذوق وحال حضرت شیخ عازم دباغ دامت برکاتہم نے شیخ ابوزرین کے بارے میں فرمایا جو قطب وقت کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں، مدینہ طیبہ کی حاضری کے دوران ابا حضور باب السلام سے حاضری بارگاہ عرش جاہ کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت شیخ ابوزرین کی نظر ابا حضور پر پڑی۔ وہ لپک کر آئے اور بغیر کسی پیشگی شناسائی کے حضرت سے مصافحہ ومعانقہ فرمایا اور اجازت کے طالب ہوئے۔ ابا حضرت نے انہیں اجازت عطا فرمائی اور ان سے دعا کے طالب ہوئے۔''

[نقوش تاج الشریعہ، ص ۵۴]

مزید تفصیل کے لئے ہمارے مشائخ رضویہ کی سوانحی کتب دیکھی جائیں۔

رہ گیا دیگر خانقاہوں کی طرح مراسم خانقاہی اور تربیت باطن کا عمومی اور ظاہری رواج خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ میں دکھائی نہیں دیتا کہ شیخ مسند نشین ہو۔ مریدین اور حلقہ بگوشوں کو تصوف اور طریقت کی باتیں بتا رہا ہو، چلے کرا رہا ہو، حلقۂ ذکر کی محفل جمی ہو، دعا تعویذ کرانے والوں کی بھیڑ لگی ہو وغیرہ وغیرہ، تو اس سلسلے میں عرض یہ کرنا ہے کہ ہر سلسلے کا اپنا اپنا انداز تربیت ہوتا ہے جس سے وہ طالب کو اللہ جل جلالہ کے دربار تک پہنچاتا ہے اور اصل مقصود یہی ہے، باقی تو سب وسائط و ذرائع ہیں۔ بزرگوں نے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تک رسائی کے طریقے مخلوق خدا کی سانسوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔ سرکار نور حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہٗ ''سراج العوارف'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''رب عزوجل تک رسائی نہ خاص ذکر وشغل سے ہے، نہ اس کا راستہ ذکر وشغل پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ تک رسائی کی بہت سی راہیں ہیں۔ تو جس راہ سے خدا تک رسائی ہو جائے اور اس سے اطمینان ہو جائے، وہی تیرے لئے ذکر اور شغل ہے۔ اسی کو اللہ تک رسائی کا راستہ سمجھو اور اسی پر عمل کرو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ خدا تک رسائی کے راستے مخلوق کی سانسوں کے برابر ہیں [یعنی بے شمار ہیں] اگر کسی شخص کو یہ راستہ دینی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہوا ور اسے اطمینان نصیب تو ہو اس شخص کے لئے یہی راستہ ذکر وشغل ہے اور اگر کسی کو نیک بندوں کی صحبت سے نصیب ہو جائے تو یہی صحبت اس کے لئے ذکر و شغل ہے۔ چنانچہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ذکر کی فضیلت صرف تسبیح وتہلیل میں منحصر نہیں، بلکہ کسی بھی کام میں رب عزوجل کی اطاعت کرنے والا ذاکر ہے۔'' [سراج العوارف اردو، ص ۱۲۷]

مشائخ رضویہ نے تربیت باطنی اور اللہ تک رسائی حاصل کرنے کا آسان اور بے خطر طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ وہ طالبین کو ہدایت دیتے ہیں کہ اپنے دلوں کو عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اور عشق غوثیت مآب سے آراستہ کریں اور شریعت مصطفوی پر بہت مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہو جائیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''ذکر

کے طریقے کثیر ہیں۔ تلاوت قرآن عظیم وکلمۂ طیبہ اور درود شریف کی کثرت رکھیۓ۔ اور جواذ کار بطریقۂ اشغال ہیں، وہ بالمشافہہ سیکھنے سے خوب آتے ہیں۔'' [فتاویٰ رضویہ قدیم، ۱۲/۱۵۸]

جب بارگاہ رسالت اور در بار غوثیت کا فیضان حاصل ہو گیا تو آگے کی راہیں آسان ہیں۔ع

وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی

اور اس راہ میں خطرات بھی نہیں ہیں۔ اسی لئے آپ ہر رضوی کو عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے سرشار اور سرکار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا متوالا پائیں گے۔ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ میں ہر پیر اور جمعرات کو میلاد شریف کی محفل منعقد ہوتی ہے، توشۂ غوثیہ اور ختم قادریہ کا عمومی رواج ہے۔ کثیر افراد ''الوظیفۃ الکریمۃ'' کے عامل ہیں اور خواص کی خاص باطنی تربیت بھی کی جاتی ہے۔ میں نے متعدد مشائخ رضویہ کے بارے میں پڑھا ہے کہ وہ سلطان الاذکار کے عامل تھے۔ ان میں حضرت مفتی اعظم قطب عالم، حضرت ملک العلما اور حضرت سید غیاث الدین حسن علیہم الرحمہ کے واقعات کا تذکرہ میری نگاہ سے گذر چکا ہے۔ خود شجرۂ رضویہ میں جن اعمال و اذکار کی تلقین کی گئی ہے، اگر تمام لوازمات کے ساتھ کوئی پابندی سے ان کا ورد رکھے تو قرب الٰہی کی نعمت سے سرفراز ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مشائخ رضویہ طالب کے راہ سلوک کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں، اس لئے طالب آسانی کے ساتھ بے خطر دربار خدا و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ میں شریعت کو ہر چیز پر غالب رکھا جاتا ہے اور کرامت سے زیادہ استقامت کو ترجیح دی جاتی ہے، اسی لئے کوتاہ بینوں کو یہاں صرف مولویت نظر آتی ہے۔ ؎

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اخیر میں آجکل کے حاسدین کی یہ خلش دور کرتا چلوں جو یہ کہتے ہیں کہ آپ لوگ صرف اعلیٰ حضرت کا چرچا کرتے ہیں جس سے دوسرے قدیم بزرگوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے چاہنے والوں کو صرف اعلیٰ حضرت نظر آتے ہیں، انہیں کا چرچا کرتے ہیں، دوسرے بزرگوں کے ذکر سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اخیر والی بات تو سراسر ہم پر اتہام ہے۔ رضویوں ہی کا ایسا طبقہ ہے جو ہر بزرگ کے عرس پاک میں بے تکلف شریک ہوتا ہے اور ہر خانقاہ کے بزرگوں پر علمی اور تحقیقی کام کرنے کو اپنی سعادت تصور کرتا ہے۔ جو صاحب اس قسم کا نظریہ سوشل میڈیا پر پوسٹ کرتے ہیں، ان سے سوشل میڈیا کے توسط سے تحریری گفتگو ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ رضوی صاحبان علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے چرچے سے چڑتے کیوں ہیں۔ میں نے کہا: معاذ اللہ! ہم حضرت کے ذکر سے کیوں چڑنے لگے، میں نے تو حضرت پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ حضرت کی کتاب الثورۃ الہندیۃ/ باغی ہندوستان، التحقیق الفتویٰ، اور امتناع النظیر ایڈٹ کرنے والے، ترجمہ کرنے والے، اور شائع کرنے والے سب کے سب اعلیٰ حضرت کے معتقدین اور منتسبین ہیں۔ علامہ سید سلیمان اشرف ہوں یا علامہ عبدالحکیم شرف قادری، مکتبہ قادریہ

لاہور ہو یا المجمع الاسلامی مبارک پور، سب اعلیٰ حضرت کے ماننے والے یا ماننے والوں کے ادارے ہیں۔رضوی اہل زبان وقلم کی ایک بہت بڑی ٹیم ہے جو اسلاف نوازی میں ہمہ تن مصروف ہے اگر رضویاتی فکر وخیال سے مزین ٹیم نہ ہوتی تو برصغیر ہندو پاک سے اسلاف شناسی کی تحریک کا چراغ کب کا گل ہو چکا ہوتا۔رضویوں نے تو نہ جانے کتنے گوشۂ گمنامی میں گم بزرگوں کی یادوں سے اپنی تحریروں کو حیات تازہ بخشی ہے۔ناچیز کے بیشتر تحقیقی کام غیر رضوی بزرگوں سے متعلق ہیں۔جدید لکھنے والوں میں ڈاکٹر غلام مصطفٰی نجم القادری، مولانا رحمت اللہ صدیقی، مولانا انیس عالم سیوانی اور مفتی شمشاد حسین رضوی نے کثیر بزرگوں پر علمی اور تحقیقی کام کئے ہیں جو سلسلۂ عالیہ رضویہ سے منسلک نہیں ہیں۔رہ گیا اعلیٰ حضرت کا دم بھرنا، ان کی یاد سے سکون پانا، ان کا چرچا کرتے رہنا تو ہم ان کے پیروکار ہیں، ان سے عقیدت وارادت کا رشتہ رکھتے ہیں تو ہم ان کا ذکر نہ کریں تو کون کرے۔ہم جن کا کھاتے ہیں، ان کا گاتے ہیں۔اور دیگر سلاسل کے مشائخ اور بزرگوں کے چرچے ان کے منتسبین اور متوسلین کریں۔ہم بھی حسب توفیق دوسرے بزرگوں کی علمی خدمت کرنے، ان کی یا د منانے کی سعادت حاصل کرتے رہتے ہیں۔کیا رضویوں نے سارے جہان کا ذمہ لے رکھا ہے۔اگر کسی بزرگ کے ذکر سے دوسرے سلسلے والے اپنی کوردبتی محسوس کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کی حق تلفی ہوئی تو انہیں اپنی سمجھ کی اصلاح کرنی چاہئے۔یہ تو ایسے ہی ہوا جیسے کوئی کسی کی تعظیم کو اپنی توہین سمجھ لے۔اس عقلی دیوالیہ پن کا کیا علاج؟

رہ گئی یہ بات کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے تذکرے سے ہر دینی محفل کیوں آباد رہتی ہے؟ تو اس کے کچھ اسباب بھی ہیں۔سب سے پہلی بات تو یہی کہ "سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" [مریم:۹۶] کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب بندے کی محبت لوگوں کے دلوں میں عام کر دی ہے، اس لئے لوگ ان کا چرچا کرتے رہتے ہیں۔اس کے علاوہ چند اسباب کی جانب اسباب مقبولیت کے بیان میں اشارے گذر چکے۔ذیل کے اسباب بھی ان میں شمار کئے جا سکتے ہیں:

اعلیٰ حضرت کا عموماً موازنہ حضرت مجدد الف ثانی علیہم الرحمہ سے ہوتا ہے کہ مجدد صاحب کا اتنا چرچا نہیں ہوتا جتنا مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت کا ہوتا ہے۔اس کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بیشتر کتابیں اردو زبان میں ہیں اور دور حاضر کی علمی و دینی ضرورت پوری کرتی ہیں، کیونکہ وہ زیادہ تر فقہی موضوعات پر ہیں۔وہ دار الافتا اور دار القضا کی ضرورت ہیں، علما وفقہا کی ضرورت ہیں، عوام وخواص کی ضرورت ہیں۔اس لئے ان سے رابطہ، ان سے اخذ و استفادہ، ان کا حوالہ بار بار زبانی اور قلمی طور پر دیا جاتا ہے، جب کہ مجدد صاحب کے یہاں ایسی بات نہیں۔حضرت کی ساری کتابیں، مکاتیب کریمہ فارسی زبان میں ہیں، گو کہ ان میں بیشتر کے اردو تراجم ہو چکے ہیں، لیکن ان کے موضوعات فقہی یا عوامی نہیں ہیں، بلکہ رموز تصوف پر مشتمل ہیں جو خواص کی چیز ہے۔عقائد کے باب میں بھی جو کتابیں ہیں، وہ بھی عوام کے مطلب کی نہیں۔اس لئے اعلیٰ حضرت کا تذکرہ جس قدر ہوتا ہے، مجدد صاحب کا نہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے جن باطل فرقوں کا رد بلیغ فرمایا، وہ ابھی بھی زندہ ہیں۔ وہابیت، قادیانیت، دیوبندیت سبھی باقی ہیں۔ اس لئے ان کے ردو ابطال کے لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کتابوں، تحریروں، اور پیش کردہ دلائل کی ضرورت پڑتی رہتی ہے اور یوں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا تذکرہ بار بار آتا رہتا ہے، جس طرح سے لور کورٹ کے وکلا اپر کورٹ کے ججوں کے فیصلے کو بار بار اپنی دلیلوں میں پیش کرتے رہتے ہیں، اسی طریقے سے علما، قضاۃ اور مفتیان عظام اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی پیش کردہ دلیلوں کو اپنی تحریروں اور تقریروں میں دہراتے رہتے ہیں۔ جب کہ حضرت مجدد صاحب نے جس باطل فرقہ ''دین الٰہی'' کا تعاقب فرما کر اسے کیفر کردار تک پہنچایا ہے، وہ کب کا دفن ہو چکا۔ اس لئے نہ اب اس کے ردو ابطال کی ضرورت باقی رہی اور نہ اس ذیل میں پیش کردہ دلائل کو دہرانے کی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی نعتیہ و منقبتی شاعری بیشتر اردو میں ہے اور مقبول بارگاہ خدا اور سول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم اور پسندیدۂ عامۂ اہل سنت ہے۔ اپنے سوز دروں اور بے مثل ادبیت کی بدولت حدائق بخشش کے اشعار اہل سنت کی دینی محفلوں، جلسوں، کانفرنسوں کی ضرورت بن چکے ہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے تذکرہ سے ہر دینی محفل آباد رہتی ہے، جبکہ حضرت مجدد صاحب کے یہاں یہ بات نہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی مقبولیت ہے تو اس کے قرار واقعی اسباب بھی ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی مشیت کو ان کا چرچا عام کرنا منظور ہے اور یہ بات ظاہر سی ہے کہ کسی کے چیں بہ جبیں ہونے سے اللہ کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے۔ اخیر میں مرزا نقشبندی حیدرآبادی کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ
احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

اسیر رضا ساحل
۹/ربیع النور ۱۴۴۰ھ
/ ۱۸/نومبر ۲۰۱۸ء یکشنبہ ۲/بجے دن

OOOO

حضرت مولانا مفتی محمد عبد الرحیم نشترؔ فاروقی

مینارۂ عشق وعرفان امام احمد رضا

سیدنا اعلیٰ حضرت، رفیع الدرجت، عظیم المرتبت، غریق رحمت، مجدد دین وملّت علی الاطلاق، امام اہل سنت فی الآفاق، شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ اللہ علی الارضین، امام المفسرین، سید المحققین، علّامہ ابن علّامہ ابن علّامہ، محقق ابن محقق ابن محقق، عارف ابن عارف ابن عارف، مولانا الحاج الشاہ حضرت علّامہ عبد المصطفیٰ امام احمد رضا خان قادری برکاتی فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہمہ آیات اور نابغۂ روزگار ہستی عالم اسلام میں لاریب محتاج تعارف نہیں۔

آپ چودھوی صدی ہجری کے یگانۂ روزگار اور بلند پایہ علم وفضل کے وہ پیکر ہیں جس نے ملّت اسلامیہ کے دور انحطاط وانتشار میں تقریباً ۵۵؍علوم وفنون پر محیط ہزار سے زائد رشد وہدایت کے لعل وگوہر، سیف وسنان کے ساتھ رزم گاہ حق وباطل میں مشرکین وکفار، مرتدین واشرار، گمراہان وفجار سے تاحیات بر سرپیکار رہے اور جہاد بالقلم کے ذریعہ باطل قوتوں کی دھجیاں بکھیر کر ملّت اسلامیہ کی شیرازہ بندی فرمائی۔

آپ کے قرطاس وقلم اور عشق پرور لطف انگیز تحقیقات وتصنیفات کی مقناطیسی فصاحت وبلاغت میں ارباب فکر ونظر کا ایک عالم گم وصم نظر آتا ہے، یوں تو آپ علم وقلم کے دھنی اور فکر ونظر کے شہنشاہ تھے، آپ کا قلم جس موضوع پر بھی اٹھتا، رشد وہدایت کا ایک دفتر وجود میں آتا تھا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

لیکن آپ کی تحریر وتجدید اور اصلاح وعمل کا مرکزی نقطۂ نظر اور بنیادی نصب العین عظمت ''وحدۃ الوجود'' اور تحفظ ناموس رسالت'' تھا بلاشبہ آپ ایک جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسر، بلند پایہ مترجم، عظیم الشان محدث، سحر البیان خطیب، ماہر فن ادیب اور روشن ضمیر طبیب تو تھے ہی لیکن ان تمام تر درجات رفیعہ سے بالاتر ایک اور آپ کی حیثیت تھی اور آپ ایک اور منصب عظیمہ پر فائز تھے اور وہ منصب تھا ''عاشق صادق'' رسول صادق ﷺ کا! قسام ازل نے آپ کو سرچشمۂ فیوض وبرکات اور عشق رسول سے اس قدر سرشار فرما دیا تھا کہ آپ کی رگ وپے سے بھی عشق رسول کی بھینی بھینی خوشبو آتی تھی، عشق رسول کی سرمست مئے الست کا خمار آپ کی نعتوں کے ہر ہر شعر میں جلوہ گر اور موجزن ہے۔

آپ کی ذات والاصفات میں نغمۂ عشق رسول کی جذب وکشش اور اس کی قوت تاثیر کا کیا پوچھنا کہ اہل دل عش عش کر

اٹھتے ہیں اوراس نوائے لاہوتی سے مرد مومن کی روح جھوم جھوم اٹھتی ہے، آپ کی طبیعت میں جو رسول مقبول ﷺ کی والہانہ عشق و محبت رچی بسی تھی اور ربط مدینہ کی جو مستی دل و دماغ پر چھائی رہتی تھی اسی کا اثر تھا کہ اگر چہ آپ کا جسم ہندوستان میں دیکھا جاتا تھا مگر روح لاکھوں میل دور مدینہ منورہ میں روضۂ انور پر جاروب کشی کیا کرتی تھی، آپ نے بریلی میں عشق رسول کی شمع روشن کی، محبت رسول کے مہکتے ہوئے پھول کھلائے، حدیث رسول کے گلدستے سجائے، فضاؤں میں نعت نبی رحمت کے نغمے بکھیرے، ناموس رسالت پہ مر مٹنے کا درس دیا، نگاہوں سے دلوں میں عشق رسول کی بجلیاں بھر دیں۔

آپ کا سینہ سوز وگداز اویس قرنی کا پرتو تھا، آنکھوں میں جامی کی التجاؤں کا اندازہ تھا، دل میں تڑپ صدیق کی جھلک تھی، عرصۂ پیشانی پر رازی کا گمان نمایاں تھا، چہرہ کی سادگی سے رومی کا جلال ٹپکتا تھا اور آج بھی آپ کے مزار پر انوار سے وارفتگئ رسول ﷺ کی خوشبو پھوٹتی ہے، آپ کان عشق الفت کے وہ درّ مکین ہیں جس کی ضیا پاشیوں نے دنیا کے بیشتر قلب وجگر کو وجہ وجود کائنات ﷺ کی محبت و شیفتگی کے درد سے آشنا کر دیا، آپ نے اہل حقیقت و محبت کے لئے یقین آفرینی کے نئے دروازے وا کر دیئے اور یہ سبق عاشق مصطفیٰ و محبان مجتبیٰ ﷺ کے نصاب محبت میں ہمیشہ کے لئے رقم کر دیا کہ ایمان کی جان محبوب خدا ﷺ کے عشق و آداب کا دوسرا نام ہے اور آپ نے عملی طور پر اپنی متاع زیست کو سرکار مدینہ کی چوکھٹ پر نثار کر کے دکھایا بھی، یہی وجہ ہے کہ ارباب فکر، اصحاب نظر اور صاحبان اہل دل کی سونی بستیاں آپ کے عشق کے چرچوں سے گونج رہی ہیں۔

چونکہ ہر سچے مومن کو بزرگان دین اور اولیائے کاملین سے عقیدت و محبت ہے، ان کے عشق حقیقی کی داستان سن کر قلب وجگر کو تازگی اور روح کو بالیدگی میسر ہوتی ہے، اس لئے میں نے ''عشق رسول'' کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے، ہر چند کہ عشق جیسے بحر بیکراں کی غوّاصی مجھ جیسے ہیچ مداں کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن پھر بھی میں نے سعی لا حاصل کی ہے، سب سے پہلے ہم عشق کے متعلق چند دانشوروں کے افکار و نظریات پیش کرتے ہیں تاکہ آنے والی گفتگو میں آسانی پیدا ہو سکے۔

عشق: عشق کا مفہوم بے خودی اور دیوانگی ہے اور یہ عشق اس اعلیٰ وارفع منزل تک رسائی کا وہ حسین ذریعہ اور زینہ ہے جس کو طے کر لینے کے بعد انسانی عروج و ارتقاء کے تمام تر مراحل ختم ہو جاتے ہیں، جدائی کے تمام فاصلے مٹ جاتے ہیں، لاعلمی اور لاشعوری کے سارے حجابات اٹھ جاتے ہیں، معرفت الٰہی کے تمام تر دروازے اور شعور وادراک کے تمام تر باب وا ہو جاتے ہیں، پھر ''عبد'' عالم شہادت و عالم اسفل میں رہ کر بھی ہر گھڑی اپنے معبود حقیقی کے جلوؤں میں گم ہو کر تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ فرش زمین پر رہ کر عرش بریں اور لا مکاں کی سرحدوں سے گزرتا ہوا طبقات زمین کے تمام عجائبات اور ساتوں آسمانوں کے تمام تر غرائبات اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

کسی نے کہا ''عشق دل کی بے چینیوں، قلب کی بے

قراریوں اور جگر کے کرب واضطراب کا نام ہے۔ایک عاشق کے قلب ناز پر اپنے معشوق کے عشق میں سوزش وجلن کی جو چنگاریاں انگڑائیاں لیتی ہیں دل کی انہیں مضطرب کیفیات کا نام عشق ہے"

کسی نے کہا "عشق نام ہے درد دل کی دوا کا۔ جو شئے دل میں پیدا ہونے والے درد کو ختم کردے۔جس سے قلب کی بے چینیاں جاتی رہیں۔جس سے جگر کا کرب واضطراب زائل ہوجائے دل کی اسی مرض کا نام عشق ہے"

کسی نے کہا "عشق ایک شعلہ ہے، عشق ایک آگ ہے، عشق ایک ایسی چنگاری ہے جو از خود بھڑکتی ہے، یہ وہ قدرتی عطیہ اور فیض ربانی ہے جو اچانک مل جاتی ہے، یہ وہ روشن آگ ہے اور درخشاں شعلہ ہے جو نہ کسی کے جلائے جلتا ہے نہ بجھائے بجھتا ہے"

کسی نے کہا "عشق وہ سیل رواں ہے جس کے سامنے بڑی سے بڑی قوت بھی نہیں ٹھہر سکتی۔اس کی شدت تپش سے وہ کارنامے انجام پذیر ہوتے ہیں کہ عقل انسانی حیران ودنگ رہ جاتی ہے، یہ ایک فطری جذبہ ہے جو عطیہ الٰہی ہے اور ہمیشہ بلندی کی راہ دکھاتی ہے۔اسی کے دم سے باغ عالم میں بہار ،دنیائے ثبات میں رنگینی اور جسمانی حیات میں حرارت و سرگرمی ہے"

کسی نے کہا "عشق نام ہے ایک تلخ حقیقت کا، عشق نام ہے ایک لطیف درد کا، عشق نام ہے ایک شیریں زہر کا! جسے ہر کس وناکس نوش نہیں کرسکتا۔یہ دشوار گزار حالات اور نا مساعد وقت میں دل مضطر کا قرار وسکون بھی ہے اور ایک ٹھہرے ہوئے سمندر کی طرح پر سکون وجود کے لئے طوفان بھی ہے، جو وجود کو جھنجوڑ کر سراپا اضطراب انتشار بنا دیتا ہے لیکن اس انتشار واضطراب میں بھی ایک قدرتی لطف ہوتا ہے جو عاشق کو گردش لیل ونہار سے بے خبر رکھتا ہے اور وہ تصور جاناں میں وصال معشوق کی لذّتیں محسوس کرتا ہے۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ ایک عاشق صادق کو اپنے معشوق کے عشق میں فنا ہوجانے کے بعد ہی بقا نصیب ہوتی ہے، اس کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے پھر اس کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے اور اب اس کی حیات اس حد تک روشن ومنور، درخشندہ وتابندہ ہو جاتی ہے اور زیور ثبات و استقلال سے اس طرح آراستہ وپیراستہ ہو جاتی ہے کہ شمس وقمر کی روشنیاں اس کے سامنے مدھم ہو جاتی ہیں، انجم وکہکشاں شرم وحیا سے سر جھکا لیتے ہیں اور وہ بقائے دائمی اور حیات جاودانی سے اس طرح نواز دیا جاتا ہے کہ ساری دنیا اس کے در سے حیات کی بھیک مانگتی ہوئی نظر آتی ہے، بڑے بڑے شاہان زمانہ اور سلاطین وقت کی گردنیں اس کی چوکھٹ پہ خم ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اور اگر اس عشق کو اس ذات ہمہ آیات سے نسبت ہو جو خود وجہ وجود کائنات ہو تو پھر اس آتش سوزاں اور قوت بیکراں کی شدت کا عالم کیا ہوگا جبھی تو عاشق مصطفیٰ امام احمد رضا اس درد لطیف سے لطف اندوز ہوتے ہوئے یوں نغمہ کناں ہیں۔ ؎

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

اب عشق کے مختصر تعارف کے بعد ہم اپنے اصل موضوع

کی طرف لوٹتے ہیں، ہمیں اس مضمون میں ''عشق مجسم'' یعنی ایک عاشق رسول کے عشق کا چرچہ کرنا مقصود ہے، وہ عاشق رسول جس نے عشق رسول کے انمول ہیرے کو حرز جاں بنا رکھا ہے، جس نے اپنے وجود کو عشق رسالت کا سراپا معجزہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا، جس کی ہر ادا ادائے مصطفیٰ کی مظہر ہے، جس کا ہر فعل رنگ مصطفیٰ سے آہنگ ہے، جس کا ہر قول فصاحت مصطفیٰ سے معمور ہے، جس کی ہر تحریر عشق مصطفیٰ سے لبریز ہے، جس کی ہر تقریر تاثیر مصطفیٰ سے سرشار ہے، جس کی تدبیر مصطفیٰ کا عرفان ہے، جس کی تفسیر (ترجمہ) کنز الایمان ہے، جو امام عشق و الفت ہے، جو مجدد دین وملّت ہے، جو عشق نبوی کا در مکنون ہے، جو اہل دل اہل نظر کا سکون ہے، جو قاسم عشق رسول مقبول ہے، جو مقبول بارگاہ رسول ہے، جو الفت مصطفیٰ کا منیارۂ نور ہے اور جو ان کا باغی ہے وہ جنّت سے دور ہے، کیوں کہ یہ بارگاہ رسول کا مزدور ہے، اس کے عشق کا چیچہ دور دور ہے، اس میں جذبہ حب رسول بھرپور ہے، اس کا دل مصطفیٰ کا طور ہے، اس کا سینہ رسول کا مدینہ ہے، عشق رسول جس کا خزینہ ہے، توکل علی اللہ جس کا سفینہ ہے، منزل جس کی مدینہ ہے، یہ اسی کی داستان عشق ہے جو اہل سنّت کا محسن عظیم ہے۔

اس مقام پر اگر عشق رسول کی اہمیت وحیثیت کی توضیح قرآن وحدیث سے ہو جائے تو یقیناً موضوع کو تقویت حاصل ہوگی اور عشق رسالت کی شرعی حیثیت کا تعین بھی کیا جا سکے گا پھر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ عشق رسول ''خدا کی سنت ہے پھر کیوں نہ ہمارے قلب وجگر ان کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہوں اور کیوں نہ ہماری روحیں اس کی محبت سے سرشار ہوں جو خود خدا کا معشوق ٹھہرا۔

عشق رسول قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قران مقدس میں عشق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر زور دیا اور حضور کی محبت کو زیادہ اہمیت دی ہے کہ وہ شخص خدائے لم یزل سے محبت کے دعویٰ میں قطعی سچا نہیں، اگر وہ حضور کی اتباع نہیں کرتا اور جو حضور کی پیروی میں پختہ کار ہے وہ خدا کا محبوب ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔اے میر محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو پھر اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔''[سورۂ آل عمران، پارہ ۳/آیت ۳۱]

خداوند قدوس نے اسلام کے پیروکاروں کو احترام رسول پاک کی بھی تلقین فرمائی ہے: یاایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق النبی ولا تجھر و والہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔اے ایمان والوں !اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو، جیسے آپس میں چلاتے ہو کہ کہیں عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔'' [پارہ ۲۶/آیت ۱-۲/سورۂ حجرات]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے محبوب کا فیصلہ صدق دل سے ماننے والے ہی مسلمان ہیں اور جو میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیصلہ نہ مانیں وہ مسلمان کہلانے کے حقدار نہیں: فلا وربکا لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یوجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔'' تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے

جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فرما دو اپنے دلوں میں اسے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔''

[پارہ ۵ آیت ۶۵ سورہ نساء]

اور جو مومن ہیں وہ اللہ اور اس کے فرشتوں کی تقلید میں اور خدا کے حکم کی تعمیل میں اپنے آقا و مولیٰ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ پر صلاۃ وسلام کے گلہائے عقیدت اور عشق ومحبت کے ہار و پھول نچھاور کریں: ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلمو تسلیما۔ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والوں ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔''

[پارہ ۲۲/آیت ۵۶/سورۂ احزاب]

خداوند قدوس کو اپنے محبوب ﷺ سے اتنی محبت ہے کہ محبوب کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا: ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔'' [پارہ ۹/آیت ۱۲/سورۂ انفال]

پھر ارشاد فرمایا کہ اے محبوب جو لوگ تمہارے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں وہ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں: ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ، ید اللہ فوق ایدھم۔ وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔'' [پارہ آیت]

خداوند کریم نے فرمایا کہ جو بندے حضور کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں وہ اپنے دعوئ اسلام میں قطعی سچے ہیں: النبی اولی بالمؤمنین ان انفسھم۔ نبی کریم مسلمانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔''

[پارہ ۲۱ آیت ۶ سورہ احزاب]

مزید آیات قرآنیہ ہیں جن سے وندکریم کی مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سے غایت درجہ الفت ومحبت کا پتہ چلتا ہے نیز ''عشق رسول'' جو جزء ایمان ہے اس عقیدہ پر بھی مدلل ومفصل روشنی پڑتی ہے، یہ بھی خداوند قدوس کے رسول کریم ﷺ سے عشق ومحبت کی نشانی اور بیّن ثبوت ہے کہ دیگر تمام انبیائے کرام اپنے اپنے ناموں سے قرآن مقدس میں یاد کئے گئے، مگر آقائے دو جہاں رشک قدسیاں ﷺ کو اللہ جلّ شانہ نے کسی بھی مقام پر آپ کے نام سے نہیں یاد فرمایا بلکہ کہیں ''رسول'' کہیں ''نبی'' کہہ کر یاد فرمایا تو کہیں ''مزمل'' کہیں ''مدثر'' فرمایا اور کہیں آپ کے جمال جہاں آرا اور آپ کی عمر عزیز کی قسمیں یاد فرمائی ہے۔

عشق رسول احادیث کی روشنی میں

عشق رسول ہی وہ جوہر قابل ہے جو مومن کے سینے کو عرش الٰہی اور فرش مدینہ بناتا ہے، عشق رسالت وہ ناقبل تسخیر قوت ہے جو قرن اولیٰ کے مسلمانوں کو پتھریلی چٹان بنا کر طوفان باطل کے روبرو کھڑا کر دیا، عشق رسالت ہی وہ حسین ذریعہ ہے جو انسانیت کو معراج وعرفان کی سروری تفاخر عطا کرتا ہے، مصطفیٰ جان رحمت کا فرمان ہے:

''لا یؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور اس کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' [بخاری شریف، جلد اوّل، ص ۷]

وسیلۂ مصطفیٰ ﷺ کے بغیر وصال خدا کا کوئی دوسرا زینہ ہی نہیں، حضور کی رسالت وخاتمیت کو تسلیم کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح خدا کی وحدانیت وخالقیت و مالکیت پر ایمان لازمی ہے، صرف لا الہ الا اللہ پڑھنے سے تکمیل ایمان ممکن نہیں کیوں کہ محمد رسول اللہ کلمہ توحید کا جزء لازم ہے۔ بارگاہ ایزدی میں رسائی کا تصور مشعل عشق مصطفیٰ کے بغیر ایک موہوم تصور ہے۔

عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:
''قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من شھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ حرّم اللہ النار رواہ مسلم۔ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ حرام کردے گا۔''

[مشکوٰۃ شریف جلد اوّل]

اور ایمان کی نکہت وبرکت سے وہی لطف اندوز ہوتا ہے جس کے قلب وجگر میں اللہ اور اس کے رسول کے عشق والفت کی حرارت ہو اور ایمان کی لذّت وحلاوت اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کا سینہ محبت رسول کا گنجینہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:
''عن النبی ﷺ قال ثلٰث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لایحبہ الا اللہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی لذّت پائے گا، اللہ اور اس کے رسول تمام ما سواس زیادہ پیارے ہوں، جو بندے سے صرف اللہ کے لئے محبّت کرے، جو کفر میں لوٹ جانا (جب کہ رب نے اسے بچا لیا) ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالا جانا۔''

[بخاری شریف، جلد اوّل]

یہاں پیار سے مراد طبعی محبت ہے نہ کہ صرف عقلی کیوں کہ ماں باپ کو اولاد سے طبعی محبت ہوتی ہے یہی الفت و محبت حضور کے لئے زیادہ ہونی چاہئے اور جو مومن ہوگا اس کو حضور جان و مال اور اولاد سے زیادہ پیارے ہوں گے، قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنے مرتد ماں باپ کو حضور کی محبت پر قربان کردیا کہ ''مسلم ایمان'' مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے عشق ومحبت میں سب کچھ قربان کردینے کا نام ہے۔

معلوم ہوا عشق رسالت کے بغیر مسلمان نہ مسلمان ہے اور نہ ہی انسان کو اس کے بغیر ایمان وعرفان کی لازوال دولت نصیب ہوسکتی ہے جس کے دل میں عشق رسول کا فقدان ہو، مغلوبیت وشرمساری، ذلت وخواری اس کا مقدر بن جاتی ہے اور اگر دل میں عشق رسول کا سمندر موجزن ہو جگر کے نہاں خانے میں شمع الفت کی برق بار قلندیلیں ضیاریز ہوں تو ایک بندۂ حقیر بھی وہ کارنامہ انجام دے دیتا ہے جسے دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ ع

عقل تھی محو تماشائے لب بام ابھی

اب ان شواہدات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں کرشمۂ عشق رسالت کی ایک ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

عشق رسول ہی فتح وظفر کا ضامن

تاریخ شاہد ہے کہ ملک عرب کے ایک چھوٹے سے خطے کے مٹھی بھر فاقہ کش مسلمان مئے عشق رسول سے سرشار ہوکر دیکھتے ہی دیکھتے افق عالم پر چھاتے چلے گئے اور دنیا حیرت واستعجاب کی تصویر بنی دیکھتی رہ گئی، پرچم اسلام افلاک کی بلندیوں پر اپنی ملکوتی شان سے لہرانے لگا، زمین کی وسعتیں اس کے دامن کرم میں خوشگوار وشب وروز گزارنے لگیں، فضاؤں میں عشق و ایمان کی عطر بیز خوشبو پھیل گئی، خلاؤں میں توحید ورسالت کے نغموں کی بازگشت سنائی دینے لگی، ہر سینے میں عشق رسول کا دریا، ہر دل میں عشق مصطفیٰ کا سمندر موجزن تھا، جوان کی فتح وظفر کا ضامن تھا، لیکن دنیا والے ان کے محیر العقول اور حیرت انگیز کارنامے دیکھ کر انھیں کسی دوسری مخلوق سے تعبیر کرنے لگے تھے اور ان کا یہ تحیر بجا بھی تھا کیوں کہ عشق رسالت نے ایسے ایسے فولادی کارنامے ان فاقہ کش مسلمانوں سے انجام دلوائے جو یقیناً عقل انسانی کے تصورات سے بالاتر تھے، اب اسلام کی روشنی فرش کی وسعتوں سے لے کر عرش کی بلندیوں کو چھورہی تھی، مگر اسلام کا یہ عالم گیر اور عظیم الشان انقلاب دشمنان اسلام کی آنکھوں میں مثل خار چبھنے لگا، ان دریدہ ذہنوں نے یہ کوشش شروع کردی کہ اسلام صفحۂ ہستی ہی سے مٹادیا جائے، دشمنوں نے سارا زور لگادیا، بڑی جدّ وجہد کی اور نت نئی ترکیب نکالیں مگر دشمنان اسلام کی ایک بھی مفسدانہ ترکیب اور کوئی بھی ملحدانہ تحریک کار گر نہ ثابت ہوئی، لاکھوں لاؤلشکر اور بے شمار آلات حرب و ضرب کے باوجود دشمنوں کی دنیا سمٹتی چلی گئی اور ان مٹھی بھر مسلمانوں نے قیصر وکسریٰ کے تخت وتاج کو پل بھر میں تاراج کرکے اپنے قدموں تلے روندڈالا اور یہ ثابت کردیا کہ فتح وظفر کی ضامن مادّی قوتیں نہیں بلکہ عشق وایمان کی دولت ہے۔

ایک مرتبہ کسریٰ کا ایک سفیر مدینہ منورہ آیا کہ پتہ لگایا جائے کہ مسلمان کے اندر کون سا ایسا جوہر ہے جو انہیں ذلّت و شکست سے دوچار نہیں ہونے دیتا، سفیر جب مدینہ منورمیں داخل ہواتو اس نے دیکھا کہ سرکار دوعالم وضوفرمارہے ہیں اور صحابۂ اکرام نے آپ کے گرد وارفتگی و دیوانگی کا ایک حسین حصار بنا رکھا ہے اور جب اس کی آنکھوں نے یہ منظر دیکھا تو پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، پلک جھپکنا تک بھول گئی تھیں کہ سرکار کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی دیوانے زمین پر گرنے نہیں دیتے، حتی کے ایک دوسرے پر حصول تبرک کے خاطر سبقت کررہے ہیں، پھر وہ حیرت کے اتھاہ سمندر میں غرق ہوگیا جب مزید یہ دیکھا کہ صحابۂ کرام سرکار کے وضو کے پانی کو کبھی آنکھوں سے لگارہے ہیں تو کبھی سر پر تو کبھی چہرے پر مل رہے ہیں، سفیر نے وہیں سے کسریٰ واپس لوٹ کر یہ بیان دیا کہ جس شخص کے متبعین کے اندر اس کے عشق کا اس قدر غلبہ ہو کہ وہ اپنے آقا کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے دینا گوارہ نہیں کرتے تو پھر ان کے جسم انور کے خون کے قطرات کو گرنے دینا کیسے گوارہ کرسکتے ہیں، ایسی قوم پر نہ غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ انہیں تباہ وبرباد کیا جاسکتا ہے۔

یہی عشق کی انتہا ہے جو مسلمانوں کے اندر میدان جنگ

میں نیا جوش اور نئی امنگ پیدا کرتی ہے تبھی تو مسلمان اپنے رسول کی محبت میں اپنا سر کٹانے اور مر مٹنے کو بازیچۂ اطفال تصور کرتا ہے اور جس کی رہنمائی کے سہارے دشمنوں کی تلواروں کی چمک میں اسے جنت کی مہک محسوس ہوتی ہے اور وہ مسکراتا ہوا راہ تسلیم و رضا میں خون جگر سے وضو کر کے سجدۂ محبت ادا کیا کرتا ہے۔

کفار و مشرکین اور عیسائیوں نے بارہا اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ''عشق رسول'' ہی مسلمانوں کے جوش و خروش اور فولادی قوت کا اہم محرک ہے، یوروپ کی ایک میٹنگ میں مسلمانوں کے جذبۂ جہاد اور جوش ایمانی کے متعلق کسی نے کہا ''یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب ایک بادشاہ مرجاتا ہے تو لوگ اسے چند دنوں میں فراموش کر دیتے ہیں پھر رفتہ رفتہ اس ملک کی تہذیب بھی دم توڑ دیتی ہے اور تجربات شاہد ہیں کہ پھر وہ مردہ تہذیب دوبارہ زندہ نہیں ہو پاتی، مثلاً روم کی روما تہذیب اور ایران کی وسطی تہذیب ختم ہوئی پھر دوبارہ سر نہ اٹھا سکی، مگر کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب اور ان کا جوش و جذبہ کبھی زوال پذیر نہیں ہوتا تو سارے عیسائی بادشاہوں نے اس بات سے اتفاق رائے کیا کہ اس کا واحد سبب مسلمانوں کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔''

یہی عشق رسول ہے جو مسلمانوں کی خداداد صلاحیتوں کو مزید نکھارتا ہوا مائل بہ پرواز رکھتا ہے، مسلمان اسپین کے گوشے گوشے میں چھا چکے تھے اور اپنی عبقریت و صداقت کا لوہا منوا رہے تھے، مسلمان اسپین کے چھوٹے بڑے شہروں کے حاکم بنے نہایت عیش و عشرت سے حکومت کرتے رہے، یہاں تک کہ عیسائیوں کا ایک مشہور بادشاہ جارج فردینڈ کا گزر غرناطہ کے ایک چوراہے سے ہوا جہاں کھڑا ایک شخص حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گالیاں بک رہا تھا اور مسلمان اسی راستہ سے گزر رہے تھے مگر کسی کے کانوں کے پر جوں تک نہیں رینگی، جب جارج نے یہ تحیر انگیز منظر دیکھا تو فوراً دوڑتا ہوا پادریوں کے سامنے آیا، جہاں دیگر عیسائی بادشاہ بھی موجود تھے، جارج نے کہنا شروع کیا: اب ہم اسپین سے مسلمانوں کا خاتمہ بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں، عیسائیوں نے کہا تم یہ کیا انہونی اور لایعنی باتیں کر رہے ہو، مسلمانوں کا خاتمہ کرنا کوئی اتنا آسان کام نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ یہ مٹھی بھر نہتے مسلمان قیصر و کسریٰ کے بھی چھکے چھڑا چکے ہیں پھر ماوشما کس گنتی میں ہیں؟ مگر جارج نے بڑے وثوق اور یقین کے ساتھ جواب دیا کہ اب یہ کوئی مشکل مرحلہ نہیں رہا بلکہ اب آسان سے آسان تر ہو گیا ہے کیوں کہ مسلمان اب اپنے رسول کی شان میں گالیاں سن کر خاموش رہنے کا عادی بن چکا ہے اور اب اس کے اندر عشق رسول کی ذرّہ برابر بھی رمق باقی نہیں رہی، ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کو سب کچھ گوارہ تھا لیکن بانیٔ اسلام کی توہین اس کے لئے ناقابل برداشت تھی اور وہ کسی کی زبان سے اپنے رسول کے سلسلہ میں توہین آمیز جملے سن کر آپے سے باہر ہو جاتا تھا مگر اب وہ بات مسلمانوں کے اندر نہیں رہی جیسا کہ میں نے ابھی کچھ دیر پہلے غرناطہ کے چوراہے پر دیکھا اور سنا ہے۔

لہٰذا اب ہم بڑی آسانی سے مسلمانوں کو نیست و نابود کر سکتے ہیں اور صلیب کا بول بالا کر سکتے ہیں، جب مسلمان

ناموس رسول کی حفاظت نہیں کرسکتا تو پھر وہ قوم وملت کے تحفظ کا بیڑا کیسے اٹھا سکتا ہے اور ہوا بھی یہی کہ عیسائیوں نے اسپین پر دھاوا بول دیا اور مسلمانوں کو گوناگوں ظلم واستبداد کا شکار ہوکر پسپا ہونا پڑا پھر جہاں اسلام کا ہرا بھرا چمن آباد تھا، وہاں عیسائیوں اور صلیبیوں کی ناپاک حکومت آباد ہوگئی۔مخالفین اسلام کا یہ جان لینا کہ مسلمانوں کے اندر عشق رسول کی ذرہ برابر بھی رمق باقی نہیں پھر ان پر دھاوا بول کر غالب وکامیاب ہوجانا اس بات پر دال ہے کہ جب تک مسلمانوں کی رگوں میں عشق رسول کارفرما ہوگا دنیا کی کوئی بھی قوت اسے زیر نہیں کرسکتی۔

ہماری رگوں میں عشق رسول کی کارفرمائی ہی فتح وظفر مندی ہے جیسا کہ درج ذیل بالا واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب تک مسلمانوں کے سینے میں عشق رسول کا سمندر موجزن رہا اس وقت تک وہ باطل قوتوں کے لئے مثل چٹان بنے رہے اور ان سے ٹکرانے والی ہر طاقت چور چور ہوکر بکھر گئی لیکن جب ان چٹانوں سے ٹکرا جانے والوں کا سینہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خالی ہونے لگا تو چیونٹیوں کی طرح کچلے جانے لگے۔

محبوب کی مدح سرائی

عاشق کو اپنے معشوق کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین جادے اختیار کرنا پڑتے ہیں، **اوّل** براہ راست محبوب کی مدح سرائی، **دوم** محبوب کے محبوبوں کی تعظیم وتوقیر، **سوم** محبوب کے دشمنوں سے نفرت وعداوت! جب تک عاشق ان تینوں شرائط کا سختی سے پابند وکاربند نہیں ہوجاتا قرب معشوق اور لقائے محبوب ایک موہوم تصور ہے، عشق ومحبت کے خطبے پڑھنا تو آسان ہے مگر عاشق کو اپنے معشوق کی تمام تر ناز برداریوں کے ساتھ راہ الفت کی پرخار وادیوں کو اپنے قدموں تلے روندتے ہوئے محبوب کی دہلیز پر جبین ناز کو خم کردینا دشوار گزار اور ایک نازک موڑ ہے، غم فرقت اور لذت آشنائی میں کروٹیں بدلنا، عشق کے سوز وگداز میں مثل موم پگھلنا، درد الفت میں اٹھنے والی ٹیس اور فرقت وجدائی کی بے قراری و اضطرابی میں تڑپنا، یا رسول اللہ اور مصطفیٰ جان رحمت کی صدائیں بلند کرنا اگرچہ آسان وسہل ہے مگر لقائے رسول اعظم اور وصال فخر آدم و بنی آدم علیہ السلام ایک نہایت ہی مشکل امر ہے اور یہی عاشق صادق کی معراج ہوتی ہے جو بڑے ناز کے پالوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

ملاحظہ فرمائے اعلیٰ حضرت اپنے معشوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا وخوشنودی کے لئے شمع عشق رسالت بن کر کیسے جل رہے ہیں، فراق یار میں مرغ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر آرزوئے دید میں کیسے مچل رہے ہیں، یاد محبوب میں آنسوؤں کے موتی صفحۂ قرطاس پر کیسے بکھیر رہے ہیں، یوں تو شفیع امم، صاحب وجود و کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق والفت کا جذبہ ہر مومن کے لئے سرمایۂ افتخار اور اثاثہ زیست ہے کیونکہ نبی ناز رحمت سے عشق ومحبت اور ان کے آداب واحترام خود قرآن سکھاتا ہے، ان آداب کو اصول زندگی قرار دینے کے بعد قلب پر یہ مفہوم واضح ہوجاتا کہ ''الدین کلہ ادب'' اور انہیں اصول حیات سے عشق رسول مقبول کا لطیف درد نصیب ہوتا ہے، المختصر عشق فلسفۂ حیات کی اساس ہے، لیکن شاید قدرت نے اس عاشق صادق یعنی اعلیٰ حضرت کی خمیر ہی میں عشق رسالت کا عنصر کوٹ کوٹ کر بھر

دیا تھا اور آپ کا یہ عشق بھی جمال محمدی کا مرہون منت ہے، آپ خود فرماتے ہیں: الآلا ایمان لمن لامحبۃ لہ، اور آپ کے اس دعوے کی تصدیق وجہ وجود کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بنفس نفیس فرما رہ ہیں: لایؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ تم میں سے اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔

اب اس حدیث پاک کے تناظر میں ملاحظہ فرمایئے اعلیٰ حضرت کا عشق رسالت کے سوز و گداز میں دوبا ہوا، عطر الفت سے مہکتا ہوا، دل نشین کلام جسے اس عاشق رسول، اس عشق مجسم نے یاد محبوب میں آنسوؤں کی لڑی اور خون جگر کے گلاب سے پیرویا ہے، یہ اشعار نہیں بلکہ ایک عاشق صادق کے فرقت معشوق میں لاحق ہونے والے کرب و اضطراب کی تصویر ہے جس کے لطیف درد کو اگر دردمند دل ہو تو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

کلام الامام اور عشق خیر الانام

اس سے پہلے کہ آپ کلام الامام کی خمار آگیں کیف و مستی میں وجد کریں، نعتیہ شاعری کے متعلق چند باتیں ذہن نشیں کرلیں تاکہ نعتیہ شاعری کے نوک و پلک اور اس کے پیچ و خم سے واقفیت حاصل ہوسکے۔

اردو نعت گوئی کا فن اتنا ہی پرانہ ہے جتنا کہ خود اردو شاعری، شاعری اگر چہ آسان ہے مگر نعت گوئی قطعی آسان نہیں، دراصل نعتیہ اشعار کہنا پل صراط سے گزرنا ہے، نعت گوئی کے وقت شاعر کو ایسے ہی دشوار گزار مراحل در پیش ہوتے ہیں جیسے پل صراط سے گزرتے وقت دشواریوں اور مشکلوں کا سامنا ہوگا، جس طرح پل صراط سے گزرنے والے کی ایک ہلکی سی لغزش بھی اسے نذر نار کرسکتی ہے، اسی طرح نعت گوئی میں حد سے بال برابر بھی تجاوز و تقاصر اور ادنی سی لغزش بھی کفر کے غار عمیق میں ڈھکیل سکتی ہے۔

شاعری ایک ایسا میدان ہے جہاں بے اختیار ادب و احتیاط کا دامن ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے اور شاعری میں بھی نعت گوئی کی صنف تو ایک ایسی مشکل صنف سخن ہے جس میں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے یہاں ایک طرف محبت ہوتی ہے تو دوسری طرف شریعت! قول شاعر ؎

کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
ایک طرف محبت ہوتی ہے ایک طرف شریعت ہوتی ہے

لیکن یہ کیفیت حقیقت میں صرف روضۂ رسول پر حاضری کے وقت ہی طاری نہیں بلکہ نعت کہتے وقت بھی شاعر کو اس امتحان و آزمائش سے دو چار ہونا پڑتا ہے، یہاں بھی ایک جانب محبت ہوتی ہے تو دوسری جانب شریعت! اگر صرف شریعت ہی کو ملحوظ رکھا جائے تو شعر شعر نہ رہے بلکہ وعظ و تقریر بن جائے اور اگر صرف محبت ہی کے تقاضے پورے کئے جائیں تو ایک ایک حرف شریعت کی جراحت کا مجرم قرار پائے۔ عرفی شیرازی اس نازک موڑ پر یوں بیان کرتے ہیں۔ ؎

عرفی مشتاب ایں رہ نیست است نہ صحرا
آہستہ کہ راہ ہر دم تیغ است قدم را

عرفی تیز تیز قدم نہ اٹھا، یہ نعت کا میدان ہے صحرا نہیں،

آہستہ آہستہ قدم اٹھا کہ تو ہر قدم تلوار کی دھار پہ رکھ رہا ہے۔

جہاں تک کلام میں سوز وگداز، وجد آفرینی اور تاثیری کشش کا تعلق ہے تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ شاعر اور محور شاعری کے ربط وضبط میں جس قدر صداقت ہوگی یا یوں کہوں کہ عاشق کو اپنے معشوق سے عشق میں جس قدر شدت وصداقت ہوگی، اظہار عشق اور بیان عقیدت کے طور پر اس کے احساس و جذبات میں اسی کا رنگ و بو اور اسی کا عکس ہوگا اور یہی امام عشق ومحبت کا اپنا امتیازی تیور ہے، چنانچہ آپ کے عشق کی گہرائیوں کا اندازہ اس فرمان سے لگایا جا سکتا ہے ''اگر میرے جگر کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو ایک پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہوگا۔ [الملفوظ، حصہ سوم، ص ۶۷]

اب تک عاشقی کے باب میں لیلیٰ مجنوں کے ہی عشق کو سچے عاشق اور مثالی عشق کے طور پر پیش کیا جاتا رہا اور عشق کے انتہائی درجہ میں اسی کی مثال دی جاتی رہی کہ مجنوں نے لیلیٰ سے اپنے عشق کی صداقت میں اپنے جسم کا گوش پیش کر دیا تھا مگر اب عشق صادق کی انتہا وہ نہیں بلکہ اب عشق صادق کی انتہا یہ ہے کہ عاشق اپنے معشوق سے عشق کی صداقت میں اپنا جگر پیش کر کے کہے کہ اگر میرے جگر کے دو ٹکڑے کر کے دیکھو تو اس کے اندر بھی میرے معشوق کا نام لکھا ہوگا۔ کیوں کہ عشق کی انتہا معشوق کے عشق میں عاشق کا فنا ہو جانا ہے اور یہ اسی وقت ثابت ہوگا جب عاشق کے قول وعمل سے اس کی ذات کی نفی ہوتی ہو، لیلیٰ سے عشق کی صداقت میں مجنوں کے اپنے جسم کے دو چار ٹکڑے پیش کر دینے سے اس کی ذات فنا نہیں ہو سکتی مگر عشق مجسم اعلیٰ حضرت کے اپنے معشوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کی صداقت میں اپنا جگر پیش کر دینے سے ان کی ذات فنا ہو سکتی ہے، کیوں کہ انسانی جسم سے گوشت کے دو چار ٹکڑے نکل جانے سے حیات متاثر نہیں ہوتی، مگر کسی انسان کے جسم سے اگر جگر ہی نکل جائے یا اس کے ٹکڑے ہو جائیں تو حیات صرف متاثر ہی نہیں بلکہ حیات ممات میں بدل جاتی ہے اور یہی فنا ہے جس کے بعد بقائے دائمی نصیب ہوتی ہے، امام عشق والفت نے اپنے معشوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی صداقت میں اپنا جگر پیش کر کے عاشقی کے باب میں ایک نئے اور مثالی عشق کا اضافہ کیا ہے، اب عشق صادق کی انتہا کی مثال یہ نہیں دی جائے گی کہ عاشق اپنے معشوق کے عشق میں اپنے جسم کا گوشت پیش کر دے بلکہ اب مثال یہ دی جائے گی کہ عاشق اپنے معشوق کے عشق میں اپنا جگر پیش کر دے کہ اگر میرے جگر کے دو ٹکڑے کر دو تو ایک ٹکڑے پر اگر اللہ کا نام لکھا ہوگا تو دوسرے ٹکڑ پر میرے محبوب کا۔

عشق رسول ایمان کا لازمی جز ہے اور یہی نعت گوئی کی اصل بنیاد ہے، عشق رسول نہ ہو تو انسان راکھ کا ڈھیر اور بے حس وحرکت لاش ہے، اگر عشق رسول صادق ہو تو نعتیہ شاعری معیار آدمیت کو فلک افلاک تک پہنچا دیتی ہے ''حدائق بخشش'' میں اعلیٰ حضرت نے مختلف رنگ و ڈھنگ سے اپنے احساسات وجذبات کا اظہار کیا ہے اور اس طو پر کیا ہے کہ بہت کم شعرا نے کیا ہوگا، قدم قدم پر محسوس یہ ہوتا ہے کہ شاعری کی پیاس اظہار تشنگی میں اسی طرح منھ کھولے العطش العطش پکار رہی ہے یہی عشق رسول ہاشمی کی کرشمہ سازی ہے۔

امام اہل سنت اپنے در دل کو عشق رسول کی دیوار پر تجدد

کے نفیس پیرائے میں مرتسم کرتے ہیں، آپ کا فکری شعور جذب کی بے ساختگی کو الفاظ کے پیکر دینے میں تتبع سے دو چار نہیں بلکہ الفاظ خود ہی آپ کی فکر کو اپنی آغوش میں لے کر اسے آفاقیت سے ہمکنار کر دیتے ہیں، فکر کی رعنائی، تخیل کی پروازی اور لفظ و معنی کی ہم آہنگی آپ کا خاص طرۂ امتیاز ہے جو آپ کے پورے دیوان میں جلوہ گر ہے، نعت گوئی میں آپ کا علمی کرّ وفر، فقہی بصیرت، اجتہادی صلاحیت، ذہنی فکر و ظرف اور زبان و بیان قدرت کا ملہ کا حامل ہے اور عشق رسول تو دھڑکن بن کر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا۔

یوں تو شاعری کے دو نہج ہمارے سامنے ہیں، ایک روایتی شاعری جو روایت اور عقیدت کے محور پر گردش کرتی ہے، دوسری حقیقی شاعری جو عشق و ایمان کے حرم کا طواف کرتی ہے، امام کی شاعری در اصل اسی عشق و ایمان کا ترجمہ ہے، آپ کی اس تاثیری شاعری کا احساس اردو ادب کے شعرا اور نقاد کو بھی ہے کہ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

یا یہ کہ

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

بادشاہوں کے کان قصیدوں اور عہدداروں کے کان استقبالیہ خطبوں کے ہمیشہ سے مشتاق رہے ہیں، الفاظ و احراف کئی بار عہددوں، تمغموں اور اشرفیوں کے میزان میں تولے جا چکے ہیں، ارباب علم و دانش کا دامن کئی بار تاجداروں کے دربار میں طمع آلود ہوا ہے اور شاہی درباروں میں قصیدہ خوانوں کا ایک ہجوم دوام رہا ہے لیکن ایسے افراد بہت کم نظر آتے ہیں جنہوں نے دانش نورانی سے پندار جہانبانی توڑا ہے۔

ہندوستان میں نان پارہ کے تاجدار کی تاجپوشی کی سالگرہ تھی، اس موقع پر شعرائے ہند کو بمعہ قصائد شریک تقریب ہونے کی دعوت دی گئی تھی، ایک نامہ اعلیٰ حضرت کو بھی ملا لیکن اعلیٰ حضرت کی غیرت عشق نے یہ گوارہ نہ کیا کہ ایک عاشق کا قلم اپنے معشوق کے علاوہ کسی اور کی شان میں قصیدہ خواں اور نغمہ سرا ہو، یہ غیرت عشق کے خلاف بلکہ توہین عشق ہے، چنانچہ والئی نان پارہ کی شان میں قصیدہ خوانی کے بجائے والئی دو جہاں ﷺ کی مدحت سرائی میں مچلتے ہوئے یوں نغمہ سرا ہوئے۔ ؎

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

مقطع میں وہ سخن گسترانہ بات کہی کہ والئی نان پارہ سرتھام کر رہ گیا، ''پارۂ ناں'' سے نان پارہ کی ترکیب ایسا شریں جام ہوگئی کہ اہل ذوق وشوق چاہے جتنا سنیں تشنگی شوق بدستور برقرار رہتی ہے۔ ؎

کیسی کشش ہے یاروں کلام الامام میں

محبوب کے قدموں پر احساس و جذبات اور عشق و عقیدت کے پھول نچھاور کرنا چاہا تو اعلیٰ حضرت نے دل کو یوں آواز دی ؎

آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضؔا
مشتاق طبع لذّت سوز جگر کی ہے

عشق رسول ہاشمی میں جب آپ کی وارفتگی شوق بڑھی تو کچھ نام نہاد مولویوں نے یہ الزام تراشی شروع کردی کہ رسول کو خدا سے بڑھا دیا تو حریم عشق میں ایک مثالی عاشق یوں تڑپ اٹھا۔ ؎

پت اپنی بیت میں کاسے کہوں
میرا کون ہے تیرے سوا جاناں
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا
موری نیا پار لگا جانا

اور جب جمال جہاں آرا کی رعنائیاں نگاہوں میں آئیں تو یوں اتراتے ہوئے بول پڑے۔ ؎

تو ہے خورشید رسالت پیارے، چھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیاء اور ہیں سب مہ پارے، تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

اور جب اس پر بھی تشنگی شوق اضطراب میں العطش العطش پکارتی رہی تو یوں کہنے لگے۔ ؎

جس کے تلووں کا دھوون ہے آب حیات
ہے وہ جان مسیحا ہمارا نبی

در جاناں پر جب سائلوں کی بھیڑ دیکھی اور دیکھا کہ سب کی جھولیا گوہر مراد سے لبریز ہیں تو آپ بھی کشکول تمنا لئے کھڑے ہو گئے۔ ؎

واہ کیا جود کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

جب دل بیقرار پائے ناز پر سجدۂ نیاز ادا کرنے کے لئے مچلنے لگا تو یوں عرض کی۔ ؎

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائیں کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائیں کیوں
سنگ در حضور ہے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

اور جب آپ مسکون قلب وجگر روضۂ معشوق کی زیارت سے لطف اندوز ہونے چلے تو تنہا ساری کائنات کو شریک سفر بنایا اس وقت جذبۂ دل چشمۂ سیال کی طرح امنڈنے لگا۔ ؎

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

پھر بھی جب اس عاشق صادق کے دل میں کوچۂ جاناں کی جلوہ سامانیوں کا شور نہ تھا تو اپنے اشتیاق اور قلبی واردات کو یوں معکوس کیا۔ ؎

آب زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ جود شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ
قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

اور جب اس وفا شعار عاشق صادق کے معشوق صادق سے وارفتگی شوق کا اضطراب بڑھا تو فرقت معشوق کے سوز گداز سے خرمن ہستی میں آتس عشق کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ ؎

تو نے تو کر دیا طبیب آتش سینہ کا علاج
آج کے درد آہ میں بوئے کباب آئی کیوں

جب داغ دل مہر نیم روز کی طرح چمک اٹھا تو اس کی شعاعوں کو یاقوت ومرجان سے بھی زیادہ قیمتی سمجھنے لگے اور

دردالفت پہ اتراتے ہوئے یوں پکارا ٹھے

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فروں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

اور جب ذکر معشوق کی تڑپ میں آنسوؤں کی بارش ہوئی تو خون جگر بھی موج سیال میں شامل ہوگیا۔ ؎

دل کھول کے خوں رولے غم عارض شہ میں
نکلے تو کہیں حسرت خوں نا بہ شدن پھول

اس عاشق مصطفیٰ کے وجد وشوق اور ذوق فدائیت کا یہ عالم ہے کہ جس دل میں رسول ہاشمی کا سودا نہ سمایا ہو اور جو دل ان کی یادوں کی دھڑکن سے خالی ہو آپ کی نظر میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ ؎

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

اور جب دیار معشوق کی بھینی بھینی خوشبو آپ کے مسام جاں کو معطر کر دیتی ہے پھر تصور میں دل وجاں کو بھی کوئے محبوب کی طرف کشاں کشاں مائل پرواز دیکھتے ہیں تو اپنے آپ کو یوں جھنجھوڑتے ہیں۔ ؎

جان و دل ہوش وخرد سب تو مدینہ پہونچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

واللہ اس جذب ومستی، سرشاری و وارفتگی پر تو سارا عالم ہی نہیں کروڑوں جہاں قربان ہو جائیں، کتنا والہانہ انداز، ایمان افروز دیوانگی، یہ شیفتگی، نیاز کشی اور ذوق فدائیت واللہ کیا کہنا۔ ؎

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضاؔ
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامن عالی ہاتھ میں

بارگاہ رسالت مآب میں آپ کا ہر زخم جگر نمک دان ہونے کی فریاد کرتا ہے اور آپ نالہ وشیون کے بجائے صبر وشکیب کا دامن تھامے یوں اس دولت عشق پر ناز فرماتے رہے۔ ؎

دل بستہ بیقرار، جگر چاک، اشک بار
غنچہ ہوں گل ہوں، برق تپاں ہو سحاب ہوں

اور نبض حیات دو بنے کے بعد بھی آپ نے اپنے نگار خانۂ دل میں ایسی درخشندہ وتابندہ شمع فروزاں کر رکھی ہے کہ اس معراج عشق پر کونین کی ساری عظمتیں قربان۔ ؎

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

اور آپ کے دیوانگی دل کی آخری تمنا بھی تو دیکھئے کتنی حسین اور قابل صدرشک ہے۔ ؎

یا الٰہی جب رضاؔ خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

شوق وشعور سخن کی دلنوازی اور حدت وندرت ہی میں گم تھا، روحانی سرخوشی کی ایک جوئے حیات افزا تھی جو بہہ رہی تھی، عشق وعرفان کا ایک جلوہ تھا جو نقش تابندہ بن کر پردۂ ذہن پر مرتسم ہو رہا تھا، کیف ومستی میں عرض ونیاز، سرشاری و سپردگی، الفت وعقیدت کا ایک نغمہ تھا کہ بلند ہوا۔ ؎

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

ڈاکٹر نسیم قریشی لاکھوں سلام کا یہ ترانہ محبت سن کر وجد میں

لکھتے ہیں:

''طبیعت بے اختیار وجد کر اٹھی، ذہن کے پردے بہار ابد کی جانفزا ہواؤں کے لئے کھل گئے، وجود کا ذرہ ذرہ سحاب سرمدی کی سرشاریوں میں ڈوب گیا، کیا نغمہ، کیا نظم، کیا والہانہ سلام، لفظ و بیاں کے پیچ وخم ہیں یا نیازمندی کی تہ در تہ کیفیتوں کے حجابات، حسن معنیٰ ہے کہ حسن عقیدت، عشق وعرفان، عجز وانکساری میں سمو کر زمزمۂ داؤدی کے پیکر میں ڈھل گیا ہے، سرور کائنات کے حضور شرف باریابی حاصل ہے، نوائے عشق نغمۂ والہانہ بن گئی ہے، ذوق فدائیت شباب پر ہے، شیفتگی و نیاز کشی، ہم آواز، ہم سرور مستانہ، ہم ارتعاش قلب مضطر ہو گئی ہیں۔ روحانی سرمستی کے عالم میں حضرت رضاؔ خلد آشیانی کی زبان حقیقت ترجمان سے جو حرف نکلا ہے باغ کامرانی کا سدا بہار پھول بن گیا ہے۔'' (ماہنامہ قادری دہلی، امام احمد رضا نمبر شمارہ اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۱۷۴)

کنز الایمان اور عشق وعرفان

جس طرح امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظم عشق رسول مقبول کی سوز وگداز سے لبریز ہے، نثر میں بھی گونا گوں عشق رسالت کی قندیلیں روشن ہیں، جس کی ضیابار کرنوں سے آپ کی جملہ تصانیف روشن ومنور ہیں، ہر جگہ، ہر حال میں اور ہر موڑ پر عشق مصطفیٰ کی شمع آپ کے ہاتھوں میں رہی، چاہے وہ حدائق بخشش ہو، فتاویٰ رضویہ ہو، کنز الایمان یا الدولۃ المکیہ! الغرض عشق رسول مقبول کے رنگ وبو سے نظم ونثر دونوں ہی معطر ہیں، آپ کا یہ اصرار تھا ع

ذکر ان کا چھیڑئے ہر بات میں

اب تصور میں سرکار دو جہاں، نبی آخر الزماں، سیاح لا مکاں، رشک قدسیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کی ملاحت کو بسایئے، اوراق الٹئے اور عشق صادق کے جلوؤں سے اپنے قلب وجگر کو جگمگایئے۔

ا ووجدك ضالاً فهدىٰ۔ [پارہ ۳۰/آیت ۷/ سورۃ الضحیٰ]

ترجمہ: اور پایا تجھ کو بھٹکا پھر راہ دی

..... عبدالقادر شاہ

اور پایا تجھ کو بھولا ہوا پس راہ دکھائی

.... شاہ رفیع الدین

اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بنایا

.... عبدالماجد دریابادی

اور تجھ کو دیکھا کہ راہ حق کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھر رہے تو تم کو دین اسلام کا سیدھا راستہ دکھا دیا

.... مقبول شیعہ

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو آپ کو (شریعت کا) راستہ بتلایا

.... اشرف علی تھانوی

[قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی، ص ۱۰-۹]

اب ایک عاشق مصطفیٰ کا بھی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں، جس کے ہاتھوں میں عشق مصطفیٰ کی شمع ہے وہ بولتا ہے تو عشق رسول کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر بولتا ہے، قلم اٹھاتا ہے تو عشق

مصطفیٰ کی روشنی میں لکھتا ہے، جبھی تو اس کے حرف حرف، لفظ لفظ، سطر سطر سے عشق و وفا کی خوشبو پھوٹتی ہے، امام عشق و الفت فرماتے ہیں:

''اور تمہیں اپنی محبت میں خودرفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی''

...............اعلیٰ حضرت

سبحان اللہ! دیکھا آپ نے ایک عاشق کا عاشقانہ ترجمہ، جسے پڑھ کر یقیناً ایمان کو تازگی اور روح کو بالیدگی حاصل ہوگی۔

۲ انا فتحنا لك فتح مبينا ليغفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر۔

[پارہ ۲۶ / آیت ۱، سورۃ الفتح]

ترجمہ: ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا کہ معاف کرے اللہ تجھ کو جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔

...........شاہ عبدالقادر

تحقیق کہ فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر تو کہ بخشے واسطے تیرے جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں سے تیرے اور جو کچھ پیچھے ہوا۔

.............رفیع الدین شاہ

بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے

..............عبدالماجد دریابادی

اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی درحقیقت ہم نے تمہاری کھلم کھلا فتح کرا دی تا کہ اس فتح کے شکریہ کے لئے دن کی ترقی کے لئے زیادہ کوشش کرو اور خدا اس کے صلے میں تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے

................ڈپٹی نظیر احمد دیوبندی

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے

.......................اشرف علی تھانوی

اے محمد ہم نے تم کو فتح دی فتح بھی صریح و صاف تا کہ خدا تمہارے اگلے پچھلے گناہ بخش دے

.................فتح محمد جالندھری

اے محمد ہم نے تم کو فتح دی فتح بھی صریح و صاف تا کہ خدا تمہارے اگلے پچھلے گناہ بخش دے

.... محمود الحسن دیوبندی

[قران شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی، ص ۱۱-۵]

دیکھا آپ نے شاہ عبدالقادر نے نبی کو گناہگار لکھا، عبدالماجد دریابادی نے مصطفیٰ کو خطاکار لکھا، محمود الحسن دیوبندی نے رسول کو گنہگار لکھا اور اشرف علی تھانوی نے پیغمبر کو خطاکار لکھا، جب ہر جانب سے گناہوں اور خطاؤں کے تیر ناموس رسالت کو تار تار کرنے لگے تو امام عشق و محبت کے صبر و شکیب کا پیمانہ لبریز ہو گیا، امام اہل سنت بریلی کی سرزمین سے عشق و محبت میں انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ مسلمانوں تم ان گستاخوں کے بہکاوے میں نہ آ جانا، ارے ذرا سوچو تو سہی جو رحمت و محبت کا دریا تھا، وہ گناہوں کا مجسمہ کیسے ہو گیا؟ جو وفاؤں کا سمندر تھا وہ خطاؤں کا ہیولہ کیسے بن گیا، جس کے سر سے کبھی گناہ کا شائبہ تک نہ گزرا، اس کا دامن گناہوں اور خطاؤں کے دھبے سے کیسے داغدار ہو گیا؟ نہیں نہیں، ہرگز نہیں، ہاں ان خطاکاروں نے ضرور خطا کی ہے

ترجمۂ قرآن میں۔ امام احمد رضا یوں عشق افروز ترجمہ فرماتے ہیں:

"بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح دی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

..........اعلیٰ حضرت

امام عشق والفت نے ایمان کا خزانہ عطا فرمایا کہ ایمان افروز ترجمہ کنز الایمان ہے، خبردار اس جادۂ الفت سے کبھی بھٹکنا نہیں ورنہ تمہارا ایمان خطاؤں کی دلدل میں پھنس کر دم توڑ دے گا۔

وہ عشق مجسم، عشق رسول جس کی ذات میں اس قدر سرایت کر چکا تھا کہ اگر آپ جسم تھے تو عشق رسول روح کی حیثیت رکھتا تھا، آپ کی غیرت عشق نے یہ گوارہ نہ کیا کہ کوئی بد بخت شان محبوب میں گناہ گار و خطا کار جیسے مکروہ الفاظ کی نسبت بھی کرے، امام احمد رضا نے جہاں جہاں بھی ناموس رسالت کو مجروح ہوتے دیکھا فوراً آپ کا قلم فرقۂ باطلہ کی گردن پر ذوالفقار حیدر کرّار بن کر برسا اور انگلیوں کی جنبش پر گستاخوں کی لاشیں تھرکتی ہوئی سرد پڑنے لگیں۔ ؎

کلک رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

۳ الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان۔ [پارہ ۲۷ / آیت ۴-تا-۱ سورۃ الرحمٰن]

ترجمہ: رحمن نے سکھایا قرآن بنایا آدمی پھر سکھائی اس کو بات

..................شاہ عبدالقادر

رحمن نے سکھایا قرآن، پیدا کیا آدمی کو، سکھایا اس کو بولنا

....................شاہ رفیع الدین

خدائے رحمن ہی نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، اس کو گویائی سکھائی

............عبدالماجد دریابادی

رحمن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو گویائی کھائی

.............اشرف علی تھانوی

رحمن نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو گویائی سکھائی

.............فتح محمد جالندھری

جنوں اور آدمیوں پر جہاں خدائے رحمن کے بے شمار احسانات ہیں از اں جملہ یہ کہ اسی نے قرآن پڑھایا، اسی نے انسان پیدا کیا، پھر اس کو بولنا سکھایا

... ڈپٹی نظیر احمد دیوبندی۔

(قران شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی، ص ۱۶)

اب آپ مندرجہ ذیل بالا تراجم کا بار بار مطالعہ فرمائیں پھر ذیل میں ایک عاشق صادق کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کے سامنے ایک طرف غدار مصطفی کا ترجمہ ہے تو دوسری طرف جانثار مصطفی کا ترجمہ ہے جی ہاں پڑھیئے بار بار پڑھیئے اور دیکھئے کہ عشق والفت کا چشمہ سیال کس کے ترجمہ سے رواں ہے فرماتے ہیں امام اہل عشق والفت

رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، ما کان وما یکون کا انہیں بیان سکھایا

.................علیٰ حضرت

سبحان اللہ! اب دلوں کو گنبد خضرا کی طرف موڑ یئے اور مذکورہ ترجمے کو بار بار چشمۂ الفت سے پڑھیئے تو میں دعوہ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یقینا آپ کا ایمان نکھر جائے گا اور عشق مصطفی میں وارفتگی وشیفتگی کی ایک لطیف کیفیت طاری ہو جائے گی پھر آپ بھی پکار اٹھیں گے کہ ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے چونکہ ہمارا مرکزی مقصد عشق کو اجاگر کرنا ہے اس لئے ہم تراجم قرآن کے اس تقابلی جائزے میں صرفی، نحوی اور فقہی تشریح وتحقیق سے قطع نظر صرف عشقیہ تشریح وتحقیق کر رہے ہیں۔

۴ لااقسم بھذاالبلد [پارہ (۳۰) آیت (۱) سورہ بلد]

ترجمہ: قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور تجھ کو قید نہ رہے گی اس شہر میں............................... شاہ عبدالقادر

قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی اور تو داخل ہونے والا ہے بیچ اس شہر کی

.... شاہ رفیع الدین

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی

.... اشرف علی تھانوی

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی

.... عبدالماجد دریابادی

قسم کھاتا ہوں اس شہر کی

.... محمودالحسن دیوبندی

ہم اس شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں

.... ڈپٹی نذیراحمد دیوبندی

نہیں میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی

.... ابوالاعلیٰ مودودی

[قران شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی، ص ۱۸-۱۷]

اتنے ترجموں کو پڑھ لینے کے بعد اب ایک عاشق صادق کا عالمانہ عاشقانہ اور مجددانہ ترجمہ پڑھنے کے لئے یقیناً آپ کی آنکھیں بے تاب اور دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہوگئی ہوں گی تو لیجئے دلوں کو تھامئے اور امام عشق ومحبت کا سوز وگداز سے لبریز ترجمہ پڑھئے اور بار بار پڑھئے:

''مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو'' .... اعلیٰ حضرت

سبحان اللہ دیکھا آپ نے! کتنا حسین کتنا پیارا اور کیا ہی عاشقانہ ترجمہ ہے اور کیا ہی انوکھا، نرالہ اور اچھوتا انداز ہے۔

۵ ما کنت تدری ما الکتاب ولاالایمان

[پارہ ۲۵/آیت ۵۲/سورۃ الشوریٰ]

ترجمہ: تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان

.... شاہ عبدالقادر

تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان

.... فتح محمد جالندھری

نہ جانتا تھا تو کیا ہے کتاب اور نہ ایمان

.... شاہ رفیع الدین

تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کیا ہوتی ہے کتاب اور کیا ہوتا ہے ایمان

.... ابوالعلیٰ مودودی

آپ کو نہ یہ خبر تھی کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے

.............عبد الماجد دریابادی

تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کس کو کہتے ہیں

..............ڈپٹی نذیر احمد دیوبندی

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے

...........اشرف علی تھانوی

دیکھا آپ نے کھلم کھلا ناموس رسالت پر کیسے کیسے حملے ہو رہے ہیں اور ایمان کا گلا کیسے گونٹا جا رہا ہے، ذرا سوچئے جو عالم ما کان و ما یکون ہیں، معاذ اللہ انہیں کتاب اور ایمان کے بارے میں کچھ خبر نہیں؟ گویا نبی آیت مذکورہ کے نزول سے قبل ایمان سے نابلند تھے؟ معاذ اللہ! دیکھئے یہ لوگ بھی ترجمے کر رہے ہیں بلکہ اپنی نا علمی، نا اہلی اور بے ایمانی کا ڈھنڈھورا پیٹ رہے ہیں لیکن جب امام احمد رضا ترجمہ کرتے ہیں تو ناموس رسالت کا تحفظ اور مسلمانوں کے قلب وجگر میں عشق وایمان کا پرچم لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں، امام عشق والفت میں ڈوب کر ناموس رسالت کی حفاظت یوں فرما رہے ہیں:

"اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل

.................اعلیٰ حضرت

دیکھا آپ نے کتنا حسین اور عشق افزوں اور ایمان افروز ترجمہ ہے! سبحان اللہ یہ ہے وہ سنیت کا علمبردار اور عشق وعرفان کا عظیم پیکر جسے دنیا صبح قیامت تک اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت اور امام وعشق الفت کے مبارک ومسعود لقب سے یاد کرتی رہے گی اور آنے والی نسلیں اس مجسمہ عشق رسالت سے عشق ومحبت کی خیرات لیتی رہیں گیں۔

اب ہم اپنی اس تقابلی جائزے کی صحت پر صداقت کی مہر ثبت کرنے کے لئے کسی اپنے کو نہیں بلکہ غیروں میں سے کسی کو آواز دینا چاہتے ہیں کیوں کہ اپنوں پر تو اپنوں کی طرفداری کا الزام آسکتا ہے، لیکن کمال تو جب ہے کہ کوئی غیر ہو کر بھی اعتراف حقیقت کرے، ہم نے اس کام کے لئے جناب کوثر نیازی صاحب (سابق وزیر اطاعات ونشریات حکومت پاکستان) کا انتخاب کیا ہے، ہم مولانا کوثر نیازی صاحب کے متعلق اتنا تو کہیں گے ہی کہ موصوف ایک حقیقت پسند شخصیت کے حامل ضرور ہیں۔ آگے جناب کوثر نیازی کی زبانی:

"ادب واحتیاط کی روشنی امام رضا کی تحریر وتقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے، یہی ان کا سوز نہاں ہے جو ان کا حرز جاں ہے، ان کا طغرائے ایمان ہے، ان کی آہوں کا دھواں ہے، حاصل کون ومکاں ہے، برتر از این وآں ہے، باعث رشک قدسیاں ہے، راحت قلب عاشقاں ہے، سرمۂ چشم سالکاں ہے، ترجمۂ کنز الایمان ہے۔

"ووجدک ضالا فھدیٰ" کے ترجمہ کو دیکھ لو، قرآن پاک شہادت دیتا ہے "ماضل صاحبکم وما غویٰ" رسول گرامی نہ گمراہ ہوئے نہ بھٹکے۔ "ضل" ماضی کا صیغہ ہے، مطلب یہ ہوا کہ ماضی میں آپ کبھی گم گشتۂ راہ نہیں ہوئے۔ عربی زبان ایک سمندر ہے اس کا ایک ایک لفظ کئی کئی مفہوم رکھتا ہے، ترجمہ کرنے والے اپنے عقائد وافکار کے رنگ میں ان کا کوئی سا مطلب اخذ کر لیتے ہیں "ووجدک ضالا" کا ترجمہ ماضل کی شہادت قرآن کو سامنے رکھ کر عظمت کے عین مطابق کرنے کی

ضرورت تھی مگر ترجمہ نگاروں سے پوچھو انہوں نے آیت قرآنی سے کیا انصاف کیا ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن ترجمہ کرتے ہیں ''اور پایا تجھ کو بھٹکا پھر راہ سجھائی'' کہا جاتا ہے، مولانا محمود الحسن ادیب نہ تھے، ان سے چوک ہوگئی آیئے، ادیب شاعر مصنف اور صحافی مولانا عبد الماجد دریابادی کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کا ترجمہ ہے ''اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتایا'' مولانا دریابادی پرانی وضع کے اہل قلم تھے، ان کے قلم سے صرف نظر کر لیجئے، اس دور میں اردو معلیٰ میں لکھنے والے اہل قلم حضرت مولانا سید ابو العلیٰ مودودی کے دروازے پر دستک دیتے ہیں، ان کا ترجمہ یوں ہے ''اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی'' پیغمبر کی گمرہی پھر ہدایت یابی میں جو وسوسے اور خدشے چھپے ہوئے ہیں انہیں نظر میں رکھئے اور پھر ''کنز الایمان'' میں امام احمد رضا کے ترجمے کو دیکھئے۔ ؎

بیا ورید گر ایں جاں بود سخن دانی
غریب شہر سخن ہائے گفتی وارد

امام اہل سنت نے کیا عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے، فرماتے ہیں ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

کیا ستم ہے کہ فرقہ پرست لوگ ''رشدی'' کی ہفوات پر تو زبان کھولنے سے اور عالم اسلام کے قدم بقدم کوئی کاروائی کرنے سے اس لئے تأمل کریں کہ کہیں آقایان نعمت ناراض نہ ہو جائیں، مگر امام احمد رضا کے اس ایمان افروز ترجمہ پر پابندی لگا دیں جو عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلام کا گنجینہ ہے۔ ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ شاز کرے

دیکھا آپ نے یہ اعلیٰ حضرت ہی کی ذات والا صفات ہے جو عشق رسول میں غایت درجہ مستغرق ہے جبھی تو آپ کے عشق کا چرچہ اپنے تو اپنے غیروں کی بھی محفل میں ہوتا ہے اور اس قدر ہوتا ہے کہ بعض جلنے والے حضرات کو اس عاشقانہ جذبے سے متعلق شکوک وشبہات کا لقوا مار گیا، امام احمد رضا کے جذبۂ عشق رسالت کو کما حقہ بیان کرنے سے قلم قاصر ہے، ویسے بھی عشق اپنے اندر بے پناہ گہرائیاں سمیٹے ہوئے ہے، چہ جائیکہ عشق نبوی ﷺ کی گہرائی کی پیمائش کی جا سکے، ہاں امام اہل سنت کی طرح اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے۔ ؎

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

فتاویٰ رضویہ اور عشق نبویہ

یوں تو فتاویٰ رضویہ یہ خالص فقہی شاہکار ہے، اس کی مکمل بارہ جلدیں صرف علمی اور فقہی مذاق پر مشتمل ہیں، لیکن اس میں بھی عشق رسالت کی عطر بیزی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہے اور اس کا ہر مسئلہ عشق رسالت کا آئینہ دار ہے، جسے قاری کا دل ودماغ اس کی بھینی بھینی خوشبو سے معطر ہو اٹھتا ہے، امام اہل سنت کا یہ عظیم الشان شاہکار بھی ان کے نزدیک نبی ناز رحمت کا فیضان وعطیہ ہے، اسی لئے آپ نے اپنے فتاویٰ کا نام بھی ایسا ہی رکھا جس کے الفاظ آپ کی اس عقیدت ومحبت کا برملا اظہار کر رہے ہیں ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ'' آپ کا قلم جس موضوع پر بھی اٹھا ہے، اس

کی سرخیوں میں عشق ومحبت کے شرارے ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں، مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی عظمت وتقدس کا خیال لمحہ بھر کو آپ کی ذات سے جدا نہ ہوا، ملاحظہ فرمائیے کہ فتویٰ نویسی کے وقت مختلف فقہی مسائل کے ہجوم میں بھی عشق رسول اور عظمت رسالت کی پاس داری کا رنگ کتنا گہرا ہے۔

تقبیل الابہامین یعنی ''اشھد ان محمد رسول اللہ'' یا اسم رسالت سن کر انگوٹھے چومنے کے جواز پر نہایت ہی مفصل ومدلل وتحقیقی جواب تحریر فرمایا اور یہ ثابت کیا کہ نام اقدس ﷺ کو سن کر انگوٹھوں کو چومنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ باعث حفظ صحت وبصر اور کار ثواب واجر ہے، اس مسئلہ کو پڑھنے کے بعد ایک طرف آپ کی فقہی بصیرت وبصارت میں بے مثل وجداگانہ کروفر کی تشخیص ہوتی ہے تو دوسری طرف حضور اکرم ﷺ کی ذات محسن کائنات سے آپ کی بے پناہ عشق والفت کا عرفان بھی ہوتا ہے، ذیل میں مسئلہ کی قدر تفصیل ملاحظہ فرمائیے اور اس کے حرف حرف سے نکلنے والی عشق ومحبت کی کرنوں سے دلوں کو روشن ومنور کیجئے:

''حضور پرنور، شفیع یوم النشور، صاحب لولاک ﷺ کا نام پاک اذان میں سنتے وقت انگوٹھے یا انگشتان شہادت چوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز ہے۔''

[فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص ۵۱۷]

○ ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف

OOOO

محمد رحمت اللہ صدیقی

کاروان عشق عرفان اور امام احمد رضا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا عالم اسلام کی انتہائی قابل احترام شخصیات میں شمار ہوتا ہے ۔انہوں نے اپنی دینی، ملی علمی اور سیاسی خدمات سے پورے عالم اسلام کو متاثر کیا ہے ۔انہوں نے اپنے افکار کی روشنی سے دلوں کو خوب اجالا ہے ۔انہوں نے حقائق کی تشہیر میں خوف کو کبھی اپنے قریب آنے کی اجازت نہیں دی جب کہ ان کا عہد خوف و ہراس کا عہد تھا۔مسلم قیادت وسیادت پہ حکومت وقت کی گہری نظر تھی ۔بڑے بڑے نامی گرامی زبان وقلم کے استعمال اور اپنے افکار کی تشہیر میں انتہائی محتاط تھے۔ضمیروں کی خرید وفروخت کا کاروبار شباب پر تھا۔دنیاداروں کے ساتھ ہر طرح کی رعایتیں تھیں۔اور دین داروں کے ساتھ ہر طرح کی شدتیں اور قدم قدم پہ الجھنوں کا سامنا۔یہ بھی حقیقت ہے کہ باطل اپنی افرادی قوت اور مالی برتری کے باوجود خوف کا شکار ہوتا ہے ۔مگر اہل حق اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی حسینی عزم سے سرشار ہوتے ہیں۔وہ سر جھکانے پہ سر کٹانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ اپنے عہد میں پورے عالم اسلام کے میر کارواں تھے ۔آپ نے مسلم امت کی پیشانی سے کرب واضطراب کے سارے داغ دھبے مٹادیے،جو آنکھیں اشک ریز تھیں انہیں مسکرانے کا حوصلہ فراہم کیا۔انہوں نے مسلمانوں کی زندگی کو ہر اعتبار سے پابند اصول کرنے کی تا حیات جد و جہد کی ۔انہوں نے ستائش سے بالا تر ہو کر اسلامی اصول کے نفاذ کو پیش نگاہ رکھا۔ان کی کتب و رسائل میں اس کے شواہد تاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں ۔انہوں نے اپنی پوری کتاب زندگی کا ماحصل کچھ اس انداز سے پیش کیا ہے۔

نہ مرا نوش زتحسیں نہ مرا نیش زطعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم وکنج خمولی کہ نہ گنجد درو ے
جز من وچند کتابے و دوات و قلمے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ اپنے عہد میں صداقت کا ایک معطر پیرہن تھے ۔ان کی روایت پسندی،صداقت نوازی اور علم پروری کے بے غبار جذبے سے دلوں کے آفاق روشن ومنور ہو رہے تھے ۔ان کی نگاہ مسلمانوں کے صرف ظاہری خدوخال پہ نہ تھی بلکہ باطن کی کش مکش پہ بھی تھی ۔وہ انسانی زندگی کے دونوں شعبوں کو شرعی حدود میں دیکھنا چاہتے تھے ۔وہ اپنے تمام تر فضائل وکمالات کے باوصف

قطب الارشاد کے منصب پر بھی فائز تھے۔آپ مجدد تھے۔بلکہ اہل علم وعرفان کی دنیا آپ کو مجدد اعظم کے لقب سے یاد کرتی ہے۔مجدد اعظم بھی ایک توجہ طلب اور تفصیل طلب موضوع ہے۔ایک وقت میں دنیا میں کئی مجدد ہو سکتے ہیں مجدد اپنے وقت کی ہر طاقت سے بلند وبالا ہوتا ہے۔اور وقت کی ہر چھوٹی بڑی طاقتیں مجدد سے رجوع ہوتی ہیں،کوئی شخص کوشش، عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ کی بنیاد پر مجدد نہیں ہوسکتا۔مجدد مبعوث ہوتا ہے،حدیث مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سے اس کی تائید ہوتی ہے،وقت کی کوئی طاقت مجدد کو مرعوب اور خوف زدہ نہیں کرسکتی،تاریخ کے زریں صفحات پر اس کے شواہد موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں، ماضی قریب کی تاریخ ہے اکبر ملک ہند کا سب سے طاقت ور حکمراں تھا۔اس سے بڑی بڑی ریاستیں خوف زدہ رہا کرتی تھیں۔جب اس نے اپنے دین الٰہی کی بنیاد رکھی تو حضرت مجدد الف ثانی تن تنہا اس سے محاذ آرا ہو گئے اور اس وقت تک محاذ آرا رہے جب تک اس کا غرور حکمرانی خاک میں نہیں مل گیا۔اور اس کے خود ساختہ دین الٰہی کی کمر نہ ٹوٹ گئی۔

حضرت مجدد الف ثانی کے بعد حضرت اورنگ زیب عالمگیر منصب مجددیت پر فائز ہوئے جنگ وہی تھی محاذ جنگ بدل گیا تھا،پوری مذھبی دنیا حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ تھی،حضرت اورنگ زیب نے تا حیات دینی قدروں کے چہرے کو گرد آلود ہونے نہیں دیا،حضرت اورنگ زیب کی خصوصیت یہ تھی کہ حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی،، لشکر وسپاہ ان کے پاس تھی۔مجددین کی تاریخ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد یہ امتیاز شاید کسی مجدد کو حاصل نہ تھا۔قریب قریب پچاس سالوں تک غیر منقسم ہندوستان کی مذہبی مسلکی اور سیاسی قیادت فرمائی انہوں نے مذہبی اصولوں کے نفاذ میں کبھی کسی کی رعایت نہیں کی۔انہوں نے کسی کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا کبھی پسند نہیں کیا،ان کی خدا پرستی کا یہ عالم تھا کہ عین حالت جنگ میں جب نماز کا وقت آجاتا تو میدان جنگ میں مصلیٰ بچھا کر باجماعت نماز ادا کرتے۔مورخین ان کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ہر وقت باوضو رہتے، پابندی کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت ان کی ترجیحات میں شامل تھی۔وہ خود بھی حافظ قرآن تھے اور دو ایک کو چھوڑ کر ان کے تمام بچے اور بچیاں حافظ قرآن تھیں۔غوثیت مآب کی محبت کا یہ عالم تھا کہ،شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ المدد اپنی تلوار پہ کندہ کرا رکھا تھا،آگرہ کے میوزیم میں آج بھی یہ تلوار موجود ہے۔ان کے تجدیدی واصلاحی کارناموں پر اب تک عملی پیش رفت نہیں ہوسکی ہے۔ اسلاف نوازی کے باب میں ہماری رفتار ہمیشہ دھیمی رہی ہے۔ اسلاف واکابر کے باقیات کی ناقدری کا داغ ہمارے دامن سے ابتک مٹا نہیں ہے۔جو قوم اسلاف نوازی کے جذبے سے سرشار ہوتی ہے سرخ روئی اس کے قدموں سے لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔

مجددین کی فہرست میں اولین نام حضرت عمر بن عبد العزیز کا آتا ہے۔کوئی صدی مجدد سے خالی نہ ہوگی حدیث مصطفیٰ ﷺ سے اس کی تائید ہوتی ہے، ایک صدی میں کئی مجدد ہوسکتے ہیں۔مجدد قدرت کا انتخاب ہوتا ہے،حدیث مصطفیٰ ﷺ میں مجدد کے لیے بعثت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔مجدد اپنے عہد کا سب سے غالب اور حاوی کردار ہوتا ہے۔مجدد فرعون وقت

کے جبر سے خوف زدہ نہیں ہوتا ہے۔ وقت کی ہر جابر طاقت اس سے ہراساں رہتی ہے، دین کو باطل کی ہر آمیزش سے بچانا اور در آئے مکروہات سے دین کے چہرے کو صاف کرنا ہر مجدد کا ترجیحی عمل ہوتا ہے۔ بدعات کے تعفن سے دینی روایات کی جب سانسیں پھولنے لگتی ہیں تب کوئی مجدد مبعوث ہوتا ہے۔ شرعی اصولوں کے نفاذ میں مجدد کسی کی رعایت نہیں کرتا، اہل حق باطل سے ہمیشہ محاذ آراء رہے ہیں، مجدد حق کی آواز اور اہل حق کی شناخت ہوتا ہے۔ مجدد دینی نقطۂ نگاہ سے اپنے عہد میں قبلۂ حاجات ہوتا ہے دینی حوائج اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ مجدد کا پورا عہد اس کے زیر اثر ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجدد آتا ہے اور چلا بھی جاتا ہے اس کے جانے کے بعد آثار، علامات اور خدمات سے اہل زمانہ کو اس کی شخصیت کا عرفان ہوتا ہے، کوئی صدی مجدد سے خالی نہیں ہوتی مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے بعد اب تک باضابطہ طور پر کسی مجدد کا اظہار و اعلان نہیں ہوا ہے، بعض حضرات کے تعلق سے ان کے اہل عقیدت ان کی مجددیت کا اظہار و اعلان کر رہے ہیں مگر ان کی ذوات میں شرائط مجددیت مفقود ہے۔ اور اب اہل ہوا و ہوس نے حالات کو ایسا رخ دے دیا ہے کہ مجددت تو دور کی بات ہے کوئی کسی کو بڑا تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے، اس عہد کا ہر فرد خود کو مجدد سے کم نہیں سمجھتا علما کی بات تو چھوڑ یئے اب تو جہلا اس صف میں آگئے ہیں مذہبی اور مسلکی حالات اتنے پر پیچ ہو گئے ہیں بقول شاعر

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہے زمانہ کیا سے کیا ہو جائے گا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت میں ظاہراً جو خصوصیات نظر آتی ہیں ان خصوصیات کی حامل شخصیات سے صدیاں خالی نظر آتی ہیں، یہ عقیدت نہیں حقیقت ہے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے ہم جو بھی کہتے ہیں اہل زبان وقلم کا ایک طبقہ عقیدت کے خانے میں ڈال کر اس کی اہمیت پہ شبہات کی چادر ڈال دیتا ہے۔ سچائی کا پہاڑ ان کو نظر نہیں آتا، ظلم کی انتہا دیکھئے کہ اس دور کے ایک سند یافتہ اندھے نے تو اعلیٰ حضرت کو مصنف ماننے ہی سے انکار کر دیا، اس نے کہا کہ وہ مصنف تو تھے نہیں ایک مفتی تھے، فتویٰ دیا کرتے تھے جبکہ خود کو وہ رئیس القلم اور مصنف تصانیف کثیرہ لکھتا ہے، اس کی تصنیفات و ترتیبات کی مجموعی تعداد ایک درجن سے زائد نہ ہوگی اور اعلیٰ حضرت کی کتب و رسائل کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے

لطیف باتیں بھی احباب کو کھٹکتی ہیں
نہ جانے کونسا کانٹا میری زباں میں ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے کمالات، امتیازات اور خصوصیات ایسی نہیں ہیں کہ ایک کوزے میں سمیٹ لی جائیں۔ خصوصیات کی تفصیلات کے لیے دفاتر درکار ہیں ہم جب بھی ان کی مدحت سرائی کی نیت باندھتے ہیں الفاظ کی تنگی کا شدت سے احساس ہونے لگتا ہے علمی بے مائیگی رکاوٹ بن جاتی ہے، ان کا ہر علم ہمالیہ کی بلندی لئے ہوئے ہے۔ ہم جب وہاں کھڑے ہوتے ہیں تو خود کو انتہائی بونا، چھوٹا اور سکڑا ہوا محسوس کرتے ہیں، ان کے عہد میں بقراط و سقراط بھی ہوتے تو ان کی درس گاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے

پر فخر محسوس کرتے، ان کے علوم وفنون کی صحیح تعداد ہم بتانے سے قاصر ہیں مگر ان کے جتنے معلوم علوم ہیں ہر علم سمندر جیسی وسعت وگہرائی لئے ہوئے ہے۔

پروفیسر اقبال جاوید لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا احمد رضا نے پچاس سے زیادہ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں کم وبیش ایک ہزار تصانیف چھوڑی ہیں حق یہ ہے کہ ایسی معتبر اور ہمہ جہت شخصیت پر لکھنے والا قلم خود بے بضاعتی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور اپنی جملہ صلاحیتوں کے باوجود اس گلستاں بکنار شخصیت کی رعنائیوں کو سمیٹنے سے قاصر رہتا ہے۔ اور دامان نگاہ کی تنگیاں گلہائے حسیں کی ان فراوانیوں سے معذرت طلب نظر آتی ہے۔ برصغیر ہند وپاک میں ہر فن کے الگ الگ عالم بلکہ امام تو مل جائیں گے مگر ایسی کثیر الجہات شخصیت چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی شاید نہ مل سکے۔ جس نے معقولات ومنقولات کے اکثر اصناف میں اپنی فکری عظمتوں کے چراغ روشن کئے ہوں۔ جس کی مطبوعہ تصانیف بھی سیکڑوں تک پہنچتی ہو اور ایسے مسودات کا شمار بھی ممکن نہ ہو جو بوجوہ طبع نہ ہو سکے ہوں اور مرور زمانہ کی نذر ہو گئے ہوں۔''

(نعت رنگ مولانا احمد رضا خاں نمبر، ص ۱۷)

جناب مقبول جہانگیر لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت نے علوم درسیہ کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی بھی تحصیل فرمائی حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی رہنمائی کے بغیر آپ نے اپنی خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا ایسے تمام علوم وفنون کی تعداد تقریباً ۵۴ ہے۔ کئی فن ایسے ہیں کہ دور جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ عالم اسلام میں مشکل سے کوئی ایسا عالم نظر آئے گا جو اعلیٰ حضرت کا ان علوم میں ہم پلہ یا مقابل ہو۔''

(نعت رنگ مولانا احمد رضا خاں نمبر، ص ۶۸)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت کو جس زاویے سے دیکھئے اور جس سمت سے دیکھئے ان کی ذات گلستان بکنار اور سمندر نواز نظر آتی ہے۔ وہ اپنے عہد میں سب سے بڑے دانائے راز تھے ان کی دانائی اور علمی برنائی کے سامنے عالم اسلام کی کوئی شخصیت خود کو کھڑا کرنے کے لیے تیار نہ ہوتی۔ ان کی علمی وسعت، فقہی بصیرت اور ژرف نگاہی کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علوم وفنون کا کوئی دبستان ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھا، ان کے قلم کا ہر تیور برسوں کی مطالعاتی جدوجہد کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی تحقیقات ہزاروں ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں ان میں کوئی صفحہ ایسا نہیں ہے جو موضوع کے اعتبار سے تشنہ اور غیر اطمینان بخش ہو۔ ان کی تحقیقات کے مطالعہ کے لئے وسعت علم، اور وسعت فکر ونظر کی ضرورت ہے۔ صرف بصارت سے تحریر کی زیریں لہروں تک رسائی بہت مشکل ہے بصارت کے ساتھ اعلیٰ بصیرت کی وافر دولت بھی درکار ہے۔ وہ کٹھن سے کٹھن

مسئلے کا حل اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ عقل حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے۔انسان عناصر اربعہ سے تیار ہوا ہے مگر ان کے کمالات دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کا خمیر علم وعمل اور عشق سے تیار ہوا تھا۔انہوں نے اپنی زندگی کی کسی بھی سانس کو کسی بھی جہت سے بے معنی ہونے نہیں دیا۔مجدد کی حیات کا کوئی لمحہ عبادت سے خالی نہیں ہوتا۔آپ ٹرین میں جبل پور کے سفر پہ تھے، خادم کے دل میں خیال گذرا کہ یہاں کیا عبادت ہورہی ہے! جب آپ جبل پور اپنی قیام گاہ پہ پہنچے تو خادم سے فرمایا کہ قلم کاغذ لائیے ٹرین میں کچھ اشعار موزوں ہوگئے ہیں۔انھیں لکھ لوں ورنہ ذہن سے نکل جانے کا خطرہ ہے۔جب لکھنے لگے تو ۳۶۰ر اشعار پہ جاکر قلم ٹھہر گیا۔جب خادم نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو اسے اپنے دل کے وسوسے پہ ندامت ہوئی، یہی وہ اشعار ہیں جو''الاستمداد'' کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اپنے عہد کی ،فکر ساز، ذہن ساز،علم نواز اور ماحول ساز شخصیت تھے۔انہوں نے مسلم امہ میں علم،عمل اور عشق کا جوطوفان برپا کیا ہے۔اس کی نظیر نایاب ہے۔ان کی ذات ظاہر زیب وزینت اور تب وتاب کی قائل نہ تھی، وہ میکدۂ زیست کا ہر وہ پیمانہ بدل دینا چاہتے تھے جو شرعی احکام واصول سے میل نہیں کھاتا تھا۔وہ ہر مسلم چہرہ سے نور وسرور کی شعاعیں پھوٹتی دیکھنا چاہتے تھے۔مدینے سے زندگی کا رشتہ مضبوط ، پائیدار اور مستحکم ہے تو زندگی رشک فردوس ہوتی ہے۔وہ مسلمانوں میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جنون عشق دیکھنا چاہتے تھے۔مسلمانوں کے چہرے پہ غفلت ومایوسی کے پڑے ہوئے دبیز پردے کے تار وپود کو بکھیر دینا چاہتے تھے۔ان کی حیات کی ہر سانس سے ان کی اس روش کا اظہار ہوتا ہے۔وہ کوئی بات اشارے کنائے میں کہنے کے قائل نہ تھے۔ان کی تحریرات وتحقیقات اسرار ورموز سے بھری ہوئی ہیں۔مگر عوامی توجہات کے لئے آپ نے جو پیغامات نشر کئے ہیں ان میں عوامی ضرورت کی حد تک عمومیت ہے۔جو لوگ علمی ،فکری اور معنیاتی آفاق کے شہ نشیں ہیں ان کے لئے ان کی ذات آیات الٰہی بھی ہے اور معجزۂ رسالت پناہی بھی۔ایک ذات میں علوم ومعارف کے درجنوں سمندر کا سمٹ آنا یہ آیات الٰہی نہیں تو کیا ہے۔وہ کمالات کی اس منزل پہ کھڑے تھے جہاں کسی مسئلے کو سمجھنے کے لئے انھیں کتابوں سے رجوع ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ان کی ہر تحقیق درجنوں کتابوں کا افشردہ وعصارہ معلوم ہوتی ہیں ان کے فنون کی تعداد اب تک متعین نہیں ہوسکی ہیں۔ مگر ان کے جو معلوم فنون ہیں ہر فن میں وہ وقت کے امام مقتدا اور پیشوا نظر آتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت اما احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ چودھویں صدی کے مجدد تھے مجددین کی ایک تابناک تاریخ اور طویل فہرست ہے ہر مجدد مسلم امت کے لیے واجب التکریم ہے عام علما کی کسر شان سے ایمان ویقین کا آئینہ گرد آلود ہونے لگتا ہے، اگر جلد رجوع وتوبہ کی توفیق نہیں ملی تو ایمان ویقین کے چراغ کے گل ہو جانے کا خطرہ یقینی ہو جاتا ہے جب عام علما کے تعلق سے یہ حال ہے تو مجددین کی بارگاہوں میں جرأت وجسارت کا کیا حال ہوگا۔مجدد کی حیثیت دستار علما کی ہوتی

ہے۔ مجدد کے عہد کا ہر عالم اس کے زیر فرمان ہوتا ہے اس کے شرعی فیصلے سے بے توجہی بھی ہلاکت میں ڈال دیتی ہے اعلیٰ حضرت کے عہد میں اس کی نظیریں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جن شخصیات، اداروں اور خانقاہوں نے اعلیٰ حضرت کے شرعی فیصلوں کی تائید سے انکار کیا وہ تاریخ سے غائب ہی نہیں ہوئیں بلکہ دولت ایمان بھی ان سے چھن گئی۔ آج وہ دنیا کے لئے آئینہ عبرت بنی ہوئی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی مخالفت کے بلبلے اٹھتے رہتے ہیں مگر عتاب الٰہی کا ایک ہلکا سا جھونکا آتا ہے اور سارے بلبلے غائب ہوجاتے ہیں۔ برصغیر ہندو پاک میں دین اگر اپنی اصلی صورت میں موجود اور محفوظ ہے تو یہ اعلیٰ حضرت کی خدمات کا نتیجہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی شخصیت بہت ساری خصوصیات کی جامع ہے۔ ان کی بہت ساری خصوصیات ایسی ہیں جن میں ان کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔ محققین بتاتے ہیں کہ چھ صدیاں ان کی نظیر سے خالی ہیں بعض ثقہ دانشوروں نے لکھا ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ الباری کے بعد ان سے ذہین وفطین انسان پیدا نہیں ہوا ہے۔ جن علوم میں انھیں امامت حاصل تھی ان میں ان کی نگارشات موجود ہیں ان کے اساتذہ کی تعداد بہت کم ہے انہوں نے خود اپنے علوم کی تعداد پچپن بتائی ہیں۔ ان میں بہت سارے علوم ایسے ہیں جنھیں بغیر کسی استاذ کی مدد کے آپ نے حاصل کیا ہے۔ کچھ علوم ایسے ہیں جن کے آپ خود موجد ہیں۔ آپ کے نظریاتی مخالفین کو بھی آپ کی علمی وسعت وعظمت کا اعتراف تھا خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

''بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب جن کو ان کے معتقدین مجدد مائۃ حاضرہ کہتے ہیں درحقیقت طبقۂ صوفیائے کرام میں یہ منصب مجدد کے مستحق ہیں انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکے کی کتابیں لکھیں ہیں جو سالہا سال سے فرقۂ وہابیہ کے زیر تحریر وتقریر تھیں۔ جنکے جوابات گروہ صوفیاء کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیئے گئے تھے۔ ان کی تالیفات وتصنیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے یہ کتابیں دیکھ کر مصنف کے تبحر علمی کا شدید سے شدید مخالف کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلد وہ دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگادیتے ہیں مگر شائد ان لوگوں نے مولانا اسماعیل اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھی ہیں جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے۔ اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیا علمی حیثیت سے مولانا احمد رضا خان صاحب کو اپنا بہادر، صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔''

(اعلیٰ حضرت ایک عالم گیر شخصیت، ص ۲۲۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی

حیات کی ہزاروں جہتیں ہیں اور ہر جہت محققانہ گفتگو کا تقاضا کرتی ہے، ان کی شخصیت اور خدمات پر خاصا کام ہوا ہے، ہو رہا ہے اور انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔ اب تک کی پیش رفت کا اگر سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو دو چند پیش رفت کے علاوہ کسی میں نظم وضبط کی رعایت نہیں ملتی ہے۔ اہل زبان وقلم کا جو طبقہ فکر یات رضا، نوادرات رضا اور تحقیقات رضا کی ترویج وتشہیر میں اپنا خون جگر جلا رہا ہے وہ یقیناً قابل مبارک باد ہے۔ اگر اہل زبان وقلم کا ایک بورڈ تشکیل پایا جاتا اور منصوبہ بند طریقے سے کام ہوتا تو اس کے نتائج اطمینان بخش ہوتے، یہ کام دقت طلب، وقت طلب اور سرمایہ طلب ضرور ہے مگر جب ارادے نیک ہوتے ہیں تو راہ کے کانٹے پھول بن جاتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہم بڑی سے بڑی عمارت بنا لیتے ہیں بڑی بڑی درس گاہیں تیار کر لیتے ہیں اور خانقاہوں کی آرائش و زیبائش میں لاکھوں لاکھ روپے خرچ کر دیتے ہیں تو کیا یہ مستحسن کام نہیں ہوسکتا ہے، فولادی عزم کے ساتھ اگر کوئی میر سامنے آئے گا کارواں خود ہی تیار ہوجائے گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اور ان کے عہد کے مشاہیر علماء، وصوفیا اور مشائخ کی جماعت نے انھیں مجدد اعظم کے لقب سے یاد کیا ہے۔ مجددین کا سلسلہ حضرت عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہوتا ہے۔ بحیثیت مجدد سب مساوی ہیں کام کی نوعیت ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہے۔ مجددین کی تاریخ میں اعلیٰ حضرت کو کئی خصوصیات حاصل ہیں یہاں سب کا تذکرہ تو بہت مشکل ہے۔ انہوں نے اسلامی آثار ومبادیات میں جو اضافے کیے ہیں وہ انہیں کا حصہ ہیں اس حوالے سے ذیل میں ایک مثال ملاحظہ کریں۔

مذبوح جانور کے اعضاء میں اعضاء غیر ماکولہ کی سات قسمیں ہیں اس سلسلے میں حدیث پاک ہے آقائے کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان رسول اللہ ﷺ یکرہ من الشاۃ سبعاً المرأۃ والمثانۃ والحیاء والذکر والانثنین والغدۃ والدم

مذکورہ حدیث پاک کی روشنی میں فقہائے متقدمین ومتاخرین نے پانچ چیزوں کا اضافہ فرمایا اس طرح اعضائے غیر ماکولہ کی بارہ قسمیں ہوئیں جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی اس حدیث پاک پر نظر پڑی تو آپ مچل جاتے ہیں اور عشق مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے سایئے میں آپ نے تنہا مزید دس اعضاء کا اضافہ فرمایا حدیث پاک میں سات، مقدمین ومتاخرین فقہا نے پانچ اور اعلیٰ حضرت نے دس اس طرح اعضائے غیر ماکولہ کی ٹوٹل قسمیں بائیس ہوئی، اس حوالے سے خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

اب سات کے سہ گونہ سے بھی عدد بڑھ گیا اور ہنوز اور زیادات ممکن وہ سات اشیاء حدیث پاک میں آئیں اور پانچ چیزیں کہ علماء نے بڑھائیں اور دس کہ فقیر نے زیادہ کیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۸، ص ۳۲۷)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی تحقیق کی جس کو تفصیل درکار ہے وہ فتاویٰ رضویہ، سے رجوع

کرے فتاویٰ رضویہ اور اعلیٰ حضرت کی دوسری کتابوں میں اس طرح کی بے شمار تحقیقات ہیں۔ ایک سو پانچ دلائل سے آپ نے حرکت زمین کا رد فرمایا ہے اس حوالے سے آپ خود فرماتے ہیں (مفہوم) حرکت زمین کے رد میں علمائے ماسبق کے ۱۵/دلائل تھے جن کی میں نے تصحیح کی ہے اور ۹۰/دلائل فقیر نے پیش کیے۔ اسی طرح کن پانیوں سے وضو جائز ہے ان کی کتنی قسمیں ہیں کن پانیوں سے وضو جائز نہیں ہے انکی کتنی قسمیں ہیں وہ مٹی جن سے تیمم جائز ہے ان کتنی ہیں جن سے تیمم جائز نہیں ہے ان کی کتنی قسمیں ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے جواز میں کتنی قسموں کا اضافہ فرمایا اور عدم جواز پر کتنی قسموں کا زیادت کی سب کی تفصیل فتاویٰ رضویہ میں موجود ہے مذکورہ مسائل پہ جب کوئی قاری اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کو پڑھتا ہے تو وہ سراپا حیرت واستعجاب بن جاتا ہے یہ وہ تحقیقات ہیں جن کی نظیر سے پوری تاریخ فقہ خالی ہے اسی لیے محققین نے لکھا ہے کہ اگر مولانا احمد رضا خان کے فتاویٰ کو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور وہ ان کو اپنے شاگردوں میں شامل فرمالیتے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خصوصیات نے پوری دنیا کو حیرت کدہ بنادیا تھا۔ جو غیر جانب دار ہوکر اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کا مطالعہ کرتا وہ انھیں کا ہوکر رہ جاتا۔ اعلیٰ حضرت کی تحقیقات کی مقناطیسیت میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے جو زبانیں ان کی مخالفت میں کھلتی ہیں وہ جاہل محض ہیں ان کی کتب ورسائل ایک ہزار سے زائد ہیں اور سب کے اسماء تاریخی ہیں اب ایسے افراد واشخاص کی تعداد بہت کم ہے جو ان کی کتب ورسائل کے اسماء صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ سکیں۔ ان کی بعض کتب ورسائل کے مسودات دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کاغذ کے سینے پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں کھینچ دی گئی ہیں۔ جن فنون پہ وہ کتابیں ہیں انھیں پڑھنے کے لیے ان فنون کے ماہرین کی ضرورت ہے۔ مغرب، مشرق، شمال اور جنوب کا کونہ کونہ چھان ڈالئے آج ان کی مثال نہیں ملے گی۔ ان کی حیات کی ہزاروں جہتیں ہیں اور ہر جہت میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی حیات کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو عبرت وحکمت سے خالی ہو۔ انکا ہر وصف اہل علم، اہل زبان اور اہل فن سے گہری سوچ کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ اپنے عہد میں شہرت وعظمت کی بلند سے بلند تر منزل پہ فائز تھے۔ وہ دنیا کے ہر خطے میں یکساں مقبول تھے مجددین کی تاریخ ہر طرح کے داغ دھبے سے پاک ہے مجددین کی حیات کا ہر پہلو مثل آئینہ ہوتا ہے مجددین کی صف میں بھی اعلیٰ حضرت کے کچھ نمایاں اوصاف ہیں۔ بہت سارے مجددین کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کی دینی، ملی خدمات آثار اور علامات کو دیکھ کر دنیا نے ان کے مجدد ہونے کا اعتراف کیا مگر اعلیٰ حضرت کی مجددیت کا جس انداز میں اظہار واعلان ہوا ہے میرے علم کے مطابق مجددین کی تاریخ میں شاید ہی کسی مجدد کی مجددیت کا اظہار واعلان ہوا ہو۔ اعلیٰ حضرت کے علمی واصلاحی اور تجدیدی آفاق کو دیکھ کر ابتدا ہی سے علماء ومشائخ کی ایک جماعت نے انھیں مجدد لکھنا اور کہنا شروع کردیا تھا پھر ایک وقت آیا کہ بہار کی راجدھانی

پٹنہ کی سرزمین پر ردندوہ کے سات روزہ تاریخی اجلاس میں آپ کی مجددیت کا باضابطہ اظہار واعلان ہوا۔اس تاریخی اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں غیر منقسم ہندوستان کے تمام مراکز اہلسنت کی قریب قریب ساری مرکزی شخصیات جمع تھیں۔ایک محتاط اندازے کے مطابق علما ومشائخ کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھیں۔اور آپ کی مجددیت کے حوالے سے جو اعلامیہ تیار ہوا تھا سب نے اس اعلامیہ کی تائید کی اور اپنے دستخط سے اسے مزین کیا ۱۳۳؍مؤیدین علما ومشائخ کی فہرست حیات اعلیٰ حضرت ،حصہ دوم میں ملک العلماء حضرت علامہ شاہ سید ظفر الدین فاضل بہاری نے شامل کی ہے۔چند مشاہیر شخصیات کے اسماء ذیل میں ملاحظہ کریں:

حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر صاحب بدایونی

حضرت کنز الکرامت جبل الاستقامت الاسد الاسدّ الاشدّ الارشد مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیت

حضرت والا درجت حافظ صحیح بخاری مولانا مولوی سید عبدالصمد صاحب نقوی سہسوانی پھپھوند ضلع اٹاوہ

حضرت والا درجت شاہ امین احمد صاحب جناب حضور سجادہ نشین حضرت مخدوم الملک بہاری

حضرت استاذ مولانا مولوی ہدایت اللہ خان صاحب جونپوری رام پوری

مولانا سید نصیر الحق صاحب چشتی نظامی زیب سجادہ عظیم آباد

مولانا سید وحید الحق صاحب زیب سجادہ شیخ پورہ بہار شریف

حضرت مولانا شاہ شہود الحق صاحب نظامی چشتی سجادہ نشین سپری گڑھ پٹنہ

مطیع الرسول حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی

حضرت مولانا شاہ عبدالقیوم صاحب شہید فی سبیل اللہ بدایونی

حضرت مولانا ابو الوفاء سراج الدین شاہ سلامت اللہ صاحب اعظمی رام پوری

حضرت مولانا حافظ عنایت اللہ خان صاحب رام پوری

حضرت مولانا اعجاز حسین صاحب برادر مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب رام پوری

حضرت مولانا شاہ ارشد علی صاحب رام پوری

حضرت مولانا عبدالغفار خان صاحب رام پوری

حضرت مولانا شاہ ظہور الحسین صاحب رام پوری از تلامذہ مولانا شاہ ارشاد حسین

حضرت مولانا سید شاہ محمد محسن صاحب صاحبزادہ مولانا حاجی سید شاہ اکبر صاحب ابولعلائی زیب سجادہ داناپور

حضرت مولانا حاجی قاری شاہ محمد حامد رضا خان صاحب خلف اکبر اعلیٰ حضرت عالم اہل سنت فاضل بریلوی

حضرت مولانا احمد علی شاہ نقشبندی

حضرت مولانا محمد رمضان صاحب اکبر آبادی مدرس و واعظ جامع مسجد آگرہ

حضرت والا درجت جناب سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں مارہروی

حضرت مولانا سید اعظم شاہ صاحب شاہ جہاں پوری

حضرت مولانا شاہ عبدالکافی صاحب مدرس اول و مہتمم مدرسہ سبحانیہ الہ آبادی

حضرت مولانا مولوی عبیداللہ صاحب پنجابی الہ آبادی

حضرت مولانا محمد بشیر صاحب اجملی الہ آبادی

حضرت مولانا محمد بشیر صاحب جبل پوری

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ اپنے عہد میں مرجع علماء بھی تھے، مرجع فتاویٰ بھی تھے اور مرجع خلائق بھی تھے آپ کی مرجعیت اور مرکزیت کا دائرہ صرف بر صغیر ہندو پاک ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ پورے عالم اسلام میں آپ یکساں محبوب ومقبول تھے وہابیت اور بد اعتقادی اپنے خونی پنجے سے پورے عالم اسلام کولہولہان کرنے پر آمادہ تھی۔ الوہیت ، رسالت اور محبوبان الٰہی سب کی عظمتیں نشانے پر تھیں۔ علما، مشائخ اور صوفیا، حالات وکوائف کا اپنے طور پر دفاع کر رہے تھے مگر ان کی دفاعی کوششیں زود اثر ثابت نہیں ہو پا رہی تھیں۔ سب ایسی ذات وشخصیت کے منتظر تھے جو باطل قوتوں کا ہر محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کر سکے اعلیٰ حضرت سب کی مراد بن کر جلوہ گر ہوئے۔ اور اسلام کے جن اصول ومبادیات باطل قوتیں مشق ستم بنائے ہوئے تھیں۔ ان اصول ومبادت کے چہرے سے گرد وغبار کو صاف کر کے اس انداز میں دنیا کے سامنے پیش فرمایا کہ محبوبان الٰہی کی انکھیں روشن ومنور ہوگئیں۔ اعلیٰ حضرت نے ان مقامات پر بھی اپنے قلم کا پہرہ بٹھا دیا باطل جہاں سے در انداز ہوسکتا تھا۔ جو لوگ غفلت کی نیند سو رہے تھے انھیں اس طرح آپ نے بیدار فرمایا۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے تقدیس الوہیت، ناموس رسالت اور عظمت محبوبان الٰہی کا جس انداز میں دفاع فرمایا ہے، یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اگر آپ کی جلوہ گری نہ ہوتی تو نہ جانے اسلام وسنیت کا کیا حال ہوتا؟ آپ کی دینی، ملی اور علمی خدمات سے آپ کا پورا عہد متاثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پورے عہد کے لیے قبلۂ عقیدت بن گئے تھے۔ اس حوالے سے علما ومشائخ کے تاثرات وخیالات اکھٹا کئے جائیں تو کئی مجلدات تیار ہوسکتی ہیں اس حوالے سے بہت حد تک کام ہوا ہے۔ مگر وہ کئی حصوں میں منقسم ہے انھیں اگر یکجا کر دیا جائے تو اس کی افادیت دو چند ہو جائے گی اس تعلق سے ہم بہت سنجیدہ ہیں ہم یہاں ان محبوبان الٰہی کے تاثرات وخیالات اپنے قارئین تک پہنچانا چاہتے ہیں جن کی محبوبیت مسلم ہے اور جن کی بے پناہ مقبولیت وعظمت کا ایک جہاں معترف ہے ذیل میں چند محبوبان الٰہی کے خیالات ملاحظہ کریں۔

غوث زماں حضرت سید شاہ عبد اللہ علیہ الرحمہ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ علماء حق کے قدر دان تھے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے آپ کے خیالات کیا تھے؟ جب اس حوالے سے آپ سے سوال ہوا تو آپ نے یوں جواب دیا کہ:

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ

احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فیوضکم القدسیہ القادریہ کا فیضان لا محدود ہے۔ آپ کا علم بحر عمیق ہے۔ آپ کی ذات کو دنیا بھر کے علماء میں اللہ تعالیٰ نے امتیازی شان عطا فرمائی ہے۔ اور آسمان معرفت کے ستاروں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمایا ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والا آپ کی شان میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کے علم وفضل کا کرشمہ ہے کہ آج شہر شہر، قریہ قریہ اور بستی بستی آپکے لکھے ہوئے درودوسلام گونج رہے ہیں۔ دنیائے اسلام میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا عالم ہو جس کو اتنی عزت ووقار اور توقیر اللہ تعالیٰ نے بخشی ہو کہ اپنے توا پنے غیر بھی آپ کے علم وفضل سے انحراف نہیں کر سکتے آپ کا ترجمۂ قرآن کنز الایمان دنیائے اسلام کے لیے خزینۂ فیضان ہے۔ آپ کو تقریباً ستر علوم وفنون پر مہارت تامہ حاصل تھی۔ آپ کی ہر تصنیف عشق حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہر کتاب پڑھنے اور سننے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر حرف اور ہر سطر عشق ومحبت کا جام ہے۔ آپ نے دنیائے اسلام پر جو احسانات فرمائے ہیں وہ قیامت تک نا قابل فراموش ہیں۔

(امام احمد رضا کاملین کی نظر میں۔ص ۱۱۸، ۱۱۹، رضا اکیڈمی لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے حوالے سے محبوبان الٰہی کے تاثرات وخیالات پڑھنے کے بعد پلکیں بھیگ جاتی ہیں۔ اور کبھی کبھی آنکھیں ساون بھادو برسانے لگتی ہیں۔ حضرت مولانا سید شاہ حافظ غلام حسین مصطفیٰ رضا قادری ایک علمی خانوادے کے چشم وچراغ تھے تفسیر نگاری اور احادیث بیانی آپ کو وراثت میں ملی تھی، علوم عقلیہ ونقلیہ کی جملہ شاخوں پہ آپ کی گہری نظر تھی۔ پرہیز گاری، تقویٰ شعاری اور خوف وخشیت میں آپ اپنے عہد میں ممتاز تھے۔ ملتان شریف پاکستان آپ کا آبائی وطن ہے سید صاحب اپنی ایک مشہور زمانہ تفسیر مبارک القرآن سراج منیر، میں ایک جگہ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''اردو تراجم میں پہلا ترجمہ لاجواب، بے نظیر ترجمہ عالم بے بدل اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان رضی اللہ عنہ نے لکھا اعلیٰ حضرت کے بارے میں فقیر کچھ نہیں کہتا، اتنا ضرور ہے کہ آپ ہر فن میں ماہر تھے، آپ بحر العلوم تھے۔ دشمنوں نے بھی یہ اعتراف کیا ہے۔ آپ نے محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہترین ادبی انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ یہ گمراہ فرقوں کا دور تھا۔ مگر آپ نے نہایت مختصر عرصہ میں گمراہ فرقوں کو تتر بتر کر دیا۔ امام اہلسنت اپنے وقت کے غوث زماں تھے، تقویٰ اور طہارت میں بے مثل تھے آپ کی ہر ادا سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ آپ نے پندرہ سو سے زائد کتابیں لکھیں، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قیمتی

تھا۔آپ نے شرح بخاری لکھی جو لاجواب ہے۔آپ کے سامنے مخالف علما بول نہ سکتے تھے۔آپ کی شہرت تمام عالم اسلام میں پھیل گئی ۔ علمائے مصر اور علمائے مدینہ نے آپ کو امام تسلیم کیا۔آپ کا قلم اتنا شہ زور تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں امت کو علم کا بیش بہا خزانہ عطا کیا۔آپ کی تحریر کا سکہ پوری دنیا میں ہے۔

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

فقیر یہ کہتا ہے کہ بیشک کامل راستہ نبیین، شہداء، صدیقین اور صالحین کا ہے اسی راستے پر نجات ہے۔اولیائے کاملین کی محبت ، صحابہ کی محبت، اہل بیت کی محبت ہی اصل میں نجات کا راستہ ہے۔جس نے اس کو چھوڑا وہ اس دنیا میں اور آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا۔اور یہی وجہ ہے کہ چودھویں صدی میں صحیح معنوں میں اولیا اللہ،صحابہ اور اہل بیت ان کے راستے کو صحیح معنوں میں ہمیں دکھلایا تو وہ ہمارے مجدد مأۃ حاضرہ امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ ہیں۔انہوں نے صالحین، صحابہ اور حضور ﷺ کی محبت کو عین ایمان جان ایمان قرار دیا ورنہ آپ کو کسی سے کیا مخالفت ہے۔لوگ آپ کے خلاف کچھ کہتے ہیں، آپ کو بدعتی کہا جاتا ہے تو صرف اسی وجہ سے کہ آپ سرکار ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور کاملین کا راستہ دکھلاتے ہیں۔خدا کی قسم! فقیر ناقص گناہگار ہے، واللہ واللہ مجھے دو مرتبہ زیارت رسول مقبول ﷺ ہوئی، سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے اور میرے ناقص کانوں نے آپ ﷺ کے یہ ارشادات سنے ہیں۔فرمایا ''موجودہ وقت میں میری امت کو اگر صحیح راستہ اختیار کرنا ہو تو میرے احمد رضا کا راستہ اختیار کرے۔احمد رضا کا راستہ ہی میرا راستہ ہے۔

(امام احمد رضا کاملین کی نظر میں، ص ۱۲۱/رضا اکیڈمی لاہور)

نور العارفین حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مارہرہ شریف کے اقطاب میں آخری قطب تھے۔ان کی عظمت و رفعت کا اندازہ ہم جیسے بے مایہ کو نہیں ہو سکتا۔وہ ہر زاویے سے عرش نشین تھے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے آپ کی عظمتوں کا جس انداز میں خطبہ پڑھا ہے یہ اعلیٰ حضرت ہی کا حق تھا۔حضرت نوری میاں اعلیٰ حضرت کے مرشد اجازت بھی تھے اور اساتذہ کی صف میں بھی آپ کا نام آتا ہے۔اعلیٰ حضرت کو چشم و چراغ خاندان برکات کا لقب حضرت نوری میاں ہی نے دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کو اگر حضرت نوری میاں کی نگاہ سے دیکھا جائے تو بہت سارے اختلافات خود بخود ختم ہوجائیں گے۔اپنے بزرگوں کی روش سے ہٹنے کی وبا عام ہورہی ہے۔لوگ دیکھتے ہی دیکھتے اپنے آباء کے ارشادات و فرمودات پس پشت ڈال دیتے ہیں اعلیٰ حضرت حج کے لئے تشریف لے گئے تھے حضرت نوری میاں بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے تھے الٰہی جب تک میں مولانا احمد رضا کو دیکھ نہ لوں اس وقت تک مجھے موت نہ دینا حضرت نوری میاں کی اعلیٰ حضرت سے محبت کی یہ انتہا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے حضرت نوری میاں فرماتے ہیں۔

مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی اس

زمانے کے مجدد برحق اور سلسلۂ برکات کے روحانی فرزند ہیں ان پر مرشد گرامی کی خاص نظر توجہ ہے، اللہ ورسول کی خاص عنایتوں سے وافر حصّہ ان کو عطا ہوا ہے۔ دورِ حاضر میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کا موقف ہی دین حق ہے اور اہلسنت کے تمام علمبرداروں کو اس جانب متوجہ ہونا چاہئے۔ان کے مشن وموقف سے دامن بچانے والوں میں خواص ہوں کہ عوام ان پر خاندان برکات کا اعتبار نہیں حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی پیر ومرشد مولانا احمد رضا خان صاحب نے علم وعمل میں ان کی تقلید واتباع کا فرمان جاری فرمایا ہے بلکہ حضور نے یہ بھی وصیت کی ہے کہ مولوی شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے موقف سے ہمیشہ اتفاق رکھا جائے۔ نیز مرشد گرامی قبلہ نے ان کی مریدی پر فخر فرمایا ہے۔اور دنیا سے لے کر محشر تک خوشی کا اظہار فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ہر تقریر وتحریر لائق تقلید وعمل ہے، بلکہ ان کا وجود نسل در نسل خاندان برکات کے لئے لائق صد فخر ومباہات ہے۔ہم بھی اپنے مریدین ،معتقدین اور ابناء وخلفاء کو مولانا احمد رضا خان صاحب سے دلی محبت اور سچی عقیدت واحترام کی وصیت کرتے ہیں اور یہ تاکید کرتے ہیں کہ مرتے دم تک ان کے موقف کی تائید کرے اور ان کے ہر شرعی فیصلے سے اتفاق رکھے۔ ہمارے خاندان کا ایک بچہ بھی مولانا احمد رضا خاں صاحب کا نام بے ادبی سے نہ لے، مذہب ومسلک اعلیٰ حضرت سے نااتفاقی ظاہر کرنے والا میرے سلسلے کا مرید نہیں ہوسکتا، ہو بھی تو خارج از سلسلہ تصور کرنا چاہئے۔

(ماہنامہ پاسبان اکتوبر الٰہ آباد،۱۹۷۹ء)

OOOO

مولانا ملک الظفر سہسرامی

احترام نبوت اور امام احمد رضا

ہم بحکم الٰہی اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رسول اعظم سید عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کے پابند ہیں۔قرآن مقدس میں بہت واضح اور غیر مبہم انداز میں ہمیں رسولِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔

ایک مقام پر اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درس بایں انداز دیا جا رہا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهَ، اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا۔ایک دوسرے مقام پر تو رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری کو ہی عین دین قرار دے دیا گیا اور یوں ارشاد فرمایا گیا: وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ، جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں اطاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو حیثیت ہے اسے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔اسی راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

جو مطیع الرسول ہے دراصل وہی مطیع اللہ ہے۔جو مطیع الرسول نہیں وہ مطیع اللہ بھی نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کا پٹہ گردن میں ڈالے بغیر دل میں چراغ اطاعت الٰہی جلانے کا تصور ایک غیر اسلامی خیال ہے۔اتباع و پیروی کے لیے ضروری ہے کہ جس ذات کی اتباع و پیروی کی جائے اس کی تعظیم وتوقیر کا پرچم دل میں لہرا رہا ہو۔جس شخصیت کی عظمت وتوقیر دل میں نہ ہوگی تو اس کی اتباع و پیروی کا مزاج پیدا ہی نہیں ہو سکتا اور تعظیم وتوقیر کے لیے ضروری ہے کہ جس کی تعظیم وتوقیر کا سکہ مملکت قلب میں رائج الوقت ہے اس شخصیت سے عشق ومحبت کا تعلق بھی قائم ہو۔اگر محبت نہ ہوگی تو تعظیم وتوقیر کا مزاج نہ پیدا ہوگا اور پھر اتباع و پیروی تو بہت اونچی چیز ہے۔

آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی ذات اقدس سے وابستگی جان ایمان، روح ایمان اور خلاصۂ ایمان ہے۔یہی رشتۂ محبت ایمان کی اولین شرط بھی ہے۔اس ذات اقدس سے وابستگی میں جس قدر گہرائی وگیرائی ہوگی اسی

قدر ایمان کی فصل بھی تر و تازہ ہوگی۔ چنانچہ اس رشتۂ عشق و محبت اور عظمت و توقیر نبوت پر جذبۂ جاں نثاری پیش کرنے پر زور دیتے ہوئے قرآن مقدس یوں ہدایت جاری فرماتا ہے:

قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَاَبۡنَآؤُکُمۡ وَاِخۡوَانُکُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ وَعَشِیۡرَتُکُمۡ وَاَمۡوَالُ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ- وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ○

ترجمہ: آپ فرما دیں اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہارا کنبہ، تمہارے کمائے ہوئے مال، تمہاری وہ تجارت جس کے نقصان کا اندیشہ تمہیں رہتا ہے اور تمہاری پسند کی رہائش گاہیں یہ سب کچھ اگر تم کو اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہوں تو تم اللہ کے حکم (عذاب) کا انتظار کرو اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

احادیث نبوی کے ذخائر میں اس تعلق سے بہت سی احادیث روشن ہیں۔ ایک مقام پر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے راوی حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں: لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡهِ مِنۡ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ، تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک مقام پر اس تعلق و وابستگی پر زور دیتے ہوئے آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ثَلٰثٌ مَّنۡ کَانَ فِیۡهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الۡاِیۡمَانِ مَنۡ کَانَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ اَحَبَّ اِلَیۡهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنۡ اَحَبَّ عَبۡدًا لَّا یُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنۡ یَّکۡرَهُ اَنۡ یُّلۡقٰی فِی الۡکُفۡرِ بَعۡدَ اَنۡ اَنۡقَذَهُ اللّٰهُ مِنۡهُ کَمَا یَکۡرَهُ اَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ، جس میں تین خصلتیں ہوں وہ ایمان کی لذت پالے گا۔ اللہ و رسول تمام مالوں سے زیادہ محبوب ہو جائیں، جو بندے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے، جو کفر میں لوٹ جانا جب کہ رب نے اسے بچا لیا ایسا برا جانے جیسے آگ میں ڈالا جانا برا جانا۔

ایمان تعلق باللہ و رسول کا نام ہے۔ ایمان کے گلشن میں ساری بہاریں اس تعلق و وابستگی سے ہیں۔ ایک دن حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ چنانچہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن مقدس نازل فرمایا: آپ مجھے جان سے زیادہ عزیز و محبوب ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اب تمہارا ایمان کامل ہوگیا۔

غزوۂ احد میں ایک صحابیہ کے باپ، بھائی اور شوہر تک شہید کر دیے گئے، انہیں جب اس کی خبر پہنچتی ہے تو دیوانہ وار دریافت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے

ہیں؟ جب انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بخیر وسلامت ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے تو کہتی ہیں کہ مجھے آپ کی زیارت سے مشرف کرا دو۔ ایک روایت میں ہے کہ بے تابانہ آپ کا جامۂ اقدس پکڑ کر بولیں: كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ، آپ کی زیارت کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔ عاشق رسول حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت جب قریب آیا تو ان کی زوجۂ محترمہ بولیں: وَا حُزْنَاہ، ہائے غم! حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: وَا حَسْرَتَاہُ غَدًا اَلْقٰی مُحَمَّدًا وَّ اَصْحَابَهٗ، واہ خوشی کا دن کل ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے ملیں گے۔

تاریخ کے صفحات خود جذبۂ جاں نثاری کے واقعات سے روشن و تابندہ ہیں جس ذات و شخصیت کے لیے دل میں جذبۂ محبت ہوگا تو پھر اس کی محراب عظمت میں خود سپردگی و نیازمندی کا مزاج نظر آئے گا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ عالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر ایمان کا ایک اہم ستون ہے۔ احترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء کے حوالے سے متعدد آیات قرآنیہ کا نزول ہوا۔ جن میں قیامت تک کے مسلمانوں کو رسول کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محراب عظمت میں نیازمندیوں کے خراج لٹانے کا درس دیا گیا۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: وتعزروہ وتوقروہ، تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو۔

قرآن مقدس کے حکم کے مطابق سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر دین کا ایک اہم ستون ہے۔ ایک اور مقام پر احترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء کی قرار واقعی حیثیت کی نشان دہی کرتے ہوئے قرآن مقدس ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى۔

ترجمہ: بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے۔

جن حضرات نے احترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء بجالانے میں کشادہ قلبی کا مظاہرہ کیا اللہ تعالیٰ نے تین عظیم انعام واکرام سے نوازنے کا وعدہ فرمایا۔ اول یہ کہ ہم نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے منتخب فرمایا، دوم یہ کہ اگر ان سے بشری تقاضوں کے تحت کوئی لغزش وگناہ سرزد ہو جائے تو ہم انہیں مغفرت عطا فرما دیتے ہیں۔ سوم یہ کہ ہم بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء کا ادب بجالانے پر اجر عظیم سے نوازیں گے۔

ایک مقام پر یوں احترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء کا درس ہمیں دیا جارہا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت (ضائع) نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

مذکورہ بالا آیات قرآنیہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے مسلمانوں کو اشاروں کنایوں میں نہیں بلکہ بہت ہی واضح اور غیر مبہم انداز میں احترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثنا کی تعلیم فرما دی اور ساتھ ساتھ عظمت و وقار نبوت کے بازیچۂ اطفال بنانے والے عناصر کی انتہائی سخت جملوں میں گوشمالی کی جارہی ہے۔

اب اس تناظر میں ہم پہلے سیدی امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے تعلق بالرسول علیہ التحیۃ والثناء پر گفتگو کریں گے اور پھر اس کے زیر اثر تعظیم و توقیر نبوت علیہ التحیۃ والثناء کے حوالے سے اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات کا مختصرً اجائزہ لیں گے۔

محبت رسول علیہ التحیۃ والثناء یہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب زندگی کا خوبصورت عنوان ہے۔ اسی کے رواں دواں آبشاروں اور شجر سایہ دار میں ساری زندگی بسر ہوئی۔ اپنے تو اپنے بیگانوں کو بھی آپ کے اس طرۂ امتیاز کا اقرار و اعتراف تھا، ہے اور رہے گا۔ مشہور نقاد و ادیب نیاز فتح پوری سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس امتیازی وصف کے تعلق سے رقمطراز ہیں ''شعر و ادب میرا خاص موضوع ہے، میں نے مولانا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام کا پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کے اظہار کے ساتھ افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عشق ومحبت رسول علیہ التحیۃ والثناء کا یہی تو وہ جذبہ بے کراں تھا جس کے زیر اثر انہوں نے احترام وتوقیر نبوت کے باب میں وہ درخشاں اور زریں خدمات انجام دیں جو آپ کی ذات وشخصیت کا طرۂ امتیاز بن گیا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کے باب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جو افکار ونظریات ہیں لاریب ان میں اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حزم واحتیاط کا جو رنگ ہے وہ پورے طور پر غالب نظر آتا ہے۔ بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء میں حاضری، حاضری کے آداب اور اس مقدس مقام کی نزاکتوں کا احساس دلاتے ہوئے حاضر بارگاہ نبوی کو ہدایت فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''جب حرم محترم مدینہ میں داخل ہو، احسن یہ ہے کہ سواری سے اتر پڑے اور سر جھکائے، آنکھیں نیچی کیے چلے۔ ہوسکے تو برہنہ پائی بہتر ہے

جائے سرست ایں کہ تو پا می نہی
پائے نہ بینی کہ تو کجا می نہی

جب در مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ وسلام عرض کر کے قدرے توقف کرے، گویا سرکار سے اذن حضوری کا طالب ہے، اس وقت جو ادب وتعظیم واجب ہے، مسلمانوں کا قلب خود واقف ہے، زنہار زنہار اس مسجد میں کوئی حرف چلا کر نہ کہے، یقین جانے کہ وہ مزار عطر وانور میں بحیات ظاہری، دنیاوی، حقیقی ویسے زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے، ائمۂ دین تصریح فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے ایک ایک قول وفعل بلکہ دل کے خطروں پر مطلع ہیں۔ اب وہ وقت آگیا کہ دل کا رخ بھی اس پاک جالی کی طرف ہوگیا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب عظیم الشان

کی آرامگاہ رفیع المکان ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کیے، لرزتا کانپتا بید کی طرح تھرتھراتا ندامت گناہ سے عرق شرم میں ڈوبا قدم بڑھا، خضوع ووقار، خشوع وانکسار کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو، سواسجدہ وعبادت کے جو بات ادب واجلال میں اکمل ہو بجالا، زنہار جالی شریف کے بوسہ ومس سے دور رہ کہ خلاف ادب ہے۔ اب نہایت ادب ووقار کے ساتھ مجرا وتسلیم بجالا۔ باآواز حزیں وصورت درد آگیں ودل شرمناک وجگر صد چاک، معتدل آواز سے نہایت نرم وپست نہ بہت بلند وپست عرض الصلوۃ والسلام علیك ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علیك یا رسول اللہ، السلام علیك یا خیر خلق اللہ، السلام علیك یا شفیع المذنبین، السلام علیك وعلی الك واصحابك اجمعین۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عظمت مآب میں حاضری کے آداب بیان کرنے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے حزم واحتیاط کے جو چراغ جلائے ہیں یقیناً اس سے ان کے تعلق بالرسول علیہ التحیۃ والثناء کا پہلو درخشاں وتاباں ہوتا نظر آتا ہے۔

تعظیم وتوقیر رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مطلقاً مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب عظمت میں عقیدت ونیازمندی کے خراج لٹانے کا حکم صادر فرمایا۔ اسی سے استفادہ فرماتے ہوئے تعظیم وتوقیر رسول علیہ التحیۃ والثناء کے باب میں ادب کے تقاضوں کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ہر اس فعل کی اجازت پاتے ہیں جس پر شریعت نے قدغن نہ لگائی ہو، پہرے نہ بٹھائے ہوں۔ وہ فرماتے ہیں۔

”بوجہ اطلاق آیات، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے، حسن ومحمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی خاص طریقے کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بے شک ممنوع ہوگا، جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانور ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محراب عظمت پر کہیں دور سے بھی بے ادبی کا شائبہ نظر آئے تو ان کا قلم احتیاط کا دامن تھامنے کی تاکید فرماتا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ”روح زندہ کے لیے بھی ہے۔ بلکہ روح ہی سے زندگی ہے اور درود شریف کے صیغوں میں میں ”اللھم صل علی روح سیدنا محمد فی الارواح“ تو اصل میں اس لفظ کے کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر جہاں عوام اس سے یہ معنی سمجھتے ہوں جیسے اس نیک نیت پاکیزہ خیال نے سمجھا تو ضرور اس کے کہنے سے ان کو روکا جائے یا یہ وہم ان کے دلوں سے نکال دیا جائے کہ ارواح کا اطلاق اموات ہی کے حق میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حقیقۃً ایسے ہی زندہ ہیں جیسی رونق افروزی دنیا کے زمانے میں تھی۔ ان کی موت ایک آن کے لیے تصدیق وعدۂ الہیہ کل نفس ذائقۃ الموت کے واسطے ہوئی ہے، پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ بحیات حقیقی جسمانی دنیاوی زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں،

مجالس خیر میں تشریف لے جاتے ہیں، کھانا پینا سب کچھ دنیا کی طرح بے کسی آلائش کے جاری ہیں۔

ایک مرتبہ سیدی امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ علمی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھے جانے کے تعلق سے ایک استفتا کیا۔ سوال میں سائل نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ مکمل درود شریف نہ لکھ کر مخفف لکھ دیا۔ سیدی امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے جذبۂ عقیدت ومحبت کو ٹھیس لگی اور سائل کے اصل استفتاء کا جواب بعد میں تحریر فرمایا، پہلے اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا سبق پڑھایا۔ فرماتے ہیں: ''صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وبارک وسلم۔ سائل کو جواب مسئلہ سے زیادہ نافع یہ بات ہے کہ درود شریف کی جگہ جو عوام وجہال صلعم یاء یام یاص یا صلعم لکھا کرتے ہیں محض مہمل وجہالت ہے۔ القلم احدی اللسانین، جیسے زبان سے درود شریف کے عوض یہ مہمل کلمات کہنا درود کو ادا نہ کرے گا یوں ہی ان مہمل کلمات کا لکھنا درود لکھنے کا کام نہ دے گا۔ ایسی کوتاہ قلمی سخت محرومی ہے۔ ایسے لوگ فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم میں داخل نہ ہوں۔ نام پاک کے ساتھ ہمیشہ پورا درود لکھا جائے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کے باب میں سیدی امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا قلم حد درجہ محتاط تھا۔ نہ افراط تھا، نہ تفریط تھی۔ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ''اولیٰ یوں کہنا ہے کہ اللہ پھر اللہ کے رسول نے چاہا۔ اور یوں کہنا بھی کہ اللہ ورسول چاہیں گے۔ حرج نہیں رکھتا جب کہ اللہ ورسول کو برابر نہ جانے اور وہ کون سا مسلمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاذ اللہ عزوجل کا شریک جانے گا۔''

اہل سنت وجماعت کے معمولات ومراسم کے تعلق سے باطل جماعتوں کی جانب سے جو اعتراضات ہوتے ہیں ان کے تعلق سے مختلف دیار وامصار سے اہل حق معرفت حق کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ علمی میں رجوع کرتے۔ مجالس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختتام پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کا معمول ہے۔ ایک سائل نے اعلیٰ حضرت سے اس تعلق سے استفتا کیا تو آپ نے اس کا جواب بایں انداز تحریر فرمایا ''وہابی جھوٹے ہیں اور ان کا منع کہنا شریعت پر افترا ہے، ان سے پوچھو کہ اللہ ورسول نے منع فرمایا ہے یا تم منع کرتے ہو؟ اگر کہیں اللہ ورسول نے منع فرمایا ہے تو دکھائیں کس آیت کس حدیث صحیح میں ہے کہ قیام مجلس مبارک منع ہے اور اگر کہیں کہ ہم خود منع کرتے ہیں تو بکا کریں حکم ان کا نہیں بلکہ اللہ ورسول کا ہے۔ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔''

اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں جا بجا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا حکم فرمایا اور قیام بھی اقسام تعظیم سے ہے تو جب تک اس خاص تعظیم کی ممانعت اللہ ورسول کے حکم سے ثابت نہ ہو یہ حکم قرآنی کے مطابق ہے۔ قرآن عظیم سے بڑھ کر اور کیا دلیل درکار ہے۔ زیادہ تفصیل ہمارے رسالہ ''اقامۃ القیامۃ'' میں ہے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکریم حضرت بتول زہرا کے لیے قیام فرماتے اور حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تعظیم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

لیے قیام کرتیں۔

سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت حاضر ہوئے حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کرام کو ان کے لیے قیام کا حکم فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجلس انور سے اٹھتے وقمنا قیاما حتی نراہ دخل بعض بیوت ازواجه۔ ہم سب کھڑے ہو جاتے اور کھڑے رہتے جب تک کہ حضور حجرات شریفہ میں سے کسی میں تشریف نہ لے جاتے۔

ممانعت قیام اعام سے ہے کہ ان کا بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوتا اور درباری تصویر بنے ہوئے سامنے کھڑے رہتے۔ بعض وقت اس کی ناپسندی بطور تواضع ورفع تکلف ہے جیسے اب بھی کوئی معظم دینی آئے اور حاضرین اس کے لیے قیام کریں تو وہ کہتا ہے کہ تکلف نہ فرمائیے، تشریف رکھیے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ قیام سے شرعاً منع کرتا ہے بلکہ تواضعاً۔ مخالفین کے یہاں بھی قیام وتعظیم برابر رائج ہے۔ اپنے ملوں کے لیے قیام کریں گے اور لوگ ان کے لیے قیام کریں، بعض بیٹھے رہیں تو ناراض ہوں گے بے ادب جانیں گے مگر یہ تو اپنے ملوں کی تعظیم ہے۔ جن کی باطل عظمت سے دل بھرے ہوئے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ان کے یہاں کہاں اس میں یہ شاخانے بوجھتے ہیں۔ شفا شریف وغیرہا میں ائمۂ دین تصریح فرماتے ہیں کہ حضور کے ذکر اقدس کی تعظیم ذات انور کی طرح ہے۔ وقت تشریف آوری تعظیم ذات کریم قیام سے ہے تو ذکر شریف کی یہی تعظیم مسلمانوں نے صدہا سال سے مقرر کی۔"

تعظیم وتوقیر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں سیدی امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا کردار ایک محافظ اور چوکیدار کا نظر آتا ہے۔ ناموس رسالت کے تحفظ میں وہ سر سے کفن باندھے ہوئے ایک مرد مجاہد کی طرح دشنام طرازوں کو للکارتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ کسی سمجھوتے کے لیے تیار نہیں۔ تعظیم وتوقیر رسالت مآب علیہ التحیۃ والثناء کے حوالے سے کسی کو بھٹکا ہوا پایا۔ منصب نبوت کے حوالے سے لب ولہجے میں ذرہ برابر کہیں رکاکت نظر آئی فوراً قلمی معرکہ آرائی کے لیے کمربستہ نظر آتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو اس بات کا اقرار واعتراف کرنا ہوگا کہ ناموس رسالت کی محافظت وچوکیداری آپ کی حیات کا نصب العین تھا۔ اس حوالے سے آپ پر تہمت بھی باندھی گئی، الزام تراشیاں بھی کی گئیں، لیکن آپ کے جذبۂ وفاداری میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ ناموس رسالت کو بازیچۂ اطفال بنانے والوں کا تعاقب کرتے ہوئے کبھی کبھی بظاہر آپ کے لہجے میں سختی بھی پیدا ہوئی۔ پروفیسر مسعود احمد مظہری علیہ الرحمۃ اعلیٰ حضرت کے اس انداز فکر پہ تبصرہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ مخالفین کی قابل اعتراض تحریرات پر فاضل بریلوی نے سخت تنقید فرمائی ہے اور بسا اوقات لہجہ بھی نہایت درشت ہے۔ لیکن کسی مقام پر تہذیب وشائستگی سے گرا ہوا نہیں ہے۔ وہ ناموس مصطفیٰ کی حفاظت میں شمشیر بکف نظر آتے ہیں۔ دونوں کے طرز عمل میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔"

پاکستان کے ایک دوسرے محقق ونقاد ڈاکٹر محمد

اسحاق قریشی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرزِ فکر پہ اپنا تبصرہ کچھ اس انداز سے قلمبند فرماتے ہیں:

''رہا یہ سوال کہ ان کی نعتوں میں بعض مقامات پر اشارۃً اور کبھی صراحۃً ان افراد کا رد موجود ہے جن کے نظریات کو وہ بارگاہ رسالت میں نامناسب غیر محتاط اور بعض اوقات لائق گرفت سمجھتے تھے۔ ایسے خیالات پر ان کا جوشِ عقیدت کسی مداہنت کا قائل نہیں ہے۔ اگر چہ فتویٰ لگانے میں ان کی احتیاط بھی دیدنی ہے۔ اکثر یوں ہی ہوا کہ خیالات کا رد کیا، نظریات کو دین سے انحراف اور کفر کہا، نظریات کی تردید ان کے سارے کلام بلکہ نثری نگارشات میں بڑی واضح ہے۔ یہ ان کا ذوقِ ایمان اور تحفظ عقیدہ کا مسئلہ تھا، کوئی ذاتی پرخاش یا مفادات کا ٹکراؤ نہ تھا، یہ نظریاتی مبارزت تھی جو پرجوش بھی تھی اور بلا کسی حجاب کے بھی تھی۔''

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کے حوالے سے جو جذبہ جاں نثاری اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے یہاں نظر آتا ہے وہ یقیناً قابل صد رشک ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وعزت کی محافظت میں آپکی خدمات آب زر سے تحریر کیے جانے کے لائق ہیں۔ ایک وفادار، نمک خور غلام کی طرح اپنی پوری زندگی گزار دی۔ مخالفین کی دشنام طرازیوں سے وہ قطعی کبیدہ خاطر نہیں ہوتے۔ بلکہ اس پر ایک الگ نرالے انداز میں اظہار مسرت فرماتے ہیں۔ دیدۂ عبرت ہو تو وہ پڑھیے:

''واللہ العظیم وہ بندۂ گدا بخوشی راضی ہے۔ اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس کے بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگائیں کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس ہزار مغلظہ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط ہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قدست اسرارہم کو گالیاں دیں تو ایں ہم برعلم۔

خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آباء واجداد کی آبرو بدگویوں کی بدزبانی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کے لیے سپر ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندۂ خدا پر کیا کیا طوفان، بہتان اس کے ذاتی معاملات میں اٹھاتے ہیں۔ اخباروں، اشتہاروں میں طرح طرح کی گڑھتوں سے کیا کیا خاکے اڑاتے ہیں، مگر وہ اصلاً قطعاً اس طرف التفات کرتا نہ جواب دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مجھے اس لیے عطا ہوا کہ بعونہٖ تعالیٰ عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمایت کروں۔ حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمایت میں ضائع ہونے دوں۔ اچھا ہے جتنی دیر مجھے برا کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدگوئی سے غافل رہتے ہیں۔''

''حمد اس وجہ کریم کو جس نے اپنے بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ ان اعاظم اکابر کی ان مدحوں پر اتراتا ہے، بلکہ اپنے رب کے حسن نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لیے ہے، کیسا تو نے اس ناچیز کو ان عظمائے عزیز کی آنکھوں یں معزز فرمایا۔ نہ ان دشنامیوں اور ان کے حامیوں کی گالیوں سے جو وہ زبانی دیتے اور اخباروں میں چھاپتے ہیں۔ پریشان ہوتا، بلکہ شکر بجا لاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی حمایت کرے، گالیاں کھائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتوں میں اس کا چہرہ لکھا جائے۔"

درج بالااقتباسات کی ایک ایک سطر وفاداری وجاں نثاری کی مشک باری ہے۔ اللہ تعظیم وتوقیر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے نام پر ہر ظلم ہر ستم خندہ پیشانی کے ساتھ گوارہ ہے۔ اعلیٰ حضرت کا یہی وہ جذبہ جاں نثاری تھا جس کی بنیاد پر اغیار ومخالفین نے بھی آپ کے جذبہ جاں نثاری کی قسم کھا کھا کر گواہیاں دی ہیں۔ مودودی فکر کے ترجمان کوثر نیازی جو ایک شہرت یافتہ ادیب وقلمکار ہیں اعلیٰ حضرت کے اس وصف پر اپنے استاذ کے حوالے اپنا بے لاگ تبصرہ تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: "میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم ومغفور سے لیا ہے۔ کبھی کبھی اعلیٰ حضرت کا ذکر آجاتا تو مولانا کاندھلوی فرمایا کرتے: مولوی صاحب! مولانا احمد رضا خان کی بخشش تو انہی فتووں کے سبب ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: احمد رضا تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا، تم نے سمجھا کہ انہوں نے توہین رسول کی تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا، جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کر دی۔"

کوثر نیازی ایک دوسرے مکتبۂ فکر کے بڑے عالم مفتی محمد شفیع دیوبندی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جب حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا اشرف علی کو کسی نے آکر اطلاع دی، مولانا تھانوی نے بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے، جب وہ دعا کر چکے تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ مولانا احمد رضا خان نے ہم پر کفر کے فتوے اس لیے لگائے کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے توہین رسول کی ہے۔ اگر وہ یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے۔ حقیقت میں جسے لوگ امام احمد رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں وہ بارگاہِ رسالت میں ان کے ادب واحتیاط کی روش کا نتیجہ ہے۔"

احترام وتوقیر نبوت کے باب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا قلم ادب واحتیاط کے جملہ تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے پلکوں سے لفظوں کے موتیوں کا انتخاب کرتا۔ مبادا ادنیٰ سی لغزش وگستاخی اعمال کی تباہی وبربادی کا پیش خیمہ بن جائے۔ انہوں نے اپنی تحریروں، فتاووں اور شعری نگارشات کے ذریعے احترام وتوقیر نبوت علیہ التحیۃ والثناء کے باب میں جوگل بوٹے کھلائے ہیں وہ عین منصب نبوت کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ ان کی کسی تحریر میں افراط وتفریط کے کسی سقم وعیب کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا بے پناہ فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل آپ کے قلم اور فکر کی اس طرح صیانت وحفاظت فرمائی۔ آپ نے اپنے فتوے کسی تحریر، نثر یا نظم میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بوقلموں صفات بیان کرنے میں احد واحمد اور خالق ومخلوق کا فرق ہر ہر قدم پر ملحوظ نظر رکھا۔ کہیں بھی آپ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہیں تحریر فرمایا۔ ایسا نظر نہیں

آتا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات جلیلہ بیان کرنے میں ذاتی وعطائی کا امتیاز قائم نہیں فرمایا ہو۔اس تعلق سے ایک مقام پر آپ تحریر فرماتے ہیں:

''افسوس کہ ان کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علم الٰہی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی، وہ واجب یہ ممکن، وہ قدیم یہ حادث، وہ نامخلوق یہ مخلوق، وہ نامقدور یہ مقدور، وہ ضرور البقا یہ جائز الفنا، وہ ممتنع التغیر یہ ممکن التبدل، ان عظیم تفرقوں کے بعد شرک نہ ہوگا مگر کسی مجنون کا۔ اگر تمام اہل علم اگلے پچھلوں سب کے علوم جمع کیے جائیں تو ان کو علم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندر سے۔ بارگاہ الوہیت ونبوت میں اعلیٰ حضرت کا یہی وہ جزم واحتیاط ہے جس نے مخالفین ومعاندین کو بھی ان کی عظمتوں کے اقرار واعتراف پر مجبور کر دیا۔ وہ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، شراب عشق ومحبت مین ان کا قلم اور ان کے افکار ڈوبے ہوئے ضرور تھے لیکن شریعت کی پاسداری سے ایک لمحہ بھی غافل نہ تھے، وہ جوش میں بھی تھے لیکن ہوش کی بالادستی بھی برقرار تھی۔ وہ دیوانگی کی سرحد میں داخل تھے لیکن فرزانگی کا دامن بھی مضبوطی کے ساتھ ہاتھوں کے گرفت میں تھا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر ہی اصل ایمان، روحِ ایمان اور جانِ ایمان ہے۔اس کے بغیر ایمان کا گلشن ایک اجڑا دیار، صحرائے بے وقار اور قطعی ناقابل اعتبار ہے۔نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ بھی مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کا پٹہ گردن میں ڈالے بغیر بے وقعت ہیں۔وہ فرماتے ہیں: ''نماز ہو یا کوئی عمل صالح وہ سب اس سرکار کی غلامی وبندگی کی فرع ہے، جب تک ان کا غلام نہ ہو لے کوئی بندگی کام نہیں دے سکتی۔لہٰذا قرآن عظیم میں ان کی تعظیم کو اپنی عبادت سے مقدم رکھا کہ فرمایا: لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ وَتُسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا○ کہ تم ایمان لاؤ اللہ ورسول پر اور رسول کی تعظیم وتکریم کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔

یعنی نماز پڑھو تو سب میں مقدم ایمان ہے کہ بے اس کے تعظیم رسول مقبول نہیں۔ یوں تو عبداللہ تمام جہان ہے مگر سچا عبداللہ وہ ہے جو عبد مصطفیٰ ہے ورنہ عبد شیطان ہوگا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔''

تعظیم وتوقیر نبوت کا یہی وہ انداز ہے جس کے زیر اثر آپ ہمیشہ اپنے دستخط میں احمد رضا کے ساتھ عبدالمصطفیٰ کا سابقہ لگاتے۔معترضین نے غلامی کی اس روش پر اعتراضات کی بوچھار کی لیکن آپ کے اندازِ غلامانہ پر کوئی فرق نہیں پڑا۔آپ بدستور معمول کے مطابق عبدالمصطفیٰ لکھتے رہے اور معترضین کے اعتراضات کا علمی انداز میں محاسبہ فرما کر اس کے تمام تار وپود بکھیر کر رکھ دیے۔

تعظیم وتوقیر کا یہ وہ انداز تھا جس نے آپ کو بے پناہ حساس بنا دیا تھا۔سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محراب عظمت میں معمولی لغزش بھی نظرانداز کرنے کے قائل نظر نہیں آئے اور مرتکب اہانت سے ہر طرح کے مذہبی ومعاشرتی تعلق کے مقاطعہ کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ چنانچہ اپنی وصیت میں اس تعلق سے ہدایت فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''جس سے اللہ ورسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی

پیارا ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ، معظم کیوں نہ ہوا پنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔"

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے منسوب ہو جانے والی چیزوں کے تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تعظیم وتوقیر کا سبق پڑھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک یا جبۂ مبارک یا نعل شریف یا کاسۂ مطہرہ تبرک کے لیے جس پانی پر ڈالا جائے وہ قابل وضو ہے۔ ہاں پاؤں پر نہ ڈالا جائے کہ خلاف ادب ہے۔ اگر منہ پر جاری منہ کا وضو ہو گیا، ان کا نام پاک لینے سے دل کا وضو ہو جاتا ہے۔"

مزید اس تعلق سے فرماتے ہیں: "حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار شریفہ مثل جبۂ مقدسہ ونعلین مبارک کا غسالہ شفا، برکت، قابل وضو، معطی طہارت ہے، مگر پاؤں پر نہ ڈالا جائے۔

آب کوثر اور آب زم زم کے درمیان زیادہ فضیلت کسے حاصل ہے اس میں علمائے کرام کے علمی اختلافات سے اہل علم ناواقف نہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منسوب ہونے کی بنا پر آب کوثر کو افضل قرار دینے کی پرزور وکالت فرماتے نظر آتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

(۱) آخرت میں وہی افضل ہے جو عند اللہ افضل ہے اور شک نہیں کہ آخرت میں کوثر افضل ہے۔ تو اب بھی کوثر زم زم سے افضل ہے۔

(۲) زم زم دنیا کا پانی ہے اور کوثر آخرت کا اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: بے شک آخرت درجوں میں بڑی ہے اور فضیلت میں زائد۔

(۳) کوثر کا پانی جنت سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کوثر میں جنت سے دو پرنالے گر رہے ہیں، ایک سونے کا ایک چاندی کا اور فرماتے ہیں سن لو کہ اللہ کا بیش بہا مال جنت ہے سن لو اللہ کا بیش بہا مال جنت ہے۔

(۴) کوثر کا پانی امت مرحومہ کے لیے زیادہ نافع ہے، ایک قطرہ جس کے حلق میں جائے گا ابد الآباد تک کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ نہ کبھی اس کے چہرے پر سیاہی آئے۔

(۵) اللہ عزوجل نے عطائے کوثر اپنے حبیب افضل الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر احسان عظیم رکھا کہ "اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ" بے شک ہم نے کہ عظمت والے ہیں تم کو بے مثل و یکتا کوثر عطا فرمایا۔ تو کوثر کی عظمت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔

سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے جہاں اپنے فتاوی، نثری شہ پارے کے ذریعے تعظیم وتوقیر نبوت علیہ التحیۃ والثناء کے گلستان میں گلہائے صد ہزار رنگ کھلائے ہیں وہیں شعری نگارشات کے ذریعے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محراب عظمت میں اپنی نیازمندیوں، عقیدتمندیوں کے خراج بوقلموں انداز میں لٹائے ہیں۔

OOOO

سید اولاد رسول قدسی، امریکہ

عقیدۂ ختم نبوت تصانیف رضا کی روشنی میں

آقائے دوعالم حضور سرورعالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء بمعنی آخر الانبیا ہونا ایسا قطعی ہے کہ نہ صرف یہ کہ اس پر نص قرآنی دال ہے بلکہ صحاح کی بکثرت احادیث جو حد تواتر تک پہنچی ہیں باضابطہ وضاحت وصراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں،اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں، مسلمان پر جس طرح لا الہ الا اللہ ماننا، اللہ سبحانہ کو احد اور صمد لاشریک جاننا فرض اول ومناط ایمان ہے یونہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ان کے زمانے میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً قطعاً محال و باطل جاننا فرض اجل وجزء ایمان ہے ولکن رسول اللہ وخاتم النبین نص قطعی قرآن ہے ۔اس کا منکر نہ منکر بلکہ شبہ کرنے والا نہ شاک کہ ادنیٰ ضعف احتمال خفیف سے توہم خلاف رکھنے والا قطعاً اجماعاً کافر ملعون مخلد فی النیر ان ہے نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے عقیدۂ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافر جو اس کے کافر ہونے میں شک وتر دکو راہ دے وہ بھی کافر ہے۔

(ختم النبین ص ٦)

قرآن مقدس کے بائیسویں پارہ کے سورۂ احزاب کی چالیسویں آیت ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتمیت یوں بیان کرتی ہے ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَ لٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ‌-وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا۔یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔مذکورہ آیت صراحتاً یہ بتاتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں آپ پر نبوت ختم ہوگئی۔ اور آپ کی نبوت کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔اس آیت کے تناظر میں یہ نہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو قیامت سے پہلے آسمان سے روئے زمین پر نزول فرمائیں گے وہ بھی تو نبی ہیں پھر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیا ہونا کیوں کر ثابت ہوگا۔اس ضمن میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں مگر نزول کے بعد وہ اپنی شریعت سابقہ پر نہیں بلکہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے،اسی شریعت مطہرہ کی روشنی میں احکام نافذ کریں گے اور تبلیغی امور انجام دیں گے،اس پر مستزاد یہ کہ آقائے کریم رسول دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قبلہ کعبتہ اللہ کی طرف رخ کر کے

نمازیں ادا فرمائیں گے۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اس قدر مسلم ہے کہ رب کائنات نے لوح محفوظ پر جہاں مخلوقات کی تقدیر لکھی وہیں یہ بھی تحریر فرمائی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین یعنی سب نبیوں میں آخر ہیں۔ جیسا کہ صحیحین شریفین میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"

ان الله عزوجل كتب الله مقادير الخلق قبل أن يخلق السماوات والارض بخمسين آلفا سنة وكان عرشه على الماء ومن جملة ما كتب فى الذكر وهوام الكتاب ان محمدا خاتم النبيين۔

یعنی اللہ عزوجل نے زمین وآسمان کی آفرینش سے پچاس ہزار برس پہلے خلق کی تقدیر لکھی اور اس کا عرش پانی پر تھا منجملہ ان تحریرات کے لوح محفوظ میں لکھا بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہاں تک روایت ہے کہ پہلے انسان اور اللہ کے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان قلم قدرت سے لکھا ہوا تھا "محمد رسول الله خاتم النبيين" یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

بیہقی شریف کے اندر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ ایسی حدیث جلوہ ریز ہے کہ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی قبولیت توبہ کے وقت رب کائنات نے جہاں اپنے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے یہ فرمایا "ولا محمد ما خلقتك یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اے آدم میں تیری بھی تخلیق نہیں کرتا وہیں یہ بھی فرمایا وهو آخر الانبياء من ذريتك۔ یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری اولاد میں سب سے پچھلے نبی ہیں۔ آئیے ذیل میں حدیث وتفسیر کی روشنی میں پورا واقعہ اختصار کے ساتھ ملاحظہ کریں اور اپنے ایمان کو جلا بخشیں۔

حضرت آدم علیہ السلام جب جنت میں رہائش کے زمانے میں شجر ممنوعہ کا پھل تناول فرمایا تو رب کے حکم سے آپ زمین پر تشریف لے آئے، یہاں آنے کے بعد اپنی لغزش پر متواتر تین سو سال تک اشک بار رہے اور رب قدیر کی بارگاہ میں توبہ کرتے رہے مگر ان کی توبہ شرف قبولیت سے ہمکنار نہ ہوئی۔ تین سو سال کے بعد آپ کو اللہ کے حبیب مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال آیا اور ان کے وسیلۂ جلیلہ سے بارگاہ خداوندی میں یوں عرض گزار ہوئے" یارب اسألك بحق محمد ان غفرت لى "یعنی اے میرے رب تجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرمادے۔ خداوند قدوس نے فرمایا اے آدم! تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کیسے حاصل ہوئی جب کہ وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا بار الہٰ! میں تو انہیں جانتا نہیں تھا لیکن جب تو نے میرے جسم میں روح پھونک کر تخلیق مکمل فرمائی تو میں نے عرش کی جانب سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے پایوں پر لکھا ہوا تھا "لا اله الا الله محمد رسول الله" تو پھر مجھے یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ جس ذات بابرکات کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا یقیناً وہ تیرا

سب سے زیادہ محبوب ہے۔ رب قدیر نے فرمایا ”صدقت یاٰدم انه لاحب الخق الی واذسالتنی بحقه فقدغفرت لك ولا لا محمد ماخلقتك وهو اٰخر الانبیا من ذریتك “یعنی اے آدم! تو نے سچ کہا بلاشبہ وہ میرے لئے احب الخلق یعنی تمام جہان سے زیادہ محبوب ہے اب چونکہ تو نے میرے محبوب کا واسطہ دیا ہے تو میں نے تیری توبہ قبول کی اور تجھے مغفرت کا پروانہ عطا کیا، اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا اور یہ محمد تیری اولاد میں سب سے پچھلے نبی ہیں۔

رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیا ہونا اس قدر واضح و مشہور ہے کہ نہ صرف یہ کہ قرآن مقدس، لوح محفوظ اور حضرت آدم علیہ السلام کے شانوں کے درمیان مکتوب مرقوم ہے بلکہ دیگر آسمانی کتب وصحائف کے اندر بھی جلی حروف کے ساتھ یہ مندرج ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ پہ نبوت کا تمام واختتام ہو چکا۔ میرے اس دعوے کی پشت پناہ سیدی اعلیٰ حضرت کی نقل کردہ ابن عساکر کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مروی حدیث ہے۔ ”قال النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یسمیٰ فی الکتب القدیمة احمد ومحمد والماحی والمقفیٰ ونبی الملاحم وحمطایا وفارقلیطا وماذماذ۔“یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگلی کتابوں میں میرے یہ نام مکتوب تھے احمد، محمد، الماحی، المقفی، نبی الملاحم، حمطایا، فارقلیطا، ماذ ماذ۔

اب آپ ان ناموں کے ترجمے ملاحظہ فرمائیں۔

احمد: بہت تعریف کرنے والا۔ محمد: جن کی خوب خوب تعریف کی جائے۔ ماحی: کفر و شرک کو مٹانے والا۔ نبی الملاحم: جہادوں کے پیغمبر۔ حمطایا: حرم الٰہی کے حمایتی۔ فارقلیطا: حق کا باطل سے جدا کرنے والا۔ ماذ ماذ: ستھرا پاکیزہ۔ المقفی کا معنیٰ ہے سب پیغمبروں کے پیچھے تشریف لانے والے۔

کتب سماویہ کے اندر رسول وقار صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب اسم گرامی مقفی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مسئلہ ختم نبوت کوئی نو زائیدہ مسئلہ نہیں بلکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جسے کتب سماویہ نے بھی اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے۔

یہ تو کتب سماویہ کی بات تھی اب آیئے صحائف کے بھی زریں اوراق پر نظر ڈالیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب عامر شعبی سے روایت فرماتے ہیں کہ ابوالانبیا حضرت ابراھیم علیہ السلام کے مقدس صحیفے میں رسول دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیا ہونا درج تھا جیسا کہ صحیفۂ سیدنا ابراھیم علیہ السلام میں یوں مرقوم تھا کہ رب کائنات نے اپنے خلیل علیہ السلام سے فرمایا ” انه کان من ولدك شعوب حتیٰ یاتی النبی الامی خاتم الانبیا یعنی بے شک تیری اولاد میں قبائل در قبائل ہوں گے یہاں تک کہ نبی امی خاتم الانبیا جلوہ فرما ہوں گے۔ علاوہ ازیں محمد بن کعب قرظی روایت فرماتے ہیں ”اوحی الله تعالیٰ الی یعقوب انی ابعث من ذریتك ملوکا وانبیاء حتیٰ ابعث النبی الحرمی الذی تبنی امته هیکل بیت المقدس وهو خاتم الانبیاء واسمه احمد“یعنی نبیرۂ ابو الانبیا حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام کی طرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے یعقوب! میں تیری اولاد میں

سلاطین وانبیا بھیجتا رہوں گا یہاں تک مبعوث فرماؤں اس حرم محترم والے نبی کو جس امت بیت المقدس کی بلند تعمیر بنائے گی وہ سب پیغمبروں کا خاتم ہے اور اس کا نام احمد ہے (ﷺ)

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سرور کائنات ﷺ کے مایۂ ناز صحابی ہیں وہ جہاں پہلے نہ صرف یہ کہ یہودی تھے بلکہ خود یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے وہیں ان کے والد اپنے زمانے میں اعلم علماء توراۃ یعنی توریت کے جاننے والوں میں سب سے بڑے جاننے والے گردانے جاتے تھے ۔حضرت کعب احبار حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد جو بیان فرمایا وہ روح پرور اور ایمان افروز ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات پر غماز ہے کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی علماء تورات وانجیل وزبور بھی جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خاکدان گیتی میں آخری نبی بن کر جلوہ افروز ہوں گے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد علماء توراۃ میں سب سے بڑے عالم تھے ۔ان کا سینہ علم ومعرفت کا گنجینہ تھا۔وہ مجھ سے بے پناہ محبت وشفقت فرماتے تھے اور اپنے علم سے کوئی شے مجھ سے کبھی چھپایا نہیں کرتے تھے وہ چاہتے تھے کہ میں بھی علم وفضل میں یکتائے روزگار بنوں، میری حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب ان کا آخری وقت آپہنچا۔ہوا یوں کہ موت سے پہلے انہوں نے مجھے بڑے پیار سے قریب بلایا اور فرمانے لگے کہ اے میرے پیارے بیٹے! تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں اپنی معلومات میں سے کوئی شئی ذرہ برابر بھی تجھ سے مخفی نہیں رکھی ۔بفضلہ تعالیٰ اب تیرا سینہ علوم ومعارف کا ایک بہتا دریا بن چکا ہے ۔میں نے تا زندگی اشاعت علم میں کسی قسم کی بخالت سے کام نہیں لیا۔اس کی واحد اور بڑی اہم وجہ یہ رہی کہ میں چاہتا تھا کہ میرا بیٹا بھی اپنے وقت کا ایک جید اور لائق وفائق ماہر علوم وفنون ہو۔لیکن دوورق تجھ سے روک رکھا۔اس کے بارے میں اس سے قبل میں نے کبھی تجھے کچھ نہ بتایا۔نہ بتانے کی وجہ بخل یا اخفا نہیں بلکہ قبل از وقت اور اندیشہ وخدشہ مانع رہے ۔اب چونکہ میں بستر مرگ پر ہوں ۔جانے کب آجائے پیک اجل کس کو ہے خبر، اگر میں نے موت سے پہلے تجھے یہ بات نہ بتائی تو پھر میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا،مزید برآں تو ایک ایسی عظیم نعمت سے محروم ہو جائے گا جس کے دامن میں اخروی فلاح اور بہار جنت مضمر ہے۔

لہٰذا اب میرے بیٹے میری بات غور سے سن اور میری موت کے بعد میرے کہا پر عمل کرنے میں ذرہ برابر بھی کمی نہ کرنا، دراصل بات یہ ہے کہ میرے پاس دو بڑے ہی اہم ورق ہیں جن میں ایک نبی سے متعلق بہت ہی کارآمد اور نفع بخش ایسی باتیں مندرج ہیں جو تیری دنیا وآخرت کی بہبودی کی ضامن ہیں، سچ تو یہ ہے کہ میں نے کئی بار چاہا میرا ضمیر مجھے پیہم اصرار کرتا رہا، میری خواہش مجھے برانگیختہ کرتی رہی کہ میں اس راز کی اہمیت وافادیت سے متعلق تمہیں باور کرادوں اور فوراً اس کی اہمیت تم پر منکشف کردوں لیکن جب جب میں نے انکشاف کی ہمت کی میرے سامنے یہ اندیشہ مانع رہا کہ مبادا کوئی کذاب مدعی نکل کھڑا ہو اور تو اس متنبی کو سچا جان کر اس کی پیروی کرلے ۔اسے نبی آخر الزماں مان کر اپنے ایمان

وعقیدے کا سودا کرلے، اپنے دین ودنیا کو تو ہلاکت کے دہانے تک پہنچادے۔ اپنے ہاتھ کی کلہاڑی تو اپنے پاؤں پر مارلے لہٰذا اب چونکہ دنیا کو دائمی خیر باد کہنے کا میرا وقت آپہنچا ہے میری زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہونے والا ہے میری روح قفس عنصری سے پرواز کرنے کے لئے اپنے پر تول رہی ہے اس لئے میں تجھے بتا رہا ہوں کہ دیکھ تیرے سامنے جو طاق ہے اس میں وہ اوراق رکھ کر میں نے ان کے اوپر مٹی لگا دی ہے۔ ابھی اسے چھیڑنا نہیں جب نبی آخر الزماں اس زمین پر جلوہ افروز ہوجائیں تو ان اوراق کو پڑھ کر خاتم الانبیا کی بارگاہ میں پہنچ کر ان پر ایمان لے آنا اور تاحیات چاہے حالات کتنے ہی کشیدہ ہوں ان کا بہرصورت پیرو کاربن کر رہنا۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کے انتقال کے بعد جب میں طاق سے وہ اوراق نکالے تو میں نے دیکھا کہ ان میں بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین لانبی بعدہ مولدہ بمکۃ ومھاجرہ بطیبۃ ۔یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کی جائے پیدائش مکہ ہے اور ہجرت گاہ مدینہ۔

رسول گرامی قدر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخر الانبیا ہیں، آپ پر نبوت تمام ہو چکی اور آپ کے بعد قیامت تک کسی دوسرے نبی (خواہ مستقل ہو یا ظلی بروزی ماتحتی) کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث جو ابو داؤد اور ترمذی کے اندر موجود ہے اس میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ صرف خود کو خاتم النبیین بلکہ علی وجہ بصیرت مزید صراحتاً لائے نفی جنس کے ساتھ لا نبی بعدی بھی فرمایا، حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا خاتم النبیین لانبی بعدی "یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نبیوں میں خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اس طرح مسلم شریف میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ختم بی الرسل "یعنی مجھ پر رسولوں کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔

اس سے پہلے راقم الحروف نے وہ حدیث بھی پیش کی جس میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان مکتوب تھا محمد رسول اللہ خاتم النبیین لگے ہاتھ مشکوٰۃ شریف میں مندرج حضرت عرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں "انہ قال انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طین "یعنی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں عند اللہ اس وقت خاتم النبیین لکھا گیا جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی گندھی ہوئی مٹی میں تھے۔ بلفظ دیگر ان کی تخلیق مکمل بھی نہیں ہوئی تھی۔

مذکورہ بالا دلائل وشواہد کے باوجود ختمی مرتبت سرور دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ختم نبوت کا وہی انکار کرے گا جو

قرآن وحدیث سے نابلد ہو یا پھر ہٹ دھرمی کا شکار ہو، اس سے پہلے سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا قول پیش کیا جا چکا ہے کہ مسئلۂ ختم نبوت اس قدر اہم ہے کہ سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ان کے زمانے میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً محال و باطل جاننا ایک مسلمان کے لئے ایسے ہی فرض ہے جیسے لاالہ الااللہ پر ایمان رکھنا۔

اس سلسلے میں آیئے خطیب بغدادی کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ مندرجہ ذیل حدیث بطور اختصار ملاحظہ کریں جس کا تعلق واقعۂ معراج سے ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واقعۂ معراج کے ضمن میں ارشاد فرمایا ''لما اسریٰ بی قربنی ربی حتیٰ کان بینی وبینه کقاب قوسین اوادنیٰ وقال لی یا محمد هل غمك ان یعنك اٰخر النبیین قلت لا قال فهل غم امتك ان جعلتهم آخر الامم قلنا لا یعنی رب کائنات نے شب معراج مجھے اتنا قریب کیا کہ مجھ میں اور اس میں دو کمان بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا تو ایسے روح پرور موقع پر میرے رب نے مجھ سے فرمایا کیا تمہیں اس بات کا غم ہے کہ میں نے تمہیں آخر النبیین یعنی سارے نبیوں میں آخری نبی بنایا؟ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رب قدیر کی بارگاہ میں عرض کی الٰہ العالمین! نہیں مجھے اس بات کا کوئی غم نہیں ہے، پھر رب کائنات نے آپ سے فرمایا کیا تمہاری امت کو اس بات کا رنج وملال ہے کہ میں نے اسے ساری سابق امتوں کے بعد آخری امت بنایا، آپ نے عرض کی بارالٰہ! نہیں میری امت کو بھی اس بات کا کوئی رنج وملال نہیں۔

اتنا بیان کرنے کے بعد رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ انتہائی کیف آگیں سبق آموز ہونے کے پہلو بہ پہلو بے حد ایمان افروز بھی ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے خداوند قدوس کے سوال پر نفی میں جواب دیا کہ نہ مجھے اس بات کا غم ہے کہ تو نے مجھے آخر الانبیا بنا کر خاکدان گیتی میں مبعوث فرمایا اور نہ میری امت کو اس بات پر کسی قسم کا رنج وقلق ہے کہ اسے تو نے آخری امت بنایا تو رب قدیر نے اس کی وجہ خود یوں بیان فرماتی '' انی جعلتهم اٰخر الامم لافضح الامم عنده ولا افضحهم عند الامم ''یعنی میرے حبیب! میں نے تمہاری امت کو اس لئے آخری امت بنایا کہ سابق امتوں کو ان کے سامنے رسوا کروں اور اسے اوروں کے سامنے رسوائی سے محفوظ رکھو۔

مذکورہ بالاحدیث پاک سے جہاں یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی اور آپ کی امت آخری امت ہے وہیں یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ رب کائنات کو اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے کس قدر محبت ہے۔ رب کائنات نے یہ نہ چاہا کہ میرے حبیب کی امت کسی کے سامنے رسوا ہو اور اس کے عیب سے کوئی اور واقف ہو، خدائے لم یزل وبے نیاز کے اس کرم کو دیکھتے ہوئے امید واثق رکھی جاسکتی ہے کہ جب رب قدیر کو یہ نہ گوارا ہوا کہ اس کے حبیب کی امت کے عیوب کو کوئی جانے اور اسے دنیا میں رسوائی کا سامنا کرنا پڑے تو پھر قیامت کے دن بھی ارحم

الرّحمین جو ستار العیوب اور غفار الذنوب ہے ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اہل محشر کے سامنے ہمیں ندامت سے محفوظ رکھے گا، اس امید واثق کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے رحیم و کریم خدا اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات پر سر بہ خم رہیں اور ہم خود کو عملی میدان کا شہسوار بنائیں۔

ختم نبوت سے متعلق ایک بین دلیل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث سے ملتی ہے جس میں رسول الملائکہ حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام کا وہ بیان مذکور ہے جس میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق رب قدیر کے ارشادات موجود ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سب سے پہلے خلاق کائنات کا یہ ارشاد پیش کیا یا رسول اللہ! ان ربك یقول قد ختمت بك الانبیاء ''یعنی آپ کا رب فرماتا ہے کہ میں نے تم پر انبیاء کو ختم کیا یعنی آپ خاتم الانبیا ہیں اس ارشاد کے بعد آپ نے خداوند قدوس کے دیگر ارشادات جو پیش کئے ان کے حرف حرف سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال عظمت شان ظاہر ہوتی ہے، رب کریم نے مزید فرمایا

''ما خلقت خلقاً اکرم علی منك، و قرنت اسمك مع اسمی فلا أذکر فی موضع حتی تذکر معی، ولقد خلقت الدنیا وأھلھا لأعرفھم کرامتك ومنزلتك عندی ولولاك ماخلقت السمٰوٰت والارض''یعنی میں نے کوئی ایسی مخلوق نہیں بنائی جو میرے حبیب سے زیادہ مری بارگاہ میں صاحب عزت ہو، میں نے اپنے حبیب کا نام اپنے نام سے ملایا تا کہ جہاں میرا ذکر ہو وہیں ان کا بھی ذکر ہو، میں نے دنیا اور اہل دنیا سب کچھ اس لئے بنایا کہ میرے حبیب کا مرتبہ ان سب پر ظاہر کروں۔ اگر میرے حبیب نہ ہوتے تو میں زمین و آسمان کو بھی پیدا نہ کرتا۔

علاوہ ازیں حدیث شفاعت جو بہت ہی طویل ہے اس کے اندر بھی روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول مرقوم ہے کہ کل بروز قیامت جب اہل محشر قیامت کی ہول ناکی سے مضطرف و بے قرار ہوں گے اور پچاس ہزار سالوں کے برابر طویل ترین دین سے ہراساں ہوں گے۔ سوا نیزے سر کے او پر سورج کی پر حدت نا قابل برداشت تمازت کی تاب نہ لا کر اہل محشر نہ صرف یہ کہ پسینے سے شرابور ہوں گے بلکہ پسینوں کی ندی میں نہا رہے ہوں گے تو ایسے جانگاہ اور جان گسل موقع پر اہل محشر میں وہ سب بھی شامل ہوں گے جو دنیا میں شفاعت اور وسیلے کے منکر رہے ہوں گے یکجا ہو کر ہر نبی کی بارگاہِ فیض میں شفاعت کی درخواست پیش کریں گے اور یہ کہتے ہوئے گڑ گڑائیں گے کہ خدارا ہماری شفاعت فرما کر ان کٹھنائیوں سے ہمیں راحت دلا دیں تو ہر نبی ''اذھبو الی غیری''یعنی میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ کہہ کہ دوسرے نبی کے پاس بھیج دیں گے بالآخر مایوس ہو کر جب اہل محشر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت کے خواستگار ہوں گے تو آپ بر ملا فرمائیں گے میں اس منصب کا نہیں ''الی اتخذت الھامن دون اللہ وانہ لایھمنی الیوم الانفسی''یعنی مجھے لوگوں نے اللہ کے سوا خدا بنایا تھا مجھے آج اپنی ہی فکر ہے، لہٰذا محشر والو! اگر شفاعت چاہتے ہو

تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جاؤ جو خاتم النبیین ہیں، یہ سنتے ہی محشر والوں کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہے گا، مسرت و شادمانی سے دلوں کی باچھیں کھل اٹھیں گی۔

سارے کے سارے شاداں و فرحاں دوڑے ہوئے بڑی تیزی کے ساتھ جب خاتم النبیین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوں گے تو آپ فرمائیں گے ''انا لھا''، یعنی میں تمہاری شفاعت کے لئے ہوں۔ آج میری شفاعت سے تمہیں محشر کی جانکاہی سے نجات کا پروانہ ملے گا۔

فقط حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی بروز قیامت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاتم النبیین نہیں فرمائیں گے بلکہ اس حدیث شفاعت میں بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ مندرج ہے فیاتون محمداً فیقولون یامحمد انت رسول اللہ وخاتم النبیین ''یعنی سارے اولین وآخرین سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ پر بہار میں آکر یوں عرض کریں گے کہ حضور! آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیا کے خاتم ہیں ہماری شفاعت فرمائیے ان احادیث سے یہ بات مترشح ہی نہیں بلکہ متحقق ہوجاتی ہے کہ اولین وآخرین سب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے اور مانتے رہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا اس قدر مسلم ہے کہ درازگوش نے بھی برملا اظہار کیا کہ انبیا میں آپ کے سوا کوئی اور نبی باقی نہیں، اس سلسلے میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی طویل حدیث فتاوی رضویہ میں پیش فرمایا ہے، اختصار کے ساتھ اس حدیث ہتمہ ملاحظہ کریں۔

جنگ خیبر کی عظیم الشان فتح وکامرانی کے بعد حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس ہورہے تھے اثنائے راہ یک بیک ایک سیاہ رنگ کے درازگوش کو آپ نے دیکھ کر اس کا نام پوچھا تو اس نے جواباً عرض کیا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے اور خلاق کائنات نے میرے دادا کی نسل میں اس قدر برکتیں فرمائیں کہ اس میں ساٹھ درازگوش پیدا کئے اور ہر ایک کو یہ شرف اعزاز بخشا کہ وہ کسی نہ کسی نبی کی سواری کے کام آیا، پھر وہ کہنے لگا ''وقد کنت اتو قعك ان تر کبنی لم یبق من نسل جدی غیر ی ولا من الانبیاء غیرك ''یعنی مجھے یقینی توقع تھی کہ حضور مجھے اپنی سواری سے مشرف فرمائیں گے کہ اب اس نسل میں سوا میرے اور انبیا میں سوائے حضور کے کوئی باقی نہیں، مزید برآں یہ بھی کہنے لگا کہ میں پہلے ایک یہودی کے پاس تھا جو بڑا ہی ظالم وسفاک انسان تھا وہ مجھے بھوکا رکھنے کے ساتھ ساتھ مجھ کو زدوکوب بھی کرتا تھا۔

سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس درازگوش کا نام یعفور رکھا تھا، یہاں تک روایتیں ملتی ہیں کہ جب آپ کسی کو بلانا چاہتے تو یعفور کو بطور قاصد بھیج دیتے اور وہ اس شخص کے مکان کی چوکھٹ پر سر مارتا جب صاحب خانہ باہر آتا تو اسے اشارے سے بتاتا کہ تجھے اللہ کے رسول نے یاد فرمایا ہے، یعفور کے عشق رسول پر قربان جائیے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ نے اس دنیائے فانی کو خیرباد کہا تو یعفور آپ کی رحلت کو برداشت نہ کرسکا یہاں تک کہ آپ کی جدائی کے صدمے سے نڈھال ہو کر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنوئیں میں گر کر موت کی آغوش میں چلا گیا۔

صرف یعفور درازگوش کی تخصیص کیا بلکہ سیدی اعلیٰ حضرت نے طبرانی معجم اوسط، معجم صغیر، دلائل النبوۃ تاریخ ابن

عسا کر وغیرہ کی مستند کتابوں کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ ایک سوسمار نے مجمع عام میں فصیح عربی زبان میں واضح انداز میں کہا کہ یارسول اللہ آپ خاتم النبیین ہیں واضح رہے کہ یہ حدیث مولائے کائنات، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات میں جلوہ ریز ہے جیسا کہ خصائص کبریٰ اور جامع کبیر میں مندرج ہے۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ قبیلۂ بنی سلیم کا ایک بادیہ نشیں ایک سوسمار کا شکار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور آپ کے سامنے سوسمار کو ڈال کر کہنے لگا کہ لات عزیٰ کی قسم میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہ لاؤں گا جب تک کہ یہ سوسمار آپ پر ایمان نہ لے آئے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوسمار کو جوں ہی آواز دی اس نے فوراً جواباً عرض کیا لبیك وسعد یك یا زینت من اوفی یوم القیامة یعنی اے تمام حاضرین مجمع محشر کی زینت میں آپ کی خدمت و بندگی میں حاضر ہوں سوسمار کے جواب کو اس وقت وہاں سارے موجودین نے سنا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من تعبد! یعنی تو کسی کی عبادت کرتا ہے؟ اس نے عرض کی الذی فی السماء عرشه وفی الارض سلطانه وفی البحر سبیله وفی الجنة رحمته وفی النار عذابه یعنی میں اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جس کا عرش آسمان میں ہسلطنت زمین میں ،راستہ سمندر میں، رحمت جنت میں اور عذاب جہنم میں ہے، پھر آپ نے پوچھا من انا بھلا میں کون ہوں؟ اس نے عرض کی، انت رسول الله وخاتم النبیین قد افلح من صدقك وقد خاب من کذبك یعنی آپ پروردگار عالم کے رسول اور رسولوں کے خاتم ہیں جس نے آپ کی تصدیق کی وہ مراد کو پہنچا اور جس نے آپ کی تکذیب کی وہ نامراد ہوا۔

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوسمار کو اس طرح کلام کرتا ہوا بادیہ نشین نے دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا وہ برملا کہنے لگا کہ خدا کی قسم جس وقت میں آپ کے پاس حاضر ہوا تھا اس وقت میری نظر میں آپ سے زیادہ کوئی شخص دشمن نہیں تھا اور اب آپ مجھے میرے والدین ہی نہی بلکہ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو، اتنا کہہ کر وہ فوراً کفر کی زنجیر توڑ کر کلمۂ طیبہ پڑھ کر حلقۂ بگوش اسلام ہو گیا۔

مذکورہ بالا روایتوں سے یہ بات مہر نیم روز کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ صرف انسانوں نے تسلیم کیا بلکہ جانوروں نے بھی زبان حال سے نہیں بلکہ زبان قال سے بہ بانگ دہل اعلان کیا کہ بلاشبہ آپ پر نبوت تمام ہوگئی اب قیامت تک آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، جو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتا وہ جانور سے بھی گیا گزرا بلکہ بلفظ دیگر یوں کہہ لیں کہ منکر ختم نبوت سے جانور صد ہا بہتر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام اشخاص سے ہمیں محفوظ و مامون رکھے جو ایمان پر قدغن لگانے میں ذرہ برابر بھی عار محسوس نہیں کرتے۔

OOOO

حضرت مولانا مفتی محمد اختر حسین قادری

تحقیقاتِ رضویہ کے خلاف جدید تحقیقات میزانِ نقد پر

میں نے عنوان بالا کے تحت دو مسئلوں کے حوالہ سے اہل علم کی خدمت میں چند سوالات پیش کئے تھے۔ وحید العصر علاّمہ محمد عاشق الرحمٰن صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کے حکم پر خود بھی چند سطریں حاضر خدمت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

نیٹ کے ذریعہ ٹیلی فون کی ایجاد کے متعلق معلوم ہوا کہ کسی یوروپین نے ۱۸۷۶ء میں اسے ایجاد کیا اور ہندوستان میں پہلی بار ۱۹۰۲ء کے قریب اس کا داخلہ وائرلیس کے ساتھ ہوا پھر ۱۹۰۹ء میں بیٹری والا فون آیا لوگ اس ایجاد نو سے فائدہ اٹھانے لگے اور معاملات و معمولات میں وہ اس طرح دخیل ہوا کہ آج شاید کوئی آبادی ایسی ہو جو اس چشمہ سے سیراب نہ ہوئی ہو۔ رفتارِ زمانہ ایسی بڑھی کہ ٹیلی فون کے بعد ۱۹۷۳ء میں موبائل فون کو کسی امریکی نے ایجاد کیا اور ہندوستان میں پہلی بار دہلی کی سرزمین پر ۱۹۹۵ء میں اس نے قدم رکھا۔ اور آج ہر گھر بلکہ ہر فرد اس کا ضرورت مند نظر آتا ہے۔

ٹیلی فونک استفاضہ

(۱) مسلمان ہزار بے عملی کے باوجود شرعی امور میں اپنے علما کی طرف آج بھی رجوع کرتے ہیں اور ماضی میں بھی یہی صورت حال تھی۔ بلکہ اس سے بھی بہتر تھی، جب اس ایجاد نو سے شرعی معاملات میں استفاضہ کی بات آئی تو لوگوں نے علمائے حق سے حقیقت حال جاننی چاہی اور وقت کے مرجع انام امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سوال بھیجا، فتاویٰ رضویہ میں ٹیلی فون سے متعلق میری نظر میں تین استفتے گزرے جن میں پہلا استفتا، شہر رامپور سے ۴ ربیع الاوّل ۱۳۲۳ھ میں اور دوسرا استفتا گونڈل کاٹھیاواڑ گجرات سے ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ میں اور تیسرا استفتا حیدرآباد دکن سے ۱۶ رمضان ۱۳۳۳ھ میں آیا یہ سوالات مع جوابات فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۵۲۷ سے لے کر صفحہ ۵۲۹ تک مرقوم ہیں۔ پہلا اور دوسرا فتویٰ تفصیلی اور تیسرا مختصر ہے اور تینوں کا خلاصہ یہی ہے کہ ٹیلی فون کی خبر دربارۂ ثبوت ہلال غیر معتبر ہے۔

پہلا استفتا مع جواب درج ہے

کیا فرماتے ہیں علما دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹ تاریخ کو کسی شہر میں چاند نظر نہ آئے اور دوسرے شہر میں وہی چاند ۳۰ کا نظر آیا اور وہاں کے لوگ ٹیلی فون یا ٹیلی گراف میں اطلاع دیں تو وہ خبر معتبر ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ہرگز معتبر نہیں ہوسکتی اصلاً قابل لحاظ نہیں ہوسکتی تار کی سخت بے اعتباری میں فقیر کا فتویٰ مفصلہ طبع ہو چکا ہے۔ اس کی حالت ٹیلی فون درکنار خط سے بھی بہت گری ہوئی ہے کہ اس میں مرسل کے ہاتھ کی علامت تک نہیں ہوتی اور اکثر بنگالی بابوؤں وغیرہم کفار کا توسط ہوتا ہے ورنہ مجاہیل ہونا تو ضروری ہے اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ خط بھی معتبر نہیں۔ ہدایہ میں ہے: "**الخط یشبه الخط**" تو شرعاً تار پر عمل کرنا کیوں کر ممکن۔ یوں ہی ٹیلی فون کہ اس میں شاہد ومشہود نہیں ہوتا صرف آواز سنائی دیتی ہے اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ آڑ سے جو آواز مسموع ہو اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہوسکتی کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے تبیین الحقائق امام زیلعی پھر فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

لو سمع من وراء الحجاب لا یسمعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیره اذا لنغمة تشبه النغمة الخ۔

وصورة الثنیا التی ذکره تحقق لها فیما نحن فیه کما لا یخفی واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ جلد: ۴، ص: ۵۲۷)

دوسرے استفتا کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ٹیلی فون دینے والا اگر سننے والے کے پیش نظر نہ ہو تو امور شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ آواز پہچان جائے کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے۔ (حوالہ سابق ص: ۵۲۹)

جملہ فقہائے اہل سنت کا اب تک یہی موقف چلا آرہا ہے کہ ٹیلی فون اور موبائل سے رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہوسکتا ہے حتی کہ عصر حاضر کے نامور علما کرام ومشائخ عظام کے مسلم بزرگ واستاذ بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب علیہ الرحمہ (متوفی ۲۰۱۲ء) ایک مقام پر لکھتے ہیں:

تار، خط، ٹیلی فون وغیرہ کی خبر سے چاند ثابت نہیں ہوتا جن لوگوں نے اس کی خبر پر عمل کرتے ہوئے روزہ توڑا ان پر قضا واجب ہے۔ (فتاویٰ بحر العلوم، ج ۲/ص ۲۵۶) اس فتویٰ پر جامع معقول ومنقول علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ کا دستخط بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ جتنے معتمد مفتیان کرام کے فتاوے میری نظر سے گزرے سب نے بیک قلم یہی تحریر فرمایا کہ ٹیلی فون سے چاند کا ثبوت نہیں ہوسکتا ہے اور عدم اعتبار کی علت یہ بیان فرمائی کہ "اس میں آواز آڑ اور پس پردہ سے سنائی دیتی ہے جو شرعی امور میں غیر معتبر ہے۔" واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ٹیلی فون اور موبائل کل جس کام کے لیے استعمال ہوتا تھا آج بھی اس سے وہی کام لیا جاتا ہے اور دربارۂ ثبوت ہلال کل جس علت کے پیش نظر ٹیلی فون کی خبریں غیر معتبر تھیں وہی حکم آج بھی رہے گا کہ دور دراز مقامات سے خبر دینے کی صورت میں آج کل بھی آواز آڑ اور پردہ کے پیچھے سے سنی جائے گی جس کا امور شرعیہ میں اعتبار نہیں ہے تو ماضی میں غیر معتبر ہونے کی علت تھی، وہی آج بھی موجود ہے۔ لہٰذا جو حکم کل تھا وہی حکم اب بھی رہے گا۔ (**واللہ تعالیٰ اعلم**)

(۳) مصطلاحات فقہیہ اور نصوص کتاب وسنت کے معانی اور مفاہیم کا معاملہ یہ ہے کہ جس کلمہ کا جو معنی عوام وخواص

میں رائج ہو اور شریعت نے اس سے ہٹ کر اس کا کوئی اور معنی نہ بتایا ہو تو وہی معنی مراد ہوگا جو رائج ہے جسے ''عرف عام'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اسی طرح جو عرف معاشرہ میں پہلے سے ہی پایا جاتا ہو اور اس عرف پر مبنی قول یا فعل کے وجود میں آنے تک وہ عرف خاتم ہو تو بھی کلمہ کا معنی اسی عرف کا اعتبار کرتے ہوئے لیا جائے گا۔

اور اگر کلمات کے ورود اور الفاظ کے تکلم کے بعد کوئی عرف وجود میں آئے تو وہ معتبر نہ ہوگا اور لفظ کا معنی متعین کرنے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا چنانچہ ''الاشباہ والنظائر'' میں ہے:

العرف الذی تحمل علیه الالفاظ انما هو المقارق السابق دون المتأخر و هذا قالو لا عبرة بالعرف الطاری اھ۔ (الاشباہ مع الحموی: ۱/ ۲۸۲)

اور اگر شرع نے کسی کلمہ کا معنی متعین کر دیا ہو تو اگر عرف اس کا موید ہو تو اس عرف کا بھی اعتبار ہوگا اور اگر عرف اس تشریح شرع کا معارض ہو تو اب وہ غیر معتبر ہوگا اور شرع سے جو معنی منقول ہے وہی معنی معتبر ہوگا۔ میری اس تفصیل پر روشنی مجدد دین وملت امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ کے درج ذیل ارشاد سے پڑتی ہے۔

آپ رقم طراز ہیں:

''حق ناصح یہ ہے کہ مصر و قریہ کوئی منقولات شرعیہ مثل صلوٰۃ و زکوٰۃ نہیں جس کو شرع مطہر نے معنی متعارف سے جدا فرما کر اپنی وضع خاص میں کسی نئے معنی کے لیے مقرر کیا ہو اور نہ شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس میں نقل ضرور تھی کہ وضع شارع بے بیان شارع معلوم نہیں ہو سکتی اور شک نہیں کہ یہاں شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصلاً کوئی نقل ثابت و منقول نہیں تو ضرور عرف شرع میں وہ انہیں معانی معروفۂ متعارفہ پر باقی ہیں اور ان سے پھیر کر کسی دوسرے معنی کے لیے قرار دینا وہ قرار دہندہ کی اپنی اصطلاح خاص ہوگی جو مناط و مدار احکام مقصود و مراد شرع نہیں ہو سکتی۔ محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

"واعلم ان من الشارحین من یعبر هذا بتفسیره شرعاً و یجب ان یراد عرف اهل الشرع وهو مع الاصطلاح الذی عبرنا به لا ان الشارع صلی الله علیه و سلم نقله فانه لم یثبت وانما تکلم به الشارع علی وفق اللغة۔"

''اور ظاہر ہے کہ معنی متعارف میں شہر و مصر و مدینہ اسی آبادی کو کہتے ہیں جس میں متعدد کوچے، محلے، متعدد دائمی بازار ہوتے ہیں وہ پرگنہ ہوتا ہے اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہیں عادتاً اس میں کوئی حاکم مقرر ہوتا ہے کہ فیصلۂ مقدمات کرے اپنی شوکت کے سبب مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے اور جو بستیاں ایسی نہیں وہ قریہ و موضع و گاؤں کہلاتی ہیں شرعاً بھی یہی معنی متعارفہ مراد و مدار احکام جمعہ و غیرہا ہیں ولہذا ہمارے امام اعظم و ہمام اقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہر کی یہی تعریف ارشاد فرمائی۔'' (فتاویٰ رضویہ ۳/ ۷۱۰)

میں اس مسئلہ کی مزید وضاحت میں فتاویٰ رضویہ کے

حوالہ سے ایک کلمہ ’’خاتم النبیین‘‘ اور دوسرا کلمہ ’’خلیفہ‘‘ کو درج کرتا ہوں کلمہ ’’خاتم النبین‘‘ کا معنی شرع مطہر نے متعین کر دیا اور حدیث واجماع امت سے اس کا یہ مطلب واضح ہو چکا کہ ’’خاتم النبین‘‘ بمعنی ’’آخر النبین‘‘ ہے اب اگر کوئی شخص اس متعین اور مصرح معنی میں کسی طرح کی تاویل و تخصیص کرے تو وہ اصلاً معتبر نہ ہوگی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ رقمطراز ہیں:

’’آیت کریمہ **ولکن رسول اللہ و خاتم النبین** و حدیث متواتر سے تمام امت مرحومہ نے سلفا وخلفا یہی معنی سمجھے کہ حضور اقدس ﷺ بلا تخصیص تمام انبیا میں آخری نبی ہوئے۔ حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔‘‘

امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہٗ العالی کتاب ’’الاقتصاد‘‘ میں فرماتے ہیں:

’’**ان الامۃ فھمت من ھذا اللفظ انھم عدم نبی بعدہ ابدا و عدم رسول بعدہ ابدا وانہ لیس تاویل و تخصیص**‘‘ اھ (فتاویٰ رضویہ)

اسی طرح لفظ خلیفہ اصطلاح اہلِ شرع میں ایک مخصوص مفہوم کے لیے استعمال ہوتا ہے لہٰذا اگر وہ کسی اور معنی میں استعمال ہوکر کے اس کے اصل معنی کے احکام نافذ کئے جائیں تو قطعاً غیر معتبر ہوگا سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

’’خلیفہ وسلطان کے فرق اور یہ کہ سلطان کہہ دیا جانا ہی خلیفہ نہ ہونے کی کافی دلیل ہے اور یہ کہ لفظ خلیفہ میں اگر کوئی عرف حادث ہو بھی تو اس سے خلافت مصطلحہ شرعیہ پر کیا اثر۔‘‘

(فتاویٰ رضویہ،ص: ۱۴۴،ص:۱۸۶)

اسی میں آگے فرماتے ہیں:

’’جس کے نام کے آگے سلطان لگاتے ہیں اس کو خلیفہ نہیں مانتے کہ خلیفہ اس سے بلند و بالا ہے یہی وہ خلافت مصطلحہ شرعیہ ہے جس کی بحث ہے اسی کے لیے قرشیت وغیرہ سات شرطیں لازمی ہیں عرف حادث میں اگر کسی سلطان کو بھی خلیفہ کہیں یا مدح میں ذکر کر جائیں وہ نہ حکم شرع کا نافی ہے اور نہ اصطلاح شرع کا منافی۔ الخ‘‘

(فتاویٰ رضویہ ص: ۱۴۴،ص:۱۸۶)

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ مصطلحات شرعیہ اور نصوص فقہیہ کے جو معانی و مفاہیم من جانب شرع مشترح اور متعین کر دیئے گئے ہیں کسی کو ان میں ترمیم وتبدیل کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اگر بالفرض آج ان اصطلاحات ونصوص میں ترمیم و تنسیخ کا حق دے دیا جائے تو احکام شرعیہ کا کیا حشر ہوگا۔

اس کو مندرجہ ذیل تحریر سے سمجھا جا سکتا ہے۔

(الف) ائمہ حنفیہ نے بیع کی تعریف ’’**مبادلۃ المال بالمال تبراضی الطرفین**‘‘ کی ہے اور مال کی تعریف میں فرمایا کہ ’’**ما یمیل الیہ الطبع و یمکن ادخارہ عند الحاجۃ**‘‘ لفظ ادخار کے پیش نظر ظاہر الروایہ کے مطابق مال کے لیے مادی ہونا شرط ہے اسی لیے حقوق اور غیر مادی اشیا کی

بیع کو فقہائے کرام نے ناجائز فرمایا ہے۔

اب اگر کوئی بیع کی تعریف ''مبادلة المال بالمال'' کی بجائے ''مبادلة الشئی بالشئی'' کرے اور کہے کہ حقوق بھی شئی ہیں لاشئی نہیں تو ان کی بھی بیع جائز ہے یا کہے کہ مال کی تعریف میں ''ویمکن ادخاره عند الحاجة'' میں ادخارہ اور مطالبۃ عندالحاجۃ مراد ہے اور حقوق کا بھی مطالبہ ہوتا ہے لہٰذا ان کی بیع درست ہے چونکہ زمانۂ قدیم میں صرف مادی چیزوں کو مال سمجھا جاتا تھا تو مادی کی قید لگائی اور غیر مادی اشیا کی بھی بیع وشرا کا رواج ہو چکا ہے لہٰذا بیع اور مال کی تعریف اب عرف حادث اور عصر جدید کے تقاضے کے پیش نظر ہوگی۔

(ب) عامل کی تعریف کرتے ہوئے فقہائے کرام نے فرمایا: ''العامل ما نصبه الامام لتحصیل الصدقات'' یعنی عامل وہ ہے جسے بادشاہ اسلام نے تحصیل صدقات پر متعین فرمایا ہو۔ اب مدارس کے سفرا حضرات فرمانے لگیں کہ ماضی میں تحصیل صدقات پر امیر ہی کی جانب سے تقرر ہوتا تھا اسی لیے ''الامام'' کی قید لگی مگر آج تحصیل صدقات کے لیے ناظم ومنیجر حضرات بھی لوگوں کو مقرر کرتے ہیں لہٰذا اب عامل اسے کہا جائے گا جسے ناظم ادارہ نے بھی تحصیل صدقات پر مقرر کیا ہو اور پھر اسی لحاظ سے وہ عامل کے حکم میں ہو کہ مال زکوٰۃ بے حیلہ شرعیہ اپنی ضرویات کے لیے خرچ کرنے لگے۔

اسی طرح دیگر نصوص واصطلاحات کا حال بھی سمجھ لیں۔

اس لیے آج کسی بھی فقیہ ومفتی اور مجلس کو ان میں تبدیل و تغیر کا کوئی حق نہیں ہے اور جس کلمہ کا جو معنی شرع کی جانب سے معلوم ہو گیا اسی کا اعتبار کرنا لازم ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ حلیہ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

''الاصل ان یعتبر فی الاسماء الشرعیة ما تبنئی عنه من المعانی۔''

یعنی قاعدہ یہ ہے کہ شرعی الفاظ جن معانی کا اظہار کرتے ہوں وہی معتبر ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ۴/۳۴۲/۵۷۲) اور ٹیلی فون وموبائل سے استفاضہ کا تحقق ماننے والوں میں سے مفتی محمد نظام الدین صاحب جامعہ اشرفیہ مبارکپور لکھتے ہیں:

''قرآن حکیم کی آیات اور دوسرے نصوص شرع کا معنی کیا ہے؟ اس کی تعیین آج کل کے لوگوں کے عرف سے نہیں ہوگی بلکہ عربی زبان میں ان کا جو لغوی معنی ہے وہ مراد ہوگا۔ اگر آیات واحادیث ونصوص فقہا کے معانی لغات عرب سے صرف نظر کر کے عرف ناس سے متعین کیے جائیں تو پھر دین کا خدا حافظ۔''

سد الفرار کی منقولہ عبارتوں میں عرف سے مراد عرف لفظی ہے کہ عرف ناس سے الفاظ کے معانی کا ادلنا بدلنا خاص کا عام ہونا یا عام کا خاص ہونا یا مطلق کا مفید ہونا ان کے اپنے محاورات اور معاملات میں معتبر ہے کہ لفظ بھی اور عرف بھی ان کا۔

مگر قرآن وحدیث وفقہ میں وارد الفاظ ونصوص ان کے نہیں نہ وہ متکلم کے مقصود سے آگاہ تو وہاں ان کا عرف بھی معتبر نہ ہوگا یعنی ان کے عرف کی وجہ سے نصوص شریعت کے معانی ومفاہیم میں کوئی ردوبدل نہ ہوگا یہ بات عین قرین عقل و قیاس ہے۔'' (سات بنیادی اصول ص:۲۷۶،۲۷۷)

خلاصۂ کلام یہ کہ نصوص فقہا ومصطلحات شرعیہ کے جو معانی ائمہ دین نے بیان کر دیئے وہی معتبر ہیں ان میں تبدیل

اور ترمیم و تنسیخ کا حق آج کسی کو نہیں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۴) فقہائے کرام نے دربارۂ ثبوت ہلال استفاضہ کو بھی طرق موجبہ میں ذکر فرمایا ہے اور استفاضہ کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے علّامہ ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی رقم طراز ہیں:

قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلک البلدة جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اهل تلک البلدة انهم صاموا عن رویة لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعها

اھ۔ (ردالمحتار ۳)

اسی میں آگے تحریر فرماتے ہیں:

قلت وهو کلام حسن و یشعب الیه قول الذخیرة اذا استفاض و تحقق فان التحقق لا یوجد بمجرد الشیوع۔ (حوالہ سابق)

سیدنا امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے فتاویٰ رضویہ کتاب الصوم میں متعدد مقامات پر استفاضہ کی تشریح فرمائی اور تحقق استفاضہ کی دو صورت ذکر کی اور دونوں صورتوں میں بصراحت بیان فرمایا کہ تحقق استفاضہ کے لیے متعدد جماعتوں کا آنا درکار ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

''استفاضہ یعنی جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضی اسلام ہو وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب بیک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بر بنائے رویت روزہ یا عید کی گئی الخ۔''

(فتاویٰ رضویہ ۴/۵۵۲)

آگے فرماتے ہیں:

اور ایک صورت یہ بھی متصور کہ دوسرے شہر سے جماعات کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے عام لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے الخ۔ (حوالہ سابق)

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ خبر تار یا خط بدرجۂ کثرت پہونچ جائے تو اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ اسے استفاضہ میں داخل سمجھنا صریح غلط ہے، استفاضے کے معنی جو علما نے بیان فرمائے وہ تھے کہ طریق پنجم میں مذکور ہوئے متعدد جماعتوں کا آنا اور یک زبان بیان کرنا چاہیے۔

(حوالہ سابق ص:۵۵۸)

اور فرماتے ہیں:

''بلکہ خود وہاں کی آئی ہوئی متعدد جماعتیں درکار ہیں جو بالاتفاق وہ خبر دیں الخ۔'' (حوالہ سابق، ص:۲۵۲)

فقیہ اعظم ہند صدر الشریعہ علامہ الشاہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قدس سرہٗ رقمطراز ہیں:

کسی شہر میں چاند ہوا اور تمام شہر میں یہ بات مشہور ہے اور وہاں سے متعدد جماعتیں دوسرے شہر میں آئیں اور سب نے اس کی خبر دی کہ وہاں فلاں دن چاند ہوا اور وہاں کے لوگوں نے رویت کی بنا پر فلاں دن سے روزے شروع کئے یوں یہاں والوں کے لیے بھی ثبوت عبارتیں ان کے نظریئے کے تاج محل کو منہدم کرتی نظر آ رہی ہیں اور ہم پہلے ثابت کر آئے کہ

نصوص فقہا کے جو معانی و مفاہیم متعین و مصرح اور مشرح ہو گئے ان میں آج کسی کو تبدیل کا یا تعمیم وتقیید کا کوئی حق نہیں ہے ورنہ دین کا خدا حافظ۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ماضی میں خبریں پہنچانے کے لیے علاوہ اس کے کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ آدمی جا کر خبر دے اس لیے فقہائے کرام نے مخبرین کے آنے کا ذکر کیا اور آج خبر رسانی کے لیے ایسے آلات ایجاد ہو گئے ہیں کہ بغیر آئے بھی خبر دی جا سکتی ہے تو آج بھی مخبریں کے آ کر خبر دینے کی قید لگانا بے معنی بات ہے۔

مگر میرے نزدیک ان کی اس بات کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے کیوں کہ جدید ذرائع ابلاغ بالخصوص ٹیلی فون سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے دور میں ایجاد ہو چکا تھا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر رسانی بغیر مخبر کے گئے ہوئے اس وقت بھی ہوتی تھی اور پھر بعد کے ادوار میں صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے لے کے حضرت مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ تک ٹیلی فون اور موبائل گھر گھر پہونچ چکے تھے مگر ان حضرات میں سے کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ ان جدید ذرائع سے استفاضہ کو متحقق مانیں بلکہ حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے خاص ٹیلی فون سے استفاضہ ہی کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

ان خبروں کو نہ شہادت شمار کیا جا سکتا ہے نہ ان کو استفاضہ میں داخل کیا جا سکتا ہے۔

(فتاویٰ امجدیہ، ۱/ ۳۹۴)

اور حضرت مفتی عبد المنان صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جو لوگ ایک شہر سے دوسرے شہر میں آئے ہوئے کثیر التعداد فونوں کو خبر مستفیض قرار دیتے ہیں شاید خبر مستفیض کی تعریف کے اس ضروری نکتے کو بھول جاتے ہیں کہ استفاضہ کے لیے مقام رویت سے متعدد جماعتوں کا آ کر متفقہ بیان دینا ضروری ہے جب کہ ٹیلی فون کی صورت میں اجتماع صرف خبروں کا ہوتا ہے مخبرین تو سب اپنے اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہیں تو اس خبر میں شہادت بلکہ تواتر یا استفاضہ کی صورت کیسے پیدا ہو گی یہ ایک مجرد خبر ہے

(فتاویٰ بحر العلوم، ۲/ ۲۴۱)

ان عبارات سے ادنیٰ تامل بلکہ بلا تامل یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحقق استفاضہ کے لیے محض خبروں کا آنا ہر گز معتبر نہیں ہے اور اصطلاح فقہ میں جسے استفاضہ کہا جاتا ہے اس میں مخبرین کا گروہ در گروہ آ کر خبر دینے کا اعتبار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) کتب فقہ و فتاویٰ میں استفاضہ کو جا بجا تواتر اور متواتر سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ علامہ شامی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

اعلم ان المراد بالاستفاضة تواتر الخر من الواردين اھ۔ (منحۃ الخالق حاشیہ البحر الرائق، ۲/ ۲۷۰)

اور تنبیہ الغافل والوسنان میں ہے:

مما كانت الاستفاضة لغة بمنزلة الخبر المتواتر۔ (۱/ ۲۵۲)

اثبات احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اس سے اقوی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۴/ ۵۵۳)

اسی میں ہے:

شریعت مطہرہ نے دربارۂ ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شہادت کافیہ یا تواتر شرعی پر بنا فرمایا۔ (حوالہ سابق ص:۵۲۳)

ملک العلما علاّمہ ظفر الدین قدس سرہ نے علاّمہ شامی علیہ الرحمہ کی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا:

یستفیض الخبر یعنی متواتر خبر آئے۔ (فتاویٰ ملک العلماص:۱۶۵)

فتاویٰ اجملیہ میں ہے:

اور خبر استفاضہ متعدد جماعتوں کی وہ متواتر خبریں جن کے جھوٹ پر متفق ہوجانے کو عقل جائز نہ رکھے۔ (۲/ ۲۶۴)

اسی میں ہے:

یہ دونوں خبریں استفاضہ کہلاتی ہیں جو خبر متواتر کے حکم میں ہے۔ (حوالہ سابق، ص:۲۷۷)

ان عبارات سے واضح ہے کہ استفاضہ فقہیہ خبر متواتر کے ہم معنی ہے تو جو حیثیت خبر متواتر کی ہے وہی استفاضہ کی ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۶) ٹیلی فون سے ملنے والی خبر متصل ہے یا منقطع یہ مسئلہ مزید غور وخوص کا طالب ہے حضور سیدی تاج الشریعہ دامت برکاتھم القدسیہ نے اپنے ایک خطبہ صدارت میں اسے خبر منقطع قرار دیا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۷) اب تک کی گفتگو سے مانند آفتاب روشن ہو چکا کہ استفاضہ ایک خالص شرعی وفقہی اصطلاح ہے لہٰذا جب تک اس مفہوم مصطلح کا صحیح مصداق متحقق نہ ہوگا استفاضہ قطعاً صادق نہ آئے گا اور یہ ظاہر ہے کہ ٹیلی فون وموبائل سے موصول خبر پر کسی طور سے وہ معنی صادق نہیں آرہا ہے لہٰذا ان ذرائع سے استفاضہ متحقق نہیں ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

چلتی ٹرین پر نماز کا حکم

کتب متون وشروح اور فتاویٰ میں مصرح ہے کہ نماز فرض وواجب اور ملحق بہ میں استقرار علی الارض شرط صحت نماز ہے چنانچہ ملک العلما علامہ مسعود کاسانی قدس سرہ رقمطراز ہیں:

"الحاصل ان اتحاد الملکان شرط فی صلوٰۃ غیر النافلۃ عند الامکان لا یسقط الا بعذر فلو امکنہ الایقان فلا کلام فی لزومہ لما ذکرہ الشارح من العلۃ۔" (۱/ ۵۱۷)

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

تحقیق یہ کہ استقرار بالکلیہ ولو بالوسائط زمین یا تابع زمین پر کہ زمین سے متصل باتصال قرار ہو ان نمازوں میں شرط صحت ہے مگر تعذر اھ۔ (فتاویٰ رضویہ ۳/ ۴۴)

اور اگر یہ شرط کسی عذر سے فوت ہورہی ہو تو دیکھا جائے کہ جس عذر سے یہ فوت ہورہی ہے وہ عذر اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اگر غیر اختیاری ہو تو نماز اسی حالت میں پڑھ لے اور بعد میں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر کسی عذر اختیاری کی بنا پر وہ شرط فوت ہورہی ہو تو بعد زوال عذر اعادہ کرے۔ امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جملہ معتمدین اہل سنت نے چلتی ریل پر نماز کی عدم صورت کا حکم اسی بنا پر دیا کہ صحت صلوٰۃ کی ایک اہم شرط یعنی استقرار علی الارض نہیں پائی جارہی ہے اور اعادہ کا حکم اس

شرط کے فقدان میں بندے کا دخیل ہونے کی بنا پر ہے یعنی یہ عذر بھی من جهة العبد ہوا جو اعادہ صلوٰۃ کا موجب بنا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

فرض و واجب جیسے وتر و نذر اور ملحق بہ یعنی سنت فجر چلتی ریل پر نہیں ہو سکتے اگر ریل نہ ٹھہرے اور وقت نکلتا دیکھے پڑھ لے بعد استقرار اعادہ کرے۔

(فتاویٰ رضویہ، ۳؍۴۴)

اسی میں آگے رقمطراز ہیں:

ریل اگر روک لی جائے تو زمین ہی پر ٹھہرے گی اور مثل تخت ہو جائے گی انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جهة العباد ہوا۔ اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوال مانع اعادہ کرے۔

(حوالہ سابق) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے کے بعد اس کے اعادہ کا حکم منع من جهة العباد کی بنیاد پر ہے جیسا کہ ماسبق میں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جس عذر میں بندے کے کسب و اختیار کا کچھ دخل نہ ہو اسے منع من جهة الله کہا جاتا ہے اور جس میں بندے کے کسب و اختیار کا کچھ دخل ہو اسے منع من جهة العباد کہا جاتا ہے اصول فقہ کی متعدد کتب میں ان دونوں کلموں کی تشریح مختلف الفاظ وعبارات سے کی گئی ہے مگر ان سب کا مآل وانجام وہی ہے جو اوپر درج ہے۔ تلویح میں ہے:

ثم العوارض (المعترضة على الاهلية) نوعان سماوية، اذلم يكن للعبد فيها اختيار و اكتساب (توضيح تلويح ص: ۷۶۴) والعوارض المكتبه اى التى يكون تكسب العباد مدخل فيها (۷۶۴)

(۴) منع من جهة العباد اور منع من جهة الله کا مفہوم واضح ہو جانے کے بعد یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے کہ ٹرین کا نماز کے لیے نہ رکنا من جهة الله نہیں بلکہ عذر من جهة العباد ہے۔

کیوں کہ ٹرین نہ رکنے میں سب سے اہم عذر گورنمنٹی قانون ہے اور گورنمنٹی قانون حکومت کے ارباب حل وعقد نے اپنے اختیار وارادہ سے وضع کیا اپنے اختیار سے نافذ کیا اور بعد نفاذ اس کی ترمیم وتنسیخ کا اختیار بھی ان ارباب بست وکشاد کو حاصل ہے۔ الحاصل قانون بحال وضع ونفاذ اور بحال بقا سب ذمہ داران حکومت اور قانون ساز بورڈ کے ارکان کے کسب و اختیار سے ہے اور جس امر غیر اختیاری کے مبادی باختیار پیدا کئے جب وہاں غیر اختیاری کے احکام نہیں نافذ ہوتے ہیں تو یہاں تو سب اختیاری ہے لہٰذا یہاں بدرجۂ اولیٰ امر اختیاری کے احکام ہی نافذ ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:

''جس غیر اختیاری کے مبادی باختیار پیدا کئے اس میں معذور نہ ہوگا جیسے شراب کہ اس سے زوال عقل اختیاری نہیں مگر جب کہ اختیار سے ہی تو زوال عقل اور اس پر جو کچھ مرتب ہو سب اسی کے اختیار سے ہوا۔'' (المحجة المؤتمنة ص:۶۰)

لہٰذا ٹرین کا نماز کے لیے نہ رکنے کا عذر سماوی نہیں بلکہ

عذر مکتسب اور **منع من جهة العباد** ہوا۔ اس مسئلہ کا صریح جزئیہ ملاحظہ ہو۔ حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

ومنشأ كل ذالك انه ليس بايدى الراكبين السائرين لا فى السير ولا فى اليقاف بل له مواقف متعينة وكذا ساعات وقوفه فلا يقف بارادة احدهم اثناء السير ولا زيادة على تلك الساعات فى مواقفها لكن هذا كله عذر من جهة العباد لاعذر السماوى۔ (منیۃ المصلی، ص: ۲۵۴)

(۵) **منع من جهة العباد** کے تحقق کے لیے خاص اس معاملہ میں ممانعت ہرگز درکار نہیں ہے بلکہ اگر ممانعت عام **من جهة العباد** ہے تو اسی کے ضمن میں پائی جانے والی ممانعت بھی کافی ہوگی۔ خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں چلتی ٹرین پر اعادۂ صلوٰۃ کا حکم بربنائے **منع من جهة العباد** دیا جب کہ اس وقت بھی خاص کر نماز سے ممانعت کا کوئی قانون نہیں تھا علاوہ ازیں فتاویٰ رضویہ میں درج اس مسئلہ سے بھی حقیقت خود بخود اجاگر ہوجاتی ہے۔ اس میں ہے:

ریل میں ہے اور اس درجہ میں پانی نہیں اور دروازہ بند ہے تیمم کرے **لانه كالمحبوس فى معنى العجز**۔ مگر جب پانی پائے طہارت کرکے نماز پھیرے **لان امانع من جهة العباد**۔ (فتاویٰ رضویہ ۱/ ۶۱۴)

اس مسئلہ میں غور کریں دروازہ بند ہے ظاہر ہے کہ دروازہ صرف نمازی کے لیے نہیں بند ہے بلکہ سارے مسافرین پر ہے اور اسے **منع من جهة العباد** فرمایا تو قطعاً ثابت ہوگیا کہ **منع من جهة العباد** کے لیے خاص اسی معاملہ میں ممانعت ضروری نہیں بلکہ عام ممانعت کے ضمن میں پائی جانے والی ممانعت بھی کافی ہے۔

(۶) فقہائے کرام کے نزدیک استقرار علی الارض صحت نماز کے لیے شرط اجماعی ہے اور جو حکم کسی امر اجماعی پر متفرع ہو وہ بھی اجماعی ہوتا ہے چنانچہ ہمارے علمائے کرام فرماتے ہیں استحباب میلاد و قیام وغیرہ معمولات اہل سنت اجماعی ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ معمولات ایک اصل اجماعی یعنی ذکر مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اور تعظیم نبی علیہ السلام پر متفرع ہیں تو یہ بھی اجماعی ہوئے۔ اسی طرح چلتی ٹرین پر نماز کا حکم ایک اصل اجماعی یعنی شرط صحت صلوٰۃ استقرار علی الارض پر متفرع ہے لہٰذا اسے بھی حکم اجماعی کہا جائے گا۔

علاوہ ازیں یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ اب تک پورے ہندوستان کے مسلمانوں کا عمل اور عرف چلتی ٹرین پر نماز پڑھنے کے بعد اعادہ پر ہے اور اس پر علمائے اہل سنت کا اتفاق چلا آرہا ہے۔ جہاں تک علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ کے موقف کا معاملہ ہے اسے بعض حضرات نے غلط ڈھنگ سے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ عدم جواز کے قائل ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

فالاشبه عدم جواز الصلوٰة فيه عند سيره اھ۔ (غنیۃ المصلی ص: ۲۵۴)

اب تنہا بچے حضرت علامہ عبد الحی فرنگی محلی صاحب ان کے فتاویٰ کا حال معلوم کرنے کے لیے ملک العلما حضرت ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی حیات اعلیٰ حضرت جلد اول اور

فتاویٰ رضویہ کے مختلف مقامات کو دیکھ لیا جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جملہ علما اہل سنت وعوام وخواص سب چلتی ٹرین پر نماز کے عدم جواز اور پڑھنے کے بعد اعادۂ صلوٰۃ کے قائل ہیں تو تنہا ایک عالم کا قول مرجوح اور مبنی بر خطا ہے اور بقول علما مرجوح پر فتویٰ جہل اور خرق اجماع ہے۔

لہٰذا خرق اجماع بمعنی مصطلح معروف لیا جائے تو بھی درست ہے اور بمعنی خلاف اتفاق علمائے اہل سنت لیا جائے جب بھی درست ہے۔ اور چلتی ٹرین پر صحت صلوٰۃ کا حکم دینا ضرور افتا بقول مرجوح ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۷) فتاویٰ رضویہ کی مستقل عبارت یہ ہے:

''انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو **منع من جهة العباد** ہوا اھ۔

(فتاویٰ رضویہ ۳/ ۴۴)

اگر اس عبارت کا اختراعی مفہوم مخالف نکلے گا بھی تو ایک ہی نہیں بلکہ تین مفہوم ہو سکتا ہے۔

۱۔ انگریزوں کے کھانے کے لیے نہیں روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے روکی جاتی ہے۔

۲۔ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے روکی جاتی ہے۔

۳۔ کسی کے لیے نہیں روکی جاتی ہے۔

اور تینوں میں سے کسی ایک مفہوم پر **منع من جهة العباد** کا مدار نہیں ہے بلکہ **منع من جهة العباد** کا مدار اس پر ہے کہ ٹرین کا روکنا یا نہ روکنا سب بندے کے کسب واختیار سے ہے۔ تو ان تینوں مفاہیم میں یہ دخلِ کسب واختیار موجود ہے یعنی انگریزوں کے لیے نہ روکنا اور نماز کے لیے روکنا یہ دونوں فعل بندے کے کسب واختیار سے ہے اور دونوں کے لیے روکنا یہ بھی بندے کے کسب واختیار سے ہے اور دونوں میں سے کسی کے لیے نہ روکنا یہ بھی بندے کے کسب واختیار سے ہے تو مذکورہ صورتوں میں سے جس صورت میں نہ روکنا پایا جائے وہ دخل بندہ کے سبب **منع من جهة العباد** ہی ہوگا البتہ اس روکنے اور نہ روکنے میں اگر کسی طور سے بندے کا دخل نہ ہو مثلاً خدانخواستہ ٹرین کسی تکنیکی خرابی سے خود بخود رک جائے یا روکنے کے باوجود بریک یا کسی خرابی سے نہ رکے بلکہ چلتی رہے تو اس رکنے یا نہ رکنے کو بہ سبب عذر سماوی کہا جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی عبارت کا صریح مفاد اور مفہوم متبادر ہے ''انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکنا اور نماز کے لیے نہ روکنا یہ سب محکمہ ریلوے کے اختیار سے ہے تو نماز کے لیے نہ روکنا **منع من جهة العباد** ہوا۔''

اور حقیقی مفہوم مخالف ہے ''ریل کا انگریزوں کے لیے روکنا اور نماز کے لیے نہ روکنا بندوں کے کسب واختیار کے دخل سے نہ ہو تو **منع من جهة العباد** نہ ہوا۔

اس سے واضح ہوا کہ قائلین جواز نے فتاویٰ رضویہ کی عبارت کا جو مفہوم مخالف نکالا ہے وہ اس کا مفہوم مخالف ہی نہیں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۸) کلام فقہا میں مفہوم مخالف کے معتبر ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ رقم طراز ہیں:

مفاهيم الخلاف معتبرة في عبارات العلما بالوفاق۔ (فتاویٰ رضویہ ۵/ ۳۷۴) مگر جب مفہوم مخالف

خلاف واقع ہو یا صریح ثابت کے معارض ہو یا فقہائے معتمدین کے جزم کے خلاف ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ درج ذیل سے واضح ہوتا ہے۔

شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

واعمل بمفهوم روایات انی مالم یخالف لصریح ثبتا۔

ردالمحتار میں ہے: **لا یصح اقتداء رجل بصبی۔** (رد المحتار ۱/۴۲۷)

اس کے تحت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ رقم طراز ہیں:

هذا یقتضی بمفهومه جواز اقتداء المرأة البالغة لصبی وهو غیر الواقع قطعا۔ (جدالممتار ۱/۲۷۵) **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۹) ماسبق میں اس عبارت کا مفہوم متبادر بلکہ صریح مفاد ذکر ہوا اس کے علاوہ کوئی اور مفہوم اختراع کر کے اس پر کوئی فیصلہ کرنا درست نہیں اور اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۱۰) یہ بالکل کھلی حقیقت ہے کہ کل نظام الاوقات بنانے میں پرائیویٹ کمپنیاں جس طرح خود مختار تھیں اسی طرح آج جمہوری حکومت میں محکمہ ریلوے بھی اس نظام کو بنانے، نافذ کرنے بلکہ ترمیم و تنسیخ کرنے میں خود مختار ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۱۱) ریل اور قافلہ کا مسئلہ ایک دوسرے سے جدا ہے اور دونوں میں کئی طرح فرق ہے۔

(۱) ریل اگر رک جائے تو مثل تخت ہوگی نماز کے لیے اس سے اترنے کی ضرورت نہیں۔ جب کہ سواری ہی نہیں بلکہ اگر پورا قافلہ رک جائے پھر بھی سواری مثل تخت نہیں ہوگی۔ نماز کے لیے اس سے اترنا ہی ہوگا۔

(۲) قافلہ کسی آدمی کو شرط صحت صلاۃ یعنی استقرار علی الارض کے حصول سے نہ مانع ہے نہ محصل ہے اگر قافلہ چلتا رہے نمازی اتر پڑے تو استقرار حاصل اور قافلہ ٹھہر جائے اور نمازی نہ ٹھہرے یا ٹھہرے مگر سواری سے نہ اترے تو استقرار لا حاصل ہے۔

جب کہ اگر ٹرین رک جائے تو نمازی کے لیے استقرار حاصل ہوگا اور نہ رکے تو استقرار حاصل نہیں ہوگا تو محکمہ ریلوے کا قانون ضرور مانع استقرار مصلی ہے۔

اس لیے مسئلہ ریل کو ذہاب قافلہ کے مسئلہ سے الحاق درست نہیں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۱۲) جانور کی سواری کی صورت میں استقرار علی الارض کی شرط حاصل ہو جانے کے لیے اگر نمازی اترنا چاہے تو قافلہ مانع نہیں آتا وہ شخص اپنی سواری روک کر خود اتر سکتا ہے لہٰذا یہاں **منع من جهة العباد** نہ ہوا۔ پھر جب وہ اترنے کا تصور کرے گا تو تنہا ہو جانے کی صورت میں جان و مال جانے کا خوف لاحق ہوگا یہ خوف من جانب اللہ پیدا ہوا اس لیے منع من **جهة العباد** نہیں بلکہ منع من جهة اللہ ہوا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ محمد اختر حسین قادری

خادم افتا و درس دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

۱۱ جمادی الاخرہ ۱۴۳۵ھ

OOOO

حضرت مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی

کنز الایمان: اردو ترجمۂ قرآن کا منفرد عنوان

کنز الایمان اردو زبان میں ایک ایسا ترجمۂ قرآن پاک ہے جس میں لفظ و معنیٰ کی حرمت کی مکمل پاسداری کا مزاج و منہاج نظر آتا ہے۔ ایسا سلیس، سادہ، عام فہم اور بامحاورہ ترجمۂ قرآن اردو زبان میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔ پھر یہ کہ اس ترجمۂ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے مقامِ عظمت وشانِ رفعت کی بھرپور پاسبانی نظر آتی ہے تو وہیں مقام نبوت و ناموس رسالت کے تحفظ کا حق بھی ادا ہوتا نظر آتا ہے۔

اس کے قبول عام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اب تک دنیا کی مختلف زبان میں اس کے کئی تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ اہل علم و تحقیق اس کی اہمیت واقعیت اور انفرادی خصوصیات کے حوالے سے سیکڑوں تحقیقی و تأثراتی مقالات تحریر فرما چکے ہیں، کئی جامعات میں اسکالرس حضرات نے اسے موضوع تحقیق بنا کر اس پر طویل تحقیق، تبصرہ و جائزہ پیش فرمایا ہے۔

قرآن فہمی کے لیے جن اساسی علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان پر سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو گہری مہارت حاصل تھی وہ اسلامی علوم و معارف کا ایک چلتا پھرتا جامعہ تھے یقیناً اس دور اور بعد کے ادوار کے لیے وہ اپنی مثال آپ تھے۔

وہ منصب الوہیت و مقام نبوت کی شان کے منافی کوئی لفظ تحریر نہیں فرماتے یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے غیر جانب دار، وسیع النظر، اہل علم و ارباب فکر نے کنز الایمان کو دیگر تراجم قرآن پر نہ صرف یہ کہ فوقیت دی۔

بلکہ اسے عشق و ادب کے اعتبار سے بھی نہایت محتاط ترجمۂ قرآن کی سند عطا فرمائی ہے۔ تقدیس الوہیت اور ناموس رسالت کی چوکیداری تو اعلیٰ حضرت کا طرۂ امتیاز رہا ہے ایسے تمام الفاظ کے انتخاب سے گریز فرمایا جو مقام الوہیت اور منصب نبوت کے شایان نہیں۔

آپ کے قلم گوہر رقم سے تحریر ہونے والے ترجمۂ قرآن بنام ''کنز الایمان'' کو دیگر اردو تراجم قرآن کی دنیا میں ایک انفرادی شناخت و پہچان حاصل تھی، ہے اور رہے گی۔۔۔ یہ ترجمۂ قرآن سادہ سلیس، بامحاورہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی مفسرین متقدمین کی تفسیرات و توضیحات کے عین مطابق ہے، اس تعلق سے مشہور اسلامی اسکالر حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری تحریر فرماتے ہیں:

''انہوں نے قرآن کریم کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا قرآن فہمی کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان پر انہیں گہرا عبور تھا۔۔۔ شان نزول ،ناسخ ومنسوخ ،تفسیر بالحدیث ،تفسیر صحابہ اور استنباط احکام کے اصول سے پوری طرح باخبر تھے۔۔۔یہی سبب ہے کہ اگر قرآن حکیم کے مختلف تراجم کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو ہر انصاف پسند کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام احمد رضا کا ترجمہ ''کنز الایمان'' سب سے بہتر ترجمہ ہے جس میں شان الوہیت کا احترام بھی ملحوظ اور عظمتِ نبوت ورسالت کا تقدس بھی پیش نظر ہے''

ملک شیر محمد اعوان نے اس کی انفرادی خصوصیت واہمیت پر بایں انداز اپنا تبصرہ محفوظ فرمایا:

''مقام حیرت واستعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی بھی ہے اور بامحاورہ بھی اس طرح گویا لفظ اور محاورے کا حسن امتزاج آپ کے ترجمے کی بہت بڑی خوبی ہے پھر انہوں نے ترجمے کے سلسلے میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے تعدد معنیٰ میں ایسے معنیٰ کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق وسباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہو۔۔۔ ناموس توحید ورسالت کی پاسداری میں یہ ترجمہ اپنی مثال آپ ہے۔۔۔ اس ترجمے سے قرآنی حقائق کے وہ اسرار ومعارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور سے دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔۔۔ یہ ترجمہ سلیس ،شگفتہ اور رواں دواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت سے بہت قریب ہے۔۔۔ ان کے ترجمے کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیا علیھم السلام کے ادب و احترام اور عزت وعظمت کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے''

شہرت یافتہ ادیب وقلم کار حضرت علامہ محمد میاں کامل سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ ''کنز الایمان'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''قرآن کریم کا جو ترجمہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے حق یہ ہے کہ اس پائے کا سلیس، بامحاورہ اور ذمہ دار ترجمہ آج تک اردو زبان کی تاریخ میں نہیں ملتا۔۔۔رائج الوقت اردو کے ایک ایک ترجمے کو دیکھ لیا جائے زبان ومحاورے کی بھرپور رعایت کے ساتھ سوزِ محبت اور گدازِ عشق میں ڈوبا ہوا اس درجہ محتاط ترجمہ نظر نہ آئے گا'' (قلمی بیاض سے)

اگر ایک طرف عقیدت مندوں، نیاز مندوں نے ''کنز الایمان'' کی انفرادیت ،اہمیت اور خصوصیات پر کھل کر اپنے تأثرات وتبصرے تحریر فرمائے تو وہیں اغیار ومخالفین کی جماعت سے بھی اہل علم وتحقیق کے تبصرے معرضِ وجود میں آئے۔۔۔ اس سلسلے میں امیر جماعت اہل حدیث ''استاذ سعید بن یوسف زئی'' نے اس کی انفرادی خصوصیت کے حوالے سے اپنا تبصرہ محفوظ فرمایا اور دیگر تراجم قرآن پاک کو اس کے مقابل غیر محتاط قرار دیا۔۔۔آپ بھی دیدۂ عبرت سے یہ تبصرہ ملاحظہ کریں:

''یہ ایک ایسا ترجمۂ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار

اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے جب کہ ذات باری تعالیٰ کے لیے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت وتقدیس وعظمت و کبریائی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے جب کہ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتبۂ فکر کے علما کے ہوں اس میں یہ بات نظر نہیں آتی۔۔۔

اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوب خدا شفیع روز جزا سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہے جن میں آپ سے خطاب کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ مولانا احمد رضا خان نے اوروں کی طرح صرف لفظی و معنوی ترجمے سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحبِ **ماینطق عن الھویٰ و رفعنا لك ذكرك** کے مقام عالی شان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔۔۔۔۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کہ دیگر تراجم میں بالکل ہی ناپید ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترجمے میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کی نظیر علمائے اہل حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی''

مشہور ادیب، دانشور اور صحافی مولانا کوثر نیازی کنز الایمان کا خطبہ کچھ اس طرح تحریر کرتے ہیں:

''امام احمد رضا نے عشق افروز اور ادب آموز ترجمہ کیا ہے۔۔۔ کنز الایمان روح پرور ترجمہ عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے''

جماعت مخالفین کے یہ وہ افراد ہیں جن سے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا شدید مسلکی ونظریاتی اختلاف ہے ان کے دلوں میں اس عبقری کی عقیدتوں کے چراغ روشن نہیں ہیں۔۔۔لیکن۔۔۔۔۔جادو وہ، جو سر چڑھ کر بولے!

حقیقتوں کا یہ برملا اعتراف امام احمد رضا کی عقیدت مندیوں، نیاز مندیوں کے پس منظر میں نہیں ہے۔۔۔۔ بلکہ ان کے بیکراں علم وفضل کا یہ حقیقت پسندانہ اقرار واعتراف ہے۔۔۔

تفسیر قرآن پاک کے حوالے سے علمائے علم تفسیر نے چار اصول کی نشاندہی فرمائی ہے۔

(۱) تفسیر القرآن بالقرآن (۲) تفسیر القرآن بالحدیث (۳) تفسیر القرآن بآثار الصحابۃ والتابعین (۴) تفسیر القرآن باللغۃ العربیہ والقواعد الاسلامیہ۔

کنز الایمان کا تجزیاتی مطالعہ کرنے والے ارباب علم و تحقیق پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ ترجمۂ قرآن پاک علمائے مفسرین کے بیان کردہ اصول و ضوابط کے عین مطابق ہے۔۔۔ اعلیٰ حضرت نے ترجمۂ قرآن کا یہ عظیم اور روشن تاریخی کارنامہ جس انداز میں انجام دیا وہ یقیناً ان کی خداداد علمی لیاقتوں کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ انہیں اسلامی علوم و فنون پر گہری دسترس تھی کچھ علوم و فنون تو انہوں نے باقاعدہ اساتذۂ ذی وقار کی بارگاہ میں حاضری دے کر حاصل کیے لیکن کچھ علوم وفنون ایسے بھی ہیں جن میں ان کا کوئی استاذ نہیں۔۔۔۔۔ انہوں نے اپنی خداداد فکری صلاحیتوں سے اساتذہ کی رہنمائی کے بغیر وہ فنون حاصل کیے۔ ان کے افکار وخیالات پر گہری نظر رکھنے والے اصحاب علم و تحقیق پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ وہ علم لدنی کے مالک تھے۔

اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا کی حیات گوناگوں علمی

مشاغل میں اس قدر مصروف تھی کہ انہیں بعض دیگر اہم گوشوں کی جانب متوجہ ہونے کا موقع میسر نہ آتا۔ظاہر ہے کہ ترجمۂ قرآن مقدس کا عظیم کارنامہ کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں بلکہ اس کے لیے باقاعدہ اہتمام وانتظام درکار ہے۔صدرالشریعہ حضرت علامہ مفتی امجد علی قادری رضوی تلمیذ وخلیفہ امام احمد رضا نے کسی موقع سے اردو ترجمۂ قرآن کی جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے درخواست گزاری ---۔''سوانح اعلیٰ حضرت'' کے قلم کار حضرت مفتی بدرالدین احمد قادری کے قلم سے یہ عشق افروز ترجمۂ قرآن تحریر کیے جانے کی تمہید ملاحظہ کیجئے اوراس عبقری کی خداداد صلاحیتوں و لیاقتوں کا خطبہ پڑھیے:

''جب حضرت صدرالشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھاتو اعلیٰ حضرت نے فرمایا چوں کہ ترجمے کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لے آپ سونے کے وقت یا دن میں قیلولے کے وقت آجایا کریں -----۔ چنانچہ حضرت صدرالشریعہ ایک دن کاغذ قلم اوردوات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہوگیا''

ترجمے کا طریقۂ کار یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر قرآنی آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور حضرت صدرالشریعہ لکھتے رہتے لیکن یہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفاسیر ولغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہٗ آیت کے معنیٰ کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا ترجمہ فی البدیہہ برجستہ زبانی طور پر بولتے جاتے جیسے کوئی یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف فرفرفر پڑھتا جاتا ہے---۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ قرآن مقدس کا یہ ترجمہ فی البدیہہ برجستہ اور کتب تفاسیر ولغت کی مدد لیے بغیر ہوتا رہا لیکن ترجمہ نگاری کے بعد کوئی مقام اہل علم کو ایسا نہیں ملا جہاں کتب تفاسیر ولغت کے خلاف ترجمہ نظر آیا ہو---۔اس سلسلے میں اہل علم کی آراء تحریر کرتے ہوئے مفتی بدرالدین احمد رضوی رقم طراز ہیں:

''جب صدرالشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے''

تفاسیر متقدمین اور کتب لغت کے عین مطابق اس قدر سلیس بامحاورہ ترجمۂ قرآن مقدس ایک اندازے کے مطابق چار پانچ سال کی مختصر سی مدت میں ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔-۔ بالائے حیرت تو یہ ہے کہ نماز عشاء کے بعد تھوڑا سا وقت اس اہم کام کے لیے مخصوص تھا۔

سیدی اعلیٰ حضرت کے دوسرے اہم علمی کاموں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اس تاریخی اوراہم کارنامے پر توجہ کی جائے تو یہ خودآپ کی عبقریت کا ایک روشن شہادت نامہ ہے -----۔اہل علم وفکر پر یقیناً یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ ترجمہ نگاری کا کام کس قدر اہم اور مشکل ہے پھر معاملہ جب فرمان الٰہی اور قرآن مقدس کی ترجمہ نگاری کا ہوتو مشکلات اور بھی سخت ہوجاتی ہیں ---۔احتیاط کا تقاضہ مزید شدت اختیار کر جا

تا ہے اور وہ بھی کتب تفاسیر ولغت کی بظاہر مدد لیے بغیر۔ بعد میں کتب تفاسیر ولغت متقدمین سے مطابقت کی جاتی تو اسے ان کے خلاف نہ پایا جاتا۔۔۔۔

قرآن مقدس کی چند آیات کے تراجم (جو مختلف ترجمہ نگاروں کے قلم سے ہوئے ہیں) کے تقابلی مطالعہ سے کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کی اہمیت، واقعیت، انفرادیت اور خصوصیت پہ مہر لگ جاتی ہے۔۔۔۔ ناظرین پر روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گا کہ اس ترجمۂ قرآن پاک کو لاریب دوسرے اردو تراجم پر فوقیت وانفرادیت حاصل ہے۔

ثبوت کے لیے چند آیات کا تقابلی جائزہ ملاحظہ ہو۔

(۱) و مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین

قرآن پاک کی اس آیت کا اردو ترجمہ تحریر کرتے ہوئے عام ترجمہ نگاروں نے جو ترجمہ تحریر کیا ہے وہ انصاف پسند قارئین کے روبرو ہے:

مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا مکر سب سے بڑھ کر ہے (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

اور وہ اپنا داؤں کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤں کر رہا تھا اور اللہ سب داؤں کرنے والوں میں بہتر داؤں کرنے والا ہے (مولانا وحید الزماں)

تو ادھر وہ چال چل رہے تھے اور ادھر خدا چال چل رہا تھا اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے (فتح محمد خاں جالندھری)

ان تمام مترجمین نے شان الوہیت کے منافی الفاظ کے استعمال میں جس جسارت کا مظاہرہ کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ قابل صد افسوس ہے بلکہ مقام حیرت بھی ہے۔

ایک سلیم الطبع اور زندہ ضمیر مومن اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں داؤں چلنے والا، چال چلنے والا جملہ استعمال نہیں کرسکتا۔ نعوذ باللہ من ذٰلك۔ اب ذرا اسی تناظر میں اس آیت قرآنی کے ترجمے میں اعلیٰ حضرت کا ایمانی تیور ملاحظہ فرمایئے:

ان کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کی ہلاکت کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ بہتر تدبیر فرمانے والا ہے (کنز الایمان)

(۲) اللہ یستھزئُ بھم (البقرۃ:۱۵)

اس آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے عام مترجمین نے لفظ ''استھزاء'' کا ترجمہ رقم کرتے ہوئے اللہ جل شانہ کے مقام عظمت کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا اسے دیدۂ عبرت ہو تو پڑھئے:

اللہ ان منافقوں سے ٹھٹھا کرتا ہے (سرسید احمد خاں)

اللہ ان کی ہنسی اڑاتا ہے (مرزا حیرت دہلوی)

اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

اللہ ان سے دل لگی کرتا ہے (مولانا وحید الزماں)

ان منافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے (فتح محمد جالندھری)

اللہ ان سے مذاق کرتا ہے (محمد جانا گڑھی)

اس آیت کے تحت بھی ترجمہ نگاروں نے اسی ذہنی خباثت کا اظہار کیا ہے جو ایک مرد مومن کے قلب وجگر کے لیے ناسور بن کر رہ گیا ہے۔ غور فرمایئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان زیبا میں کس طرح کے سطحی وسفلی الفاظ کا استعمال روا رکھا

ہے ۔۔۔ٹھٹھا کرنا ،ہنسی اڑانا ،مذاق اڑانا ،دل لگی کرنا
۔۔۔استغفراللہ

مگر اعلیٰ حضرت کی ترجمہ نگاری کا یہ حسین منظر ملاحظہ کیجئے:

اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے

(۳) ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستة ایام ثم استویٰ علی العرش (اعراف:۵۴)

اس آیت کا ترجمہ رقم کرتے ہوئے عام اردو مترجمین نے ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستة ایام کا ترجمہ تو قریب قریب لفظوں کے تھوڑے تغیر وتبدل کے ساتھ یکساں تحریر کیا ہے لیکن ثم استویٰ علی العرش کا ترجمہ کرتے ہوئے مقام الوہیت کی شان کے خلاف جس طرح کے الفاظ کا استعمال روا رکھا ہے وہ انصاف پسند قارئین کو یقیناً ورطۂ حیرت میں ڈال دے گا:

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان وزمین
چھ دن میں بنائے پھر قرار پکڑا عرش پر
(مولانا محمود الحسن دیوبندی)

۔۔۔پھر عرش پر قائم ہوا (اشرف علی تھانوی)

۔۔۔پھر عرش پر جا ٹھہرا (فتح محمد خاں جالندھری)

۔۔۔پھر قائم ہو گیا عرش پر
(مولانا عبد الماجد دریا آبادی)

،،،، پھر آسمان وزمین بنانے کے بعد تخت پر چلا
(مولانا وحید الزماں)

۔۔۔پھر تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا (مولانا مودودی)

اردو ترجمہ نگاروں کے ان تراجم کا بغور مطالعہ فرمائیں تو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ وہ تمام مترجمین جو توحید کے ٹھکیدار بنے پھرتے ہیں لفظ ''استوا'' کا ترجمہ تحریر کرنے میں ٹھوکر کھانے سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکے مقام الوہیت و ربوبیت کے منافی شان ترجمہ کر کے گزر گئے ۔اللہ تعالیٰ جسم وجسمانیات اور مکان ومکانیات سے پاک ہے اس اسلامی عقیدے کے تناظر میں یہ ترجمہ قطعی شان الوہیت کے منافی ہے۔

اب ذرا محتاط ترین ترجمہ نگار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان میں اس آیت قرآنی کے ترجمے میں مقام الوہیت وشان ربوبیت کی پاسداری کے جلوے ملاحظہ فرمائیں:

بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین
چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا اس کی
شان کے لائق ہے۔(کنز الایمان)

(۴) وما کنت تدری ما الکتٰب والایمان
(سورہ شوریٰ پ ۲۵ آیت: ۵۲)

اس آیت کے تحت مختلف ترجمہ نگاروں نے جو ترجمہ تحریر کیا ہے وہ غیر جانب دار قارئین کے پیش نظر ہے:

اے نبی! تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان
(مولانا محمود الحسن دیوبندی)

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا

چیز ہے(مولانا اشرف علی تھانوی)

تم نہ کتاب کو جانتے تھے نہ ایمان کو (فتح محمد خاں جالندھری)

آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے(مولانا عبدالماجد دریا آبادی)

اس سے پہلے تجھ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ایمان معلوم تھا(مولانا وحیدالزماں)

آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے(محمد جوناگڑھی)

تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے(مولانا مودودی)

آپ کو خبر نہ تھی کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے (عبدالکریم پاریکھ)

آپ نہ تو یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے(فہیم الدین صدیقی)

دیکھا آپ نے !اس آیت قرآنی کا ترجمہ تحریر کرتے ہوئے کس قدر دریدہ دہنی کے ساتھ رہبر امت نبی کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایمان سے بے خبر اور ناواقف بتایا جارہا ہے۔مومن ہونا تو دور کی بات ہے اے نبی!تمہیں ایمان کی خبر تک نہ تھی کہ ایمان کیا ہے یہ بھی تمہیں علم نہ تھا۔۔

اس کے برخلاف امام عشق ومحبت اعلیٰ حضرت کا محتاط قلم اس سنگلاخ وادی سے کس پاکیزگی کے ساتھ گزرتا ہے کہ ان کا رہوارِ فکر بغیر ٹھوکر کھائے منزل ایمان کی پابوسی کرتا نظر آرہا ہے۔وہ کس پاکیزگی کے ساتھ قلم کو آداب بارگاہِ نبوی کا درس دیتے ہوئے ترجمہ نگاری کے مرحلے سے گزررہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

اس سے پہلے تم نہ کتاب جانتے تھے اور نہ احکام شرع کی تفصیل(کنزالایمان)

(۵)انا فتحنا لك فتحاً مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر

(سورہ فتح پ ۲۶ آیت:۱)

اس آیت قرآنی کا ترجمہ اردو زبان میں مختلف ترجمہ نگاروں نے جو تحریر کیا ہے قارئین حضرات غیر جانب دار ہوکر اسے ملاحظہ فرمائیں:

ہم نے فیصلہ کردیا تیرے واسطے شرعی فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوچکے تیرے گناہ اور پیچھے(مولانا محمودالحسن دیوبندی)

بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادیں (مولانا اشرف علی تھانوی)

بے شک ہم نے تم کو فتح دی شرعی وصاف تاکہ خداتمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے (فتح محمد خاں جالندھری)

بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کردے (مولانا عبدالماجد دریاآبادی)

اے پیغمبر!یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہے؟ہم نے تجھ کو کھلم کھلا فتح دی تاکہ تو اللہ کا شکر ادا کرے۔اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ

بخش دے (مولانا وحید الزماں)

بے شک اے نبی! ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے تا کہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو کچھ گناہ پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے (محمد جونا گڑھی)

اے نبی! ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے (مولانا مودودی)

بے شک ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی کہ اللہ نے تمہاری اگلی پچھلی چوک پر بخشش فرمادی (مولانا پاریکھ)

اے محمد! ہم نے تم کو کھلی ہوئی فتح عطا کی تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے (فہیم الدین صدیقی)

اس آیت قرآنی کا ترجمہ کرتے ہوئے اردو ترجمہ نگاروں نے گستاخی اور دریدہ دہنی کی حد کردی۔ نعوذ باللہ من ذٰلک ۔۔ مسلم گھرانے کا ایک ایک فرد جانتا ہے کہ نبی معصوم ہوتے ہیں ان کی ذات سے کسی طرح کے گناہ کا صدور ممکن نہیں ۔عصمت انبیا اسلامی عقائد کا ایک مسلم الثبوت عقیدہ ہے ۔ہاں خطائے اجتہادی ہوسکتی ہے ۔لیکن ان مترجمین نے نبی کونین سید المعصومین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو ایک پاپی گنہ گار اور خطا کار کی شکل میں پیش کر کے ایمان وعقائد کی پوری عمارت کو متزلزل کردیا ہے ۔نہ صرف یہ کہ نبی کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا اظہار کیا جارہا ہے بلکہ اس بات کا بھی اقرار ہے کہ آپ سے آنے والے دنوں میں بھی گناہ کا صدور ہوگا ۔نعوذباللہ من ذٰلک اب ذرا اس پس منظر میں کنزالایمان کا ایمان افروز اور روح پرور ترجمہ ملاحظہ فرما کر ان دریدہ دہنوں اور گستاخوں سے کہئے۔ ع

دیکھو! اس طرح سے کرتے ہیں سخن ور باتیں

بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی۔ تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے (کنزالایمان)

(۶) ووجدك ضالاً فهدىٰ (سورہ ضحیٰ پ ۳۰ آیت: ۷)

اس آیت کا ترجمہ تحریر کرتے ہوئے بھی عام مترجمین لفظ ''ضال'' کی ترجمہ نگاری کرتے ہوئے منصب نبوت کے پاسدار نظر نہیں آتے اور یہ ان حضرات کے ہاتھوں میں بازیچۂ اطفال نظر آتا ہے۔ غیر جانب دار قارئین ملاحظہ فرمائیں:

پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سوجھائی (مولانا محمود الحسن دیوبندی)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلادیا (مولانا اشرف علی تھانوی)

رستے سے ناواقف دیکھا ناواقف دیکھا تو سیدھا راستہ دکھایا (فتح محمد خاں جالندھری)

آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتادیا (مولانا عبد الماجد دریا آبادی)

اسنے تجھ کو بھولا بھٹکا پایا پھر راہ پر لگایا (مولانا وحید الزماں)

اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت دی (محمد جونا گڑھی)

اور تمہیں ناواقف راہ پایا پھر ہدایت بخشی (مولانا مودودی)

اور راستے سے ناواقف دیکھا تو راستہ دکھایا

(فہیم الدین صدیقی)

اردو ترجمہ نگاروں کے ان تراجم کا دل پر ہاتھ رکھ کر مطالعہ فرمائیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان تمام مترجمین نے ترجمہ نگاری کے مرحلے سے گزرتے ہوئے منصب نبوت و رسالت مدنظر رکھے بغیر جس دریدہ دہنی و گستاخی کا مظاہرہ کیا ہے اس نے ان کے ایمان بالرسالۃ پہ سوالیہ نشان قائم کر دیا ہے ۔۔۔۔۔۔ تقریباً تمام ترجمہ نگاروں نے سید المعصومین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو راہ سے بھٹکا ہوا۔شریعت سے بے خبر۔بھولا بھٹکا قرار دیا ہے جب کہ سورۂ والنجم میں خود اللہ تبارک وتعالیٰ بہت واضح اور صاف الفاظ میں مقام نبوت ومنصب رسالت کے تعلق سے اسلامی عقیدے کا اظہار فرمارہاہے۔ماضل صاحبکم وماغوی۔۔۔۔۔ (اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے ۔۔۔تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے ۔۔۔۔ (کنز الایمان) ظاہر ہے ان ترجمہ نگاروں کے تراجم کی روشنی میں ''ضل'' کا ترجمہ گمراہی و ضلالت سے کیا جائے تو نعوذ باللہ من ذٰلك قرآن کی یہ دو آیات آپس میں متضاد و متصادم نظر آئیں گی ۔۔۔۔اور پھر وہ تراجم منصب نبوت کے منافی بھی قرار پاتے ہیں ۔۔۔۔اب ذرا اس تناظر میں سیدی اعلیٰ حضرت کا محتاط ترین ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

ترجمہ نگاری کا حق بھی ادا فرمادیا اور منصب نبوت کا آبگینہ بھی چورچور اور پاش پاش ہوتا نظر نہیں آتا۔

مشتے نمونہ ازخروارے کے تحت چند آیات کے تراجم کا جو تقابل پیش کیا گیا۔۔۔۔۔اس سے کنز الایمان کی اہمیت ،انفرادیت اور خصوصیت کے جو نقوش ابھرتے ہیں وہ قارئین سے پوشیدہ نہیں رہے۔۔۔۔۔۔

اولین تین آیات کی ترجمہ نگاری میں حضرت مترجم نے لفظ"مکر" "استھزاء"اور''استواء" کا ترجمہ کرتے ہوئے شان الوہیت اور مقام ربوبیت کی نزاکتوں کا لحاظ و پاس رکھتے ہوئے لفظوں کا بے پناہ محتاط انتخاب فرمایا ہے ۔۔۔ جب کہ آخری تین آیات میں مقام نبوت و منصب رسالت کے آداب واحترام کی وہی جلوہ گری نظر آتی ہے جو اس کا تقاضا ہے۔۔۔۔یہی تو وہ خوبی ہے کہ جماعت مخالفین کے اصحاب فکر وارباب قلم کی زبان پہ بھی اس کا خطبہ جاری ہو گیا اور وہ یہ تحریر کرنے پر مجبور ہو گئے کہ

''انہوں نے اپنے ترجمے میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کی نظیر علمائے اہل حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی''

معنوی اور حقیقی خوبیوں کے علاوہ زبان و بیان کی سلاست ،لب و لہجے کی نفاست ،لفظوں کا خوبصورت اور محتاط انتخاب اور ایجاز واختصار تو بس ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

حضرت مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی
مدیر اعلیٰ ''الکوثر'' دارالعلوم خیریہ نظامیہ
بارہ دری سہسرام (بہار)

OOOO

ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ

کی

دو تاریخی پیش کش

بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے

شمس العلما نمبر	پاسبان ملت نمبر
شمس العلما حضرت علامہ مفتی نظام الدین حبیبی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر سیر حاصل گفتگو	پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ کی مجاہدانہ زندگی کا بھرپور تعارف۔

ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ کا اگلا شمارہ، حضرت علامہ قاضی عبد الوحید فردوسی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہوگا۔

اہل زبان وقلم سے گزارش ہے کہ اپنی قلمی نگارشات سے ادارے کا تعاون کریں۔

منجانب: الجامعۃ الرضویہ مغلپورہ پٹنہ سیٹی ۸

باب پنجم ملاقات

مدیر اعلیٰ پیغام رضا کا

حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مظفر پوری سے طویل انٹرویو

برصغیر ہند و پاک سے اہل سنت و جماعت کے جو رسائل و جرائد نکلتے ہیں ان میں ''پیغام رضا'' ممبئی کی حیثیت مختلف جہات سے بہت ممتاز اور نمایاں ہے۔ ''پیغام رضا'' نے مذہبی، مسلکی اور جماعتی روایات سے مذاق کی کسی کوشش کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیا۔ جماعت اہل سنت میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی ذات امتیاز اور علامت تصور کی جاتی ہے۔ ان کی تعلیمات، ارشادات اور پیغامات میں اسلامی اقدار و روایات کی چودہ سو سالہ تاریخ آئینے کی طرح جھلکتی ہے۔ برصغیر میں ان کے افکار و نظریات سے ہٹ کر مذہبی شفافیت کا تصور بہت مشکل ہے۔ انہوں نے اسلامی آثار و تبرکات کو جو تحفظ فراہم کیا ہے اس کی نظیر سے کئی صدیاں خالی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کو ہم کسی بھی زاویے سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ انہیں نظر انداز کرنے کا عمل مذہبی، مسلکی اور جماعتی خودکشی کے مترادف ہوگا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے خلاف بعض اساطین وقت کے دلوں میں بہت دنوں سے لاوے سلگ رہے تھے۔ عوامی خوف سے ان کی زبانیں بند تھیں۔ وہ کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ ۲۰۰۵ء کے اوائل میں ان اساطین وقت کو ''ماہ نامہ جام نور'' کی شکل میں ایک پلیٹ فارم مل گیا۔ یا خود انہوں نے اپنے دلوں کے بخارات نکالنے کے لیے اسے بطور پلیٹ فارم استعمال کیا۔ پھر جماعتی روایات پہ حملوں کا غیر سنجیدہ، افسوس ناک اور حیرت ناک سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس جنگ میں وہ درسگاہیں، خانقاہیں اور رفاہی اداروں نے بھی کلیدی رول ادا کیا جن کے دستور اساسی میں اعلیٰ حضرت سے غیر مشروط وفاداری شامل ہے۔ ''حسام الحرمین'' پہ نظر ثانی ہونی چاہیے، مسلک اعلیٰ حضرت کی اصطلاح اکابرین اہل سنت کا وقتی اور جذباتی فیصلہ تھا، لفظ ''بریلوی'' جماعت اہل سنت کی پیشانی پہ بدنما داغ ہے، مسلک اعلیٰ حضرت وہابیہ و دیابنہ کا دیا ہوا نعرہ ہے، اعلیٰ حضرت کی تحقیقات حرف آخر نہیں، اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے بڑوں سے اختلاف کیا ہے تو ہم ان سے اختلاف کیوں نہیں کر سکتے؟ اور بریلی شریف ہی مرکز اہل سنت کیوں؟ یہ اور اس طرح کے اور بھی درجنوں نعرے بلند ہونے لگے۔

جب کسی غیر محمود تحریک کو بعض بڑوں کی پشت پناہی مل جاتی ہے تو دوسرے بڑے خاموشی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں گھر جل رہا تھا اور جن کے دلوں میں مذہبی درد کی آگ سلگ رہی تھی وہ خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔ ایسے نازک وقت میں ''پیغام رضا ممبئی'' امید کی ایک کرن بن کر نمودار ہوا۔ پھر احتساب عمل کا ایک سنجیدہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ ''پیغام رضا'' کا دفاعی سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک مخالفین اپنی کمین گاہوں میں روپوش نہ ہو گئے۔ مخالفین تو چھپ گئے مگر ان کے غیر شعوری عمل سے نسل نو کا ایک بڑا طبقہ جماعتی روایات کے حوالے سے شبہات کے زد میں آگیا۔ اب وہ طبقہ کسی کو بڑا سمجھنے کے لیے آمادہ نہیں ہے۔ نتیجہ کے طور پر جماعتی اتحاد کا خواب ایک

سراب بن کر رہ گیا۔مخالفین نے جو آگ لگائی ہے اس آگ کو بجھانے میں دردمندوں کو برسوں لگ جائیں گے۔

آج سے کچھ سال پہلے ہم نے ''پیغام رضا'' کے ''فکرو خیال نمبر'' نکالنے کا پروگرام بنایا تھا۔نمبر کی اشاعت کا بنیادی مقصد مخالفین کی ریشہ دوانیوں کو علمائے محتاطین کس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس حوالے سے ان کے خیالات کیا ہیں؟ خود علمائے محتاطین کا ایک مختصر مگر جامع تعارف بھی مقصود تھا۔مخالفین کا طبقہ اس خوش فہمی کا شکار تھا کہ جماعت کی غالب اکثریت ہماری ہم خیال ہے۔یعنی سواداعظم ہمارے ساتھ ہے۔

جماعت کی صحافتی تاریخ میں اب تک جو نمبرات اشاعت پذیر ہوئے ہیں فکرو خیال نمبر کا خاکہ ان سے مختلف ہے۔اس کی نوعیت اُنٹر ویؤکی ہے اس سلسلے میں ہم نے ۳۰/۳۵ سوالات بنائے تھے۔سوالات کے جوابات کے لیے ہم نے ان علما کی ایک فہرست بنائی تھی جو عصری جبر سے نالاں ہیں اس فہرست میں بعض وہ بھی ہیں جو مخالفین کے تعلق سے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔یا ان سے خوف زدہ ہیں۔جب ہم نے علما کی خدمت میں سوالات ارسال کیے تو بعض نے ملی تقاضا سمجھتے ہوئے بروقت سوالات کے جوابات دیے۔مگر اکثریت نے بعض سوالات کو انتہائی خطرناک بتاتے ہوئے جواب دینے سے انکار کر دیا۔یہ ان کی اپنی سوچ تھی حقیقت یہ ہے کہ کوئی سوال خطرناک نہیں ہے۔پھر یہ کہ ہر سوال کی جواب دہی آپ پر فرض نہیں ہے۔جس سوال سے آپ کو خطرہ محسوس ہو رہا ہے اسے نظرانداز کر سکتے ہیں۔جن علما اور دانشوروں نے جواب دینے سے انکار کیا ہے ہم ان کی فہرست بھی قارئین کے سامنے لائیں گے۔جب انارکی پھیلتی ہے تو اچھے اچھوں کا فکری زاویہ بدل جاتا ہے۔لوگ جس کام میں ذاتی منفعت نہیں دیکھتے اسے کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

اب تک ایک درجن سے زائد چھوٹی بڑی شخصیات کے جوابات آچکے ہیں سب سے پہلا جواب حضرت علامہ مفتی وصی احمد وسیم صدیقی سابق وائس پرنسپل جامعہ اسلامیہ روناہی کا موصول ہوا۔اب تک کے جوابات سے ہم اپنے اہداف تک پہنچ نہیں پا رہے ہیں۔ہم نے جماعت کی قریب قریب پچاس شخصیات کا انتخاب کیا ہے۔جب تک ان میں سے اکثر شخصیات کے جوابات نہیں آجاتے اس وقت تک نمبر کی اشاعت مشکل ہے۔جو لوگ جوابات دینے میں خوف کا شکار ہیں ان کو خوف کے دائرے سے باہر نکالنے کے لیے ماہر فقہ وفتاویٰ، راس العلما مفتی اعظم بہار، مناظر اہل سنت حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی بانی وسربراہ اعلیٰ جامعۃ الخضر امظفر پور کے جوابات قارئین کی عدالت میں پیش کر رہے ہیں جوابات تو سب اطمینان بخش ہیں مگر مفتی صاحب موصوف نے اپنے جوابات میں ہر طبقے کے قاری کی نفسیات کا خیال رکھا ہے،اس لیے''ماہنامہ نور مصطفیٰ، پٹنہ'' کے اس وقیع و دستاویزی''امام اہل سنت نمبر'' میں ہم اسے شامل اشاعت کر رہے ہیں۔

یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ اہل سنت وجماعت اس وقت شدید انتشار کا شکار ہے لوگ مختلف خانوں میں بٹ رہے ہیں پہلے ہم غیروں کا تعاقب کیا کرتے تھے لیکن اب ہمیں اپنوں کا تعاقب کرنا پڑ رہا ہے بعض لوگ شعوری یا لاشعوری طور پر ایسے کام کر رہے ہیں جن سے بہت ساری صداقتیں گردآلود ہوتی جارہی ہیں اسلاف شناسی کے پردے میں اسلاف بیزاری کے جذبے کو فروغ دیا جارہا ہے۔قربتیں دوریوں میں تبدیل ہو رہی ہیں۔اسلاف کی امانتیں شبہات کی زد میں ہیں۔مذہب ومسلک کی نئی نئی تعبیریں سامنے آرہی ہیں عوامی اعتقادات متزلزل ہو رہے ہیں ......نئی نسلوں کا مستقبل

تاریکیوں کے گھیرے میں ہے ۔آپ کا دل درد ملت سے آشنا ہے اور جماعتی صداقتیں آپ کے پیش نگاہ ہیں اس لئے کچھ سوالات ہم آپ کے حضور لے کر حاضر ہوئے ہیں تا کہ آپ کے جوابات سے ملی مفاد کی راہیں کشادہ ہوسکیں اور کاروان ملت کو سمت سفر متعین کرنے میں آسانیاں میسر آئیں ۔آپ کا نام اور کام دونوں شہرت رکھتا ہے لیکن عوام کا ایک بڑا طبقہ آپ کے شخصی تعارف سے نا آشنا ہے اس لئے ہم اپنے قارئین کو آپ کا مختصر مگر جامع تعارف دینا چاہتے ہیں......کیا اس حوالے سے آپ کچھ بتانا پسند کریں گے؟

سوال (۱) آپ کی تعلیم وتربیت کی با ضابطہ ابتدا کہاں سے ہوئی اور اس کی انتہا کیا ہے ......آپ کے قابل ذکر اساتذہ میں کون کون لوگ آتے ہیں؟

جواب: (۱) اپنے گاوں ''مہستان'' کے اردو پرائمری اسکول سے، اردو پرائمری بورڈ مڈل اسکول اورائی، پھر گاؤں میں ہی فارسی کے استاذ مولانا عبدالرحمن مرحوم سے ان کے دولت خانہ پر فارسی اول تا گلستاں وغیرہ، اس کے بعد مدرسہ فاروقیہ عزیز العلوم بھوجپور، مرادآباد میں میزان وغیرہ، بعدہ مدرسہ اجمل العلوم سنبھل میں درجۂ رابعہ کی کتابیں شروع کیں مگر وہاں کے صدر مدرس وشیخ الحدیث حضرت علامہ سید مصطفیٰ علی علیہ الرحمہ کے انتقال فرمانے اور مناظر اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد حسین صاحب سنبھلی کے مستعفی ہونے کی وجہ سے دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں رابعہ تا فضیلت ۔

قابل ذکر اساتذہ میں ہر دو اساتذۂ مذکورین اور حضرت علامہ چراغ عالم صاحب حامدی علیہ الرحمہ شیخ الحدیث مدرسہ اجمل العلوم،سنبھل،حضرت علامہ مفتی محمد صالح صاحب بریلوی شیخ الحدیث جامعۃ الرضا، حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی سابق شیخ الحدیث مظہر اسلام، حضرت علامہ تحسین رضا خان سابق صدر المدرسین دارالعلوم مظہر اسلام اور شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ حافظ وقاری مبین الدین امروہوی علیہما الرحمۃ والرضوان ۔

سوال (۲)......آپ کے اساتذہ میں اپنے وقت کی اہم اہم شخصیات ملتی ہیں ان میں آپ کن شخصیات سے زیادہ متأثر ہیں اور متأثر ہونے کے اسباب کیا ہیں؟

جواب (۲) حضرت علامہ مفتی محمد حسین سنبھلی، حضرت علامہ تحسین رضا خان بریلوی، حضرت علامہ الحاج مبین الدین امروہوی علیہم الرحمۃ والرضوان ۔ یوں تو، ع

ہر گلے رارنگ وبوئے دیگرست

تاہم اول الذکر ایک کہنہ مشق مدرس ہونے کے ساتھ بہترین مناظر بھی رہے، مزاج میں سادگی تھی، کتابوں سے زبردست ممارست تھی، میرا ذخیرۂ کتب بھی انھیں کی ترغیب وتربیت کا مرہون منت ہے ۔

استاذ العلماء حضرت محدث بریلوی کی تفہیم نہایت عمدہ تھی جو کتاب پڑھاتے، اطمینان کلی ہو جاتا ۔کم سخن اور سادہ مزاج تھے،صبر وشکر کے پیکر تھے ۔

مؤخر الذکر کم سخن، حافظ، قاری، حاجی، بقیۃ السلف عالم با عمل، اوقات درس کے خالی لمحات میں بھی تلاوت قرآن پاک کی عادت تھی اوران سے متعلق بریلی شریف میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ فرمایا کرتے تھے''اگر

ولی کو دیکھنا ہے تو مبین الدین کو دیکھو۔'' مجھے فخر ہے کہ میں نے ایسے باعمل اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ رب قدیر ان کی تربت پاک پر رحمت ونور کی برکھا برسائے اور مجھے ان سب کے نورانی روحانی فیوض و برکات سے متمتع۔ آمین

سوال (۳)...... آپ کے پاس تجربات بھی ہیں اور مشاہدات بھی...... آپ نے بہت ساری اکابر شخصیات کو دیکھا بھی ہے اور ان کی صحبت سے فیضیاب بھی ہوئے ہیں فیض یافتہ شخصیات میں کس شخصیت نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے؟

جواب (۳) تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدی و مرشدی حضور مفتئ اعظم ہند علامہ الشاہ مصطفیٰ رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

سوال (۴)...... ہندستان میں مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے کل کی بنسبت آج مدارس میں سہولیتیں زیادہ ہیں پھر بھی تعلیم وتربیت کا معیار پہلے جیسا نہیں ہے...... پہلے مدارس سے جو بچے نکلتے تھے ان میں دین کی تڑپ ہوا کرتی تھی ان میں تصلب بھی ہوا کرتا تھا لیکن آج جو بچے نکلتے ہیں ان میں نہ وہ تڑپ ہوتی ہے اور نہ وہ تصلب بلکہ ان میں دینی قدروں سے الجھنے کا رجحان تیزی سے پروان چڑھ رہا ہے۔ جن کے دلوں میں دینی روایات کے احترام کا چراغ جل رہا ہے ایسے بچوں کی تعداد بہت کم ہے آخر اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

جواب (۴) اساتذہ میں صدر الشریعہ، مجاہد ملت، امین شریعت مفتئ اعظم کانپور، حافظ ملت، شمس العلماء۔ جیسا حرص تعلیم وتدریس ان کا سا اخلاص، ذمہ داریاں سمجھنے اور انھیں نبھانے کا جذبہ نہ رہا، ادھر مغربی تہذیب اور علوم جدیدہ کے گرویدہ حضرات کی دنیوی ٹھاٹ باٹ دنیاوی ترقی کی دوڑ میں شامل ہونے کا جذبہ اور قوم وملت کے رؤسا وامراء، الامعدودے چند، اور ذمہ داران کمیٹی کی طرف سے علم وعلماء کی ناقدری وجہ کفاف میں کٹوتی یہ وہ عوامل ہیں جن سے رفتہ رفتہ علم اٹھتا جا رہا ہے۔ حضرت قاسم العلوم والخیرات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا من اشراط الساعۃ ان یرفع العلم ،رفع علم کو آثار قیامت سے بتایا۔ یہاں رفع علم کا مطلب کتابوں کے صفحات یا علما کے سینے سے مٹنا نکلنا نہیں بلکہ یہ کہ اہل علم اٹھتے جائیں گے اور کتب دینیہ سے استفادہ کی اہلیت وصلاحیت کا فقدان ہوتا جائے گا۔

سوال (۵)......علوم کی یوں تو بہت ساری قسمیں ہیں لیکن عام طور پر انہیں دو خانوں میں بانٹا جاتا ہے...... دینی علوم اور عصری علوم پہلے مدارس میں صرف دینی علوم پڑھائے جاتے تھے مگر آج اکثر مدارس میں دینی وعصری دونوں قسم کے علوم کی بہتر سہولتیں ہیں اس کے باوجود پہلے جو بچے مدارس سے نکلتے تھے ان میں دین کے خلاف ہر طرح کے چیلنج کو قبول کرنے کی بھر پور صلاحیت ہوتی تھی ......لیکن آج ایسا نہیں ہے بلکہ جو بچے مدارس سے نکل کر عصری جامعات میں جا رہے ہیں ان کا دین سے رشتہ برائے نام رہ جاتا ہے ایسا کیوں؟

جواب (۵) کما حقہ علم دین حاصل کیا نہ اس کا فیضان ملا اور جب باصلاحیت علما کی شایان شان خدمت نہ ہوسکی تو مادی ترقیات کے خواہشمند طلبہ نے علوم عصریہ کو اپنی ضرورت سمجھا اور انھیں کے حصول میں محنت کی اور دینی علوم سے یا تو عاری رہے

یا ناقص۔ پھر وہ احساس برتری کے شکار ہوئے اور علماء دین کو ناکام وکمتر سمجھنے کی غلطی کرنے لگے جیسا کہ تجربہ شاہد ہے کہ پروفیسران، انجینئر وو کلا علماء دین کو خاطر میں نہیں لاتے الاما شاء اللہ۔ ادھر مدرسوں کی چہار دیواری میں کچھ اوقات گزاری کر کے پیشہ ور مقررین، اہل ثروت کی قصیدہ خوانی کرنے والے شعراء نابالغین، جگہ جگہ اعراس ومزارات کا جال بچھانے والے فساق وفجار مجاورین من گڑھت کرامتیں بیان کرنے والے دنیادار خطباء وناظمین نے بھی اہل علم کی عظمتوں کا دامن تارتار کرنے میں کوئی کمی کسر نہ چھوڑی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

سوال (۶)......اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ ان کے خلفاء، تلامذہ، اور معتقدین کی جماعت جلد ہی ہماری نگاہوں سے رخصت ہوئی ہے دوسری نسل جس کے ہاتھوں میں شریعت کا قلمدان ہے جن میں آپ بھی ہیں۔ اور تیسری نسل جو شریعت کا قلمدان اپنے ہاتھوں میں لینے کے لئے پر تول رہی ہے دین کے حوالے سے ہم تینوں نسل میں زمین وآسمان کا فرق دیکھتے ہیں۔ اول الذکر نسل کا کوئی قدم شریعت کی سرحدوں سے کسی بھی حال میں باہر نہیں ہوتا تھا، دین کی محبت ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑتی تھی۔ دوسری نسل میں اکثریت ایسوں کی ہے جو ذاتی مفاد کے تحت پل پل اپنا قبلہ عقیدت بدلتی رہتی ہے پھر تیسری نسل دین کے حوالے سے کیسی ہوگی؟ اس کے تصور ہی سے دل گھبراتا ہے آخر اتنی جلد یہ فرق دیکھنے میں کیوں آرہا ہے؟ اس سلسلے میں آپ کچھ روشنی ڈالنا پسند کریں گے؟

جواب (۶) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم، ثم ياتي من بعدهم قوم يتسمّنون ويحبون السمن**۔ یعنی سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں پھر وہ جو میرے زمانے سے قریب پھر وہ جو ان سے قریب، پھر ان کے بعد وہ لوگ آئیں گے جو فربہی وتن پروری کو پسند کریں گے اور فرمایا: **شرار الناس من شرار العلماء في الناس**، لوگوں میں شریر تر علما اشرار ہوں گے۔ **نسأل الله العفو والعافية**، اس کی اہم وجہ وہ ہے جو آپ کے سوال میں مذکور ہے، یعنی ''ذاتی مفاد کے لیے پل پل اپنا قبلۂ عقیدت بدلتے رہنا'' اسی کو کو حدیث میں فرمایا گیا کہ قرب قیامت صبح کو مسلمان ہوگا اور شام کو کافر۔ مولیٰ تعالیٰ ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

سوال (۷)......اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی دینی خدمات کی نظیر سے کئی صدیاں خالی ہیں ......انہوں نے دین مخالف کسی بھی تحریک کو کبھی ابھرنے نہیں دیا......اپنے زمانے میں اٹھنے والے ہر سوال کا انہوں نے معقول جواب دیا۔ آپ نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں مثبت رہنمائی کی......اس سلسلہ میں آپ کی ایک ہزار سے زائد کتب ورسائل ہیں۔ آپ نے دلوں کو عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرارت عطا کی......محبوبان الٰہی سے مسلمانوں کا رشتہ ٹوٹ رہا تھا آپ نے اس رشتہ کو حیات تازہ عطا کی یعنی قوم وملت پر آپ کے احسانات کی ایک طویل فہرست ہے اس کے باوجود آج کچھ درس گاہیں، خانقاہیں اور شخصیات آپ کی کردار کشی کی باضابطہ تحریک چلا رہی

ہیں اور آپ کی تحقیقات سے الجھ رہی ہیں آخر اس کے پس پردہ مقاصد کیا ہیں؟ اور اس کے نتائج کیا ہوں گے؟

جواب (۷) بلا شبہ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں قدس سرہ کی شخصیت ہمہ گیر تھی اور آپ نے اپنے دور میں اٹھنے والے ہر فتنہ کا اپنی خداداد صلاحیتوں سے جو مقابلہ فرمایا، اس کے لئے آپ من جانب اللہ منتخب تھے انھوں نے عشق رسول کا جام شیریں پلایا اور ایمان وعقیدہ کی حفاظت فرمائی، اس سے آپ کا رب ایسا راضی ہوا کہ قبول فی الارض کی نعمت سے سرفراز فرمایا، یہ مقبولیت اپنوں میں سے بھی کچھ حضرات برداشت نہ کر سکے اور اغیار تو اغیار ہیں جس کا اظہار آپ خود فرما چکے۔

کردو عدو کو تباہ حاسدوں کو روبراہ
اہلِ ولا کا بھلا، تم پہ کروڑوں درود

آپ نے جن لوگوں کا رونا رویا ہے وہ کوتاہ قد حاسدین ہیں جو ایڑیاں اٹھا کر اپنا قد دراز کرنے کی سعی لاحاصل میں مصروف ہیں مگر ان کی اوچھی حرکتوں سے اعلیٰ حضرت کا تو کچھ بگڑنے کا نہیں وہ آتش حسد میں جل کر اپنا ہی دین ودنیا دونوں برباد کر رہے ہیں وہ اس زمانے میں بھی تھے جبھی تو فرمایا:

سن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں
وہ سلامت ہیں بنانے والے

اور یہ اعلیٰ حضرت ہی نہیں دیگر اکابر کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے تفسیر روح البیان میں ہے دخل الفساد علیٰ الخلق من ستة اشياء، الاول ضعف النّية بعمل الآخرة، والثانى صارت ابدانهم رهينة لشهواتهم، والثالث غلب عليهم حلول الامل مع قرب الاجلِ والرابع آثروا رضى المخلوقين على الخالق، والخامس، اتبعوا اهواء هم ونبذوا سنة نبيهم وراء ظهورهم، والسادس، جعل قليل زلاة السلف حجة انفسهم ودفنوا كثير مناقبهم، (ص ۲۲۳)

یعنی خلق خدا کو چھ چیزوں سے تباہی و بربادی پہنچتی ہے۔ (۱) اعمال آخرت میں ضعف نیت، (۲) جسموں کا شہوات ولذات میں مبتلا رہنا۔(۳) یہ جانتے ہوئے کہ آخر مرنا ہے اس کے باوجود حرص وہوا اور آرزو میں انہماک ۔(۴) رضائے الٰہی پر رضائے مخلوق کو ترجیح دینا۔(۵) خواہشات نفسانیہ سے پیار اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا السلام کو پس پشت ڈالنا،(۶) اسلاف کی معمولی لغزش کو اپنی سرکشی و بے راہ روی کے لئے حجت لانا اور ان کے بے شمار محاسن ومناقب سے صرف نظر کرنا۔ ایسے لوگ لائق التفات نہیں انھیں چاہئے کہ وہ اوپر کی باتوں سے نصیحت حاصل کریں اور اپنی دنیا وآخرت دونوں کو کامیاب بنائیں۔

سوال (۸)......ابھی حال ہی میں جامع اشرف کچھوچھہ شریف کے دارالافتاء سے فتوی کی شکل میں ایک طویل تحریر شائع ہوئی ہے جس میں وہاں کے مفتی نے لکھا ہے کہ ”مولانا اشرف علی تھانوی جید عالم دین تھے ان کی بعض کتابیں امت مسلمہ کے لئے مولانا احمد رضا بریلوی کی کتابوں سے زیادہ مفید ہیں۔آج مسلمانوں میں جو جھگڑے پائے جا رہے ہیں وہ تمام جھگڑے مولانا احمد رضا نے لگائے ہیں“ اس تحریر میں اس طرح

کی اور بھی بہت ساری باتیں ہیں جس ادارہ سے اس طرح کی تحریر جاری ہو اور جو نام نہاد مفتی ایسا پیغام نشر کرے شریعت کا اس پر کیا حکم ہوگا؟ اس حوالہ سے آپ کچھ وضاحت کرنا پسند کریں گے؟

جواب (۸) جس نام نہاد مفتی کی بابت سوال کیا گیا ہے وہ کچھوچھہ شریف میں دوسرا ''معین'' ہے اور وہ تحریر جسے فتویٰ کی شکل کہا گیا ہے نِرا طغویٰ ہے۔ مولوی اشرفعلی تھانوی کو جید عالم دین اور اس کی بعض تصنیفات کو اعلیٰ حضرت کی تصانیف سے امت مسلمہ کے لئے زیادہ مفید ماننا، مسئلہ تکفیر میں اعلیٰ حضرت سے غلطی کے صدور کا قول کرنا، اور بریلی سے تکفیری فتنہ کی آگ میں پورے مسلک کے جلنے کی بات بتانا اور اس کے مقابل مقلدین وغیر مقلدین اکابر وہابیہ وغیرہم کی انشراح صدر کے ساتھ تعریف وتوصیف کرنا انھیں اہل سنت و جماعت میں داخل ماننا بلکہ عظمت توحید ورسالت کا محافظ قرار دینا ایک نئے فتنہ کو جنم دینا اور جامع اشرف وذمہ داران ادارہ بلکہ معظمان درگاہ معلیٰ کے لئے سوالیہ نشان کھینچنے کے مترادف ہے گوکہ سطحی طور پر ایک رسمی مواخذہ کے ردعمل میں اس تحریر پُر تزویر سے کہیں زیادہ پرفریب انداز میں مَرے دل سے رجوع نامہ بھی تحریر کر دیا ہے جس میں یہ لکھا گیا ہے کہ ''میرا موقف وہی ہے جو اکابر اہلسنت کا ہے'' اب یہ مکار بتائے کہ اکابر اہلسنت میں وہ کون ہیں جنھوں نے اکابر دیوبند کی تکفیر سے منع فرمایا ہے یا انھیں اہلسنت وجماعت سے مانا ہے؟ دور جانے کی ضرورت نہیں موجودہ اکابر میں شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں قبلہ ہی سے اپنی اس تحریر پر تفصیل اور منطقیانہ وپھیر پھار والے رجوع نامہ کی تصدیق کرالے۔

جامع اشرف کی آڑ میں اکابر امت کے خلاف ایک نئی سازش ہے جس کی پشت پناہی کہیں اور سے ہو رہی ہے اور دین کے بدلے دنیا خریدنے کی شاطرانہ چال ہے جس سے جامع اشرف اور درگاہ معلیٰ کے ذمہ داران کو بروقت نوٹس لینے کی ضرورت ہے کہ وہاں کی عظمت مجروح ہونے سے بچے اور اہلسنت کا شیرازہ درشیرازہ نہ بنے فی الحال اسی پر اکتفا ہے بوقت فرصت اس پوری تحریر کا فنی، شرعی اور ادبی جائزہ پیش کرنے کا ارادہ ہے مولیٰ تعالیٰ، خدمت دین ورڈّ بے دین کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

سوال (۹)......جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دستور اساسی میں اراکین، مدرسین، اور فارغین کے لئے ''حسام الحرمین'' کی حرف بحرف تائید شامل ہے دستور کی یہ ایسی دفعہ ہے جس میں عہدیدار اعلی کو بھی چھیڑ چھاڑ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے پھر بھی وہاں کے بعض فارغین ''حسام الحرمین'' پہ نظر ثانی کا شدت سے تقاضا کر رہے ہیں۔ آپ کی نگاہ میں ان کا یہ عمل کیسا ہے؟ کیا یہ حضور حافظ ملت کی مخالفت نہیں ہے؟

جواب (۹) یہ تو ذمہ داران اشرفیہ کے لئے ایک چیلنج ہے اگر ان کے نزدیک بھی جامعہ اشرفیہ کا دستور قابل نظر ثانی ہے تو نظر ثانی کریں اور نہیں تو اس طرح کی رائے دینے والوں کو لگام دیں نہ مانیں تو ایسے فارغین کی اسناد کو منسوخ کر کے فارغ کر دیں، رہا حسام الحرمین پر نظر ثانی کا تقاضا، تو یہ تقاضا، تقاضا کرنے والوں کی صلح کلیت کا تقاضا ہے جو ہرگز لائق التفات نہیں، اور ایسا عمل بلا شبہ بانئ ادارہ اور دستور ادارہ دونوں کی مخالفت ہے۔

سوال (۱۰)......حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور ہماری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں ایک ہی فرقہ حق پہ ہوگا یعنی جنت میں جائے گا ہم نے یہی پڑھا بھی ہے اور متدین علماء سے یہی سنتے بھی آرہے ہیں لیکن آج

بعض خود کو ذی ہوش سمجھنے والوں کا کہنا ہے کہ سب کے سب اپنے گناہوں کی سزا کاٹ کر جنت میں جائیں گے مفتی مطیع الرحمان مضطر صاحب کا کہنا ہے کہ یہ سارے فرقے جماعت اہل سنت سے خارج ہیں لیکن دین میں داخل ہیں اس سلسلے میں آپ کا کیا کہنا ہے؟

جواب (۱۰) فرقہ ناجیہ کی تعیین میں بھی دو فرقے ہو گئے، ایک نے "فی النار" سے دخول فی النار اور دخول فی النار سے امت اجابت کا دخول مراد لیا ہے اور دوسرے نے اس سے خلود فی النار مراد لیا ہے اور ظاہر ہے کہ خلود فی النار امت اجابت کے لئے نہیں ہے وہ امت دعوت کے لئے ہے اس طرح اصل میں دو ہی فرقے ہیں۔ جنتی اور جہنمی، قال تعالیٰ فریق فی الجنة وفریق فی النار۔ امت اجابت کے لئے دخول فی النار کے اسباب میں، رشوت لینا، دینا، شراب پینا، سود کھانا، نماز میں غفلت برتنا، مسلمان کا قتل ناحق کرنا، وہیچوں دیگر بہت سے افعال وغیرہ جو احادیث میں اپنے اپنے مواقع پر مروی ہیں ان میں سے کسی کے مرتکب کو فرقہ، ملت سے تعبیر نہیں فرمایا گیا، مگر زیر بحث حدیث میں ملة یا فرقة، بتا کر بہتر فرقوں یا بہتر اہل ملت کو ناری فرمایا گیا، اگر اس سے امت اجابت کے وہی افراد مراد ہیں جو بالآخر معفو ومغفور ہو کر خلود فی الجنة کے مستحق ہیں تو اس انداز سے تعبیر کا فائدہ فقیر کی فہم ناقص سے وراء ہے اگر چہ مرقات، شرح سفر السعادت، اشعة اللمعات اور دیگر متعدد کتب وحواشی میں یہ تاویل نظر فقیر سے بھی گزری جبکہ اس کے برعکس اسی امت اجابت کے بعض گنہگاروں کے لئے، غیّ، وَیل وغیرہ طبقات دوزخ کا بھی ذکر آیا۔ پس اگر امت اجابت کے لئے دخول ہی بتانا مقصود تھا تو اس میں الا واحدۃ کی کیا ضرورت؟ لامحالہ بطور ترہیب وترغیب خلود فی النار سے بچانے اور خلود فی الجنة کا استحقاق بتانے کے لئے فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل میں اکہتر، نصاریٰ میں بہتر، اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے ان میں بہتر ناری اور ایک ناجی ہوگا اور وہ وہی ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوگا اور وہ اہلسنت وجماعت ہے۔ ناجیہ، نجات والا، یہ نجو سے بنا جس کے معنیٰ ہیں علاحدہ یا اونچی جگہ تو جو فتنہ سے علاحدہ بھاگ جائے وہ اس سے بچ جاتا ہے لہٰذا اس سے بچنے کو نجات کہا جاتا ہے اس سے جتنے الفاظ بنتے ہیں سب میں علاحدگی کے معنیٰ کا لحاظ ہوتا ہے مثلاً، استنجاء، اسی سے ہے جو علاحدگی میں کیا جاتا ہے، مناجات، تنہائی میں دعا کرنے کو کہا جاتا ہے، نجوا، علاحدگی میں مشورہ کرنا وغیرہ اب فرقہ ناجیہ کا مطلب ہوا، آتش دوزخ سے علاحدہ اور دور رہنے والا فرقہ، اور وہ وہی ہے جو مذاہب اربعہ میں دائر ہے پھر ناجی فرقہ بھی دو قسم ہے ایک وہ جو جہنم میں داخل ہی نہ ہوگا یہی امام غزالی علیہ رحمۃ الباری نے اختیار فرمایا اور محققین ومحدثین نے بھی یہ جواب پسند فرمایا وہ یہ کہ "فرقہ ناجیہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو مطلقاً دوزخ میں داخل نہ کئے جائیں گے خواہ ان کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا یا بسبب

گناہوں کے ان لوگوں کو صرف یہی تکلیف ہوگی کہ قیامت میں خوف ان لوگوں کو بھی رہے گا اور وہ لوگ قبر کی سختی میں مبتلا کئے جائیں گے یا پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان کے گناہ نیست ونابود کردیئے جائیں گے اور اس فرقہ کے لوگ صرف خاص اہلسنت سے ہوں گے کہ عقیدہ اور عمل میں ان لوگوں نے بدعت کی راہ اختیار نہ کی ہوگی اگر چہ احتمال ہے کہ بعض تقصیرات فرعیہ ان لوگوں سے بھی سرزد ہوگئی ہوں گی اور اس فرقہ کی یہ تفسیر جو حدیث شریف میں ہے نہایت چسپاں ہے" الذین ھم علی ما انا علیہ واصحابی" امام غزالی نے یہ قید لگادی ہے کہ فرقہ ناجیہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو بغیر حساب وکتاب بغیر شفاعت کے بہشت میں داخل کئے جائیں گے"۔

دوسری قسم یہ کہ اصول عقائد کے اعتبار سے مستوجب جہنم نہ ہوکر اپنے بعض اعمال کی وجہ سے دوزخ میں دخول ہوگا پھر اپنے گناہوں کی سزا پاکر یا شفاعت یا محض رحمت الٰہی سے دوزخ سے نکلے گا اور بالآخر خلد نشیں ہوگا۔ تو یہ دونوں قسمیں فرقہ ناجیہ کی ہوئیں، اس کے علاوہ جو رہا وہ سب ناریہ ان کے لئے دخول بھی اور خلود بھی اور حدیث کا سیاق وسباق اسی پر دال کہ کلھا فی النار الا واحدہ ھذا ما ظہر لی من اقوال الفقہا والمحدثین اللھم اجعلنا من الناجین واحشرنا تحت لواء سید المرسلین وادخلنا الجنۃ مع الابرار۔۔۔۔والصدیقین بجاہ طٰہٰ ویٰسین۔

رہا وہ قول کہ" سارے فرقے جماعت اہل سنت سے خارج ہیں لیکن دین میں داخل ہیں"

اس سے قائل کی مراد اگر یہ ہے کہ یہ سب کے سب ناجی ہیں خواہ وہابیہ مقلدین وغیر مقلدین ہوں یا روافض ودیگر مرتدین، فلانسلم کہ یہ فقہا ومحدثین اور خود ارشاد سید المرسلین کی منشا اور مقصود کے خلاف ہے چنانچہ افترقت امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ کے تحت" تیسیر شرح جامع صغیر" میں ہے ای فی الاحول الدینیۃ لا الفروع الفقھیۃ کلھا فی النار الا واحدۃ وھی اھل السنۃ والجماعۃ اسی مقام پر فیض القدیر میں ہے اذالاولیٰ ھی المخصوصہ بالذم واراد بالامۃ من تجمعھم دائرۃ الدعوۃ من اھل القبلہ، طحطاوی علی الدر میں ہے من شذ عن جمھور اھل الفقہ والعلم والسواد الاعظم فقد شذ فیما یدخلہ فی النار فعلیکم معشر المومنین باتباع الفرقۃ الناجیۃ المسماۃ باھل السنۃ والجماعۃ فان نصرۃ اللہ تعالیٰ وحفظہ وتوفیقہ فی موافقتھم وخذلانہ وسخطہ فی مخالفتھم وھٰذہ الطائفۃ الناجیۃ قد اجتمعت الیوم فی مذاھب اربعۃ وھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون رحمھم اللہ تعالیٰ ومن کان خارجا عن ھٰذہ الاربعۃ فی ھٰذا الزمان فھو من اھل البدع والنار، جو شخص جمہور اہل علم وفقہ اور سواد اعظم سے جدا ہوا وہ اس چیز کے ساتھ تنہا ہوا جو اسے دوزخ میں لے جائے گی، تو اے گروہ مسلمین تم پر فرقہ ناجیہ اہلسنت وجماعت کی پیروی لازم ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی حفاظت وکارسازی موافقت اہلسنت میں ہے اور اس کا چھوڑ دینا اور غضب فرمانا، اہلسنت کی مخالفت میں ہے اور یہ نجات والا

گروہ اب چار مذاہب، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ہیں اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے، اور جو ان چار سے اس زمانہ میں جدا ہوا وہ بدعتی و جہنمی ہے۔ لہٰذا امت اجابت سے نکل جانے والا ہر فقہ قادیانی، نیچری، چکڑالوی، وہابی، دیوبندی، تبرائی سب ناری غیر ناجی قرار پائے گا، قال اللہ تعالیٰ ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئك حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ واولئك اصحاب النار ھم فیھا خالدون، اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرا پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا، اکارت گیا، دنیا اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں انھیں اسمیں ہمیشہ رہنا ہے۔ تو جو ناجی نہیں وہ ناری ہے کفار میں مجاہرین ومنافقین، مشرکین کیلئے جس طرح خلود فی النار ہے اسی طرح ضروریات دین میں سے کسی امر ضروری دینی کا انکار کر کے امت اجابت سے نکل کر یہ بھی امت دعوت میں شامل ہو گئے، قال تعالیٰ، من یتولھم منکم فھو منھم، اہل قبلہ بتا کر برائے نام نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کی ظاہراً ادائیگی امت اجابت سے نکلنے میں مانع نہیں ہو سکتی۔ البتہ وہ اختلاف جو فروع میں ہو جیسے ائمہ اربعہ کا اختلاف یہ منھی عنہ نہیں بلکہ اسے ''اختلاف امتی رحمۃ'' فرما کر نعمت کبیرہ اور فضیلت جسیمہ قرار دیا گیا، والتفصیل فی فیض القدیر خلاصہ کلام یہ کہ امت اجابت میں بھی جن لوگوں کی بدعت وضلالت حد کفر تک پہنچ چکی وہ امت اجابت میں نہ رہے وہ کفار ومشرکین بلکہ ان سے بڑھکر دائمی ناری جہنمی ہو چکے قال تعالیٰ، کفروا بعد اسلامھم، اسلام مین آ کر کافر ہو گئے۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ

''ظاہر ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کے فرقوں میں جو فرقہ ہے وہ باعتبار اعتقاد کے ہے تو اس امت کے بارے میں بھی یہی مراد ہے کہ اس امت میں تہتر فرقے ہوں گے ان سب فرقوں میں فرقہ باعتبار عقائد کے ہوگا یعنی ایک فرقہ کا جو عقیدہ ہوگا اس کے خلاف دوسرے فرقہ کا عقیدہ ہوگا علی ہذا القیاس سب فرقوں کے عقائد مختلف ہوں گے کسی فرقہ کا عقیدہ دوسرے فرقہ کے عقیدہ کے موافق نہ ہوگا ان سب بہتر فرقہ کے عقائد فاسد ہونگے وہ سب فرقے اپنے فاسد عقائد کے سبب دوزخی ہوں گے اور ایک فرقہ کا عقیدہ صحیح ہوگا اور وہ فرقہ ناجیہ ہے وہ فرقہ اپنے عقیدہ کے سبب سے مستوجب دوزخ نہ ہوگا بلکہ وہ فرقہ اپنے نفس عقیدہ کے اعتبار سے قابل نجات ہوگا، اگر چہ ممکن ہے کہ اس فرقہ کے بعض گنہگار لوگ اپنے گناہوں کے سبب سے کچھ دن جہنم میں رہیں لیکن پھر وہ لوگ اپنے گناہ کی سزا پا کر اللہ جل شانہ کی رحمت سے بہشت میں داخل کیئے جائیں گے۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۳۵۸)

اجمل العلما حضرت علامہ مفتی محمد اجمل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں بہتر فرقوں کو ناری قرار دیا ہے اس کے یہی معنیٰ ہیں وہ ہمیشہ نار میں رہیں گے کہ جب ان کے عقائد واقوال کفریہ ثابت ہو چکے تو کفر کی سزا خلود فی النار ہی ہے تو نہ یہ دوزخ سے نکل سکتے ہیں نہ ان کی مغفرت ہو سکتی ہے نہ کوئی شفیع ان کی شفاعت کر سکتا ہے نہ ان کو شفاعت کچھ نفع دے سکتی ہے اور بحمد اللہ اکثریت اہلسنت وجماعت ہی کی ہے یہ تمام گمراہ فرقے اپنی مجموعی تعداد کے باوجود بھی اہلسنت

کے عشر عشیر بھی نہیں''۔فتاویٰ اجملیہ ص ۲۹۶۔

حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

''ماانا علیہ واصحابی والی حدیث میں اختلاف سے مراد اصول عقائد میں اختلاف ہے''فتاویٰ بحر العلوم ج ۲،ص ۴۳۔ ۲۷۔

اگر یہ توجیہ درست نہ ٹھہرے تو عقائد کفریہ نجسہ والوں کی تکفیر عبث ولغو قرار پائے اور کوئی فرقہ ناری نہ ٹھہرے''۔

سوال (۱۱)......دنیا میں بے شمار فرقے اور جماعتیں پائی جاتی ہیں ان میں صرف اور صرف جماعت اہل سنت ہی ایک ایسی جماعت ہے جس میں حق دائر ہے اور یہی جماعت ما انا علیہ واصحابی کی مصداق ہے یہاں اسلام کے تمام تر اصول وفروع سب اپنی اصلی صورت میں موجود ہیں ۔لیکن آج یہ جماعت شدید بحران کا شکار ہے اور جیسے جیسے دن بیت رہا ہے اس کے بحران میں اضافہ ہی ہورہا ہے ۔مؤثر قیادت ہے مگر لوگ قیادت کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں ۔چھوٹے چھوٹے لوگ بڑوں کی زبان استعمال کررہے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں وہ اپنی حیثیت کو منوانے پر آمادہ ہیں جماعت اہل سنت کو بحران سے نکالنے کی مؤثر صورتیں کیا ہوسکتی ہیں۔

جواب (۱۱) تجربات شاہد ہیں کہ فی زمانہ جملہ فروع اپنی اصلی صورت میں موجود نہیں ہیں بہت سی فروع ایسی ہیں جن میں کافی غلو وافراط، تبذیر واسراف نے ان کی اصل ہیئت ہی بدل ڈالی اور وہ اغراض صحیحہ ومقاصد حسنہ سے بہت دور جاچکیں، بایں ہمہ انھیں مسلکی شعار کے طور پر پیش کیا جارہا ہے ۔رہی موثر قیادت تو حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کے بعد ایسی قیادت کا فقدان، میں ہی نہیں جماعت کی باثر شخصیات محسوس کررہی ہیں ۔اگر موثر قیادت یا قیادت موثر ہوتی تو یہ جماعت موجودہ بحران کا شکار ہی نہ ہوتی ۔دعا ہے مولیٰ تعالیٰ ہماری جماعت کو اس بحران سے جلداز جلد نجات دے، آمین،

ادھر علما اہلسنت کو بالخصوص اکابر ملت کو چاہئے کہ ذاتی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر نیز چھوٹی موٹی کوتاہیوں کو نظر انداز فرماکر کسی ایک نقطہ پر پہنچنے کے لئے سرجوڑ کر بیٹھیں، اور مرکزی نقطہ کو چاہئے کہ تمام خطوط کو جوڑے رکھے اور حتی الامکان اختلافی یا ذاتی مسائل کے لئے ملک وملت کے باصلاحیت، تجربہ کار، دیندار ومخلص علمائے کرام کا ایک بورڈ تشکیل دیکر مسئلہ کا حل ڈھونڈے یونہی ذاتی معاملات میں فریق ثانی (ملزم) سے بیان صفائی لے، پھر بورڈ کے متفقہ وحتمی فیصلہ پر اپنی مہر توثیق ثبت کرے، ادھر ملزم بھی حکم شرع کے سامنے اپنی انا کو فنا کرکے سر تسلیم خم کرے، مسلک کو اپنی ضد اور ذاتی رنجش کے لئے ہدف تنقید نہ بنائے، بلکہ ذاتی مفاد کو مسلکی مفاد پر قربان کردے۔

نااہل اساتذہ غیر معیاری مدارس میں تربیت افتا، جابجا بلکہ بے جا فقہی سمینار، بلا ضروت داعیہ شہر تو شہر گاؤں دیہات میں دار القضا، دار الافتا اور جو صحیح نکاح نہ پڑھا سکے اُس کو منصب قضا وافتا دینا، عام طور پر ابتدائی مدارس ومکاتب میں عوام وامراء کو خوش کرکے چندہ بٹورنے کے لئے بلا تکمیل بلکہ دوسرے مدارس سے کرایہ پر طلبہ بلاکر دستار حفظ وعالمیت بلکہ فضیلت، افتاء کے روز بروز بڑھتے رواج سے بھی مسلک وقیادت متاثر ہوتی ہے۔

مؤثر قیادت کے لئے علمی لیاقت کے ساتھ سیاسی بصیرت اور اپنے دائرہ کار کے مذہبی وملکی اور قومی حالات سے آگاہی

بھی ضروری ہے یا پھر مذہبی امور کیلئے علوم شرعیہ کا حامل اور احکام شرعیہ پر عامل اپنے دائرۂ کار کا ممتاز و منفرد عالم دین منتخب کیا جائے اور دنیوی امور کے لئے صحت عقیدہ کے ساتھ مخلص وایماندار سیاسی بصیرت اور حق بات کو دلائل کے ساتھ پیش کرنے والے مرد آہن کو آگے لایا جائے اور دونوں ایک دوسرے کے تعاون واشتراک سے دینی ودنیوی قیادت کی باگ ڈور سنبھالیں۔ چونکہ ہماری جماعت میں اس کا فقدان رہا ہے لہٰذا قضیۂ بابری مسجد ہو یا دہشت گردی کے نام پر گرفتاریاں، مسئلہ طلاق ہو یا ۴۸ ؍ لاکھ آسامی مسلمانوں کا حق شہریت، اخلاق اور افراز الاسلام جیسے بے گناہوں کا قتل بہیمانہ ہو یا گھر واپسی کا فتنۂ ارتداد وشدھی کرن وبچوں دیگر مسائل میں ہماری جماعت کا قابل ذکر قائدانہ کردار سامنے نہیں آیا جبکہ اس کے برعکس مذکورہ معاملات میں دوسروں نے جو رول نبھایا وہ نہ عوام سے اوجھل ہے نہ ارباب اقتدار سے، گوکہ ہمیں نظر انداز کرنے کے نتیجہ میں کہیں نہ کہیں انھوں نے ٹھوکر یں بھی کھائی ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند کا نام محض عقیدت کا نتیجہ نہیں بلکہ قبلہ و کعبہ کے نام نہاد دعویداروں کا معاملہ ہو یا چٹیا وزنار داروں کا شریعت کا ہو یا سیاست کا، ووٹ کا ہو یا نوٹ کا شدھی کا ہو یا نسبندی کا ہر جگہ آپ کی موثر قیادت نے سنبھالا دیا۔

اس وقت مرکز کا لائحہ عمل کیا ہے اس کا نصاب تعلیم کیا اس کے دائرہ میں آنے والے مدارس میں اس کا نصاب داخل ہے یا وہ باہر کا نصاب داخل کئے ہوئے ہے؟ اپنے ماتحت مدارس میں مدرسین دے پاتا ہے یا وہ خود باہر کے فارغین کا محتاج ہے؟ موجودہ حالات میں خدمت افتا انجام دینے والوں کی حیثیت علمی وعرفی سے اس کا نام روشن ہو رہا ہے یا جگ ہنسائی؟ وہاں کے فارغین مرکز کی طرف نسبت کرنے میں فخر محسوس کر رہے ہیں یا خفت وندامت ان جیسے اور بھی سوالات ہیں جن کے عملی جوابات کی ضرورت ہے جو کوتاہیاں ہیں ان کے تدارک کی ضروت ہے اور میرے مخلصانہ وہمدردانہ معروضات کی قدر دانی ہونی چاہئے یہ صرف میری آواز نہیں جماعت کی آواز ہے مگر اس کے برعکس میرے حوالہ سے کیا رائے قائم ہوسکتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہاں ہم چھوٹوں کو بھی چاہئے کہ موجودہ شخصیات میں سے کسی ایک کو اپنا بڑا ماننا ہی ہوگا اور مذکورہ بالا کوتاہیوں کے باوجود مسلک وملت کی فلاح وبہبود والے ہر کام اور ہر آواز پر حسب صلاحیت اپنی رضا کارانہ خدمات سے دریغ نہ کریں اور مسلک حق کی ترویج واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور ہر وہ حکم وفیصلہ جو مطابق شرع ہو اس کے سامنے گردن جھکا دیں۔ ایک اور مرض متعدی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے کہ چھوٹے چھوٹے لوگ زبان وادب یا شعر وسخن یا کسی مخصوص فن میں کوئی نام ومقام حاصل کر لیتے ہیں تو وہ بڑوں کی پگڑیاں اچھالنے لگتے ہیں۔ اپنی ایڑیاں اٹھا کر دراز قد بننے کی ہوڑ میں اپنے محسن کو بھی کسی خاطر میں نہیں لاتے ہیں اپنی ذہانت اور ایک دوفن کی مہارت پر اسلاف شناسی بھول جاتے ہیں اور وہ نقد ونظر کے خود ساختہ اصول کی روشنی میں حضور مفتی اعظم، صدر الشریعہ، حافظ ملت، اعلیٰ حضرت، محدث اعظم حتی کہ ان کے اوپر والوں کو بھی اپنی نوک قلم کا ہدف ملامت بنانے کی سعی پلید کرکے اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں بلا شبہ ایسے

لوگ فتاویٰ خلاصہ کے مطابق حرماں نصیب ہیں اور ان کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے مولیٰ تعالیٰ ایسی جرات سے محفوظ رکھے اور ایسے لوگوں کو وقت رہتے ہوئے ہدایت دے۔آمین

سوال (۱۲)...... جماعت اہل سنت میں ایک ایسا حلقہ پیدا ہو گیا ہے جو اپنی تحریر وتقریر میں اشارے کنائے میں اس جذبے کا شدت سے اظہار کر رہا ہے کہ اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے ساتھ ہم نہیں چل سکتے ان کی تعلیمات کی روشنی میں ہم وسیع دنیا کی سیر نہیں کر سکتے ان کے افکار ونظریات ہمیں دن بدن محدود کر رہے ہیں اس لئے کوئی نیا چہرہ لایا جائے جو سب کے لئے قابل قبول ہو اور جو سب کے ساتھ مل جل کے زندگی گزارنے کا حق دیتا ہو کیا مذکورہ خیالات درست ہیں ؟ کیا اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی تعلیمات ہمیں محدود کر رہی ہیں۔کیا اعلی حضرت سے ہٹ کر جماعتی اتحاد کی کوئی صورت ممکن ہے۔

جواب (۱۲) اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تعلیمات ہمیں محدود کر رہی ہیں کا مطلب وہ نہیں جو حاسدین نے لیا بلکہ یہ کہ حدود شرع میں رہنے کا پابند بنا رہی ہیں اور اعلیٰ حضرت کا متبادل نہ محال شرعی ہے نہ عقلی مگر جو واقعۃً متبادل ہوگا وہ وہی پیغام دیگا جو اعلیٰ حضرت نے دیا اور جو ایسا نہ ہو یا ایسے کو آزاد خیال یا مذہب بیزار برداشت نہ کر سکے تو وہ خود ظالم جفا کار ہے۔ **ومن یتعد حدود الله فاولئك هم الظالمون**۔اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں، ایسے لوگ کل ہو کر ائمہ مذاہب کی تقلید کا قلادہ بھی اپنی گردنوں سے نکال پھینکیں تو انھیں کون روک سکتا ہے، اعلیٰ حضرت کی تعلیمات، اسلامی ہیں اور اسلامی تعلیمات پر ہی عمل کر کے وسیع دنیا کی سیر کیا خلائی وسعتوں کو ناپا جا سکتا ہے جو اظہر من الشمس وابہر من الامس ہے۔اعلیٰ حضرت کی ذات سے تو ہٹا جا سکتا ہے مگر ان کی اسلامی نظریات سے الگ ہو کر جماعتی اتحاد کا تصور آتش حسد میں جل جھلس کر یا گل ہو جانے والے کی بڑ ہے۔

سوال (۱۳)......مسلک اعلی حضرت جماعت اہل سنت کا امتیازی نشان ہے یہ نعرہ ہمیں اکابر شخصیات نے دیا ہے ان میں حضور حجۃ الاسلام، حضور مفتی اعظم ہند، حضور محدث اعظم ہند، حضور صدر الا فاضل، حضور سید احمد اشرف، حضور ملک العلماء، حضور برہان ملت، حضور صدر الشریعہ حضور شیر بیشۂ اہل سنت، حضور مجاہد ملت،، حضور امین شریعت، حضور غزالی زماں ،حضور پاسبان ملت ،حضور مجاہد دوراں ، حضور پیر جماعت علی شاہ،حضور محدث اعظم پاکستان ،رئیس القلم علامہ ارشد القادری ،علامہ کامل سہسرامی ،حضور سید العلماء، حضور احسن العلماء قابل ذکر ہیں......ایک محدود حلقہ یہ آواز بلند کر رہا ہے کہ مسلک اعلی حضرت وہابیہ دیابنہ کا دیا ہوا نعرہ ہے اس لئے اسے ہمیں ترک کر دینا چاہیئے کیا مخالفین کا یہ مطالبہ درست ہے ؟ اگر مخالفین کی بات تسلیم کر لی جاتی ہے تو کیا اس سے جماعتی نظام متأثر نہیں ہوگا۔پھر یہ کہ اسلام پورے کا پورا ہمیں اپنے بزرگوں سے ملا ہے۔مخالفین آج مسلک اعلی حضرت کو ترک کر دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں کل ان کا دوسرا مطالبہ بھی سامنے آ سکتا ہے اسلامی قوانین خدائی قوانین ہیں اسلامی قوانین کی حفاظت کے لئے علماء نے کچھ ضابطے متعین کئے ہیں کچھ ایسی اصطلاحیں بھی ہیں جن سے اہل حق کی شناخت ہوتی ہے

۔مسلک اعلی حضرت انہیں اصطلاحوں میں سے ایک ممتاز اصطلاح ہے حالات کے تناظر میں اصطلاحیں وجود میں آتی ہیں ۔عہد حاضر میں اہل حق کی شناخت کے لئے مسلک اعلی حضرت سے جامع کوئی اصطلاح نہیں ۔کیا مخالفین کے مطالبے میں واقعیت ہے؟ کیاوہ کسی سازش کے شکار تونہیں ہورہے ہیں؟

جواب (۱۳) اختلاف زمان ومکان سے علامات و اصطلاحات میں تبدیلی ہوتی ہے کسی زمانے میں، اسلام کا نام دین وحدت، دین توحید تھا، ایک زمانہ میں دین حنیف اور ملت براہیمی رہا پھر دین اسلام سے مشہور ومتعارف ہوا تو اسلام کوئی نیا دین نہیں حضرت آدم علیہ السلام سے ہی ہے مگر اس وقت اس نام سے معروف نہ تھا اسی کو دین فطرت، دین حق، دین وسط، دین اللہ، دین محمدی، صراط مستقیم، سواد اعظم، اور اہلسنت وجماعت بھی کہا جاتا ہے۔

اصطلاح وانتساب میں لحاظ کسی عقیدہ نیک وبد کے ایجاد وفروغ کا ہوتا ہے یا اس کے استحکام واستیصال کا یا اس کے اجراو دفاع کا، پھر کبھی یہ نسبت کسی بھی عقیدہ کے مروّج وبانی کی طرف ہوتی ہے کبھی اس کے مسکن کی طرف کبھی کسی نعمت کے ملنے اور اترنے کی طرف یونہی اس کے برعکس شر و فساد کے برپا ہونے وپھیلنے کی طرف، اور کبھی بالکل خلاف عقل متحمل نظریہ کے مخالف باپ دادا اور اس کے مورث اعلیٰ کی طرف، مثلاً وہابی کی اصطلاح، عبدالوھاب کے بیٹے محمد نامی کے ماننے والے کہلاتے ہیں مگر نسبت اس عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھنے والے، باپ عبدالوہاب کی طرف منسوب ہے ۔نجدی، نجد سے باطل نظریات کے پھیلنے کی وجہ سے جگہ کی طرف منسوب ہے ۔سورہ مکیہ ومدنیہ، مکہ ومدینہ میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اترنے والی سورتوں کو کہا جاتا ہے ۔عقیدہ ختم نبوت سے بغاوت رکھنے والے غلام احمد قادیانی کے باطل نظریات کو اس کے مسکن، قادیان، کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کبھی خود اس کے نام کی طرف منسوب کرکے، احمدی، کہا جاتا ہے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک خاتون مخصوص ایام میں نماز پڑھنے کی بابت مسئلہ پوچھا تو فرمایا ’’احروریۃ انت‘‘ کیا تو حرورا کی رہنے والی ہے؟ یہ مقام اس وقت خارجیوں کا گڑھ تھا اور وہ لوگ ایام حیض میں نماز کے قائل تھے، تو انہیں حروریہ کہہ دیا گیا، خود سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ’’الایمان یمان‘‘ والحکمہ یمانیہ، کبھی فرمایا ’’الایمان فی اھل الحجاز‘‘ ایمان یمنی ہے حکمت یمانی ہے ایمان اہل حجاز میں ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یمن کے باہر ایمان نہیں ہوسکتا، اہل حجاز کے علاوہ کوئی ایمان والا نہیں بلکہ یہ کہ اس دور میں یمن وحجاز کے لوگ کثرت سے ایمان والے رہے اور وہ ایمان کے زیادہ حریص رہے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہاں کا ایک ایک فرد مومن رہا ہو اس طرح کی نسبت غلبہ وشہرت کی بنیاد پر ہوتی ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہاں کے لوگ ہر زمانہ میں اس صفت سے متصف ہی رہیں، تفسیر روح البیان میں ہے انما نسب الایمان الیھم اشعارا بکماله فیھم لان من اتصف بشئی وقوی قیامه به نسب ذالك الشی الیه لاان یکون فی ذلك نفی له عن غیرھم فلامنا فاة بینه وبین قوله الایمان فی اھل الحجاز ثم ان

المراد بذلك الموجودون منهم في ذلك الزمان لا كل اهل اليمن في كل الاعيان۔

سواد اعظم واہلسنت وجماعت ہر زمانے میں جب جب کسی جماعت نے سواد اعظم کے جن عقائد سے اختلاف کیا وہی عقائد اس دور میں جماعت کا امتیاز رہا اور سنیت کی علامات قرا رپائے مثلا خوارج نے فتنۂ تکفیر برپا کیا تو یہی مسئلہ سنی وغیر سنی کے درمیان امتیاز تھا یعنی جو مرتکب کبیرہ کی تکفیر نہ کرتا ہو وہ سنی اور جو تکفیر کا قائل ہو وہ غیر سنی۔ ایک زمانہ میں تفضیل شیخین یعنی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حضرت عثمان غنی و مولا علی رضی اللہ عنہما پر فضیلت ماننا اور موخر الذکر سے محبت رکھنا اور مسح علی الخفین، چرمی موزوں پر مسح درست ماننا سنیت کی علامت قرار پایا۔ یونہی ایک زمانہ میں خلق قرآن کا مسئلہ محکِ سنیت ہوا کرتا تھا کہ جو قرآن کریم کو قدیم اور اللہ رب العرش العظیم کی صفت مانے وہ سنی اور جو قرآن کو مخلوق وحادث مانے وہ غیر سنی، اسی طرح کسی دور میں مسئلہ صفات باری تعالیٰ اور مسئلہ خلق افعال عبادت، تشبیہ، تجسیم، تنزیہ کے مسائل اس جماعت کا نشانِ امتیاز رہا۔ یہی نہیں کبھی ایک ہی زمانہ میں دو، دو الگ خطوں میں اس جماعت کے امتیازی عقائد الگ الگ رہے، مثلاً جس دور میں ایران اور عراق میں شیعہ سنی اختلاف اپنے عروج پر تھا وہاں خلافت وامامت مسئلہ نقص قرآن رویت باری تعالیٰ اور جواز متعہ وغیرہ کی بنیاد پر سنی وغیر سنی ہونے کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔

اس دور میں بلاد مغرب یعنی اندلس اور مراکش وغیرہ میں عوام واقف ہی نہیں تھے، یہ مسائل صرف مدارس کے اندر علم کلام وعقائد کی کتابوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ آج بھی وہ بہت سے مسائل جو کسی ایک ملک میں سنیت کے امتیازی مسائل تصور کئے جاتے ہیں وہ مسائل دوسرے ملک میں حق وباطل کے درمیان خط فاصل تصور نہیں کئے جاتے ہیں جیسے ہمارے یہاں برصغیر میں مسئلہ نور وبشر، مسئلہ حاضر وناظر کو ضرویات میں شمار کیا جاتا ہے جبکہ عالم عرب میں انھیں حق وباطل کی کسوٹی نہیں سمجھا جاتا ہے اسی طرح لبنان میں عبد اللہ الحریری اور ان کے متبعین ابن تیمیہ کی تکفیر کو دلیل سنیت قرار دیتے ہیں مگر ہندستان میں اس کی تکفیر میں احتیاط کی گئی اور اسے ضال ومضل قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح اس دور میں جو حسام الحرمین کی تشریحات کے مطابق گمراہ وبدمذہب جن کی گمراہی وبدمذہبی حد کفر کو پہنچ چکی ہو ان کے لیڈروں کو کافر جہنمی اور دائرہ اسلام سے خارج جانتا ہو اور اپنے اسلاف کے مسلک کا پیرو ہو اور ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا مقلد ہو وہ سنی، اور جو اس کے برخلاف ہو وہ غیر سنی۔

مسلک اعلیٰ حضرت، کی اصطلاح سواد اعظم، یا اہلسنت وجماعت کے لئے اس دور میں ہندستان اور اس سے متصل مما لک کے لئے خط امتیاز ہے، سنی، اہلسنت وجماعت، اور سواد اعظم ہونے کے مدعی وہ لوگ بھی ہیں جو سواد اعظم اور اہلسنت وجماعت کے بنیادی عقائد سے نہ صرف منحرف ہیں بلکہ شان الوہیت وعقیدہ عظمت رسالت کے باغی ہیں۔ نسبت واضافت کی بحث گزر چکی، یہاں بھی مسلک کی اضافت اعلیٰ حضرت کی طرف اس لئے نہیں کہ انھوں نے کوئی نیا دین یا نیا مسلک گڑھا ہو یا عقائد اہلسنت وجماعت کے واضع وموجد

ہوں بلکہ اس لئے کہ وہ خود بھی اس پر گامزن رہے اور سب کو اسی پر چلنے کی تلقین وتبلیغ فرمائی اور عقائد فاسدہ جو چور دروازے سے اس میں داخل کر دیئے گئے تھے انھیں اپنی خدا داد صلاحیتوں سے جدا کر کے خبیث وطیب میں امتیاز قائم فرمادیا وراپنی مختصر عمر کا لمحہ لمحہ اس کی تجدید واحیا کے لئے وقف فرمادیا، قرآن کریم نے فرمایاو ان ھذا صراطی مستقیما، اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس کی تفسیر ہے ای مسلکی وشریعتی یعنی میرا مسلک اور میرا طریقہ وراستہ پھر فرمایا، وسمی الشرع طریقا لانہ یودی الی الثواب فی الجنۃ شرع کا نام طریقہ رکھا گیا کیوں کہ وہ جنت کا راستہ ہے اور فرمایاو معنی اضافتہ الی ضمیر علیہ السلام انتسابہ الیہ من حیث السلوک لامن حیث الوضع کی فی صراط اللہ مستقیما،

یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مسلک وشریعت کی نسبت وضع کرنے کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس پر چلنے چلانے کی وجہ سے ہے کیونکہ حقیقۃ یہ راستہ تو خود اللہ نے وضع فرمایا جیسا کہ صراط اللہ مستقیما سے مفہوم ہے،

(روح البیان ص ۱۲۰۔ج ۲)

لہٰذا بلا شبہ یہ عرف واصطلاح جائز ہی نہیں بلکہ عہد حاضر میں برصغیر کے اندر اس سے جامع ومانع کوئی دوسری اصطلاح نہیں ہے تو بلا وجہ ظاہر عرف وعادت کے خلاف کسی دوسری اصطلاح کی ایجاد کسی منصوبہ بند سازش کا نتیجہ ہے جو خود خلاف ومکروہ ہے اور اکابر واسلاف کی روش سے ہٹ کر حسد و عناد، شر وفساد کی راہ اختیار کرنا ہے۔

سوال (۱۴)......درس و تدریس، امامت و خطابت ،دعوت وتبلیغ ،تالیف وتصنیف ،مطالعہ، جہاں بینی اور جہاں بانی آپ کی حیات کے ترجیحی ابواب ہیں آپ کی زبان و بیان پہ گہری نظر ہے۔آپ کو یہ ساری خصوصیات جہد مسلسل اور کثرت مطالعہ کے نتیجہ میں ملی ہیں آپ نے بے شمار شخصیات کا مطالعہ کیا ہوگا اب تک جتنی شخصیات کا آپ نے مطالعہ کیا ہے ان میں سب سے زیادہ کس شخصیت نے آپ کو متأثر کیا ہے؟

جواب (۱۴) تاجدار اہلسنت شہزادہ اعلیٰ حضرت سیدنا ومرشدنا علامہ الشاہ مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم ہند قدس سرہ کی بافیض وباکرامت جامع تقویٰ وطہارت شخصیت نے جن کی حیات مبارکہ کا ہر گوشہ خشیت الٰہی، عشق رسالت پناہی کی سچی تفسیر اورعملی تعبیر تھا۔

سوال (۱۵)......علماء دین کی اساس ہوتے ہیں دینی نظام ہمیشہ علماہی سے چلتا رہا ہے اور آئندہ بھی چلتا رہے گا ۔علماء کی ذمہ داریاں عوام سے مختلف ہوا کرتی ہیں ۔علماء کو وارث انبیاء ہونے کا شرف حاصل ہے اس طرح علماء کی ذمہ داریاں اور بھی سوا ہوجاتی ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ علماء کی ایک جماعت ایسی رہی ہے جو منہاج نبوت سے اقتباس نور کرتی رہی ہے...... ماضی بعید تو کتابوں میں ہے اور ماضی قریب کے علماء کی ایک جماعت ہمارے پیش نگاہ ہے اور حال کے علماء بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں لیکن دونوں میں ہم بڑا فرق محسوس کرتے ہیں ماضی قریب کے علماء نے اپنے منصب کا کبھی سودا نہیں کیا۔ان کی ساری جدو جہد مذہب ومسلک کے لئے ہوتی تھی لیکن حال کے علماء ماضی قریب کے علماء سے بالکل مختلف ہیں الا ماشاء اللہ آخر کار اس قدر جلد یہ فرق کیوں آیا؟

جواب (۱۵) حرص وہوس، بغض وحسد، حب جاہ ومال،

اسلاف ناشناسی، فکر عقبیٰ سے غافل، خشیت الٰہی سے عاری، اکابر کی ناقدری اور احساس ہمہ دانی وہمچوں دیگر عوامل ومحرکات ہیں جو شرار الناس شرار العلما کی وعید شدید پڑھنے کے باوجود اپنی فکر میں تبدیلی لانے کے روادار نہیں ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

سوال (۱۶)......اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی ذات معیار سنیت ہے اور مسلک اعلیٰ حضرت اہل سنت وجماعت کا نشان امتیاز ہے یہی ایک ایسی اصطلاح ہے جو غیروں سے ہمیں ممتاز کرتی ہے۔ بعض اداروں، خانقاہوں ، اور افراد کی جانب سے اس کی در پردہ مخالفت ہو رہی ہے آخر اس مخالفت کے پس پردہ کون سے مقاصد کارفرما ہیں۔

جواب (۱۶) تحریر بالا میں گزر چکا اور یہ کوئی نئی بات نہیں یہ سب سے پرانا مرض ہے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام اور قابیل نے ہابیل کی مخالفت اسی مرض حسد کا شکار ہو کر کیا حضرت سعدی علیہ رحمۃ الباری نے اسی کو یوں فرمایا ہے:

توانم آنکہ نیازارم اندرونِ کسے
حسود را چہ کنم کو زخود برنج درست

کچھ افراد، کچھ ذمہ داران ادارہ، کچھ اہل خانقاہ کی دلی خواہش ہے کہ اس طرح کی اصطلاح ان کی طرف منسوب ہو یہ شہرت ومقبولیت انھیں ملے، کوئی لفظ، اعلیٰ حضرت تو کوئی مسلک اعلیٰ حضرت تو کوئی تصانیف اعلیٰ حضرت کو ہدف تنقید بنا رہا ہے کوئی نامناسب تو کوئی ناجائز کہہ رہا ہے کوئی حسام الحرمین پر نظر ثانی کا مشورہ دے رہا ہے مگر اس کے برعکس اعلیٰ حضرت کی شہرت ومقبولیت کا دائرہ تنگ ہونے کی بجائے مزید وسیع ہوتا جارہا ہے ذلك فضل الله يوتيه من يشاء، یہ نعمت کسبی نہیں کہ بذریعہ کسب حاصل کی جاسکے۔ بلکہ یہ فضل وہبی ہے جو حاسدین کی بس سے باہر ہے۔

سوال (۱۷)......مارہرہ شریف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا پیر خانہ ہے اعلیٰ حضرت کی پانچ نسلیں مارہرہ شریف کے حلقہ ارادت میں داخل ہیں۔ مارہرہ شریف کی خانوادۂ رضویہ پر خصوصی نوازشات رہی ہیں۔ نوازشات ہی کا نتیجہ ہے کہ ''اعلیٰ حضرت'' کو ''چشم و چراغ خاندان برکات'' کہا جاتا ہے......مارہرہ شریف میں اعلیٰ حضرت کا جس انداز میں تذکرہ کیا جاتا ہے اس کی کوئی دوسری مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ طریقت میں پیر خانے کا مقام و مرتبہ کیا ہے اس سے اہل علم خوب اچھی طرح واقف ہیں ، فروغ رضویات میں بھی مارہرہ شریف کے رول کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، خاندان برکات اور خاندان رضویہ ہمیشہ سے شیر وشکر رہے ہیں لیکن حالیہ چند برسوں میں دونوں خانوادوں میں فاصلے بڑھ رہے ہیں اور روز بروز اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے ایک طبقہ مارہرہ شریف کے قرب کے پردے میں فاصلے کو ہوا دے رہا ہے۔ نتیجہ کے طور پر مخالفین کی جرأتیں بڑھ رہی ہیں اور وہ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کو کھل کر اپنی تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ سادات مارہرہ مخالفین کی سازشوں کو سمجھ نہیں پار ہے ہیں آخر دونوں میں دوریاں کیسے ختم ہوں اور اس کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟

جواب (۱۷) یہاں ''حب علی نہیں بغض معاویہ'' کی مثل یاد آتی ہے کہ کچھ حاسدین مروانی سیاست چل رہے ہیں، دونوں خانقاہیں اپنے اپنے پیش رو بزرگوں کی روش پر چلیں تو

یہ دوریاں ختم ہوسکتی ہیں۔مارہرہ اگر جسم ہے تو بریلی، اس کی آنکھ اور مارہرہ مکان ہے تو بریلی اس کا چراغ مارہرہ اپنی آنکھ نہ پھوڑے، بریلی آنکھ نہ موندے، مارہرہ اپنے چراغ میں تیل ڈالتا رہے، چراغ گھر کو روشن رکھے، روشن گھر میں چور کو گھسنے کا موقع ہی نہ ملے کہ کوئی ان ہونی ہو۔

سوال (۱۸)...... اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے خانقاہی نظام کو نئی تب وتاب عطا کی ہے، خانقاہی معمولات ومراسم پہ شدت کے ساتھ حملے ہورہے تھے اعلی حضرت نے ان حملوں کا بھرپور دفاع فرمایا۔اس سلسلے میں آپ کی تالیفات وتصنیفات شاہد ہیں۔اگر آپ کی ذات نہ ہوتی تو خانقاہی نظام کب کا دم توڑ چکا ہوتا۔خانقاہی نظام کے تحفظ میں اعلی حضرت کا کوئی شریک نہیں ہے لیکن آج خانقاہیں اعلی حضرت کے خلاف متحد ہورہی ہیں دلی کی،،صوفی کانفرنس' اس کا عملی مظاہرہ ہے اس سلسلہ میں آپ کا کیا کہنا ہے؟

جواب (۱۸) اب خانقاہیں کم خواہ مخواہیں زیادہ ہیں جہاں خانقاہیت ہے وہاں اعلیٰ حضرت ہیں، جو خواہ مخواہ ہے وہاں اعلیٰ حضرت سے بغاوت ہے، دلی کی نام نہاد ''صوفی کانفرنس''۔ جس طرز پر ہوئی اس سے اہلسنت کا ایک بڑا طبقہ دکھی ہے اور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی، خود خانوادہ اشرفیہ سے بھی بیزاری کا اظہار کیا گیا۔بہر حال وہ ایک حادثہ تھا جو ہوگیا اور بہت ممکن کہ اسی احساس ندامت نے کنوینر محترم کو جمعیۃ العلما کے دعوائے چشتیت کی دھجیاں اڑانے پر آمادہ کیا جو ''انقلاب''، میں شائع ہوا تھا۔

سوال (۱۹)......حضور تاج الشریعہ اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے نبیرہ ہیں اور حضور مفتی اعظم ہند کے جانشیں ہیں اور موجودہ علمائے اہل سنت وجماعت میں خصوصی امتیاز کے حامل ہیں، آپ کی کتاب حیات میں جہاں خاندانی فضیلتوں کی ایک طویل فہرست ہے وہیں ذاتی فضیلتوں کی بھی ایک لمبی فہرست ہے ''علوم ومعارف'' کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو آپ کی نگاہ سے اوجھل ہو برصغیر ہند وپاک میں فقہ وافتاء میں کوئی آپ کا مثیل نظر نہیں آتا، خلق خدا میں قبولیت کا یہ عالم ہے کہ جہاں قدم رکھتے ہیں پروانوں کا ہجوم کنٹرول سے باہر ہوجاتا ہے عقیدتوں کی پھیلتی خوشبو سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو غوث اعظم کی نیابت حاصل ہے زبان میں تاثیر کا یہ عالم ہے کہ جو کہہ دیتے ہیں واقع ہو کے رہتا ہے مخالفین ان کی عظمتوں کی پھیلتی لہروں کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو پارہے ہیں بلکہ مخالفین خود بے آبرو ہوتے جارہے ہیں۔جماعت اہلسنت جسم ہے تو ان کی ذات روح کی حیثیت رکھتی ہے۔فتنوں کے ہجوم میں ان کی ذات چراغ ہدایت ہے ان امتیازات وخصوصیات کے باوجود جماعت کا ایک نام نہاد طبقہ ان کی شدت سے مخالفت کرتا ہے اور ان کی کردار کشی کا کوئی لمحہ ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا۔آخر ان کی مخالفتوں کے پس پشت مفاد کیا ہیں؟ کیا انہیں نظر انداز کر کے جماعتی اتحاد کا کوئی تصور ممکن ہے۔ان کا دینی، ملی، علمی، اور سیاسی مقام ومرتبہ کیا ہے؟ اور انہیں ہمیں کس نگاہ سے دیکھنا چاہیئے؟

جواب (۱۹) اب اس سوال کی ضروت نہ رہی۔

سوال (۲۰)......محدث کبیر حضرت علامہ محمد ضیاء المصطفیٰ قادری، رضوی امجدی کا خاندانی اور علمی شجرہ انتہائی

مستحکم ،مضبوط اور پائدار ہے ۔برصغیر ہند و پاک کا شائد ہی کوئی ادارہ ایسا ہوگا جہاں ان کے علمی فیضان کا بادل کسی نہ کسی شکل میں برس نہ رہا ہو۔ان کے والد و ماجد حضور صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی شاہ امجد علی اعظمی ،اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے خصوصی تلامذہ اور خلفاء میں تھے ۔حضور صدر الشریعہ نے براہ راست اعلی حضرت سے استفادہ کیا ہے حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم ہند کی بے پناہ محبتیں بھی انہیں حاصل رہیں ۔اس طرح ان تینوں شخصیات کی خصوصی نوازشات ان کے ساتھ رہی ہیں ۔خود حضور صدر الشریعہ کو اپنے پیر خانہ سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی ۔اس طرح دیکھا جائے تو اعلی حضرت اور مسلک اعلی حضرت کی محبت محدث کبیر کو وراثت میں ملی ہے ۔خود محدث کبیر اپنا جداگانہ علمی قدر رکھتے ہیں ان کی اب تک کی زندگی علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج میں گزری ہے ان کا دامن حیات ہر طرح کے داغ دھبوں سے پاک ہے انہوں نے کبھی مذہب و مسلک کا سودا نہیں کیا ہے، ان کی ذات ہر اعتبار سے قابل احترام ہے......اس قدر صاحب فضل وکمال شخصیت ہونے کے باوجود ادھر دس پندرہ سالوں سے تسلسل کے ساتھ ایک جماعت ان کی کردارکشی میں ہمہ تن مصروف ہے ۔آخر ایسا کیوں اوراس کے اسباب کیا ہیں جب کہ ان کی عادت یہ ہے کہ وہ کسی کے خلاف نہ بولتے ہیں اور نہ لکھتے ہیں۔

جواب (۲۰)اس کا جواب بھی گزشتہ سطور میں آچکا۔

سوال(۲۱)......ہندستان ہمیشہ سے جنت نشان رہا ہے ،یہاں کی مٹی سونے اگلتی ہے، ہندستان کی مٹی اپنے اندر بہت ساری خصوصیات رکھتی ہے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے ہندستان ہی میں اتارے گئے اذان کی سب سے پہلی آواز ہندستان ہی میں گونجی ۔حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہندستان سے بڑی محبت تھی حضرت خواجہ غریب نواز کو آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر ہندستان بھیجا بڑے بڑے اساطین امت اس کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں قریب قریب ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے اس ملک پہ حکومت کی ہے اس کے باوجود آج یہاں ایک گداگر کی حیثیت سے گزار رہا ہے حکومت کے کسی شعبہ میں اس کی کوئی نمائندگی نہیں ۔خود حکومت ہر طرح سے اس قوم کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔اگر عالمی برادری کا خوف نہ ہوتو حالات کچھ اور ہوتے ۔آخر مسلمانوں کی پستی کے اسباب کیا ہیں؟اوراسے ذلت ورسوائی کے غار سے نکلنے کی صورتیں کیا ہوسکتی ہیں؟

جواب (۲۱)موثر قیادت کا فقدان ۔جب قیادت صالح ومفید ہوگی تو قوم وملت بھی مستفید ہوگی۔

سوال (۲۲)...... اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے وصال کو سو سال ہونے جارہا ہے بعض ادارے جشن صد سالہ کی تیاریاں اپنے اپنے طور پر کررہے ہیں لیکن یہ کام منصوبہ بند انداز میں ہونا چاہئے اس لئے کہ اعلی حضرت کی شخصیت لفظوں سے کھیلنے والی شخصیت نہیں ہے انہوں نے اپنی اڑسٹھ سالہ حیات میں علمی دنیا کو ایک ہزار سے زائد کتابیں اور رسائل دیئے ہیں ان پہ جو بھی کام ہو پائدار انداز میں ہو اس حوالہ سے آپ کے ذہن میں کوئی خاکہ ہو تو بیان فرمائیں.

جواب (۲۲) "جشن" کا لفظ ولادت کے لئے تو صحیح ہے مگر وصال کے لئے موزوں نہیں لگتا اگر چہ بزرگوں کے لئے یومِ وصال ضرور جشن ہے کہ وہ وصل حبیب کا دن ہے بہر حال جشن ولادت ہو یا تقریبات عرس ایسے خاص دنوں میں اہم اور عالمی پیغام نشر ہونا چاہئے مگر عام طور پر ایسا نہیں ہو رہا ہے چنانچہ سال گزشتہ خود میڈیا نے بھی شہ سرخی کے طور پر یہ خبر شائع کی کہ عرس رضوی کے اسٹیج سے سیلاب کی طرح ٹھاٹھیں مارتے ہوئے مجمع کے لئے کوئی ملکی یا عالمی پیغام نشر نہ ہو سکا، جبکہ ہجومی حملے اور روہنگیا اور خود اپنے ہی ملک میں آسام کے مسلمانوں کو حق شہریت سے محروم کیا جا رہا تھا۔ طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی سرخیوں میں چل رہا تھا مگر کسی پر نہ صدائے احتجاج بلند ہوئی نہ دعا کے لئے لب کھلے۔

سوال (۲۳)......اکابر اور اصاغر میں باہم ربط ہونا چاہیئے اس لئے کہ اکابر کی تحریک کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری اصاغر ہی کی ہوتی ہے اگر اصاغر کا اکابر سے رشتہ ٹوٹ جائے اور دونوں کی ڈگر ایک دوسرے سے مختلف ہو جائے تو ملت کو شدید نقصانات سے دو چار ہونا پڑے گا۔ ماضی قریب کا منظر نامہ ایسا نہیں تھا۔ اصاغر اپنے اکابر کے پہلو بہ پہلو اور قدم بہ قدم ہوتے تھے۔ اکابر کی اصاغر پہ خصوصی نوازشات رہا کرتی تھیں۔ لیکن آج کا منظر نامہ ماضی قریب کے منظر نامہ سے یکسر مختلف ہے۔ کوئی بڑی شخصیت اپنے چھوٹوں پہ دست شفقت پھیرنے پہ آمادہ نہیں ہے اور کوئی چھوٹا کسی کو بڑا تسلیم نہیں کر رہا ہے اس صورت حال کو آپ بھی محسوس کر رہے ہونگے اس حوالہ سے آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب (۲۳) بڑے چھوٹوں پر شفقت فرمائیں، چھوٹے بڑوں کو بڑا مانیں اور ان کا احترام کریں۔

سوال (۲۴) پیغام رضا مذہب اہل سنت کا ترجمان اور مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان ہے۔ اس نے جہاں مذہبی قدروں کے تحفظ میں اہم رول ادا کیا ہے، وہیں تعاقباتی ادب کو فروغ بھی بخشا ہے۔ اس کے قارئین کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ کیا آپ پیغام رضا کے رول سے مطمئن ہیں؟ کیا آپ پیغام رضا کے قارئین کے نام کوئی پیغام دینا پسند کریں گے؟

جواب (۲۴) پیغام رضا کے مندرجات اہم اور تقاضائے وقت ہیں جو سنجیدہ اور غیر جانبدار قاری کے لئے مشعل ہدایت اور معاندین و حاسدین کے لئے تازیانہ عبرت ہیں۔ اس کے مدیر محترم بلند حوصلہ و باہمت ہیں۔ اس کی اشاعت پر وہ دلی مبارکباد کے مستحق و لائق تہنیت ہیں مولیٰ تعالیٰ، پیغام رضا، اور اس کے مدیر کو آسیب روزگار سے محفوظ رکھے اور ان کے علم و عمل، فضل و کمال میں یوماً فیوماً ترقی اور عمر میں برکت دے۔ آمین، والسلام

محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ
بانی و سربراہ اعلیٰ جامعۃ الخضر ا، مظفر پور
قومی صدر آل انڈیا اسلامک ایکشن کمیٹی، مظفر پور

باب ششم ادبیات

سید صبیح رحمانی، پاکستان

تفہیمِ کلام رضا ـــــ چند معروضات

اُردو نعت آج ایک منفرد صنفِ سخن کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔نعت کی صنفی شناخت کا یہ دائرہ نہ تو صرف مسلمان حلقوں تک محدود ہے اور نہ ہی اردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے والوں تک۔نعت کی تخلیقی اور تفہیمی دنیا ایسی تمام سرحدوں سے ماورا اور کہیں زیادہ وسیع تر ہے۔ بلاشبہ نعت کے بیانیہ کی ساخت اور اُس کے متن کے اظہاری سانچوں کی تشکیل اور ان کی معنویت کا عمل براہِ راست اسلامی عقائد سے مشتق ہوتا ہے۔تاہم اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ غیر مسلم شعرا کی نعت نگاری آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا وہ اعتراف ہے جو بجائے خود معجزے ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ انسانی تاریخ کے ہزاروں برسوں میں ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔عقل و دل دونوں ہی اس امر کی گواہی دیتے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآنِ کریم نے اس معجزے کی گواہی کچھ اس طرح پیش کی ہے:

''اور ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کی خاطر بلند کیا۔''

یہ ذکر اور اِس کی بلندی کی سطحوں کا فروغ نعت کا شیوہ ہے اور یہی نعت نگاروں کی آرزو۔

اُردو نعت کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔اس صنفِ سخن کی آبیاری میں متعدد شعرا نے اپنا خونِ جگر صرف کر کے عقیدت نگاری کے باب میں اپنے خلوص، وارفتگی اور فنی مہارت کے جاوداں نقوش ثبت کیے اور حرفِ نسبت کے اعزاز کے ذریعے اپنے نام ہی کو نہیں، کام کو بھی دست بردِ زمانہ سے بچالیا۔اردو کے تناظر میں دیکھا جائے تو نعتیہ شاعری کا ذکر آتے ہی ہمارے ذہنوں میں جو پہلا نام روشن ہوتا ہے، وہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ کہتے ہیں قدرت بڑے کاموں کے لیے بڑے لوگ پیدا کرتی ہے اور انھی بڑے لوگوں کے عظیم کارناموں سے کسی قوم کی فکری تاریخ اور تہذیب وادب کے اوراق روشن ہوتے ہیں۔مولانا احمد رضا خاں بھی اپنی مجموعی صفات کے تناظر میں ایک ایسی ہی بڑی شخصیت ہیں جنھوں نے علمی، فکری، نظریاتی اور فقہی موضوعات پر وہ قابل قدر قلمی اثاثہ چھوڑا ہے جس سے آنے والا زمانہ تادیر روشنی حاصل کرتا رہے گا۔

مولانا کو شعر و ادب سے بھی خصوصی لگاؤ تھا۔ بے شمار علمی مشاغل کے باوجود ان کی شاعرانہ تخلیقات میں زبان و بیان کی قوت، تخیل کی بلند پروازی، جذبات و واقعات نگاری اور وارداتِ قلبی کی پیکر تراشی جیسے فکری اور فنی محاسن دیکھ کر خوش

گوار حیرت ہوتی ہے کہ مولانا نے کل وقتی شاعر نہ ہوتے ہوئے بھی اُردو زبان و ادب اور نعت گوئی کے فن کو کتنا پُر ثروت کیا ہے۔ ۱۴۴۰ھ میں مولانا کو دنیا سے رُخصت ہوئے ۱۰۰ رسال ہو جائیں گے، مگر مولانا کے عشقِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت اور ان کے افکار، نظریات اور تعلیمات و کلام کی روشنی ہر آنے والے لمحے میں اپنا دائرہ وسیع کر رہی ہے۔ ہر گزرتا دور ''حدائقِ بخشش'' کی تخلیقی عظمت، ادبی سرفرازی، شعری بلندی اور عشق و عقیدت کے نو بہ نو پہلو سامنے لا رہا ہے۔ مولانا نے اپنی نعت گوئی کے توسّط سے بحیثیت عالمِ دین احترامِ بارگاہِ رسالت مآب اور آدابِ نعت گوئی کے جن زاویوں اور پہلوؤں کو متعارف کروایا اور انھیں اپنے افکار و خیالات کے شعری سانچے میں جس طرح ڈھال کر دکھایا، اس کی کوئی دوسری مثال اُردو نعت کی شعری روایت میں بایدو شاید نظر آئے۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ نعتیہ ادب پر اب تک تنقید و تحقیق کے جتنے بھی اظہاری زاویے سامنے آرہے ہیں، ان میں کہیں نہ کہیں مولانا کے اسلوب و آہنگ کو چراغِ راہ بنا کر چلنے کا رویہ نمایاں نظر آتا ہے۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ، لیکن اس امر کی نفی نہیں کی جاسکتی کہ اب تک مولانا کو بحیثیت شاعر اُردو زبان و ادب کی تاریخ میں وہ مقام نہیں مل سکا جس کے وہ مستحق تھے۔ اس کی متعدد وجوہات ہوسکتی ہیں اور یقینا ہیں، اس حوالے سے ۲۰۰۵ء میں ''نعت رنگ'' کا مولانا احمد رضا خاں نمبر مرتب کرتے ہوئے، میں نے جن چند معروضات کا اظہار کیا تھا وہ آج بھی سوالیہ نشان کی صورت ہمارے سامنے ہیں۔ میں پوری ذمے داری کے ساتھ اس احساس کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا کی تمام تر مقبولیت کے باوجود تاریخِ ادب کا اُن کی طرف عدم التفات اور کلامِ رضا کے اہم فکری، فنی اور لسانی حوالوں کا عصری ادبی مباحث اور تجزیاتی مطالعات میں نظر انداز کیا جانا ہماری تنقید کے آگے ایک بڑا سوالیہ نشان اور ہماری ادبی روایت کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

''نعت رنگ'' کے مذکورہ خصوصی شمارے کی ترتیب و تہذیب کے دوران مجھے کلامِ رضا کی تفہیم و تشریح پر مبنی ایسے بیشتر لوازمے کو توجہ سے دیکھنے کا موقع ملا جو اس وقت تک شائع ہو چکا تھا اور اس کے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مولانا کی نعتیہ شاعری پر اب تک اُردو کے بہت سے نعت گو شعرا کے مقابلے میں دیکھا جائے تو کہیں زیادہ لکھا گیا ہے، مگر اس کا بیشتر حصہ تحسینی اور جذباتی عقیدت پر مشتمل ہے جب کہ ادب میں صرف عقیدت کے اظہار سے کام نہیں چلتا، یہاں تو تحلیل، تبصرہ، تجزیہ کرتے ہوئے نتائجِ فکر پیش کرنے کا تقاضا ہوتا ہے، جس کی کمی اس باب میں صاف صاف محسوس ہوتی ہے۔ نقد و نظر کا ماحول ایک کھلی فضا کا تقاضا کرتا ہے، جب کہ ہم نے مولانا کے گرد ایک ایسا تقدیسی ہالا قائم کر رکھا ہے جو شعری تخلیقات کو معروضی انداز اور ادبی معیارات کی روشنی میں پرکھنے والے سنجیدہ اہلِ قلم کو اس طرف آنے سے روکنے کا سبب بن رہا ہے۔ یہ طبقہ اگر کہیں اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتا دکھائی بھی دیتا ہے تو سرسری انداز اور محتاط رویوں سے اس بات کی نشاندہی فوری طور پر ہوجاتی ہے کہ وہ صرف رسمی توصیف اور عمومی دلجوئی سے کام لے رہا ہے۔ اس

مجموعی فضا کے حوالے سے میں نے اپنے احساسات ''نعت رنگ'' کے ''مولانا احمد رضا خاں نمبر'' کے ادارتی نوٹ میں کچھ اس طرح پیش کیے تھے:

حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں اُردو کے وہ خوش نصیب اور مقبولِ خاص و عام نعت گو ہیں جن پر بہت لکھا گیا ہے۔ اُردو کے کسی اور نعت گو پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا مطبوعہ مواد مولانا پر موجود ہے، لیکن مقالات و مضامین کی یہ کثرت ہمارے لیے خوشی کا باعث تو ہوسکتی ہے، اطمینان کا نہیں۔ خوشی اس بات کی کہ کسی نہ کسی بہانے ایک عظیم نعت گو کی یاد اور اس کے کام کی خوش بو پھیل رہی ہے اور عدم اطمینان اس بات پر کہ اس مطبوعہ سرمائے کی ایک بڑی تعداد سنجیدہ قارئین کو متأثر کرنے کی بجائے یکسانیت اور اُکتاہٹ کا احساس پیدا کر رہی ہے۔

ایسا صرف اس لیے ہے کہ یہ ساری تحریریں ایک دوسرے کی تفصیل و تلخیص معلوم ہوتی ہیں۔ اس ایوان میں فکرِ تازہ کے دریچے کم ہی کھلے ہیں۔ وہی چند موضوعات اور وہی چند حوالے جن کی بنیاد پر لاتعداد مضامین کا ایک ڈھیر لگا دیا گیا ہے۔ پھر ان مضامین کے لکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے حلقۂ ارادت منداں سے تعلق رکھتی ہے جو مولانا کی نعت گوئی پر صرف اور صرف مولانا سے عقیدت اور محبت کے اظہار کی خاطر کچھ لکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ ادب اور زبان سے جڑے مسائل ان کا مسئلہ اور موضوع نہیں۔

نتیجتاً ایسی تحریروں کی تعداد زیادہ ہے جو اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کی تحسین کے نام پر جمع کر دی گئی ہیں۔ اس انبار میں مولانا کی نعتیہ شاعری پر لکھے گئے ایسے سنجیدہ، علمی اور تنقیدی مقالے بھی ہیں جو عصری ادبی میلانات کی روشنی میں لکھے گئے تھے اور جنہیں نمایاں کرنا ضروری تھا، مگر وہ کہیں دب کر رہ گئے۔ ان کی وہ توقیر نہیں ہوسکی جس کے وہ مستحق تھے۔

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہم نے مولانا کی نعتیہ شاعری کو ادبی نقطۂ نظر سے سمجھنے اور بحیثیت شاعر ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو پرکھنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ خود کی، نہ دوسروں کو اس کی اجازت دی۔ مولانا کی نعتیہ شاعری اور ان کا شعری عمل خالص ادبی نقطۂ نظر سے ہونے والی گفتگو کا وسیع، خیال افزا اور خیال افروز ماحول چاہتے ہیں۔ مگر ہم مولانا کی نعتیہ شاعری کو ان کے دیگر اہم اور وقیع کاموں کے ساتھ ملا کر دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں جس کے نتیجے میں وہ بحیثیت شاعر محدود تر حوالے سے موضوعِ گفتگو بنتے ہیں اور ایک معروف عالمِ دین اور مذہبی و مسلکی رہنما کی حیثیت سے زیادہ توجہ حاصل کرتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں ادب کے

نقاد اور قاری دونوں ہی ان کے کلام پر آزادانہ اور ناقدانہ رائے دینے میں محتاط رویوں کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا پر لکھے گئے بیش تر اہلِ علم کے مضامین پر ایک نظر ڈالیے، آپ کو مولانا کی مذہبی خدمات، علمی حیثیت اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے تو خوب ملیں گے مگر شعری محاسن پر چند جملوں اور چند سطروں سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔ ایسا صرف اور صرف اس لیے ہے کہ ہم اب تک مولانا کو خود بحیثیت شاعر موضوعِ گفتگو نہیں بننے دے رہے ہیں کہ کوئی لسانی یا ادبی اختلاف سامنے نہ آجائے اور اگر کہیں ایسا ہوا بھی ہے تو ہم نے اسے مولانا کی شخصیت یا علمی مرتبے پر حملہ تصور کرتے ہوئے اپنی برہمی کا اظہار کیا ہے۔ ہمارا یہی رویہ مولانا کی شعری عظمت کے وسیع تر اعتراف میں حائل رہا ہے، مولانا کی زندگی میں بھی اور آج بھی۔ ردِعمل کے اس رویے کا نقصان یہ ہوا کہ ایک عظیم نعت گو شاعر ہماری سنجیدہ اور مرکزی ادبی تاریخ کا حصہ نہ بن سکا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ان کا یوں تذکرہ ہی نہیں چاہتے؟ اس طرح تو ہم خود اُردو کے نعتیہ اور اسلامی ادب میں مولانا کے مقام اور کام کا شمار نہ ہونے کے ذمہ دار ٹھہریں گے۔ کیا سعدی، رومی اور جامی کی منظومات پر کسی ادبی و لسانی تنقید نے ان کی شخصی عظمت اور علمی مرتبت کی ضیا کم کی ہے؟ ہمیں اپنے رویے پر نظرِ ثانی کرنی ہوگی، اس فضا کو بدلنا ہوگا۔ ہماری یہ جذباتیت کلامِ رضا کی تفہیم کے راستے بند کر رہی ہے۔

عربی، فارسی اور اُردو کے حوالے سے تمام بڑے اور محترم نام جو علم و فضل میں درجۂ استناد رکھتے ہیں اور شاعر بھی ہوئے، ان پر ہونے والے کاموں پر ایک نظر ڈالیے، کیا ان پر لکھنے والوں کو اظہارِ رائے کی آزادی نہیں دی گئی اور کیا اس کے نتیجے میں ان پر ہونے والے کاموں کی رفتار اور اس کی قبولیت و پذیرائی کے آثار نمایاں نہیں ہیں۔

اگر ہم اپنی سوچ کشادہ کر کے یہ فضا تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ہم نے اہلِ علم کو سنجیدگی سے کلامِ رضا پر لکھنے کا موقع فراہم کیا تو مجھے یقین ہے کہ کلامِ رضا کی تابندگی اور اس کی عظمت سے نہ صرف ہماری ادبی تاریخ منور ہوگی، بلکہ ہمارا وہ قاری جو اس موضوع پر موجود مواد کی یکسانیت کی وجہ سے اُکتاہٹ کا اظہار کر رہا ہے، وہ بھی پوری دلچسپی سے اس طرف متوجہ ہوگا۔ ان شاء اللہ!

(نعت رنگ، شمارہ ۱۸، مطبوعہ ۲۰۰۵ء)

یہ ساری تفصیل ایک بار پھر آپ کے سامنے پیش کرنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ہمیں اب مولانا کے کلام پر

ازسرِنو ادبی زاویوں سے گفتگو کا ماحول سازگار بنانا چاہیے اور اس سلسلے میں ادب کے معتبر اور ثقہ نقادوں، ادیبوں اور شاعروں کو آمادہ کرنا چاہیے کہ وہ مولانا کی شعری تخلیقات پر نقد ونظر کے دَر وا کریں۔ اس کتاب میں شامل مضامین اسی خیال سے یک جا پیش کیے جارہے ہیں کہ اس کام کی راہ ہموار کی جائے اور اس رویے کو فروغ دیا جائے۔

ادب کے کسی بھی سنجیدہ قاری کے لیے عام ادبی ذوق اور پسندیدگی کے بدلتے ہوئے معیار اور ایک شاعر کی قدر و قیمت میں عہد بہ عہد اُتار چڑھاؤ کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوتا۔ ان تبدیلیوں کی اہمیت سمجھنے اور ایک ادبی شاہکار کو مختلف زمانوں کے زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کرنا نہ صرف ادبی ذوق کی تربیت کرنے اور ادبی روایت کا شعور حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے، بلکہ یہ اپنے عصر کے لیے ایک صحت مند اور پہلودار روایتی پس منظر کی تعمیر اور ہم عصر لکھنے والوں کی تخلیقات کے لیے متوازن فکر ونظر کا معیار قائم کرنے کے سلسلے میں بھی ایک اہم اور سنجیدہ کوشش کا درجہ رکھتا ہے۔

ادب وفن کے اصولوں کے تحت دیکھا جائے تو کسی بھی شاعر کا فنی مطالعہ کرنے کے دو خاص زاویے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ شاعر کو اُس کے عہد کے تقاضوں، ماحول اور تناظر میں رکھ کر اس کے کلام کو ان اقدار کی روشنی میں پرکھا جائے جو اُس کے عہد میں رواج پا چکی تھیں اور پسندیدہ سمجھی جاتی تھیں۔ دوسرا زاویہ یہ ہوسکتا ہے کہ دورِ حاضر کے ادبی ذوق و معیار کو بنیاد بنا کر شاعر کو جدید آگہی کے مطابق ازسرنو دریافت کیا جائے۔ میرے خیال میں کلامِ رضا پر اوّل الذکر زاویے سے برابر اور بہت کچھ لکھا گیا ہے اور حالیہ دور تک لکھا جارہا ہے۔ تاہم اب ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید عصری ادبی تناظر میں کلامِ رضا کے مطالعے کا رُجحان پیدا کیا جائے۔ اسی صورت میں یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کلام کے وہ کون سے فکری اور ادبی میلانات ہیں جو اس عہد کے شعری اسالیب اور تخلیقی معیارات کے حامل ہیں اور کلامِ رضا کو اس دور کے شعری تناظر میں بھی زندہ رہنے اور پڑھے جانے کا جواز فراہم کرتے ہیں۔

ہر کلام کو عہد بہ عہد قرأت کی تبدیلیوں کے ساتھ معانی کے آفاق کے پھیلتے ہوئے منظرنامے میں پڑھنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ادوار میں بعض اساتذہ کے کلام کی نئی نئی شرحیں سامنے آتی رہی ہیں۔ اس ضمن میں غالب اور اقبال مثال کے درجے میں آتے ہیں۔ ان کی شرح وتعبیر کا جو کام ہوا، وہ نہ صرف دوسروں سے بہت زیادہ ہے، بلکہ اس حوالے سے بھی غور طلب ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف نظریات اور ذہن کے حامل لوگوں نے الگ الگ نظریاتی اور فکری اندازِ نظر سے یہ کام کیا ہے۔ اس نوع کے کام کی اصل اہمیت بھی یہی ہے کہ ہر نئے عہد کے لوگ ایک نئی نگاہ اور ایک نئے زاویے سے اسے سرانجام دیں۔ غالب اور اقبال کے سلسلے میں تو تشریح وتعبیر کا یہ کام اپنا ایک جواز عام قاری کے لیے رکھتا ہی ہے، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ میر تقی میرؔ جسے اپنے لہجے کے دھیمے پن اور زبان کی سادگی کے باعث ایک آسان شاعر سمجھا گیا تھا، اس کی شرح بھی جدید منظرنامے میں کی گئی تو ''شعرِ شور انگیز'' جیسا معرکہ آرا کام سامنے آیا جس میں تنقید کے پانچ

پہلوؤں یعنی تشریح، تقابل، تجزیہ، تعیینِ قدر اور امتیاز کا خاص خیال رکھتے ہوئے میر کے کلام کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شاعر کے جہانِ معنی کی تفہیم کا جواز محض اس کی زبان یا اس کے لسانی پیکروں کی عقدہ کشائی سے موسوم نہیں، بلکہ اس کے ادبی، جمالیاتی، تلازماتی، حسیاتی اور فکری پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے عہد سے اسے ہم آہنگ کرنا بھی اس کی تشریح وتعبیر کا ایک رخ سامنے لاتا ہے۔ دراصل اسی رُخ کی بنیاد پر کسی بھی شاعر کی نئے زمانے سے ہم آہنگی کے پہلو سامنے آتے ہیں۔ یہی پہلو اُسے نئے زمانے میں قابلِ فہم بناتے اور زندہ رکھتے ہیں۔

میرے نزدیک نعتیہ ادب میں مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کا وہ مقام ومرتبہ ہے کہ ان کے کلام کا بھی ایسے ہی زاویوں سے مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ اسی خواہش کے تحت میں نے اس کتاب میں جو مضامین جمع کیے ہیں، ان میں سے چند ایک جدید ادب کے تناظر میں بھی لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کی تدوین میں یہ حقیقت ایک ادبی ضرورت اور فکری تقاضے کے طور پر مسلسل میرے پیشِ نظر رہی ہے کہ مولانا کی ادبی حیثیت کا تعین پوری معروضیت کے ساتھ اس وقت تک نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اُن کے تخلیقی اور شعری اظہار کو ان کی مذہبی حیثیت سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاتا۔ ایسا اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک ان کے ادبی کام کا جائزہ ادب کے اپنے معیارات کے تحت نہیں لیا جاتا۔ صنائع بدائع، محاکات، مدرکات، لسانیات اور جمالیات ایسے مستند مشرقی پیمانوں کے ساتھ ساتھ اب اُن کے کام کو جدید تاریخی، فکری، لسانی اور نظریاتی اصولوں کے تحت بھی دیکھا اور پرکھا جانا چاہیے تاکہ ان کی حقیقی ادبی عظمت نعتیہ ادب میں بالخصوص اور ادبی تناظر میں بالعموم متعین اور محکم ہوسکے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک وسیع اور وقیع نوعیت کا کام ہے، اس کے لیے مسلسل کوششوں کی ضرورت ہے اور اس کی تکمیل میں وقت بھی صرف ہوگا۔

مولانا کی شاعری کے بارے میں ادب کے ایک ادنیٰ طالبِ علم اور نعت کے مستقل قاری کی حیثیت سے، میں جب بھی غور کرتا ہوں تو دو باتیں بالخصوص غور طلب محسوس ہوتی ہیں۔ پہلی جذبے کا وفور اور دوسری اظہار کا قرینہ۔ اپنے اوّلین تجزیے میں شاعری سب سے پہلے جذبے کے ابلاغ کی سطح پر ہی پرکھی جاتی ہے۔ شاعر کی کامیابی کے باقی سارے معیارات اس کے بعد ہی غور طلب ٹھہرتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مولانا کی شاعری میں جذبے کی فراوانی اور گہرائی ہر دو صورتوں میں مولانا کا کلام توجہ طلب نظر آتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت کو مولانا نے شعروسخن ہی میں بیان نہیں کیا ہے، بلکہ شرفِ انسانیت کے معیارات کا تعین آپ کی ذاتِ گرامی کے شخصی اور انفرادی اوصاف کو بھی اس انداز سے نمایاں کیا ہے کہ اس سے ہر زمانے اور ہر تہذیب کے لیے اخذ واستفادہ کی صورت واضح ہوگئی ہے۔ یوں یہ اظہار مولانا کے ذاتی عقیدے تک محدود نہیں رہتا، بلکہ موجود وآئندہ زمانوں کے تہذیبی وادبی اظہار کا جاوداں حوالہ بن جاتا ہے۔

اب جہاں تک معاملہ ہے اظہار کے قرینے کا تو مولانا کی نعت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت بہ یک وقت محبوب اور ہادیِ برحق کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔

چناں چہ اس نعت کی تفہیم وتعبیر کے ضمن میں عوام وخواص دونوں کو اپنی اپنی ذہنی وفکری سطح کے مطابق تسکین کا سامان میسر آتا ہے۔ عامۃ الناس کے لیے محبوب کی جہت اور اہلِ فکر ودانش کے لیے رُشد وہدایت کی جہت ہے۔ اس کے ساتھ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا کے ہاں سخن کا لطف اور شعر کا حسن ایسا ہے کہ اس رُخ پر دل فدا ہوتا ہے تو اُس رُخ پر جاں نذر ہوتی ہے۔ کلام کی تاثیر ایسی کہ روح کیف وسرور سے ہی نہیں عقل و شعور سے بھی ہم کنار ہو۔ مولانا کے کلام کی صرف یہ دو جہتیں ہی معاصر ادبی وتنقیدی ذہن کے لیے مطالعے کا تقاضا نہیں رکھتیں، بلکہ ایسے ہی کئی اور بھی لطیف نکات ہیں جو پڑھنے اور سوچنے والے ذہنوں کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کی بابت مجھے نہ تو کوئی دعویٰ کرنا ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں وضاحتیں پیش کرنی ہیں۔ میں نے اس کام کی ضرورت مولانا کے ایک مداح اور ادب کے قاری کی حیثیت سے پوری سچائی اور اخلاص کے ساتھ محسوس کی۔ اللہ رب العزت کا فضل وکرم ہے کہ مجھے روایتی اور جدید تنقیدی منظر نامے سے وہ لوازمہ بہرحال فراہم ہوگیا کہ میں اسے ایک امید اور اطمینان کے ساتھ مولانا کے نئے قارئین اور ناقدین کی نذر کرسکوں۔ مجھے یقین ہے کہ انھی نئے لوگوں میں سے کچھ اور نام، کچھ اور ذہن آگے چل کر مولانا کے ادب وشعر کی تشریح، تعبیر اور تفہیم کا وہ کام کریں گے جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں اور جو ہمارے ادب ونقد پر اُن کا قرض بھی ہے۔

OOOO

پروفیسر محمد اقبال جاوید، پاکستان

رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری

دور حاضر کا یہ ایک المیہ ہے کہ اس میں تعلیم جتنی تیزی کے ساتھ پھیلتی جارہی ہے اتنی ہی سرعت کے ساتھ علم گھٹتا جارہا ہے حق یہ ہے کہ ہماری اکثریت اپنے علمی مرکز اور فکری سرچشمے سے کٹ کے رہ گئی ہے۔عربی زبان کی بلیغانہ وسعتوں سے شناسائی تو دور کی بات ہے۔ دور حاضر کے 'دانشوروں' کی اکثریت سے قرآن مجید کی درست تلاوت کی بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔ آج کون ہے جو اقبال کی طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے قرآن کے سمندر سے موتی چنے ہیں۔موتی چننا تو ایک طرف ہمیں تو موتیوں کی پہچان بھی نہیں ہے۔یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے۔جس کی بنا پر کسی شخص پر علم وحکمت کے ایوان کھلتے اور اسے تفکر و تدبر کی توفیق ملتی ہے۔آج اگر ہم علمی طور پر مفلس، قلبی طور پر پریشان، ذہنی طور پر محدود اور نظری طور پر مسدود ہیں تو اس کی ایک ہی بنیادی وجہ ہے کہ ہماری سیہ دلی کی بنا پر اس علیم وخبیر ذات کی نگہ لطف ہم سے ہٹ گئی ہے۔اور ہم ہیں کہ 'اس احساس زیاں' سے بھی بے نیاز ہیں۔جب دل رخشاں اور ذہن تاباں ہو تو قلم بھی نور اگلتا ہے۔اور ہر لفظ شب کی ظلمتوں میں نقیب سحر بن جاتا ہے۔آج جب ہم اسلاف کے علمی نقوش دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں۔کہ وہ کیا تھے اور ہم کیا ہیں؟اس کاروان علم وفضل کے پیچھے اڑنے والی گرد سے بھی ہمیں کوئی نسبت نہیں ہے۔اس کارواں کا ایک ایک فرد اپنی ذات میں انجمن تھا۔فضیلتیں ان کا طواف کرتی تھیں۔ان کا ہر بول ہزاروں کتابوں کا افشردہ وعصارہ ہوا کرتا تھا۔علمی طور پر ان کی تحریریں، ان کی فکری عظمتوں کا آئینہ دار اور عملی طور پر ان کے روز وشب ان کی رفعت کردار کا پیمانہ ہوتے تھے:

جن کے سائے میں صبا چلتی تھی
پھر نہ وہ لوگ پلٹ کر آئے

حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کی ایک ایسی روشن نشانی تھے۔وہ علم وخبر کا ایک بحر بے کراں تھے۔قرآن پاک کی بلاغتوں سے لے کر فرمودات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحتوں تک،تفسیری مباحث سے لے کر فقہی نزاکتوں تک، علم توقیت کی واقعیت سے لے کر علم حساب کی گہرائیوں تک، علم ہندسہ کے کمال سے لے کر علم جفر کے حال تک، علم کلام کی خرد افروزیوں سے لے کر قلب ونظر کی آفاق گیریوں تک ہر مقام پر ان کی علمی اور روحانی تاب وتب کا اعتراف، ہر دور کا ذوق سلیم کرتا رہا ہے۔اعتراف عظمت کے

پہلو بہ پہلو اختلاف کی اگر کوئی بات ہوتو وہ دلیل رحمت ہوتی ہے۔مگر اختلاف برائے اختلاف،اس قابل ہے کہ اسے یہ کہہ کر ٹھکرادیا جائے کہ پستیوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ بلندیوں کوگھورا کریں۔

آپ ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء(۱۰شوال المکرم ۱۲۷۲ھ) کو بریلی میں پیدا ہوئے۔آپ نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔آپ کے والد گرامی کا نام نقی علی خان اور جدامجد کا نام مولوی رضا علی خان تھا۔والد نے آپ کا نام محمد اور جدامجد نے احمد رضا رکھا،تاریخی نام 'المختار' ہے۔جس سے ۱۲۷۲ھ برآمد ہوتا ہے۔آپ کے والد محترم اور جد امجد، صاحب تصنیف بھی تھےاور علم وعمل کے اعتبار سے بھی منفرد اور معتبر سمجھے جاتے تھے۔حضرت رضا نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا۔صرف و نحو،ادب حدیث،تفسیر،کلام فقہ اصول معانی و بیان،تاریخ،جغرافیہ،ریاضی،منطق، فلسفہ، ہیئت غرض تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل فرمائی۔آپ ذہانت اور حافظے کی بے پناہ صلاحیتوں کے حامل تھے۔جناب مقبول جہانگیر کے الفاظ میں:

اعلیٰ حضرت نے علوم درسیہ کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی بھی تحصیل فرمائی، حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی رہنمائی کے بغیر آپ نے اپنی خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا۔ایسے تمام علوم وفنون کی تعداد تقریباً ۵۴ ہے۔کئی فن ایسے ہیں۔کہ دور جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں گے۔یہ واقعہ ہے کہ عالم اسلام میں مشکل ہی سے کوئی ایسا عالم نظر آئے گا۔جو اعلیٰ حضرت کا ان علوم میں ہم پلہ یا مقابل ہو۔

آپ شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔اور تصوف کے بہت سے دیگر سلسلوں میں بھی خلافت سے سرفراز رہے۔۱۲۹۵ھ میں آپ کو اپنے والدین کے ساتھ پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی۔۱۹۰۵ء میں دوسری بار یہ شرف ملا، اس سفر حج کے دوران میں وہاں کے علمائے کرام نے آپ کو انتہائی احترام سے نوازا،اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق احمد رضا خان کو علمائے حرمین بڑی قدر ومنزلت سے دیکھتے تھے، چنانچہ بعض علما نے انہیں 'مجدد امت' لکھا ہے فتویٰ نویسی کے سلسلے میں ان کی فقیہانہ بصیرتوں کا اعتراف علامہ اقبال کو بھی تھا۔ایک مجلس میں انہوں نے فرمایا کہ' ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے۔

۱۹۱۱ء میں 'کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن' کے نام سے آپ کا مشہور ترجمہ قرآن پاک طبع ہوا جس میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ ترجمے میں ہلکی سی بے احتیاطی سے بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی نوع کی بے ادبی نہ ہو۔

آپ ۲۵؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ(۱۹۲۱ء) کو وفات پاگئے۔ایک بار خود آپ نے غور فرما کر قرآن کی اس آیت سے اپنا سن پیدائش اخذ کیا تھا۔'اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔

اور وفات سے چند ماہ پہلے القائی طور پر آپ نے سن

وفات کا استخراج اس آیت سے فرمایا 'ویطاف علیھم بانیۃ من فضۃ و اکواب'

آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ان میں اکثر متبحر عالم ہیں اور آپ سے تعلق خاطر رکھنے والے اصحاب آپ کو فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اردو، فارسی، ہندی اور دیگر کئی زبانوں پر عالمانہ قدرت رکھتے تھے۔وہ ایک بے بدل خطیب، صاحب طرز انشا پرداز،حق گو واعظ،معجز بیان مناظر، قابل قدر مفسر، ژرف نگاہ محدث، اور بصیرت افروز فقیہ تھے۔انہوں نے ایک بھرپور دینی علمی زندگی گزاری۔چونکہ وہ ایک وہبی شاعر تھے۔اس لئے جملہ مصروفیات کے باوجود جب طبیعت شعر گوئی کی جانب آتی تھی تو شعر آویزوں کی طرح ڈھلتے چلے جاتے تھے۔ان کی شاعری طبعی اضطراب کے بے ساختہ پن کا حاصل تھی۔کیوں کہ آورد کے لئے فکر کو وقت کی ضرورت ہے۔اور وقت ان کے پاس تھا نہیں، کہ اسے شعر گوئی کے لئے وقف کیا جاسکے۔اردو کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ان کا عربی دیوان گو محفوظ نہیں رہا۔مگر بکھرے ہوئے اشعار کی تعداد اتنی ضرور ہے جن سے ان کی عربی شعر گوئی کی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔چونکہ وہ عربی کے فاضل تھے۔اس لئے اردو اشعار میں بھی عربی رنگ و آہنگ چھایا ہوا ہے۔آج عربی اور فارسی کا ذوق ناپید ہوگیا ہے یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کے 'دانش ورحضرات' اپنی بے علمی کا ماتم کرنے کے بجائے 'سہل نویسی' کا پرچار کرتے ہیں۔ڈاکٹر حامد علی خان (لیکچرار شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کے الفاظ میں:

آپ کی اردو شاعری اردوئے معلیٰ کا اعلیٰ شاہکار ہے آپ کے اردو کلام سے بھی درحقیقت وہی صحیح معنوں میں لطف اندوز ہوسکتا ہے۔جسے عربی فارسی پر عبور ہو یا کم از کم اردو کا اچھا فاضل اور ادیب ہو۔

صاحب زادہ سید خورشید احمد گیلانی ایک خوبصورت مضمون میں حضرت فاضل بریلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

ایک آدمی اگر کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر کھڑا ہوا اور وہ نیچے کی طرف دیکھے تو اسے ہر چیز بہت چھوٹی نظر آئے گی۔خواہ وہ چیزیں اپنے طور پر بہت بڑی ہوں۔اس لئے کہ وہ خود بہت بلندی پر کھڑا ہوتا ہے۔لیکن وہی شخص اگر اپنے اوپر آسمان کی طرف دیکھے تو وہ خود کو آسمان کی وسعت کے مقابلے میں بہت سکڑا ہوا۔اس کی بلندی کے سامنے اپنے آپ کو بہت پست اور اس کے حجم کے تناظر میں اپنی ذات کو رائی کے دانے برابر سمجھے گا۔۔۔کچھ اسی طرح کی صورت حال کا سامنا اس شخص کو کرنا پڑتا ہے جو عالم اسلام کی عبقری شخصیت اور برصغیر کی انتہائی عظیم المرتبت ہستی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بارے میں کچھ کہنا اور ان پر کچھ لکھنا چاہتا ہو۔اس دور کا کوئی بڑے سے بڑا عالم، فاضل، مفتی، محدث، مفسر، متکلم، مصنف اور شاعر علوم وفنون کے کوہ ہمالیہ پر کیوں نہ کھڑا ہو اور ہر ایک اس کے سامنے بونا اور ٹھگنا کیوں نہ نظر آرہا ہو۔مگر جب وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے علم وفضل اور تحقیق وتصنیف کے آسمان پر نظر ڈالتا ہے تو دوسروں کا کیا مذکور، وہ خود اپنے آپ کو کوتاہ قامت اور پست شخصیت نظر آنے لگتا ہے۔

ان پر بات کرتے ہوئے بڑے سے بڑے خطیب کی زبان لڑکھڑانے لگتی ہے۔اور بڑے سے بڑے ادیب کی نوک قلم سے الفاظ ٹوٹ کر گرنے لگتے ہیں۔نہ زبان کی باگ ہاتھ میں رہتی ہے نہ قلم کی رکاب پاؤں میں۔یک رخا بھلا کہاں تک ہمہ جہت شخصیت کو اپنے فکر وخیال کے دائرے میں قابو رکھ سکتا ہے۔۔۔فاضل بریلوی کی شخصیت ایک ہشت پہلو ہیرے جیسی ہے۔جس طرح اسے سورج کی روشنی کے رخ پر رکھا جائے تو ہر کونے سے ایک نیا رنگ نظر پڑتا ہے۔۔۔اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو آفتاب علم کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان کی شخصیت کے کئی رنگ اپنے اندر دل ونگاہ کی جاذبیت کا سامان لئے ہوئے ہیں۔ان کے بارے میں سن کر یا پڑھ کر زبان پر بے اختیار آجاتا ہے ؎

کوئی تصویر نہ ابھری تری تصویر کے بعد
ذہن خالی ہی رہا، کاسۂ سائل کی طرح

حضرت رضا نے پچاس سے زیادہ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں کم وبیش ایک ہزار علمی تصانیف چھوڑی ہیں۔حق یہ ہے کہ ایسی معتبر اور ہمہ جہت شخصیت پر لکھنے والا قلم خود بے بضاعتی کا شکار ہو جاتا ہے۔اور اپنی جملہ صلاحیتوں کے باوجود اس گلستان بکنار شخصیت کی رعنائیوں کو سمٹنے سے قاصر رہتا ہے۔اور دامان نگاہ کی تنگیاں گلہائے حسیں کی ان فراوانیوں سے معذرت طلب نظر آتی ہیں۔برصغیر پاک و ہند میں ہر فن کے الگ الگ عالم بلکہ امام تو بہت مل جائیں گے۔مگر ایسی کثیر الجہات شخصیت، چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی شاید نہ مل سکے جس نے معقولات و منقولات کے اکثر اصناف میں اپنی فکری عظمتوں کے چراغ روشن کئے ہوں۔جس کی مطبوعہ تصانیف بھی سیکڑوں تک پہنچتی ہو اور ایسے مسودات کا شمار بھی ممکن نہ ہو جو بوجوہ طبع نہ ہوسکے ہوں۔اور مرور زمانہ کی نذر ہو گئے ہوں۔

بطور ایک نعت گو، ان کی حیثیت مسلمہ ہے۔قاری ان کی محراب نعمت میں علمی اعتبار سے مرعوب اور فکری طور پر سرنگوں نظر آتا ہے۔جذباتی کیفیات اور دلی واردات کے نقطۂ نظر سے، دور دور تک نہ کوئی ان کا مثیل ہے نہ سہیم۔خیال ایک سماوی نعت ہے جب کہ زبان ایک ارضی صلاحیت، ان وہبی اور اکتسابی خوبیوں کے لطیف اور غنائی امتزاج کا نام شعر ہے۔

حضرت رضا فکری صلاحیتوں کی پاکیزگی سے بھی بہرہ ور تھے۔اور زبان و بیان پر بھی عالمانہ دسترس رکھتے تھے۔عروضی اور فنی اعتبار سے بھی وہ الفاظ کو موسیقیت کی میزان میں تولنے پر قادر تھے۔ان کے پورے کلام کو نقد و نظر کی کڑی آزمائشوں میں سے گزاریئے، آپ کو نہ کوئی زبان کا سقم نظر آئے گا، نہ کوئی عروضی لغزش دکھائی دے گی۔اور نہ کہیں فکری پس ماندگی کا احساس ہوگا۔جس شخصیت نے نعت سرائی کی بنیاد ہی قرآن حکیم کو بنایا ہو کہ وہ خود ایک کتاب نعت ہے اور اس کی قرآن کی موعظانہ بصیرتوں اور علمی رفعتوں پر گہری نظر ہو تو پھر اس کی نعت گوئی کے اعجاز و ایجاز کو تسلیم کیے بغیر نہ اہل نظر آگے گزر سکتے ہیں نہ تماشائی۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

یعنی رہے آداب شریعت ملحوظ

نئے خیال کی تلاش میں شاعر عموماً بہک اور بھٹک جاتے ہیں۔نتیجہ معلوم کہ مضمون ہی عنقا ہو کر رہ جاتا ہے۔مگر احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی میں ایسے مقام کم ہیں جہاں خیال میں تکرار ہو۔ان کا ہر شعر کمال سیرت کا ایک نیا پہلو پیش کرتا ہے۔اور ساتھ ساتھ جمال صورت کا ایک نیا رخ ہمارے سامنے رکھتا چلا جاتا ہے۔اور ساتھ ہی انداز کی طرفگی بھی نمایاں ہے۔سچ یہ ہے کہ روئے رسول ﷺ رخ جمال الٰہی کا آئینہ ہے اور سیرت رسول ﷺ قرآن کی اعجاز آفرین تعلیمات کا ایک عکس دل آویز، اختر الحامدی کا شعر ہے:

اک اک ادا ہے آپ کی آیات بینات
جس زاویئے سے دیکھئے قرآں ہیں مصطفیٰ

قرآن ہر مقام پر صداقتوں کا اظہار نئے انداز سے کرتا ہے اور قرآن کا یہی اسلوب اہل نظر کے لئے فکری اور لسانی بصیرتوں کے ایوان کھولتا چلا جاتا ہے۔اور یہ قرآن ہی کا فیض ہے کہ فاضل بریلوی کی نعت ایک فانوس کی طرح صد رنگ انوار بکھیرتی چلی جاتی ہے۔جابجا قرآنی آیات اور احادیث جبین شعر پر لو دیتی نظر آتی ہے۔صنعت تلمیح پر مشتمل اشعار دینی اور واقعاتی پس منظر لئے ہوئے ہیں۔فلسفیانہ اور متصوفانہ اصطلاحات ان کی علمی وسعت اور ہم لوگوں کی فکری نکبت کی آئینہ دار ہیں۔سچی بات یہ ہے کہ وہ تو لکھ گئے کہ جانتے تھے۔اور ہم پڑھ رہے ہیں مگر سمجھنے سے قاصر ہیں۔

مولانا مسلمہ عالم تھے۔اور تغزل گو شاعر بھی۔صرف علم کے بل پر کہا جانے والا شعر فلسفہ یا معمہ بن کے رہ جاتا ہے۔یا بالکل خواص کی ایک شئی ہوجاتا ہے۔فکر گداز دل میں ڈھلتا ہے تو اس میں شعری لطافت آتی ہے۔مولانا چونکہ علمی تبحر، دینی بصیرت اور شعری صلاحیت کے اعتبار سے مستند ہونے کے ساتھ ساتھ رسول ﷺ کی نعت عظمیٰ سے بھی بہرہ ور تھے۔اس لیے ان کی شاعری میں اگر ایک طرف شعری خوبیاں اپنے کمال پر دکھائی دیتی ہیں تو دوسری طرف جذبے کی گہرائی نے علمی رسوخ کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر جوش و ہوش کی ایک ایسی کہکشاں کو ابھارا ہے جس کا ہر رنگ نگاہوں سے لپٹ لپٹ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت ہر دل کی دھڑکن، ہر لب کی صدا اور ہر نگاہ کی آرزو بن کر شعری افق پر جگمگا رہی ہے۔اس میں اہل نظر کے لئے متاع تدبر تو فی الواقع فراواں ہے مگر سطحی نوعیت کے ناظرین کو بھی اپنے ذوق کی آسودگی کا سامان مل جاتا ہے۔پروفیسر ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق کے الفاظ میں:

مولانا کی نعتیہ شاعری میں حسن و بیان، استعارات، تلمیحات اور علمی اوصاف اس کثرت سے موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ خشک علوم و فنون کے سمندر کا غواص، اس قدر شگفتگی کس طرح پیدا کرسکتا ہے؟

جذبۂ صادق ہو تو وہ خوش بو کی طرح مشام جاں کو معطر کرتا چلا جاتا ہے۔جب ممدوح بھی بے مثل ہو، مدحت نگار دل بھی محبت سے لبریز ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے قلم کو پر ہما کی اڑان بھی عطا کی ہو تو پھر اس کی قلم کی ہلکی سی جنبش لولوئے لالا بکھیرتی چلی جاتی ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری مولانا کی قادر الکلامی، اسرار علمیہ اور گل افشانی گفتار پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

ان کی نعتیہ شاعری بنیادی طور پر فلسفیانہ موشگافیوں اور علم

وفن کی بھول بھلیاں کی شاعری نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی ذات صفات سے گہری وابستگی اور شدید جذباتی لگاؤ کی شاعری ہے۔ان کی نعتیہ شاعری پر معصومیت، شیفتگی، سادگی اور عاشقانہ سرمستی کی جو چاندنی چھٹکی ہے وہ قاری کے درون خانہ میں جس قسم کا مدوجزر پیش کرتی ہے وہ بے سبب نہیں۔

حق یہ ہے کہ ان کی نعت ان کے بھرپور علمی اظہار کے باوجود فلسفیانہ پیوست سے بچی ہوئی ہے مگر پھر بھی بیش تر مقام ایسے ہیں کہ ان کی تہ تک عام فہم کی رسائی نہیں ہے۔شخصی کمال ہی فن کو عظمت عطا کیا کرتا ہے اور وہی فن رنگ ثبات ودوام کا حامل ہوتا ہے جسے کسی مرد خدا نے تمام کیا ہو۔

جب تک قاری ان علوم سے آشنا نہ ہو جن تک حضرت رضا کی ماہرانہ دسترس ہے اس وقت تک ان کے اشعار میں مضمر علمی بصیرتوں کو نہیں پا سکتا۔ دور حاضر کی اکثریت علمی لاعلمی اور ادبی بے مائیگی کی انتہا کو چھو رہی ہے۔وہ عربی اور فارسی کی مبادیات تک سے نابلد اور خود اردو کا ذوق اس قدر افسردہ پژمردہ ہو چکا ہے کہ مومن و غالب، انیس و دبیر اور اقبال تک کتنے ہی شاعر ہیں کہ ان کی تخلیقات کے فہم و ادراک کے لئے تشریحات مطلوب ہیں اس لئے اگر آج حضرت رضا کی شاعرانہ عظمتوں کا اعتراف نہیں ہو رہا ہے تو اس کی تہ میں آج کے دانش ور حضرات کی 'بے دانشی' ہے اور جو لوگ ان کی ستائش میں رطب اللسان ہیں ان کی اکثریت بھی محض مذہبی فرقہ بندی اور نظریاتی ہم آہنگی کے تحت اس تعریف کو اپنائے ہوئے ہے۔ورنہ ان کے کلام کے رموز و غوامض تک بہت کم نظر یں رسا ہیں 'قدر سخن شناس' باقی نہ رہے تو 'تحسین ناشناس' ہی رہ جاتی ہے۔ جسے نقد ونظر کے میدان میں کوئی بھی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔حضرت شمس بریلوی نے اپنی فاضلانہ تالیف میں حضرت رضا کی نعت کا ادبی اور تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے۔بہت سے ایسے اشعار یک جا کیے ہیں جن کے مفہوم کو عہد حاضر کے دانش وروں کی غالب اکثریت نہیں پا سکتی۔یہ چند اشعار، حضرت کی علمی فضیلتوں کے اعتراف اور عہد حاضر کے علمی افلاس کے ماتم کے لئے کافی ہیں:

زبان فلسفی سے امن وخرق والیام اسریٰ
بنایا دور رحمت ہائے یک ساعت تسلسل کو

(فلسفہ مابعد الطبعیات)

دنیا،مزار حشر، جہاں ہیں، غفور ہیں
ہر منزل اپنے چاند کی منزل غضر کی ہے

(علم نجوم)

محیط ومرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے، عجیب چکر میں دائرے تھے

(علم ہندسہ)

ذرے مہر قدس تک تیرے توسط سے گئے
حد اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

(علم منطق)

غایت وعلت سبب، بہر جہاں تم ہو سب
تم سے بنا، تم بنا تم پہ کروروں درود

(علم فلسفہ)

عام قاری سے لے کر ناقد اور معتقد سے لے کر معترض

تک کی اکثریت اگر ان علوم ہی سے بے بہرہ ہوگی تو ظاہر ہے کہ نہ وہ مولانا کی نعت گوئی کی تحسین کا حق ادا کر سکے گی اور نہ ان کے اعتراض میں اعتدال کا رنگ آسکے گا۔ داد دینے والوں کی داد بھی بے داد ہوگی اور اعتراض کرنے والوں کی تنقید بھی بے محل۔ بقول شاعر:

اس فن کی لطافت کو لے جائے کہاں کوئی
پتھر کا زمانہ ہے شیشے کی کہانی ہے

یہ حقیقت ہے کہ توحید اسلام کا ایک بنیادی تصور ہے کہ جب اس میں کوئی کھوٹ در آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس ازلی اور ابدی تصور کے نکھار اور وقار کو بحال کرنے کے لئے انبیا مبعوث کرتا ہے۔ اسی لئے ہر نبی کا پہلا بول تصدیق توحید کے گرد گھومتا رہا ہے۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا جو خوب صورت تصور دیا ہے وہ کسی اور مذہب کے پاس نہیں ہے۔ ہمارا تصور توحید، رسالت ہی سے وابستہ و پیوستہ ہے جناب پروفیسر علی عباس جلال پوری کے الفاظ میں:

جناب رسالت مآب ﷺ کی سیرت پاک کو رہنمائے عمل بنائے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا کماحقہ اثبات نہیں کر سکتے۔ گویا جو مسلمان اپنی حسب توفیق جتنا اسوۂ حسنہ کو اپنے طور پر مشعل راہ بنائے گا۔ اتنا ہی وحدانیت کے شعور و ادراک سے بہرہ ور ہو سکے گا۔

ہمارے ہاں توحید اور رسالت باہم دگر یوں ہم رشتہ اور ہم آہنگ ہیں کہ دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ مقصودِ زندگی رضائے خداوندی ہے مگر فرمودات رسالت مآب ﷺ کی روشنی میں گویا پہنچنا بہر نوع رب کعبہ تک ہے مگر راستے کے لئے چاندنی، گنبد خضریٰ سے سمیٹنا ہوگی کہ کعبہ عقیدے کا مرکز ہے اور مدینہ عقیدت کی جلوہ گاہ عقیدہ عقیدت سے بال و پر لیتا ہے اور عقیدت عقیدے کی انگلی تھام لے تو بے راہ نہیں ہوتی، بلکہ خود منزلیں اس کا استقبال کرتی ہیں۔ مولانا محمد صلاح الدین مرحوم نے ایک مقام پر عقیدے اور عقیدت کی اس ہم آہنگی کا تجزیہ یوں کیا ہے:

کلمہ طیبہ اسلام کی اساس ہے یہ چھوٹا سا کلمہ دو مختصر فقروں پر مشتمل ہے پہلا جز اقرار توحید اور دوسرا اقرار رسالت۔ جس طرح یہ دو فقرے مل کر اس کرۂ ارض میں توحید و رسالت کے دو ایسے مرکز بنتے ہیں جو بظاہر الگ الگ مگر حقیقتاً باہم مربوط ہیں۔ ان میں سے ایک مرکز دین و ایمان ہے تو دوسرا مرکز عقیدت و محبت۔ ایک قبلہ ہے تو دوسرا قبلہ نما، ایک نشان معبودیت ہے تو دوسرا نشان عبدیت، ایک مرکز نظر ہے تو دوسرا نور نظر، ایک مرکز عہد بندگی ہے تو دوسرا مرکز درس گاہ بندگی، ایک عظمت خداوندی کی علامت ہے تو دوسرا رفعت بندگی کی علامت، ایک جلوہ گاہ جلال ربانی ہے تو دوسرا جلوہ گاہِ جمال نبوی ﷺ، ایک کتاب تو دوسرا تفسیر، ایک پیغام عمل تو دوسرا جمال مجسم عمل۔ ایمان قلب ونظر کی یک جائی کا نام ہے اور اس یک جائی کے معنی یہ ہیں کہ کعبہ مسلسل پیش نظر ہو اور قلب پروانے کی طرح شمع رسالت کا طواف کرتا رہے۔

توحید و رسالت کے اس تعلق کو حضرت رضا اپنی ایک نعت میں انتہائی دل آویز انداز سے بیان کرتے ہیں۔ کہ آج اس نعت کے اکثر مصرعے اہل درد کے دل کی انگشتری کا نگینہ بنے ہوئے ہیں۔ حضرت کے نزدیک کعبہ تو بہر کیف کعبہ

ہے مگر مدینہ کعبے کا کعبہ ہے کہ وہ شعلے جو طور کو ایک انداز بے نیازی سے چور چور کرتے ہیں۔ وہی شعلے شمع رسالت مآب ﷺ پر پروانہ وار لپکتے ہیں کہ یہی وہ حسن عالم تاب ہے کہ جس آنکھ میں سما جائے، خود جلوے اس آنکھ کا طواف کرتے دکھائی دیتے ہیں، حضرت رضا کے نزدیک آب زمزم خوب ہے مگر شہ کوثر کی جود وسخا بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ سنگ اسود کے بوسے سے دل کی ظلمت ڈھلتی ہے مگر خاک بوسیِ مدینہ سے بھی دل کے اندھیروں کو اجالا ملتا ہے۔ منیٰ میں جانور تڑپتے ہیں، یہاں دل تڑپتا ہے۔

(انتخاب کلام رضا)

حاجیوں آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائی پیاسیں
آؤ، جود شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابر رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ
قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
ایمنِ طور کا تھا رکن یمانی میں فروغ
شعلۂ طور یہاں انجمن آرا دیکھو
دھو چکا ظلمتِ دل بوسۂ سنگ اسود
خاک بوسیِ مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
خوب مسعیٰ میں بامید صفا دوڑ لیے
رہ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو
رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں
دلِ خوں نابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

علم کی کمی، دل سے وسعت اور نگاہ سے رفعت چھین لیا کرتی ہے۔ ہمارے دینی اختلافات رسالت مآب ﷺ سے قلبی تعلق کے فقدان کی دلیل ہیں۔ ان اختلافات کی تہ میں جائیں تو بات اصولی نہیں، فروعی نظر آتی ہے اور زبان وقلم کی ساری کاوشیں، فروع کو اصول بنانے میں دکھائی دیتی ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہمارے ایمان کی واحد اساس حب رسول ﷺ ہے، اس کے بغیر ہماری زندگی کی ہر شے بے اساس ہے، وعظ وتذکیر بھی، بحث وتمحیص بھی، جذب وشوق بھی، شعر وادب بھی اور آہ وفغاں بھی۔ بقول اقبال:

عقل ودل ونگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع ودیں بتکدۂ تصورات
شوق اگر ترانہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

ہم تہی ساغر، تہی دامن اور تہی دست لوگ بتکدۂ تصورات میں اس قدر کھو گئے ہیں کہ ہم نے توحید اور رسالت کو خانوں میں بانٹ دیا ہے، حالانکہ ہر دو لازم وملزوم ہیں، جبیں کعبے میں جھکتی ہے اور دل مدینے میں، سجدہ، صرف اللہ تعالیٰ کو روا ہے مگر 'وصید ناز' کو پلکوں سے صاف کرنے میں کیا روک ہے۔ دل مچل مچل کر پوچھے کہ:

نہیں اذن سجدہ جو میری جبیں کو
تو پھر یہ ترا سنگِ در کس لئے ہے

مگر جبیں سجدے سے باز رہے کہ محبوب ﷺ ہی کا فرمان ہے کہ 'میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالینا' یہ رک جانا ہی عقیدت کے تقدس کی معراج ہے اطاعت کے اسی جذبے کو حسن عقیدت کہتے ہیں۔اصغر گونڈوی نے انہی کیفیات کے تحت کہا تھا:

چلوں میں جان حزیں کو نثار کرڈالوں
نہ دیں جو اہل شریعت، جبیں کو اذن سجود

توسل، تعلق، نسبت اور رابطے کا اس حسن کا کون منکر ہے کہ ہم نے خدا کو جانا، پہچانا اور پایا تو اسی فیض سے، اسی تعلق سے سجدوں کو کیف، دلوں کو نشاط اور نگاہوں کو امید عطا ہوئی۔اس حوالے کے بغیر تو نہ دعا قبول ہوتی ہے اور نہ عبادت تکمیل پاتی ہے۔اگر اس واسطے کو نکال دیا جائے تو ہماری پوری کائنات دھواں دھواں ہو کر رہ جائے گی:

اک وہم وگماں ہوتے اگر آپ نہ ہوتے
ہم لوگ کہاں ہوتے اگر آپ نہ ہوتے

عشق،علم سے بے بہرہ ہو تو مبالغے کی حدوں تک پہنچ کر بے کیف ہو جایا کرتا ہے۔مگر رضا بریلوی کی ایسی شخصیت جو ایمان کے اس کمال سے بہرہ ور ہو جسے حب رسول ﷺ کہتے ہیں اور دوسری طرف علم دین کا کما حقہ، شعور بھی رکھتی ہو،اس کے قلم کے لئے بہکنے اور بھٹکنے کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔نعت سرائی، تلوار کی دھار پر گامزن ہونا ہے۔علم ونظر سے بہرہ ور، جذبۂ عشق جب اس دھار پر چلے گا تو یقیناً سرخرو ہوگا، دوران سفر میں اگر کہیں قلم کا قدم ڈگمگا جائے تو اسے سہو و لغزش سے تعبیر کیا جائے گا، نیت کی کجی قرار نہیں دی جائے گی۔سہو کا اعتراف ہو تو بڑی سے بڑی لغزش بھی 'بشری حسن' بن جایا کرتی ہے، نیت خالص نہ ہو تو بڑے سے بڑا دعویٰ بھی صدق کی دلیل نہیں بن سکتا۔

حضرت رضا کی نعت گوئی میں عشق کی وارفتگی احترام کا دامن تھام کر چلتی ہے۔شعر کی جمالیاتی دل پذیری احتیاط کی انگلی پکڑ کر رواں دواں نظر آتی ہے۔ان کا علمی تبحر، دینی آگہی، قرآنی بصیرت اور روحانی گداز ایک دل آویز سلیقے کے ساتھ شعر کے سانچے میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ان کے ہاں علم وشعور اور جذب وجنوں کا ایک خوب صورت امتزاج ہے۔الفاظ وتر کیب کی فاضلانہ جلوہ گری بھی ہے، طویل بحروں میں عالمانہ افکار کا پرشکوہ اظہار بھی جا بجا ملتا ہے اور مختصر بحروں میں ایک والہانہ بے ساختگی بھی موجود ہے۔وہ بطور شاعر قاری اور ناقد کو اس حد تک متاثر کرتے ہیں کہ اس کے لئے ان کی شاعرانہ اور ساحرانہ گرفت سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ان کے ہاں لفظی برجستگی، فنی رعنائی اور سہل ممتنع کی مثالیں وافر تعداد میں جلوہ گر ہیں۔قرآنی آیات اور عربی جملوں کی پیوند کاری، ان کی فنکارانہ دسترس کا منہ بولتا شاہ کار ہے۔ٹکسالی زبان کو نعتیہ تغزل کی روح روا بنا دینا، ان کی ایک منفرد خصوصیت ہے۔لفظی تکرار سے شعری آہنگ کو تاثر آفرین بنا دینا انہی کا کمال ہے۔ان کے ہاں آمد کی ایک بے پناہ کیفیت ہے۔یوں لگتا ہے کہ فکر و خیال کا ایک بحر بے کراں ہے کہ بے روک ٹوک، شعر وسخن کی سنگلاخ گھاٹیوں میں یو رواں دواں ہے کہ اسے کوثر و تسنیم کی موجیں بھی رشک سے دیکھتی ہیں:

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے! طبیعت کی روانی اس کی

مبالغہ،شعر کا حسن ہوتا ہے مگر نعت میں مبالغہ، ایمان کے کے لئے خطرہ بن جایا کرتا ہے۔نعت صداقتوں ہی کی امین اور صداقتوں ہی کی ترجمان ہے اور ایک ایسے وجود کی عظمتوں اور رفعتوں کا شاعرانہ بیان ہے جس کے روز وشب کی پاکیزگیوں، اظہار و بیان کی سچائیوں اور فکر و خیال کی رعنائیوں کا اعتراف مخالفین کو بھی تھا۔جو شخصیت فی الواقع محمد ﷺ تھی اور ہے۔محمد کہتے ہی اس کو ہیں جس کی تعریف میں سبھی رطب اللسان ہوں، اپنے اس لیے کہ ان کے دل محبتوں سے لبریز ہیں اور غیر اس لیے کہ حسن اپنا اعتراف خود کراتا ہے۔آفتاب کی کرنوں کو کسی ثبوت کی ضرورت نہیں اور خوشبو کو اپنے جواز کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔۔حضرت رضا نے کائنات کی اس سب سے بڑی صداقت کو جس شان اور آن کے ساتھ شعر کے آئینے میں دکھایا ہے وہ دینے والے کی عطائے خاص کا اعجاز ہے۔ورنہ سخن ور تو اچھے اچھے ہیں مگر ''انداز بیان اور'' تو کسی کسی کا ہوتا ہے۔یہ فیصلے کرم کے ہیں اور بات نصیب کی ہے:

ایک خوش بو سے مہک اٹھتی ہے دنیا میری
جب ترا نام مرے لب سے ادا ہوتا ہے

سچ یہ ہے کہ سچی نعت کے لئے قلم بعد میں حرکت کرتا ہے اور اس کی قبولیت پہلے ہو جایا کرتی ہے۔اس ضمن میں توفیق رضائے الٰہی پر موقوف ہے اور اذن توصیف، خود موصوف کی طرف سے ملتا ہے۔نعت کہی نہیں جاتی بلکہ خود بخود قلم کی نوک پر لو دیا کرتی ہے۔حسن اپنے اظہار کے لئے خود آمادہ اور بہار اس کی ہم رکابی کے لئے خود بے قرار ہوتی ہے، تغزل کی ایمائیت اس حسن کی معنوی تصویر کشی کے لئے کمال شوق کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔خوبصورت خیال، اپنے ساتھ خوبصورت الفاظ بھی لایا کرتا ہے۔خیالات کی وسعت و ندرت کے ساتھ ساتھ حسنِ ادا کی خوبی حضرت رضا بریلوی کو ایک ایسے قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے نمایاں کرتی ہے جس کا دل محبوب کی یاد میں دھڑکتا اور جس کی آنکھیں انتظار کے کیف میں گوہر بداماں رہتی ہیں اور جس کا قلم اپنی تمام تر ادبی وجاہتوں، فنی ثقاہتوں اور علمی عظمتوں کے ساتھ نعت کی دنیا میں کبھی پھول کھلاتا، کبھی ستارے بکھیرتا اور کبھی چاند اچھالتا ہے کہ شاید اس وجود ناز آفرین کی عکاسی ہو سکے جو حسنِ کائنات بھی ہے اور کائنات حسن بھی، نتیجہ معلوم کہ لفظ لفظ اور حرف حرف کہیں کہکشاں نکھرتی دکھائی دیتی ہے کہیں شفق پھوٹتی ہے، کہیں چاندنی چھٹکتی ہے اور کہیں مہک پھیلتی ہے کہ بقول احسان دانش:

آب و گل میں مدتوں آرائشیں ہوتی رہیں
تب کہیں اک آدمی کونین کا حاصل بنا

شمس بریلوی کے الفاظ میں ''نعت'' سرور کونین ﷺ میں طرز ادا کی رنگینی کے لئے میدان بہت تنگ ہے۔وہاں نہ مبالغے کی گنجائش ہے نہ اغراق و غلو کی، نہ وہاں شوخی کا گزر ہے اور نہ بے باکی کا دخل، نہ معشوق کو جور وستم ہے کہ اس سے نت نئے مضامین پیدا کئے جائیں اور نہ بوس و کنار کا گزر ہے۔ہجر و فراق کی کیفیات ضرور ہیں لیکن ہجر و فراق کی وہ واردات نہیں جو تغزل کے لیے مخصوص ہیں۔بلکہ بہت محدود، جہاں قدم قدم پر ادب کے پہرے دار ہیں اور اسلامی احکام کے نقیب کھڑے ہیں۔ذرا سی لغزش اعمال حسنہ کی تباہی کا نتیجہ بن جاتی ہے اور ادنیٰ سی بے راہ روی دارین کی روسیاہی کا موجب

اور معمولی سے معمولی بے باکی آخرت کی تباہی کا پیش خیمہ، پس ان قیود اور ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اگر کسی نعت نگار کا خامہ زبان کی سادگی کا لطف اور طرز ادا کی رنگینی کو پیش کردے تو یہ اس کی نعت گوئی کا ایک ایسا رخ ہے جس کو اس کا منتہائے کمال کہنا چاہیے یہ ہر کسی کا کام نہیں۔۔۔ہندوستان میں صرف دو نعت گو شاعر انیسویں صدی کے ربع آخر میں میری نظر میں ایسے گزرے ہیں جو اس وصف میں کمال کی بلندیوں تک پہنچ سکے ہیں، ایک جناب محسن کاکوروی اور دوسرے جناب رضا قدس سرہ:

نعت نگاری ہر صنف سخن میں ہوتی رہی ہے۔نظم کی شکل میں، قصیدے کے رنگ میں، قطعات ور باعیات کے انداز میں، آج کل غزل کی ہیئت مقبول ہے۔غزل کی یہ ہیئت طویل ہوجائے تو قصیدہ بن جاتی ہے۔جناب رضا کی اکثر نعتیں غزل ہی کے رنگ و آہنگ میں ہیں۔مگر انہوں نے بہت سے قصائد بھی کہیں ہیں اور بسا اوقات خیالات کی طغیانی اور الفاظ کی روانی غزل ہی کو قصیدہ بناتی رہی ہے:

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نو ر ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

قصیدۂ نور، قصیدۂ معراج، قصیدۂ مرصع، قصیدۂ درصفت علم ہیئت قابل ذکر ہیں۔قصیدۂ نور ۵۹/اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں ۴۷/مطلعے ہیں، قصیدۂ معراج ۶۷/شعروں پر مشتمل ہے۔ایک روایت کے مطابق محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم جب معراج پر اپنا قصیدہ ُسمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل ٗ حضرت رضا کو سنانے کے لئے آئے تو ظہر کے وقت دو شعر سننے کے بعد مولانا نے فرمایا کہ مکمل قصیدہ بعد نماز عصر سنا جائے گا، اسی دوران میں مولانا نے خود قصیدۂ معراج تحریر فرمایا۔اور وقت مقررہ پر محسن کاکوروی کو اپنا قصیدہ سنایا۔تو وہ سناٹے میں آگئے۔قصیدہ مرصع میں یہ التزام ہے کہ اس کا ہر مصرع اولیٰ کا آخری رکن بالترتیب حروف تہجی پر ختم ہوجاتا ہے۔اس قصیدے کے ۶۰/اشعار ہیں۔۵۵/اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ پر اصطلاحات علم ہیئت، مولانا کے تبحر فکر و نظر کی ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر، ادب کی دنیا میں شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکے۔اس قصیدہ کو سمجھنا، اس سے حظ اٹھانا اور کیف سمیٹنا تو دور کی بات ہے دور حاضر کے اصحاب علم وفن کی اکثریت اسے صحت لفظی کے ساتھ شاید پڑھ بھی نہ سکے۔علمی افلاس اور ادبی بے بضاعتی جب اس حد تک آجائے تو نہ سچی تحسین کی توقع کی جاسکتی ہے اور نہ پرخلوص نقد و نظر کی مولانا کی نعتیہ رباعیات سے بھی جہاں ان کے فنی کمال اور عروضی نظم کا پتا چلتا ہے۔وہاں یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قصیدے میں بات کو از حد پھیلا کر بھی بات کو سمیٹ لے جانے والا یہ نعت گو مدحیہ افکار کے بحر ناپیدا کنار کو کامیابی کے ساتھ رباعی کے کوزے میں بند کرنا خوب جانتا ہے اور ان کا یہ فخر بہر نوع حق معلوم ہوتا ہے کہ:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو، سکے بٹادیئے ہیں

انہوں نے غالب، داغ اور ا میر کی شعری زمینوں میں نعتیں کہی ہیں۔ اگر فنی اعتبار سے ان شاعروں کی غزلوں اور مولانا کی ہم زمین نعتوں کو ملا کر پڑھا جائے تو مولانا کی قدرت شعر گوئی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اور مولانا ان سب سے اس لئے عظیم معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے پیش نظر نعت ایسی مشکل

صنف سخن ہے، غزل یا نظم نہیں۔ ہماری کلاسیکی اردو غزل کو اپنے جس ایمائی تاثر پر فخر، جس فکری گداز پر ناز اور جس جمالیاتی کیف پر غرور ہے اس فنی فخر و ناز کی بیشتر ادائیں حضرت رضا کے کلام میں ضوریز بھی ہیں اور ضوفشاں بھی۔

غزل گو بالعموم تصورات کی بے نام وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں ان کے ہاں دیدہ کم اور شنیدہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ فرسودہ اور مستعمل موضوعات کو ادا کی خوبی سے تازگی عطا کیا کرتے ہیں۔خیال کی طرفگی، خال خال ہوتی ہے جب کہ نعت سراسر صداقتوں کا بیان ہے۔اس میں جب تک شیفتگی دینی شعور کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو، بات بنتی نہیں۔نعت گو کو صورت اور سیرت کے اعتبار سے مثالی یا دوسرے لفظوں میں اسلامی ہونا چاہیئے۔صرف لفظی حسن سے نعت میں رعنائی نہیں آیا کرتی جب تک دل کا گداز اس میں شامل نہیں ہو وہ دل آویز نہیں بن سکتی۔عمل کو خود آواز بننا چاہیے کہ گفتار کی کثرت سے دل مرجھا جایا کرتے ہیں۔اطاعت کے بغیر، عقیدت کا ہر تصور بے جان ہے۔گنبد خضریٰ کے خیال سے اگر دل کی دھڑکن تیز نہیں ہوتی، اگر روح ویران ہے اور آنکھیں کوئی سا پیرایہ نم بھی نہیں رکھتیں، تو ایسے انسان کی نعت گوئی تعلی یا خودنمائی کا عکس تو ہو سکتی ہے، عجز و نیاز کا پندار نہیں بن سکتی، حضرت رضا اسی لئے نعت گوئی میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں کہ آپ ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی نکتہ آفرینیوں سے بھی کما حقہٗ واقف تھے۔ایسی ہی شخصیت نعت سرائی کا حق ادا کر سکتی ہے، ورنہ ہر بولہوس حسن پرستی کو اپنا شعار بنا کر سچائی کا دعوے دار نہیں ہو سکتا کہ نعت ہی وہ نغمہ ہے کہ نہ وہ ہر دل سے ابھر سکتا ہے اور نہ ہر ساز پر گایا جاسکتا ہے۔

نعت ایک ایسی صنف سخن ہے جسے مشکل ترین کہا جاسکتا ہے۔کیونکہ یہاں نہ انسان غزل کی مجازی فضا میں بہک سکتا ہے اور نہ قصیدہ نگاری کی طرح زمین کو آسمان بنا سکتا ہے۔ نعت کے حدود مقرر ہیں، ان سے نعت گو بڑھ سکتا ہے نہ گھٹ سکتا ہے۔دونوں صورتوں میں متاع ایمان ہی کے سلب ہونے کا خدشہ ہے۔دور حاضر کے اکثر شعرا نعت گوئی کا شوق تو رکھتے ہیں۔مگر احتیاط کے تقاضوں کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔صرف اس لئے کہ ان کی نگاہ میں نہ شریعت کے رموز ہوتے ہیں نہ طریقت کے مقام، نتیجہ معلوم کہ وہ بزعم خویش توصیف رسالت مآب ﷺ کا حق ادا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔مگر ان کا شوق بے حد، حد کو پھلانگتا اور مدحت کو بسا اوقات الوہیت تک لے جاتا ہے جو بہرکیف توہین ہے۔نعت گوئی کے لئے دل کی محبت ایک فطری شرط ہے مگر جذبۂ محبت کی اس روانی کو طغیانی سے بچانا مقصود ہے۔حضرت رضا نے خود نعت گوئی کی مشکلات کا احساس کرتے ہوئے ایک مقام پر یوں تحریر فرمایا ہے:

حقیقتاً نعت شریف لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔

اس احساس کے ساتھ اگر وہ شخصیت دین کے فہم سے

کما حقہ آشنا ہو۔ اس کا دل جذبات محبت سے بھی لبریز ہو تو یہ توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی کہ وہ شخصیت جب نعت نگاری پر آمادہ ہوگی تو ارادتاً افراط وتفریط کا شکار ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں اشعار کی اکثریت ادب اور احتیاط کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ محطاط انداز فکر ہی سے 'پاس ناموس عشق' کا دعویٰ ہو سکتا ہے۔ دیوانوں کی طرح سوچنا اور فرزانوں کی طرح لکھنا، ہر ذہن اور ہر قلم کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہوش وجنوں اور شعر و شریعت کی متوازن ہم آہنگی نعت گوئی کے لئے جتنی ضروری ہے، اتنی ہی فنی اور جذباتی اعتبار سے مشکل بھی ہے۔ شعر کے ایمائی حسن کے لئے دل گداختہ ضروری ہے۔ سوزِ دروں کی یہ آنچ، مجازی دنیا میں تو بسا اوقات آوردہ ہوتی ہے۔ جب کہ نعت میں اس گداختی کی بنیاد ایک ایسی اصلیت پر ہے جس سے بڑھ کر واقعیت کا کوئی سا تصور بھی نہیں ہے پیش نگاہ ایک ایسا وجود اکمل واطہر ہوتا ہے جس کی صورت فی الواقع نظر افروز، سیرت دل آرا اور طرز عمل قابل تقلید ہے جس کی ہر بات وحی الٰہی کی ساختہ پرداختہ اور آراستہ ہے۔ جس کے لب کھلتے ہی سچائیوں کے لئے ہیں، جس کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے، جس کا کائناتِ حسن کی مرقع نگاری کا حق شعر وسخن کا کوئی سا پیراہ، بیان وبدیع کا کوئی سا انداز اور فصاحت وبلاغت کا کوئی سا آہنگ بھی ادا نہیں کرسکتا۔ جہاں بہت کچھ کہہ دینے کے باوجود بھی بات عجز ونارسائی ہی کے اعتراف پر ختم ہوتی ہے اور پھر جہاں مبالغہ آرائی شجر ممنوعہ ہے۔ جہاں جوش آرزو مقصود ہے مگر حواس وہوش کو بچانا بھی لازم ہے، جہاں محبت کی وارفتگی کا اظہار، فرزانگی کی بصارتوں اور احتیاط کی بصیرتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔۔۔نعت میں نہ سوز مجازی ہے نہ تڑپ رسمی اور نہ آنسو روایتی۔ جذبات کی یہی وہ واقعیت، بیان کا یہی وہ گداز اور اظہار کا یہی وہ خلوص ہے جو نعت تاثر اور تغزل کے منتہائے کمال پر لے جاتا ہے اور غزل کی رسمی اور مجازی فضا کو بہت پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ کا دل حب رسول ﷺ سے معمور، قلم اظہار بیان پر قادر اور فکر فرمودات الٰہی سے مستنیر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت میں تغزل کیف بداماں، جنون نغمہ بار اور قلم گل فشاں ہے۔ ان کی شاعری میں ایک نغماتی انبساط اور ایک ملکوتی حسن ہے۔ دور حاضر میں غزل ایمائی اعتبار سے نشتریت کو چھور ہی ہے اور گمان گزرتا ہے کہ یہی غزل گو جب نعت کہیں گے تو اس میں حسن وکیف ہوگا مگر حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ کی نعت پڑھ کر یہ خیال ابھرتا ہے کہ یہی قلم اگر غزل کہتا تو زبان وبیان کی کیسی کیسی جدتیں ابھارتا، فکر وخیال کی کیسی ندرتیں پیدا کرتا اور دنیاے غزل کے کیسے کیسے 'میر تقیوں' کو پیچھے چھوڑ جاتا۔ ان کے ہاں بیان وبدیع کے بے شمار خوبصورت مثالیں ہیں اور ہر مثال علمی نکات اور شرعی بصائر کا دل آویز نمونہ ہے۔ بقول اختر الحامدی:

آپ سرتاپا عشق کی شراب میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لیکن قدم ڈگمگاتے نہیں، پیے ہوئے ہیں مگر بہکتے نہیں، جوش ہے مگر ہوش کے ساتھ، دل وروح مکیف ہے مگر عقل ہوشیار ہے۔ جو قدم اٹھا منزل جاناں کی طرف، جب قدم پڑا شاہراہ شریعت پر، دیوانے کی طرح رواں دواں ہیں مگر آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، سراپا مدہوش ہیں مگر آپ کا قلم جاگ رہا ہے۔ آپ کے کلام میں آپ کا یہی جنونِ بیدار کارفرما ہے۔ جو تغزل کی

جان ہے۔نعت میں چوں کہ انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے یہاں قدم سوچ سوچ کر اٹھانا اور پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ ایسے میں بات اکثر سپاٹ اور پھیکی ہوجاتی ہے۔ خیال سوجھتا ہے تو لفظ ساتھ نہیں دیتے،لفظ ذہن میں ابھرتے ہیں تو مفہوم غیر واضح رہتا ہے۔احتیاط کے تقاضے اتنے کڑے ہیں کہ دل کی بیشتر بے تابیوں کو دبانا پڑتا ہے۔ ایسی فضا میں بات کہنا اور وہ بھی برجستگی کے ساتھ،ان کی عظمت گفتار کی روشن دلیل ہے کہ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں شاعرانہ صلاحیتوں اور ماہرانہ عظمتوں کے باوجود بات بنانا مشکل ہوتا ہے۔لفظ وخیال کے حسن امتزاج ہی سے تاثیر ابھرتی ہے۔

یہ امتزاج حضرت رضا کی نعت گوئی میں جابجا نظر آتا ہے،خیالات آنچلوں کی طرح لہراتے اور الفاظ موتیوں کی طرح چمکتے محسوس ہوتے ہیں۔ان کے ہاں برجستہ گوئی کی بے شمار مثالیں ہیں لفظ جہاں آگیا نگینہ بن گیا ہے۔کوشش کے باوصف اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں آسکتا۔ان کے ہاں بات ارضی کم اور سماوی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔گویا:

چِھنتا ہے رخِ وقت پہ الہام کی افشاں
ان کا بھی قلم حضرت جبریل کا پر ہے

ان کی نعت گوئی صحیح معنوں میں عطیۂ الٰہی ہے کہ نعت کی عمارت اٹھتی ہی حب نبی ﷺ کی اساس پر ہے اور یہ محبت اللہ تعالیٰ کی دین ہے جو ہر ایک کو نہیں ملتی:

دہد حق عشق احمد بندگان چیدۂ خود را
بہ خاصاں می دہد شہ بادہ نوشیدۂ خود را

اس ضمن میں قلم کو جنبش بھی اسی ذات بلند و برتر کی رحمت سے ہوتی اور اڑان بھی اسی کے کرم کا نتیجہ ہوتی ہے۔مولائے کریم جس قلم اور جس ذہن سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔اسے خود ہی جودت اور بالیدگی عطا فرماتا ہے۔مانگنے والے کے دل میں خلوص ہو تو دینے والے کے انداز نرالے ہوتے ہیں۔احمد رضا بریلوی خواب دیکھتے ہیں کہ شارع عام پر ایک بلوریں فانوس لئے کھڑے ہیں،روشن کرنا چاہتے ہیں مگر دائیں بائیں کی پف زنی اسے روشن نہیں ہونے دیتی، دفعتاً حضور پرنور ﷺ تشریف لاتے ہیں۔اور انہیں پھونک مارنے کا حکم دیتے ہیں پہلی ہی پھونک سے فانوس انوار کا شانہ بن جاتا ہے۔اور پھر جب وہ دوسری بار حج کے لئے جاتے ہیں تو شوق زیارت فراواں ہے۔مگر بات بنتی نہیں اس عالم میں وہ ایک نعت لکھتے ہیں اور پیش کرتے ہیں،جس کا مطلع ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

کہ بگڑی بن جاتی اور تمنا بارآور ہوجاتی ہے۔۔۔یوں یہ بات طے ہے کہ ان کی نعت میں تاثر کی جو بے ساختگی اور جذبے کا والہانہ پن ہے وہ سراسر الوہی عنایت ہے۔بشری کمال نہیں۔

اسلام میں مختلف مکاتیب فکر ہیں۔ہر مکتب اپنی ہی سوچ کو سچ جانتا ہے۔اور اسی کی تبلیغ کو فرض سمجھتا ہے۔ایک دینی عالم جب شعر کی دنیا میں قلم اٹھائے گا تو ظاہر ہے کہ اس کی اپنی فکر وہاں در آئے گی۔ایک مفکر کا ذہن اپنے ہی نظریات کے گرد گھومتا ہے بے عینہ جب ایک عام ادیب اور شاعر اپنی ذہنی وابستگی سے ہٹ کر لکھے گا تو اس کے ادب کی حیثیت ایک کٹے

ہوئے پتنگ سے زیادہ نہ ہوگی۔اسی طرح قاری جب ایک ادیب و شاعر کو پڑھتا ہے تو گو وہ اس کے خیالات سے متفق نہیں ہوتا مگر پھر بھی اس کے قلم کی جولانی اور انداز کی شگفتگی کی داد دیئے بغیر نہیں رہتا۔ادیب اور شاعر کی فنی طور پر یہی پرکھ ہے کہ اس نے بات کہی کیسے ہے؟ اور بسا اوقات یہ امر ثانوی رہ جاتا ہے کہ کیا کہا ہے؟ اگر مقصد اور فن دونوں میں صالحیت آجائے تو قلم سے نکلنے والا ہر جملہ اور ہر مصرع سحر حلال بن جایا کرتا ہے۔حضرت رضا بریلوی اپنے اشعار میں اپنے مخالفین پر بھی برسے ہیں۔اس برسنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کی رعنائیِ تحریر ہی سے منکر ہوجائیں۔خوبی جہاں بھی ہے تحسین اس کا حق ہے۔علی گڑھ میگزین کے نظریاتی ادب نمبر ۱۹۵۸ء میں سلامت اللہ خاں اپنے مضمون 'ادب وعقیدۃ' میں لکھتے ہیں:

ادب عقیدے کے بغیر بھی وجود میں آسکتا ہے یہ بات اتنی ہی غلط ہے جتنا یہ کہنا کہ ادب الفاظ کے بغیر بھی تخلیق کیا جاسکتا ہے۔

گویا جب تک ادیب اور شاعر کے ہاں فنی پختگی کے ساتھ ساتھ نظریاتی صالحیت نہ ہو۔اس کی تخلیق آفاقی تاب وتب سے محروم رہتی ہے۔مقصدیت ہی قلم کی جنبشوں کو زندگی عطا کرتی ہے۔قاری کا ان نظریات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔قاری ذوق سلیم کا حامل ہوتو وہ اختلاف کے باوصف حسن ادا کی داد دے گا کہ:

بات کرنے کی ادا ہوتی ہے
نکہت گل بھی صدا ہوتی ہے

ضروری ہے کہ جہاں بھی کوئی حسن نظر آئے اسے نگاہوں میں سمیٹ لیا جائے۔اور جو منظر نگاہوں پر بار گزرے اسے وجہ نزاع بنانے کے بجائے صرفِ نظر سے کام لیا جائے۔پھول کے ساتھ اگر کانٹے ہوتو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھول کو جنت نگاہ نہ سمجھا جائے۔یہی وہ طرز فکر ہے جس سے حکایت حکایت رہتی ہے شکایت نہیں بنتی۔

مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کو حضور ﷺ سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے۔کہ ایک بار آپ پالکی میں کہیں جارہے تھے۔کہ دفعتاً آپ نے پالکی رکوائی اور کہا۔کہاروں میں کوئی سید ذات کے ہیں! ایک کہار نے کہا مزدور کی کوئی ذات نہیں ہوتی اور وہ مزدور ہوتا ہے۔اصرار کے بعد اس نے سیدزادہ ہونے کا اعتراف کیا۔تو آپ نے اس سے نہ صرف معذرت کی بلکہ اسے پالکی میں سوار کیا اور خود اپنے کندھوں پر پالکی اٹھائی اور اس کہار کا تعلق اس ذات ﷺ گرامی قدر کے خاندان سے تھا۔جس کی خاک پا ہمارے لئے سرمۂ بصیرت ہے۔جس کے اشارۂ ابرو سے وقت اپنا رخ بدلتا اور بہاریں پلٹ پلٹ آتی ہیں اور جس کے خرام ناز کے طفیل بطحا کی ریت میں بھی ریشم کا لوچ محسوس ہوتا ہے اور جس کے انفاس پاک کی مہک کا فیض ہے کہ عرب کا ریگستان کائنات ارضی وسماوی کے لئے نکہت بداماں ہیں۔اور رہے گا اور اس کہار کے بارے میں حضرت رضا کے احساس کا ابھرنا بھی ان کے اس تعلق خاطر کی دلیل ہے جو انہیں حضور ﷺ کی ذات اقدس سے تھا۔اقبال نے کہا تھا:

بدرگاہِ سلاطین تاکجا اس چہرہ سائی ہا

بیاموز از خدائے خویش ناز کبریائی ہا

شعرا عموماً بادشاہوں کے حضور میں برنگ شعر سجدہائے ارادت نذر کرتے رہے ہیں مگر حضرت احمد رضا خدائے بزرگ وبرتر کی بارگاہ بندہ نواز سے ناز کبریائی کی دولت پاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی محبت کی بنا پر ان کا دل اس قدر جھکا ہوا اور سر اقدس اس قدر اٹھا ہوا تھا کہ وہ اہل دولت کی طرف نگاہ غلط انداز سے دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔حق یہ ہے کہ ہم ادنیٰ ہیں مگر نسبت ارفع واعلیٰ ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری فقیری پر بھی شان سلطانی رشک کرتی ہے۔حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار فرمائش کی گئی کہ نواب نانپارہ کے لئے کچھ مدحیہ اشعار لکھ دیں! آپ نے یہ سن کر ایک دل آویز نعت تحریر فرمائی اور اس کے مقطع میں اپنا مسلک یوں واضح فرمایا:

کروں مدحِ اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

نان پارہ اور پارۂ ناں کی تراکیب نے بیان کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے۔یہ خدا اور رخدا کے رسول ﷺ کی خاص نظر کرم ہے جو بندوں کو فقر وغیور کی دولت سے مالامال کرتی ہے اور انکسار کا یہی وہ پندار ہے جو انسان کو دربارشہ میں بھی سرکشیدہ رکھتا ہے۔سید قاسم محمود کے الفاظ میں:

اعلیٰ حضرت بچپن ہی سے تقویٰ، طہارت، اتباع سنت، پاکیزہ اخلاق اور حسن سیرت کے اوصاف سے مزین ہو چکے تھے۔صرف چودھ برس کی عمر میں آپ جلیل الشان عالم، عظیم المرتبت فاضل ہو گئے اور پھر چون، برس کی عمر تک مسلسل دینی اور علمی خدمات انجام دیتے رہے۔آپ کے سب کام حب الٰہی کے تحت تھے۔نہ کسی کی تعریف کرتے نہ کسی کی ملامت کا خوف کھاتے۔

حضور ﷺ عبدہٗ تھے۔یہ مقام عبدیت تھا جس نے انہیں بے مثل بشر بنا دیا تھا صرف بشر تو سبھی ہوتے ہیں اور ہر نبی پر اس دور کے 'ارباب استکبار' نے یہی طنز کی تھی کہ تو تو ہمارے جیسا ہے۔۔۔حضور ﷺ کی ذات اقدس میں عبدیت کا جمال منتہائے کمال پر تھا اور جب بھی کسی خاکی انسان نے اس جمال کے انوار سمیٹنے اور بیان کرنے کی سعی کی تو اسے اپنی تمام فکری اور شعری صلاحیتوں کے باوجود یہ اعتراف کرنا پڑا کہ:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

کیونکہ حضور ﷺ کے مقام کی یہی وہ شان ہے جہاں ہم اپنی جملہ رسائیوں کے باوجود نارسا ہیں۔کیوں کہ عبدیت کا نقطہ کمال اور عبودیت کا مقام آغاز دونوں اس قدر قریب ہیں کہ ہر دو کو ایک دوسرے سے الگ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔نعت نگاری کی شان یہی ہے کہ حضور ﷺ کو خدا کے بعد سبھی کچھ کہا جائے۔مگر خدا نہ کہا جائے۔حضرت احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی کا مطالعہ کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ انہوں نے حتی الامکان سعی کی ہے کہ عبودیت اور عبدیت میں فرق رہے۔کیوں کہ توحید وہ نازک مقام ہے کہ وہاں کسی نوع کی کوئی سی شراکت بھی گوارا نہیں کہ اسی بارگاہ میں سرخم ہوتے ہیں، وہیں ہاتھ اٹھتے ہیں اور وہیں سے جذب وکیف کو بال و پر عطا ہوتے ہیں۔احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اسی بارگاہ میں یو ل سراپا دعا ہیں:

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا، ہے

تجھی پہ بھروسا تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاکِ رسول ﷺ دکھا، تجھے
اپنے ہی عز و علا کی قسم

وہ مدینہ جاتے ہیں تو شوق کو ایسا سجدہ گزارنے کی تلقین کرتے ہیں کہ اس سجدے کی خبر سر کو بھی نہ ہونے پائے۔ وہ لحد کی تاریکوں میں حب نبی ﷺ کے چراغ لے کر اترنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک روضہ شہ والا ﷺ کعبے کا کعبہ اس لئے ہے کہ بقول اقبال:

تو بر نخل کلیمے بے محابا شعلہ می ریزی
تو بر شمع یتیمے صورت پرانہ می آئی

ان کے نزدیک حضور ﷺ باغ خلیل کا گل زیبا بھی ہیں اور جان تمنا بھی۔ گلزار قدس کا گل رنگیں ادا بھی اور درمان درد بلبل شیدا بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے کمال حسن میں گمان نقص نہیں ہے۔ یہی وہ پھول ہے جو بے خار اور یہی وہ شمع ہے جو بے دود ہے۔ وہ دل حزیں کو تلقین کرتے ہیں۔ کہ وہ آنسو بن کر چمکے اور خاک مدینہ میں گھل مل جائے۔ اور ان کا یہ شعر تو حاصل نعت گوئی معلوم ہوتا ہے:

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کردیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

آپ کے معروف طویل سلام "مصطفیٰ ﷺ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" کا ہر شعر مقام رسالت ﷺ کے کسی نہ کسی رخ کی دل آیزی کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ سلام خود بولتا ہے کہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نعت گوئی کی اس اوگھٹ گھاٹی سے کس کامیابی کے ساتھ گزرے ہیں نہ جبین شعر پر کوئی شکن آئی ہے اور نہ مدحت سرکار ﷺ کے شفاف آئینے پر ہی کوئی بال آیا ہے۔ نعت گوئی کی انہی نزاکتوں اور شاعر کی انہی نارسائیوں کے بارے میں حضرت رضا کہتے ہیں:

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں ہے

حضور ﷺ کی بارگاہ ناز میں درود و سلام نذر کرنا، ہم مسلمانوں کے لئے حکم خداوندی کے تحت فرض ہے۔ یہ ہماری نماز کا ایک کیف آفریں جز ہے کہ اس حوالے کے بغیر دعا شرف قبول کو نہیں پہنچتی اور دعا عبادت کا جوہر ہے۔ منعم حقیقی کی جانب سے گنبد خضریٰ پر ہر لحظہ اکرام و انوار برستے رہتے ہیں۔ ملائکہ رحمتوں کے نورانی طبق لے کر پیہم اترتے رہتے ہیں اور ہم اپنی نارسائیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ہی سے ملتمس رہتے ہیں کہ وہی اپنے حبیب کو زیادہ سے زیادہ نوازے تاکہ وہ نوازش ہائے مسلسل، ہم عالمین پر بقدر ظرف وطلب بنتی رہے۔ درود وسلام ہی وہ کسوٹی ہے جس پر مدعی کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ یہی وہ ترازو ہے جس سے محبت کی کیفیت اور کمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا موصوف نے ۱۷۰/ اشعار پر مشتمل جو سلام تحریر کیا ہے اس کا قبول عام اس سلام کے بقائے دوام کی دلیل بھی ہے اور خود ان کے خلوص خاطر کا آئینہ بھی۔ دل کی گہرائیوں سے ابھرنے والا ہر بول، ہر سامع اور ہر قاری کے دل کی دھڑکن بن جایا کرتا ہے۔ دل کی دھڑکن، روح کی لرزش اور آنکھ کا آنسو صداقتوں کا امیں ہوا کرتا ہے۔ اس سلام کا ہر دل کی دھڑکن بن جانا ثبوت ہے اس بات کا کہ اسے گنبد خضریٰ سے بھی پذیرائی کا

شرف مل چکا ہے۔ یہ سلام جہاں شاعر کی وارفتگی شوق کا ایک مترنم اظہار ہے وہاں سیرت و اخلاق نبوت کی ضیا باریوں کا ایک تاریخی مرقع بھی ہے۔ ہر شعر ایک نئی تاریخی صداقت لے کر ابھرتا اور نشاط روح بن کر جلوے بکھیرتا اور جنت نگاہ ہو کر ظلمتوں کو اجالتا کرتا چلا جاتا ہے۔ مولانا کے تتبع میں بہت سے ممتاز شعرا نے سلام لکھے ہیں اور نعت میں سلام و درود کا یہ سلسلہ وقت کے ساتھ ساتھ پھیلتا جارہا ہے۔ بعض سلام سادہ مترنم اور عام فہم بھی ہیں اور عوام الناس کی زبان پر رواں بھی ہیں مگر مولانا کا یہ سلام قدیم ہونے کے باوجود جدید دور میں بھی اپنی قبولیت کے اعتبار سے روز بروز نکھرتا ہی جارہا ہے۔ فنی اور شعری اعتبار سے بھی یہ کاوش اس قدر رفیع و حسین ہے کہ ناقد اپنے منصب نقد و نظر کو بھول کر اس کے گداز و ترنم کے حضور میں دو زانو ہو جانے پر مجبور نظر آتا ہے۔ جناب نظیر لدھیانوی کے الفاظ میں:

اگر مولانا قصیدہ شادی اسریٰ اور اس سلام کے سوا نعت میں اور کچھ نہ کہتے تب بھی نعتیہ ادب میں ان کا پلہ بھاری رہتا۔

یہ شعری کاوش جہاں جمال نبوت کا ایک کیف آور بیان ہے۔ وہاں سخن آفرینی کے کمال کا ایک دل آویز اظہار بھی ہے۔ اس میں زور بیان کے ساتھ ساتھ بے پناہ روانی ہے۔ بقول ایک نقاد:

یہ سلام پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ شعر و حکمت کا بحر بے کراں پورے جوش و خروش کے ساتھ رواں دواں ہے۔ جس میں معارف قرآن و حدیث، اسرار عشق و رموز معرفت اور زبان و بیان کے لاتعداد گہر ہائے گراں مایہ بہے چلے آرہے ہیں۔

یاد رہے کہ جناب رضا رحمۃ اللہ علیہ کی شاعرانہ صلاحیتیں کلیتاً خداداد تھیں۔ اس میدان میں انہوں نے کسی کے حضور میں زانوئے تلمذ بھی تہ نہیں کیا بلکہ حضور ﷺ ہی کے فیض سے ان کے فکر کو برنائی اور قلم کو رعنائی ملی۔ البتہ وہ شہید جنگ آزادی حضرت مولانا کفایت علی کافی رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ نعت گوئی سے متاثر ضرور تھے۔ حضرت کافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قدمِ پاک کی گر خاک ہی ہاتھ آجاتی
چشمِ مشتاق میں بھر بھر کے لگاتے جاتے
کافیِ کشتۂ دیدار کو زندہ کرتے
لبِ اعجاز اگر آپ ہلاتے جاتے

کچھ اسی نوع کا جذب دروں اور اسی انداز کا سوز نوا حضرت رضا کے ہاں بھی جا بجا ملتا ہے سچی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کا اتباع ہی اللہ تعالیٰ کا اتباع ہے۔ آپ ﷺ کی محبت ہی میں حب الٰہی کا راز مضمر ہے۔ ایمان کا معیار حب رسول ﷺ ہے۔ جب ہر دنیاوی محبت حضور ﷺ کی محبت کے سامنے بے وقار ہو کر رہ جائے تو مسلمان ایمان کی تکمیل کو چھونے لگ جاتا ہے۔ حضرت فاضل بریلوی کی حضور ﷺ سے جنوں کی حد تک محبت تھی۔ اس کا اعتراف ہر زبان اور ہر قلم کو ہے۔ محبت کی یہی وارفتگی جب شعر کے سانچے میں ڈھلی تو نعت بن گئی۔ اسی از خود رفتگی نے انہیں اس قدر محتاط بنا دیا تھا کہ وہ کوئی ایسا خفیف سا کلمہ سننے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے جس سے محبت کے آب گینے پر زد پڑتی ہو۔ یہ عطائے خاص ہے کہ انہیں علم دین ملا اور اس علم کا مرکز دل کی دھڑکنیں رہیں، ذہن کی موشگافیاں نہیں۔ دل

کے راستے علم کی دولت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ کا دور زبان کی صحت مندانہ شگفتگی اور بیان کی غزل آمیز اثر آفرینی کے اعتبار سے ایک ایسا مثالی دور تھا جو بہر رنگ معاصرین کے لئے ایک ادبی چیلنج اور بعد والوں کے لئے قابل استفادہ ٹھہرتا ہے۔ مگر یہ ایک بے غبار حقیقت ہے کہ حالی، امیر مینائی، اکبر الہ آبادی ایسے کاملین فن، جب غزل سے ہٹ کر اور مجاز سے کٹ کر نعت کے میدان میں وارد ہوتے ہیں۔ تو ان کے لئے وہاں اپنے خاص معیار تغزل کو قائم رکھنا مشکل نظر آتا ہے کیونکہ نعت میں ہر مقام مقام احتیاط ہے۔ یہاں نہ اشہب قلم بگٹٹ دوڑ سکتا ہے اور نہ سمندِ شوق بے باک و بے پروا ہو سکتا ہے۔ ایسے نازک مقام پہ کہ جہاں سانس بھی ہولے سے لینا پڑے اور جہاں سکوت ہی تکلم بلیغ کی حیثیت رکھتا ہو۔ وہاں زبان کی نفاستوں، شعر کی لطافتوں، فکر کی نظافتوں اور اسلوب و ادا کی صداقتوں کو نبھانا کسی کسی کا کام ہے۔ یہ توفیق ہر ایک کو نہیں ملتی۔ اور اس اعتبار سے حضرت رضا فی الواقع خوش نصیب ہیں۔ سچا شاعر تلمیذ فطرت ہوتا ہے۔ خیال کے مطابق لفظ بھی اسے عطا ہوتا ہے۔ حضرت رضا کا نعتیہ کلام اپنے اندر فکری پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ادا کی سادگی بھی لئے ہوئے ہے۔ بدیع و بیان دونوں خیال کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جہاں نبوت کے جمال کا ذکر ہے وہاں الفاظ بھی دل کش اور دل آرا ہیں۔ جہاں سیرت کے کمال کا بیان ہے وہاں اظہار و بیان کی بلاغتیں بھی منتہائے کمال پر نظر آتی ہے۔ جہاں خصائص نبوت کا ذکر ہے وہاں لب ولہجہ کی ادائیں بھی تخصیص کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں، گویا ان کے نعتیہ کلام سے ایک سخن شناس کے ذوق کو بھی آسودگی ملتی ہے۔ ایک فلسفی کی سرگرداں عقل کو منزل کا احساس بھی نصیب ہوتا ہے۔ اور ایک دل دردآشنا کو سوز کی وہ لذت اور نشاط و کیف کے وہ لمحے بھی میسر آتے ہیں جنہیں کوئی سا قلم بھی بیان نہیں کر سکتا۔ یہی وہ لمحاتی کیف ہے جس کے طفیل روز و شب اس کہکشاں میں گزرتے ہیں جس کی تمنا میں عمریں تمام ہو جاتی ہیں۔ بقول شاعر:

بس اک نگاہِ تبسم نواز مل جائے
تمام عمر میں ڈھلتا رہا ہوں آہوں میں

حضرت کی جدت آفرین علمیت اور فنی نزاکتوں پر ماہرانہ دسترس کا اندازہ مطلوب ہو تو ان کی وہ معروف نعت دیکھئے جس میں عربی کی بلاغت بھی ہے، فارسی کی حلاوت بھی ہے ھندی کا گداز بھی اور اردو کی لطافت بھی۔ چار مختلف زبانوں کے اس امتزاج کے باوجود نہ کہیں بیان کا لطف مجروح ہوا نہ کہیں ادا کے حسن میں فرق پڑا ہے۔ کہیں کہیں مشکل پسندی کا احساس ہوتا ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی بات شگفتہ اور رواں دواں ہے۔۔۔ الغرض ادائے خیال کے جتنے بھی پیرائے ہیں۔ شکوہ الفاظ کے جتنے بھی انداز ہیں، بیان و بدیع کی جتنی بھی رعنائیاں ہیں، خیال و فکر کے جتنے بھی زاویے ہیں، فصاحت و بلاغت کی جتنی بھی کیف آفرینیاں ہیں اور نعت سرائی میں احترام و احتیاط کے جتنے بھی تقاضے ہیں ان کا بیشتر حصہ 'حدائق بخشش'، میں اپنی تمام تر نور سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اگر ان تمام نور پاروں کو یک جا کر دیا جائے تو شاعرانہ علائم و رموز کا ایک خوبصورت مجموعہ وجود میں آسکتا ہے۔

قدیم و جدید نعت گوئی میں امتیازی فرق یہ ہے کہ پہلے

شاعر نعت میں زیادہ زور سراپائے رسالت مآب ﷺ کے کمال جمال پر دیتے تھے۔ وہ حسن ذات میں اس قدر از خود رفتہ ہوتے تھے۔ کہ جب یہ جمال جہاں تاب اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ نعت کے رنگ میں ان کے قلم کی نوک پر ضوفشاں ہوتا تھا تو ان الفاظ کا طواف خود جلوے کرتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ شاعری کا رخ بدلتا گیا غم روزگار زیادہ دل فریب ہوگیا۔ غم جاناں اور غم دوراں کی اس آویزش کا اثر نعت پر بھی پڑا، نتیجہ معلوم کہ نعت میں حسن صورت کا بیان کم اور جمال سیرت کا ذکر زیادہ ہوتا چلا گیا۔ زمانے کی تلخیوں، غم کی شدتوں اور جنوں کی آبلہ پائیوں کو گنبد خضریٰ ہی کے خنک سائے میں آسودگی، راحت اور سکون نصیب ہوا، طائف کے اس عظیم و جلیل مسافر نے ہمارے لئے ستم سہنے کے سبھی مراحل آسان کردیے، حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے غلام آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے لو لگا کر تخت و تاج کی رعونتوں کو نیزوں پر اچھالتے اور وقت کے فرعونوں کو حقارت کی ٹھوکروں سے اڑاتے رہے۔ آپ ﷺ ہی نے زمین کے ذروں کو اڑنا سکھایا اور آپ ﷺ ہی نے آسمان کی رفعتوں کو انسان کے پاؤں تلے بچھا دیا۔ ۔اس تناظر میں اگر حضرت رضا کی نعت کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں قرآن، حدیث، سیرت اور تاریخ اسلام کی صداقتیں اس آہنگ سے رقصاں و درخشاں ہیں کہ جہاں انوار کی یہ لپک، نگاہوں سے لپٹتی ہے، وہاں نعت گو کی علمی وجاہتوں کے حضور میں دل جھک جھک جاتا ہے۔ آپ کے جمال ظاہری کے تذکرے بھی ہیں اور کمال معنوی کا دل نشین بیان بھی، آپ نے جہاں روایت کو سنبھالا دیا وہاں جدید دور کے لئے ایسی اساس بھی فراہم کی جس پر آپ کا شاعر ناز کرتا اور خود کو منفرد گردانتا ہے۔ گویا وہ ان اوّلین شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اردو نعت کو ایک مستقل فن اور صنف کی حیثیت دی۔ نعت سرائی کے قدیم انداز اور جدید رخ کا ایک ایسا خوبصورت امتزاج کسی اور نعت گو کے ہاں مشکل ہی سے ملے گا۔ افسوس کہ ان کے کلام کو جانب دارانہ تعصب سے دیکھا گیا۔ نتیجہ معلوم کہ محاسن کو نظر انداز کیا گیا اور لغزشوں کو نمایا کرنے کی سعی کی گئی اور آج بقول ڈاکٹر محمد مسعود:

حضرت رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نعت گو شعرا کے امام اور مملکت نعت گوئی کے سلطان ہیں۔ اس حقیقت کو اگر چہ ماضی میں تسلیم نہیں کیا گیا مگر اب اہل نظر فراخ حوصلگی سے تسلیم کر رہے ہیں۔ اور اس امر پر اظہار افسوس کر رہے ہیں کہ جواب جانا پہچانا گیا ہے پہلے کیوں نہ جانا پہچانا گیا۔

آپ نے نعت کو ایک مستقل صنف سخن کی حیثیت دی، نعت کے لئے غزل کی ہیئت کو اختیار کیا، یوں انہوں نے جدید دور کے شعرا کو نعت گوئی کے لئے ایک ترقی پذیر اور تاثر آفریں سانچا فراہم کیا۔ دور حاضر کے سب سے بڑے مفکر شاعر علامہ اقبال نے مسلمانوں کے انحطاط کی بنیادی وجہ حضور ﷺ سے قلبی تعلق میں کمی یا فقدان کو قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں مسلمان اس لئے زار و نزار اور ذلیل و خوار ہیں کہ وہ دل تو رکھتے ہیں مگر محبوب نہیں رکھتے اور محبوب کے تصور کے بغیر دل محض گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اور اس دل سے نکلنے والی آواز اور قلم سے ابھرنے والا شعر محض بے کیف لفظوں کا مجموعہ تو ہوسکتا ہے اس میں نشتریت پیدا نہیں ہوسکتی۔ عقل سے لے کر

حکمت تک ،علم سے لے کر نظر تک اور خودی سے لے کر بے خودی تک جتنی منزلیں ہیں ان تک پہنچنے کے لیے اقبال کے نزدیک اسوۂ حسنہ ہی واحد راستہ ہے یہی وہ تعلق ہے جسے اپنا کر انسانی زندگی پر مہر وماہ رشک کرتے ہیں اور اس نسبت سے ہٹ کر زندگی بے آبروئی اور رسوائی کو اپنا مقدر بنا لیتی ہے ۔گو اقبال نے صرف نعت گوئی کو اپنا مقصود نہیں بنایا،مگر جب بھی وہ حضور ﷺ کا حوالہ دیتے ہیں (اور یہ حوالے جا بجا ہیں کہ ان حوالوں کے بغیر ان کی شاعری بے نور ہے) تو اس اسم گرامی کے آتے ہی اقبال کا قلم انوار بکھیر نے لگ جاتا ہے ۔۔حضرت رضا بریلوی کی شعری کاوشوں کا تاثر، جمال اور دل آویزی بھی حب رسول ﷺ ہی کی دین ہے کہ خیال میں رعنائی ہے تو اسی نام سے، دل میں نور ہے تو اسی تصور سے اور قلم میں بینائی ہے تو اسی ذکر سے ۔حضرت رضا بریلوی کا سرمایہ نعت قدیم رنگ کا حامل ہے جب کہ اقبال کے پیش نظر جدید دور اور امت مسلمہ کے سیاسی اور عمرانی مسائل تھے ۔اس لئے انہوں نے تفہیم وابلاغ کے لیے بھی اظہار میں جدت پیدا کی کہ اظہار و بیان کا انداز وقت کے تقاضو کے مطابق ہوا کرتا ہے بہرکیف دونوں کے پیش نظر حب رسول ﷺ کے جذبے کو برقرار محکم اور استوار کرنا ہے جس کے بغیر ہماری حیات، ممات، برزخ اور آخرت چاروں بے کیف وبے رنگ ہیں ۔فاضل بریلوی نے اگر کہا:

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

تو اقبال نے کہا:

لحد میں بھی یہی غیب وحضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

اور دل زندہ ہوتا ہے حضور ﷺ کی محبت سے ۔

دونوں کے کلام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے فکری ہم آہنگی جھلکتی ہے،موضوع اور مقصد کے اعتبار سے انداز اپنا اپنا ہے مگر کہیں کہیں اقبال کے انداز پر بھی اخذ واستفادے کا گمان گزرتا ہے ۔

چودھری افضل حق مرحوم کا یہ جملہ کہ ُاعتراف عظمت کے لئے بھی باعظمت انسان ہونا ضروری ہے‘ میرے نزدیک ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے ۔اختلاف کی بنیاد اگر خلوص پر ہو تو اس کا نتیجہ مخاصمت کی شکل میں نہیں بلکہ رحمت کی شکل میں نکلتا ہے ۔ اگر نیت اور ذہنیت ہی راست نہ ہو تو پھولوں پر بھی کانٹوں کا گمان ہوتا ہے ۔ کتنے ہی دانش ور ہیں جنہوں نے حضرت رضا بریلوی کی شعری عظمتوں اور فکری صداقتوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے ۔نظریاتی بعد کے باوجود کسی کی شخصی وجاہت اور فکری ثقافت کو تسلیم کرنا خود شرف انسانی کی ایک روشن دلیل ہے ۔ چند آرا دیکھئے:

ہندوستاں کے دور آخر میں مولانا احمد رضا خاں جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کی ذہانت وفطانت، جودت طباع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں ۔مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار کا بہت غور وفکر کے بعد

کرتے ہیں۔اس لئے انہیں اپنے شرعی فیصلوں میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی، بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خان اپنے دور کے امام ابوحنیفہ تھے۔ (علامہ اقبال)

احمد رضا خان کی شخصیت ان کی شاعری اور شاعری ان کی شخصیت ہے۔شخصیت اور شاعری میں اس قدر گہری ہم آہنگی اردو کے چند ہی شعرا کے ہاں ملے گی۔(ڈاکٹر سلام سندیلوی)

میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والے پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی ﷺ کا ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کا اظہار ہوتا ہے۔مولانا کا اپنے کلام میں انفرادیت کا دعویٰ ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلی معلوم ہوتا ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل حق ہیں۔ (نیاز فتح پوری)

مولانا دینی علوم کے جامع تھے، دینی علم وفضل کے ساتھ ساتھ شیوا بیان شاعر بھی تھے۔ان کو یہ ساعت نصیب ہوئی کہ مجازی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول ﷺ کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔ان کے بھائی مولانا حسن رضا خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

جب داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا کہ مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔ (ماہر القادری)

آپ کی اکثر نعتیں ہماری علمی وادبی میراث کا بیش قیمت حصہ بن چکی ہیں۔ (سید علی عباس جلال پوری)

اس میں کوئی شک نہیں کہ عشق رسول ﷺ ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔(مولانا کوثر نیازی)

وہ عالم دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔اس لئے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف کم توجہ دی گئی حالاں کہ ان کا کلام اس پائے کا ہے کہ انہیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دینی چاہیئے۔(افتخار اعظمی)

مولانا نے چھوٹی بحروں میں لکھ کر جو بڑی بڑی باتیں کہی ہیں وہ انہی کا حصہ ہے۔مولانا نے نعت گوئی میں ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد ڈالی جس کی چھاپ آج بیش تر مشاہیر کے کلام میں نظر آتی ہے۔(عابد نظامی)

دیوان رضا عرفان ووجدان کا قاموس ہے۔
(شمیم اشرف)

مختصر یہ کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے شعر وادب میں ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔اگر صرف محاورات، مصطلحات، ضرب المثل اور بیان کے تمام الفاظ تصانیف سے یک جا کر لیے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتا ہے۔ (ڈاکٹر غلام مصطفیٰ)

انہوں نے سادہ مگر پرکار الفاظ میں خیالات کو ڈھالا ہے کہ وجدان عش عش کرنے لگتا ہے۔(طاہر تونسوی)

ان کے کلام سے ان کے کامل صاحب فن اور مسلم

الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ (کالی داس گپتا)

وہ جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر، مفسر قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے۔ لیکن ان تمام درجات رفیع سے بلند ان کا درجہ ہے۔ اور وہ ہے عشق رسول ﷺ کا۔

(ڈاکٹر سید عبداللہ)

آپ کے کلام میں جو والہانہ سرشاری، سپردگی اور سوز وگداز کی کیفیت ملتی ہے وہ اردو کے نعت گو شعرا میں اپنی مثال آپ ہے۔ (خلیل الرحمن اعظمی)

ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔

(سید عابد علی عابد)

حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حب رسول ﷺ ہی تھی جس نے نعتوں کا پیکر اختیار کیا نعت کہتے وقت وہ کوئی قافیہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اس لئے نعت عموماً طویل ہو جاتی تھی۔ لہذا تمام اشعار مضامین اور زبان کے لحاظ سے یکساں وزنی ہوتے تھے، بعض اشعار تو ایسے انوکھے ہوتے تھے کہ ان کا جواب مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ (سید محمد جعفر شاہ پھلواری)

انہوں نے کبھی اپنی استادی کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ جو قدر و قبولیت ان کے کلام کو حاصل رہی اسے وہ ہاتف غیبی کا فیض بتاتے ہیں جو ان کے عشق رسول ﷺ کا نتیجہ ہے۔

(جلیل قدوائی)

کلام رضا میں حسن صورت بھی ہے حسن معنی بھی اور حسن تاثیر بھی۔ ان تینوں کا یک جا ہو جانا شاعر کے جمال قلب و نظر کا اعجاز ہے۔ (ڈاکٹر مسعود)

ان کے نغموں سے عشق و مستی کا جہان آباد ہے دلوں کو نئی زندگی مل رہی ہے، عشق نصیب ہو رہا ہے۔ اور محبت نغمہ خواں بن کر روحوں کو سوز آشنا بنا رہی ہے۔ (حافظ مظہر الدین)

آپ کا عشق مصطفیٰ ﷺ میں ڈوبا ہوا پرخلوص اور بے نظیر کلام بلاغت نظام حقائق و معارف کا حسین مرقع، جدت تمثیل، ندرت تخیل اور شاعرانہ قدرت کے علاوہ آیات و آحادیث مقدسہ، نرم و نازک تشبیہات اور پاکیزہ استعارات سے بھرپور ہے۔

(قمر یزدانی)

انتخاب کلام رضا:

میں نے اس مقالے میں حضرت کے کلام کے جا بجا حوالوں سے عمداً گریز کیا کیوں کہ میں آخر میں ان کے کلام کا ایک انتخاب دینا چاہتا تھا۔۔ انتخاب ہر قاری کے اپنے ادبی ذوق کے مطابق ہوتا ہے۔ اور نہیں چاہیے کہ کوئی شخص اپنا انتخاب کسی دوسرے پر ٹھونسے اور چاہیے کہ ہر طالب اور شائق خود کسی شاعر کے کلام کو دیکھے، پرکھے اور اس سے لطف لے۔ حضرت رضا کی اردو نعت کا یہ مختصر سا انتخاب وقت کی اس ضرورت کے تحت کیا گیا ہے۔ کہ دور حاضر کے قاری کے پاس وقت کی بھی کمی اور علم کی بھی۔ فارسی اور عربی کی بلاغتوں کا وہ ادا شناس کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مضمون و ادا کے اعتبار سے اردو کے بعض بلیغ اور عمیق اشعار اس کی فہم و فراست کے لیے ایک بوجھ بن جاتے ہیں۔ اس کا مطالعہ بھی محدود ہے اور علم بھی مسدود۔۔۔ دل کی دھڑکنوں، شوق کی وسعتوں، روح کی لرزشوں اور نظر کی تمناؤں کا اندازہ تو اس علیم و خبیر ذات ہی کو ہے۔ بہر کیف یہ انتخاب ایسے ہی پڑھے لکھے ان پڑھوں (راقم

بھی اسی قبیلے کا ایک فرد ہے) کے لئے ہے۔ تا کہ کم سے کم وقت میں حضرت رضا رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ عظمتوں کا زیادہ سے زیادہ اندازہ ہوسکے...اور کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ ایسے علمی طور پر بے مایہ انسان نعت رضا کی عالمانہ بصیرتوں اور اظہار و بیان کی مشکل پسند پیچیدگیوں میں الجھ کر، اپنے علمی افلاس کا ماتم کرنے کے بجائے، نعت کے اس دل آویز مرقع کے مطالعہ سے ہی دست کش ہوجائیں۔ اس انتخاب میں علمائے کرام کی ضیافت ذوق کا اتنا سامان نہیں جتنا عوام کی علمی پسماندگی کے تقاضوں کو دخل ہے۔ اس سلسلے میں میری اپنی نارسائیاں حضرت رضا کے گلہائے نعت کی فراوانیوں سے بہر کیف معذرت طلب ہیں۔

'میں' ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرگیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

(۱)

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
'نہیں' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ذرہ تیرا
فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
اغنیا پلتے ہیں درسے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سرسے وہ رستا تیرا
ایک میں کیا! مرے عصیا کی حقیقت کتنی!
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا
خوار و بیمار و خطاوار گنہ گار ہوں میں
رافع و نافع وشافع لقب آقا تیرا
تیرے صدقے! مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

(۲)

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارہ نور کا
جو گدا دیکھوں لیے جا تا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور، تیرا سب گھرانہ نور کا
قبر انور کہیے یا قصرِ معلیٰ نور کا
چرخ اطلس یا کوئی سادہ سا قبہ نور کا
ذرے مہرِ قدس تک تیرے توسط سے گئے
حد اوسط نے کیا سغریٰ کو کبریٰ نور کا
اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

(۳)

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا
خم ہوگئی پشتِ فلک اس طعن زمیں سے
سن! ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین

معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

(۴)

غم ہوگئے بےشمار آقا بندہ تیرے نثار آقا
ہلکا ہے اگر ہمارا پلہ بھاری ہے ترا وقار آقا
تم وہ کہ کرم کو ناز تم سے میں وہ کہ بدی کو عار آقا
پھر منھ نہ پڑے کبھی خزاں کا دے دے ایسی بہار آقا

(۵)

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخوابِ بصارت کا
زبانِ خار کس کس درد سے ان کو سناتی ہے
تڑپنا دشتِ طیبہ میں جگر افگارِ فرقت کا
رضائے خستہ جوشِ بحرِ عصیاں سے نہ گھبرانا
کبھی تو ہاتھ آجائے گا دامن ان کی رحمت کا

(۶)

نہ آسماں کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
حضور خاکِ مدینہ خمیدہ ہونا تھا
اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا
کنارِ خارِ مدینہ دمیدہ ہونا تھا
کنارِ خاک مدینہ میں راحتیں ملتیں
دلِ حزیں تجھے اشکِ چکیدہ ہونا تھا
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہِ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

نسیم کیوں نہ شمیم ان کی طیبہ سے لاتی
کہ صبحِ گل کو گریباں دریدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پہ خاکِ مزارِ پاک کو ناز
کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

(۷)

جب بامِ تجلی پر وہ نیّرِ جاں آیا
سر تھا جو گرا جھک کر دل تھا جو تپاں آیا
طیبہ کے سوا سب باغ، پامالِ فنا ہوں گے
دیکھوں گے چمن والو! جب عہدِ خزاں آیا
کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں آیا
جلتی تھی زمیں کیسی تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قدِ بے سایہ اب سایہ کناں آیا

(۸)

جب کہ پیدا شہِ انس و جاں ہوگیا
دور کعبے سے لوثِ بتاں ہوگیا
تھا براقِ نبی یا کہ نورِ نظر
یہ گیا وہ گیا وہ نہاں ہو گیا
نبی لو خبر آتشِ غم سے میں
تفتہ جاں، تفتہ جاں، تفتہ جاں ہوگیا
گزرے جس کوچے سے شاہ گردوں جناب
آسماں، آسماں، آسماں ہو گیا
کس کے روئے منور کی یاد آگئی
دل تپاں، دل تپاں، دل تپاں ہوگیا

طوطیِ سدرہ وصفِ رخِ پاک میں
گل فشاں ، گل فشاں، گل فشاں ہو گیا
طوطیِ اصفہا ! سن کلام رضا
بے زباں، بے زباں، بے زباں ہو گیا

(۹)

بڑھ گئی تیری ضیا، اندھیر عالم سے گھٹا
کھل گیا گیسوترا، رحمت کا بادل گھر گیا
تیری آمد تھی کی بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھر تھرا کر گر گیا
میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منھ پھر گیا
کیوں جناب بو ہریرہ! تھا وہ کیسا جامِ شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ پھر گیا
ٹھوکریں کھاتے پھروگے، ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

(۱۰)

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان
انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا
جان و دل، ہوش و خرد سب تو، مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

(۱۱)

تاب مرآتِ سحر گرد بیابانِ عرب
غازۂ روئے قمر دودِ چراغانِ عرب
اللہ اللہ بہارِ چمنستانِ عرب
پاک ہیں لوثِ خزاں سے گل و ریحانِ عرب
عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں، مرغ سلیمانِ عرب
کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستاں ہے ہر اک گوشۂ کنعانِ عرب
پائے جبریل نے سرکار سے کیا کیا القاب
خسروِ خیل ملک، خادم سلطانِ عرب
حور سے کیا کہیں، موسیٰ سے کیا عرض کریں
کہ ہے خود حسنِ ازل طالبِ جانانِ عرب

(۱۲)

پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب
پھر کھنچا دامن دل سوئے بیابانِ عرب
صدقے ہونے کو چلے آتے ہیں لاکھوں گلزار
کہ عجب رنگ سے پھولا ہے گلستانِ عرب

(۱۳)

زہے عزت و اعتلائے محمد ﷺ
کہ ہے عرشِ حق زیر پائے محمد ﷺ
مکاں عرش ان کا، فلک فرش ان کا
ملک خادمانِ سرائے محمد ﷺ
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ
عجب کیا اگر رحم فرمالے ہم پر

خدائے محمد برائے محمد ﷺ
دمِ نزع جاری ہو میری زباں پر
محمد محمد خدائے محمد ﷺ
خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے
جو آنکھیں ہیں محوِ لقائے محمد ﷺ

(۱۴)

گزرے جس راہ سے وہ سیدِ والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبرِ سارا ہو کر
رخِ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی
رہ گیا بوسہ دہِ نقشِ کفِ پا ہو کر
چمن طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغِ سدرہ
برسوں چہکے ہیں جہاں بلبلِ شیدا ہو کر
ہے یہ امید رضا کو تری رحمت سے شہا
نہ ہو زندانیِ دوزخ ترا بندہ ہو کر

(۱۵)

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گل
پامال جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل
جنت ہے ان کے جلوہ سے جویائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوالِ گل
غمگیں ہے شوقِ غازۂ خاکِ مدینہ میں
شبنم سے دھل سکے گی نہ گردِ ملالِ گل
نعتِ حضور میں مترنم ہے عندلیب
شاخوں کے جھومنے سے عیاں وجدِ حالِ گل
چاہے خدا تو پائیں گے عشقِ نبی میں خلد
نکلی ہے نامۂ دلِ پُرخوں میں فالِ گل

(۱۶)

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول
کیا غازہ ملا گردِ مدینہ کا جو ہے آج
نکھرے ہوئے جوبن میں، قیامت کی پھبن پھول
تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ محن پھول
کیا بات رضا اس چمنستانِ کرم کی
زہرہ ہے کلی جس میں حسین او رحسن پھول

(۱۷)

رشکِ قمر ہوں، رنگِ رخِ آفتاب ہوں
ذرہ ترا جو اے شہِ گردوں جناب ہوں
گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشمِ پرآب ہوں
دل ہوں تو برق کا دلِ پُر اضطراب ہوں
خونیں جگر ہوں طائرِ بے آشیاں، شہا
رنگِ پریدۂ رخِ گل کا جواب ہوں
بے اصل و بے ثبات ہوں، بحر کرم! مدد
پروردۂ کنارِ سراب و حباب ہوں
عبرت فزا ہے شرمِ گنہ سے مرا سکوت
گویا لبِ خموشِ لحد کا جواب ہوں
دل بستہ، بے قرار، جگر چاک اشک بار

غنچہ ہوں، گل ہوں، برقِ تپاں ہوں، سحاب ہوں
دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیش تر
دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں
میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پرَ لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب ''ہوں''
حسرت میں خاک بوسیٔ طیبہ کی اے رضاؔ
ٹپکا جو چشمِ مہر سے وہ خونِ ناب ہوں

(۱۸)

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
ہر چراغِ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں
ان کے ایما سے دونوں باگوں پر
خیلِ لیل و نہار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں
لاکھوں قدسی ہیں کام خدمت پر
لاکھوں گردِ مزار پھرتے ہیں

(۱۹)

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں، کوچے بسا دیے ہیں
جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں روتے ہنسا دیے ہیں
ان کے نثار! کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں
میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہادیے ہیں دربے بہا دیے ہیں
ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

(۲۰)

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شریں مقالی ہاتھ میں
ابر نیساں مومنوں کو، تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شانِ جمالی و جلالی ہاتھ میں
مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں
آہ وہ عالم کہ آنکھیں بند اور لب پر درود
وقف سنگِ درجبیں، روضے کی جالی ہاتھ میں
حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضاؔ
لوٹ جاؤں پاکے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں

(۲۱)

راہِ عرفاں سے جو ہم نادیدہ رو محرم نہیں
مصطفیٰ ہے مسندِ ارشاد پر کچھ غم نہیں
اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش

کثرتِ کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں
ایسا امی کس کے لئے منت کش استاذ ہو
کیا کفایت اس کو اقرا ربك الاكرم نہیں
ہے انہی کے دم قدم کی باغِ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہیں
سایۂ دیوار و خاکِ درہو یا رب اور رضاؔ
خواہش دیہیم قیصر شوقِ تختِ جم نہیں

(۲۲)

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
میں نثار تیرے کلام پر، ملی یو تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں
وہی لامکاں کے مکیں ہوئے، سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں
کروں مدح اہل دُول رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں

(۲۳)

وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں، شرح والشمس وضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح وثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں
تو ہے خورشیدِ رسالت پیارے چھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیا اور ہیں سب مہ پارے، تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں
اپنے مولیٰ کی ہے بس شانِ عظیم، جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم، پیر سجدے میں گرا کرتے ہیں
رفعتِ ذکر ہے تیرا حصہ، دونوں عالم میں ہے تیرا چرچا
مرغِ فردوس پس از حمدِ خدا تیری ہی مدح وثنا کرتے ہیں
جس کے جلوے سے اُحد ہے تاباں معدنِ نور ہے اس کا داماں
ہم بھی اس چاند پہ ہو کر قرباں دلِ سنگیں کی جلا کرتے ہیں
لب پر آجاتا ہے جب نام جناب منہ میں گھل جاتا ہے شہد نایاب
وجد میں ہو کے ہم اے جاں بے تاب اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

(۲۴)

چمنِ طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو
ہم سیہ کاروں پہ یارب تپش محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو
دیکھو قرآں میں شبِ قدر ہے تا مطلع فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے، وہ پیارے گیسو
بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں و اللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو
تارِ شیرازۂ مجموعۂ کونین ہیں یہ
حال کھل جائے جو اک دم ہوں کنارے گیسو
تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے
صبحِ عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

(۲۵)

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو
دیر سے آپ میں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں

کیا ہی خود رفتہ کیا جلوۂ جاناں ہم کو
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھادے وہ ادائے گلِ خندہ ہم کو
کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو
عرش جس خوبی رفتار کا پامال ہوا
دوقدم چل کے دکھا سروِ خراماں ہم کو
جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینہ کی بہار
نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو
نیّر حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ، ملے سایۂ داماں ہم کو
پردہ اس چہرۂ انور سے اٹھا کر اک بار
اپنا آئینہ بنا اے مہِ تاباں ہم کو
اے رضا وصفِ رخِ پاک سنانے کے لئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغ غزل خواں ہم کو

(۲۶)

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو
کانٹا میرے جگر سے غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو
فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو
کہتی تھی یہ براق سے اس کی سبک روی
یوں جائیے کہ گرد سفر کو خبر نہ ہو
طیر حرم ہیں یہ کہیں رشتہ بپا نہ ہوں
یوں دیکھئے کہ تارِ نظر کو خبر نہ ہو
اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آکہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو
اے شوقِ دل یہ سجدہ گران کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو

(۲۷)

مصطفیٰ خیرالوریٰ ہو
سرور ہر دوسرا ہو
اپنے اچھوں کا تصدق
ہم بدوں کو بھی نباہو
کس کے پھر ہوکے رہیں ہم
گر تمہیں ہم کو نہ چاہو
بد ہنسیں تم انکی خاطر
رات بھر رو رو کرا ہو
ہم وہی ناشستہ رو ہیں
تم وہی بحر عطا ہو
ہم وہی شایان رد ہیں
تم وہی شان سخا ہو
ہم وہی بے شرم و بد ہیں
تم وہی کان حیا ہو
ہم وہی ننگِ جفا ہیں
تم وہی جان وفا ہو
ہم وہی قابل سزا ہیں

تم وہی رحم خدا ہو
چرخ بدلے، دہر بدلے
تم بدلنے سے ورا ہو
حق درودیں تم پہ بھیجے
تم مدام اس کو سراہو
وہ عطا دے تم عطا لو
وہ وہی چاہے جو چاہو
بر تو او پاشد تو برما
تا ابد یہ سلسلہ ہو
کیوں رضا مشکل سے ڈر یے
جب نبی مشکل کشا ہو

(۲۸)

کوئی کیا جانے کہ کیا ہو
عقلِ عالم سے ورا ہو
کنزِ مکتومِ ازل میں
درِّ مکنونِ خدا ہو
تھے وسیلے سب نبی تم
اصل مقصودِ ہدیٰ ہو
سب بشارت کی اذاں تھے
تم اذاں کا مدعا ہو
سب تمہاری ہی خبر تھے
تم مؤخر مبتدا ہو
قرب حق کی منزلیں تھے
تم سفر کا منتہا ہو

سب تمہارے در کے رستے
ایک تم راہِ خدا ہو
سب تمہارے آگے شافع
تم حضورِ کبریا ہو
وہ کلس روضے کا چمکا
سر جھکاؤ کج کلا ہو
وہ درِ دولت پہ آئے
جھولیاں پھیلاؤ شاہو!

(۲۹)

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی
بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کے آیا ہمارا نبی
جن کے تلووں کا دھون ہے آبِ حیات
ہے وہ جانِ مسیحا ہمارا نبی
خلق سے اولیا، اولیا سے رسل
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دل آرا ہمارا نبی
کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی
ملک کونین میں انبیا تاج دار
تاج داروں کا آقا ہمارا نبی
لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے

ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی
غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے
بے کسو کا سہارا ہمارا نبی

(۳۰)

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
کشتگانِ گرمی محشر کو وہ جانِ مسیح
آج دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے
وسعتیں دی ہے خدا نے دامن محبوب کو
جرم کھلے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے
لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف
خرمن عصیاں پہ اب بجلی گراتے جائیں گے
سوختہ جانوں پہ وہ پر جوش رحمت آئے ہیں
آب کوثر سے لگی دل کی بجھاتے جائیں گے
آفتاب ان کا ہی چمکے گا جب اوروں کے چراغ
صر صرِ جوشِ بلا سے جھلملاتے جائیں گے
پائے کوباں پل سے گزریں گے تری آواز پر
ربِ سلم کی صدا پر وجد لاتے جائیں گے
خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں

(۳۱)

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
میرا دل بھی چمکا دے چمکا نے والے
برستا نہیں دیکھ کر ابرِ رحمت
بدوں پر بھی برسادے برسانے والے
مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

(۳۲)

کیا مہکتے ہیں مہکنے والے بو پر چلتے ہیں بھٹکنے والے
جگمگا اٹھی مری گور کی خاک تیرے قربان چمکنے والے
عرش تک پھیلی ہے تابِ عارض کیا جھلتے ہیں جھلکنے والے
گل طیبہ کی ثنا گاتے ہیں نخل طوبیٰ پہ چہکنے والے
عاصیوں تھام لو دامن ان کا وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے

(۳۳)

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے
زاہد ان کا میں گنہ گار، وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے ! تو سمجھا کیا ہے
بے بسی ہو جو مجھے پرسش اعمال کے وقت
دوستو! کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے
کاش فریاد میری سن کے یہ فرمائیں حضور
ہاں، کوئی دیکھو یہ کیا شور، ہے غوغا کیا ہے
یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا! تونے کیا کیا کیا ہے
سامنا قہر کا ہے دفترِ اعمال ہیں پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے

آپ سے کرتاہے فریاد کہ یاشاہِ رسل
بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے
سن کے یہ عرض مری بحرِ کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد 'ٹھہر نا' کیاہے
کس کو تم موردِ آفات کیا چاہتے ہو
ہم بھی تو آکے ذرادیکھیں تماشا کیا ہے
ان کی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور
اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پرواکیاہے
وہ آیا مرا حامی، مرا غم خوار امم
آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیاہے
پھر مجھے دامن اقدس میں چھپالیں سرور
اورفرمائیں' ہٹو' اس پہ تقاضا کیا ہے
یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ
چشمِ بد دور ہو، کیا شان ہے رتبہ کیا ہے
صدقے اس رحم کے،اس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے
اے رضا جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیاہے

(۳۴)

مژدہ باد اے عاصیوں ،شافع شہِ ابرار ہے
تہنیت اے مجرمو! ، ذاتِ خدا غفار ہے
عرش سا فرش زمیں ہے، فرش پا عرش بریں
کیا نرالی طرز کی نامِ خدا رفتار ہے
چاند شق ہو، پیڑ بولیں، جانور سجدے کریں
با رک اللہ مرجعِ عالم یہی سرکار ہے
تیرے ہی دامن پہ ہر عاصی کی پڑتی ہے نظر
ایک جانِ بے خطاپر دوجہاں کابار ہے
حیرتیں ہیں آئینہ دارِ وفورِ وصفِ گل
ان کے بلبل کی خموشی بھی لبِ اظہار ہے
گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضاؔ سے بوستاں
کیوں نہ ہوکس پھول کی مدحت میں وامنقار ہے

(۳۵)

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دلِ بے کس کا اس آفت میں آقا تو ہی والی ہے
گنہ گار وں کو ہاتف سے نویدِ خوش مآلی ہے
مبارک ہو شفاعت کے لیے احمد سا والی ہے
ترا قدِ مبارک گلبن رحمت کی ڈالی ہے
اسے بوکر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے
تمہاری شرم سےشانِ جلال حق ٹپکتی ہے
خمِ گردن ہلالِ آسمانِ ذوالجلالی ہے
میں اک محتاج بے وقعت،گدا تیرے سگِ در کا
تری سرکار والا ہے تر درباعالی ہے
ابوبکر وعمر عثمان وحیدر جس کے بلبل ہیں
ترا سروِ سہی،اس گلبن خوبی کی ڈالی ہے

(۳۶)

زمین و زماں تمہارے لئے،مکین ومکا ں تمہارے لئے
چنین و چناں تمہارے لئے،بنے دوجہاں تمہارے لئے
دہن میں زباں تمہارے لئے،بدن میں ہے جاں تمہارے لئے

ہم آئے یہاں تمہارے لئے اٹھے بھی وہاں تمہارے لئے
تمہاری چمک، تمہاری دمک، تمہاری جھلک، تمہاری مہک
زمین وفلک سماک وسمک میں سکہ نشاں تمہارے لئے
یہ شمس وقمر، یہ شام وسحر، یہ برگ وشجر، یہ باغ وثمر
یہ تیغ و سپر، تاج وکمر، یہ حکم رواں تمہارے لئے
صبا وہ چلے کہ باغ پھلے، وہ پھول کھلے کہ دن ہو بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے، رضا کی زباں تمہارے لئے

(۳۷)

نبی سرور ہر رسول و ولی ہے
نبی راز دار مع اللہ لی ہے
ہے بے تاب جس کے لئے عرشِ اعظم
وہ اس رہرو لامکاں کی گلی ہے
نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پر، یہ عزت ملی ہے
طلاطم ہے، کشتی پہ طوفانِ غم کا
یہ کیسی ہوائے مخالف چلی ہے
نہ کیوں کر کہوں یا حبیبی اغثنی
اسی نام سے ہر مصیبت ٹلی ہے
صبا ہے مجھے صر صرِ دشتِ طیبہ
اسی سے کلی میرے دل کی کھلی ہے
جو مقصد زیارت کا بر آئے پھر تو
نہ کچھ قصد کیجے یہ قصد ولی ہے
ترے در کا درباں ہے جبریل اعظم
ترا مدح خواں ہر نبی و ولی ہے
شفاعت کرے حشر میں جو رضا کی سوا تیرے
کس کو یہ قدرت ملی ہے

(۳۸)

نصیب دوستاں گر ان کے در پر موت آنی ہے
خدا یوں ہی کرے، پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے
اسی در پر تڑپتے ہیں مچلتے ہیں بلکتے ہیں
اٹھا جاتا نہیں، کیا خوب اپنی ناتوانی ہے
ترے منگتا کی خاموشی شفاعت خواہ ہے اس کی
زبان بے زبانی ترجمانِ خستہ جانی ہے
جہاں کی خاک روبی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے
شہا، کیا ذات تیری حق نما ہے فرد امکاں میں
کہ تجھ سا کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے
درود یں صورت ہالہ، محیط ماہِ طیبہ ہیں
برستا امت عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے
یہ سر ہو اور وہ خاک در، وہ خاک در ہو اور یہ سر
رضا وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

(۳۹)

حرزِ جاں ذکرِ شفاعت کیجئے
نار سے بچنے کی صورت کیجئے
ڈوب کر یادِ لبِ شاداب میں
آب کوثر کی سباحت کیجئے
ان کے در پر بیٹھئے بن کر فقیر

بے نواؤ فکرِ ثروت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا
ایسے پیارے سے محبت کیجئے
سر سے گرتا ہے ابھی بارِ گناہ
خم ذرا فرق ارادت کیجئے
عالم علمِ دو عالم ہیں حضور
آپ سے کیا عرض حاجت کیجئے
اپنی اک میٹھی نظر کے شہد سے
چارۂ زہرِ مصیبت کیجئے
جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضاؔ
یاد اس کی اپنی عادت کیجئے

(۳۹)

ذرے جھڑ کر تیری پیزاروں کے
تاجِ سر بنتے ہیں سیاروں کے
میرے آقا کا وہ در ہے جس پر
ماتھے گھس جاتے ہیں سرداروں کے
مجرموں چشمِ تبسم رکھو
پھول بن جاتے ہیں انگاروں کے

(۴۰)

ان پر درود جن کو حجر تک کریں سلام
ان پر سلام جن کو تحیت شجر کریں
ان پر درود جن کو کس بے کساں کہیں
ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے
شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں السلام
خوبی انہیں کی جوت سے شمس و قمر کی ہے
عرض و اثر سلام کو حاضر ہیں السلام
ملجا یہ بارگاہ دعا واثر کی ہے
شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام
راحت انہیں کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے
خستہ جگر سلام کو حاضر ہے السلام
مرہم یہیں کی خاک تو خستہ جگر کی ہے
اہل نظر سلام کو حاضر ہیں السلام
یہ گرد ہی تو سرمہ سب اہلِ نظر کی ہے

(۴۱)

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے
کھبتی ہوئی نظر میں ادا کس سحر کی ہے
چبھتی ہوئی جگر میں صدا کس گجر کی ہے
ہم جائیں اور قدم سے لپٹ کر حرم کہے
سونپا خدا کو یہ عظمت کس سفر کی ہے
ہم گرد کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ
ہم پر نثار ہے یہ ارادت کدھر کی ہے
واروں قدم قدم پہ کہ ہردم ہے جان نو
یہ راہِ جاں فزا مرے مولا کے در کی ہے
ہیں چتر و تخت سایۂ دیوار و خاکِ در
شاہوں کو کب نصیب یہ دھج کر و فر کی ہے
اپنا شرف دعا سے ہے باقی رہا قبول
یہ جانیں ان کے ہاتھ میں کنجی اثر کی ہے

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشکِ تر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گزر کی ہے
گھیرا اندھیریوں نے دہائی ہے چاند کی
تنہا ہوں، کالی رات ہے، منزل خطر کی ہے

(۴۲)

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہرِ یارِ ارم تاج دارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے بےکس کی دولت پہ لاکھوں درود
مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
طائران قُدُس جس کی ہیں قمریاں
اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبین سعادت پہ لاکوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
وہ دعا جس کا جوبن بہارِ قبول
اس نسیمِ اجابت پہ لاکھوں سلام
جس کے ہر خط میں ہے موج نورِ کرم
اس کفِ بحرِ ہمت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
میٹھی میٹھی عبارت پہ شیریں درود
اچھی اچھی اشارت پہ لاکھوں سلام
الغرض ان کے ہر مُو پہ لاکھوں درود
ان کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام

ماخذ

(۱) اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان رضا کے نعتیہ کلام کا تحقیقی اور ادبی جائزہ۔۔۔حضرت شمس بریلوی
(۲) امام نعت گویاں۔۔۔اختر الحامدی
(۳) انوار رضا۔۔۔ضیاء القران پبلی کیشنز لاہور
(۴) شب جائے کہ من بودم۔۔۔آغا شورش کاشمیری
(۵) جہان رضا۔۔۔مرید احمد چشتی
(۶) اردو میں نعتیہ شاعری۔۔۔ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق
(۷) اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔۔۔جلد نمبر ۱۰
(۸) اقبال اور احمد رضا خان۔۔۔۔راجا رشید محمود
(۹) اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔۔۔سید قاسم محمود

OOOO

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

مولانا احمد رضا خان کی اُردو نعتیہ شاعری

تاریخِ عالم کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ قوموں کا دورِ عروج افرادِ قوم کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، ماحول کی سازگاری وسائل کی ارزانی اور مناسب مواقع کی فراہمی، بلند پروازی کو تحریک دیتی ہے اور افراد کے جوہر کھلنے لگتے ہیں، مسلمان اُمت کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، مسلمانوں کے دورِ ہمایوں کی برکات کا تو اک زمانہ شاہد ہے کہ اُن کی علمی وجاہت، تحقیقی ثقاہت اور عملی کاوشوں کا ہر کہیں چرچا ہے۔ ایسے ایسے نابغۂ روزگار پیدا ہوئے کہ صفحۂ دہر پر اُن کے نقوش آج بھی روشنی کا نشان ہیں، علوم وفنون کے ایسے باب کھلے کہ دنیا ششدر رہ گئی، علم کی ہر شاخ، خواہ اُس کا حوالہ دینی ہو کہ عبادات و معاملات سے متعلق ہوں، یا اُس کا حوالہ وہ معاشرتی ومعاشی، علمی وسائنسی پیش رفت ہو جو کارِ جہاں میں آسانیوں کی افزایش کا ذریعہ بنا ہو، یا خالص فکری ونظریاتی نوعیت کا حامل ہو، مسلم علماء ومفکرین کی جولاں گاہ قرار پائی تھی، ایک خوش گوار حیرت یہ ہے کہ خالص نظریاتی ریاست جو عقاید واعمال کی مضبوط اساس پر قائم ہوئی تھی کسی ذہنی وفکری گھن کا شکار نہ ہوئی، مضبوط عقیدہ رکھتے ہوئے بھی دوسروں کے عقاید پر حملہ نہ کیا، علم کی کسی شاخ سے نظریں نہ چرائیں، ماورائی نظریات ہوں یا مادی تصورات کسی سے صرفِ نظر نہ ہوا، بلکہ ایک سازگار ماحول میں سب کا جائزہ لیا گیا، علمی اساس پر اخذ وترک کا معیار قائم ہوا، یہ رویہ ثابت کر رہا تھا کہ دین اپنے ماننے والوں کو آزادیِ فکر کی دعوت دے رہا ہے، دروازے بند کر لینا تو اُن کی عادت ہے جو کھلی ہوا میں زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، یہ ناپائیدار نظریات کے اندر سے اُٹھنے والے خوف کا نتیجہ ہوتا ہے کہ کانوں میں انگلیاں داب لی جائیں، اسلامی تعلیمات کو ایسا کوئی خوف طاری نہ تھا۔ یہ تو ابتدا ہی میں واضح کر دیا گیا تھا کہ ایمان وایقان کی نعمت سے سرفراز ہونے والے کو بے یقینی کا ڈر نہیں ہوتا جس دین کے بانی کو یہ یقین ہو کہ اُس کا ساتھ دینے والا مخالف ماحول اور معاند فضا میں بھی اپنے عزم پر قائم رہ سکتا ہے تو اُسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سُنّت ادا کرتے ہوئے آتشیں الاؤ میں بھی کود جانے کی اجازت دے دینی چاہیے، یہی اعتماد کا رویہ تھا جو ہر دور میں راہ نما ہے، یونانی افکار اور ہندی نظریات کا در کھلا مگر جسدِ ملّت میں اضطراب پیدا نہ ہوا کہ صلح حدیبیہ کی روح ہر مرحلے پر سایہ فگن رہی، 'خذ ما صفا ودع ما کدر' کا ضابطہ مسلسل راہ نما رہا، اسی کا نتیجہ تھا کہ عالمِ اسلام

علوم کا مرکز ترویج علم کا منبع اور صلاحیتوں کے نکھار کا حوالہ بنا۔

دورِ عروج کے اثرات ہمہ گیر بھی ہوتے ہیں اور ہمہ جہت بھی مگر جب زوال ڈیرے ڈالنے لگتا ہے تو پسپائی کا عمل روح فرسا ہوتا ہے۔ منفلوطی نے کہا تھا کہ آسمان کی طرف اٹھنا مشکل کام ہوتا ہے مگر اُترائیوں میں پھسل جانا بہت آسان ہے، عروج قوت و توانائی چاہتا ہے اور زوال، بے ہمتی اور ناتوانائی، خلافتِ راشدہ وہ عصرِ سعادت تھا کہ جس کی مثال کسی قوم وملت کے پاس نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ دور خالق ومخلوق کے درمیان حسین رابطوں کا مظہر ہے۔ مخلوق، خالق کی رضا کے مطابق زندگی بسر کر رہی ہے اور ربوبیتِ عامہ کے تقاضوں کو نبھایا جا رہا ہے، بنواُمیہ اور بنوعباس، مسلمانوں کے دورِ عروج کے حوالے تو ہیں کہ ان ادوار میں باہمی ناہمواریوں کے باوجود قومی عظمت کا دبدبہ قائم تھا مگر ان میں وہ روح بتدریج مضمحل ہوتی جارہی تھی جو ملّت کی اصل شناخت تھی، بغداد پر ہلاکو خاں کے حملے نے ظاہری سطوت کا بھی خاتمہ کر دیا تو مسلمان قوم بگولوں کی زد پر آگئی، نہ مرکز نہ مرکز آشنائی، ایسی مہیب صورتِ حال کسی قوم پر بھی آتی تو وہ اپنا وجود بھی برقرار نہ رکھ سکتی مگر مسلم اُمّت کے اندر جو عقیدے کی روشنی تھی اُس نے بے سروسامانی میں بھی زندہ رہنے کی ہمت عطا کی۔ زاویے، خانقاہیں، حجرے اور آستانے، نہ صرف یہ کہ اپنے وجود کو برقرار رکھنے میں کام یاب رہے بلکہ ان سے ملّت کے ناتواں جسم میں بھی حرارت قائم رہی، نظریات کی مضبوطی کا یہی ثمر ہوتا ہے جو اس کی اُمت کو حاصل رہے۔

دورِ زوال میں علم کی شمع روشن رکھنے والے لوگ بڑی توانائیوں کے حامل ہوتے ہیں، یہ لوگ درحقیقت قوموں کی بقا کی ضمانت ہوتے ہیں۔ غلامی، محکومی، نکبت، ادبار جب گھریں تو ایسے ہی علما و محققین کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا ایک حکیم فرزانہ بھی شامِ حیات میں نویدِ صبح کا پیغام بر ہوتا ہے، خوش قسمتی سے ایسے فرزانے اسی اُمّت کو دستیاب رہے، بعض تو ایک وجود میں انجمن بنے رہے، تاریخ کے صفحات پر دمکتے رہے اور روشنیاں بکھیرتے رہے، یہ تسلسل اس لیے قائم رہا کہ ترسیخِ عقیدہ کے ساتھ ہی اس کی ترتیب دے دی گئی تھی، مدینہ منورہ کی نورانی فضا اور مکہ مکرمہ کا معاندت کی گھٹن سے اٹا ماحول دو تربیت گاہیں تھیں جو آنے والے ادوار میں ہر حال میں جینے کا سلیقہ عطا کر رہے تھے۔

دورِ زوال میں بہت سی قدآور شخصیات پیدا ہوئیں جنھوں نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی شمعِ یقین کو روشن رکھا۔ تاریخ نگار اور صداقت پسند طالب علم کی جبینِ عقیدت ان سب کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ ان میں ایک نہایت بلند بام شخصیت بھی ہے جس کے بارے میں عربی ادب کے نامور استاد، ادبیاتِ عربی کے شہرت یافتہ محقق اور ایک مشہور مستشرق آرائۓ نکلس نے یہ کہہ کر اعتراف کیا تھا۔ نکلس نے لکھا کہ:

> زوالِ بغداد کے بعد مسلمان علماء میں سے
> اُسے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا جائے تو وہ
> بغیر کسی توقف کے 'امام سیوطی علیہ الرحمۃ' کا نام
> لے گا۔☆[۱]

امام السیوطی علیہ الرحمۃ کی علمی کاوشوں کو کسی محدود دائرے میں اسیر نہیں کیا جاسکتا، تفسیر سے ادب تک، لغت

سے نحو تک، تاریخ سے سوانح تک، سیرت سے خصائص تک جس حوالے سے بھی نظر اُٹھائیں امام السیوطی کی ذات فیض بار نظر آتی ہے۔ اس قدر متنوع اصناف پر اس اعتماد سے بے تکان لکھتے جانا کسی کرمِ خاص کا مظہر محسوس ہوتا ہے، میں بلاخوف تردید اسی قسم کا دعویٰ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے بارے میں کرنے میں راحت پاتا ہوں۔ وہی ماحول، ایسی ہی زوال آشنا قوم، ویسے ہی چوبائی حملے، چہار جانب دندناتے فتنوں کے سامنے سینہ سپر ہوجانا کسی توفیق پائے ہوئے مردِ مجاہد ہی کا حوصلہ ہے، یہ بات امام السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دنیا کو سمجھا دی کہ تسلیم و رضا میں استقامت کا وہی شخص حق ادا کر سکے گا جو اپنے مرکز یقین کے خصائص، خصائل، شمائل سے باخبر ہوگا اور وجود کی عظمتوں سے بھی آگاہ ہوگا، بلکہ یہ آگاہی اُس کا وجدانی اعتراف بن چکی ہو، حملے اُن پر بھی ہوئے کہ اس اعتراف میں دین کا استحکام تھا اور فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر ہوئے کہ اس اعتراف کا حوصلہ نہ رہا تھا۔ اس حوالے سے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت کچھ لکھا گیا، لکھا جا رہا ہے اور لکھا جاتا رہے گا، حقائق شماری ہی حقائق آشنائی کی تمہید ہوتی ہے۔ نظر بالغ ہو، منزل پیشِ نظر ہو اور پیش رفت کی ہمت ہو تو منزلیں قریب آجایا کرتی ہیں اور بند دروازے کھل جایا کرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اصحابِ علم اس جانب پیش قدمی کرتے رہیں گے، مجھے تو اس مختصر تحریر میں مولانا کے شعر کے حوالے سے کچھ گفتگو کرنا ہے کہ یہ آپ کا ایک امتیازی پہلو ہے۔

شعر ایک ذریعۂ اظہار ہے جو پُر کیف بھی ہے اور پُر تاثیر بھی۔ یہ انسانی وجود کے اُس توازن کا مظہر ہے جو خیالات کو منظم کرنے اور منظم خیال کو مربوط الفاظ عطا کرنے کا ذریعہ ہے۔ شعر اور شعور کا مرکز ایک ہے اسی لیے شعر کو شعور کا ترجمان کہا جاتا ہے، یہ بھی کہا گیا کہ شاعر اُس کا شعور پاتا ہے جو دوسروں کے بس میں نہیں ہوتا، یہ فطری جذبہ ہے جو لفظوں میں ڈھل جاتا ہے۔ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ جذبہ ہر کہیں موجود رہا ہے، لوگوں نے تو شعر کے حوالے سے یہاں تک بات بڑھا دی کہ کہہ اٹھے:

آں کہ اوّل شعر گفت آدم صفی اللہ بود
شعر گفتن حجت فرزندِ آدم بود[☆۲]

شعر اپنے مختلف قوالب میں اپنی سطوت منواتا رہا ہے۔ عربوں میں تو شعر کو ایک معاشرتی عظمت کا حوالہ گردانا جاتا تھا۔ صحرائے عرب کا کونہ کونہ نغمہ ریز تھا، معلقات جو عربوں کی مجموعی کاوشِ شعر کا حسین ترنمونہ ہے اس قدر لائقِ احترام تھے کہ کعبۃ اللہ کی دیواروں پر آویزاں کردیے جاتے تھے، اسلام نے جہاں تہذیب و ثقافت کے ہر مظہر کو تابانیاں بخشیں شعر بھی اس کرم فرمائی سے محروم نہیں رہا۔ شعر کی اثر آفرینی کو تسلیم کیا گیا۔ اس کے ضابطوں کی پاس داری کی گئی۔ ردیف، قافیہ، وزن غرض کہ اس کا ہیولہ ویسا ہی رہا کہ یہ موسیقی الکلام کی حد بندیوں میں تھا۔ یہ ضرور ہوا کہ لفظوں کو مزید حرمت عطا کی گئی۔ خیال کو صداقت کی رفعت ملی، شعر گوئی کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا مگر اس صلاحیت کو پابندِ آداب بنایا گیا، اس طرح شعر کی شوکت بھی قائم رہی اور یہ شعور کا سچا ترجمان بھی بنا، اعترافِ صدق نے باب صداقت کی راہ دکھائی تو یہ

صداقتوں کا علم بردار بن گیا اور زندگی سے قریب تر ہو گیا۔ حضرت حسان اس قافلۂ شعر کے امام قرار پائے اور یہ امامت اس قدر مستحکم ہوئی کہ بعد میں آنے والے ہر کسی نے اس کا حوالہ دیا اور اس نسبت پر ناز کیا، فاضل بریلوی کو بھی اسی نسبت پر فخر ہے۔ فرماتے ہیں:

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغانِ دلِ زار حدی خواں بس ہے
رہ بر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
قدمِ حضرت حساں بس ہے ☆۳

عصرِ اموی اور دورِ عباسی جو اشاعتِ علم کے حوالے سے معتبر ادوار ہیں، میں بھی شعر کی وہی شوکت قائم رہی۔ مسلمان علماء نے مسندِ علم بچھائی مگر وہ مجلسِ شعر کی اثر آفرینیوں سے بھی غافل نہیں رہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ تک فقہ وحدیث کے مراکز اپنی تمام تر علمی منزلت اور فقہی جمال کی شعری روایت سے غافل نہیں رہے۔ ان شعری نشستوں میں 'مدحِ رسالت' ایک مرکزی جز کے طور پر ہمیشہ ہی شامل رہی۔ یہ حسین روایت مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ملک ملک اور شہر شہر قائم ہوئی۔ مدحیہ شاعری کے مشتملات کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فیض بخشی کو ہمیشہ ملحوظ رکھا گیا بلکہ 'نعت' کی قبولیت اور اس کی فنی رفعت کو عہد صحابہ کے معیار پر ہی پرکھا گیا، اگرچہ حالات کا تناظر اثر انداز ہوتا رہے مگر یہ احتیاط ضرور کی گئی کہ سابقین کی حدود کی حفاظت کی جائے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عصری تقاضوں، قومی درد اور ذاتی مصائب کو شعر کی زبان ملی اور پھر بعد کے ادوار میں اس کو ایک مستحسن مثال کے طور پر قبول کر لیا گیا، استغاثوں میں شدت، پکار میں والہانہ پن اور اظہار درد کی بے ساختگی اسی کا فیضان ہے۔ سیاسی ومعاشرتی حالات براہِ راست ملی افکار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ شعران اثرات سے بھی محفوظ نہیں رہتا، زوال بغداد سے قبل کی شاعری اور اس کے بعد کی شاعری میں فرق اس قدر نمایاں ہے کہ ہر تحریر میں اس کا اعتراف موجود ہے۔ یہ فطری تقاضا تھا کہ اس کے نتیجہ میں استغاثے کی شدت نمایاں ہو جائے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اس زوال کے چشم دید گواہ تھے۔ یہ زوال ماحول سے ذات تک ممتد ہو گیا تھا۔ سماجی اضطراب اُن کے جسم کا فالج بن گیا تھا۔ اسی لیے ذاتی پکار قومی درد میں ڈھل گئی اور 'قصیدۂ بردہ' وجود میں آیا۔ برصغیر ہند بھی ایسے ہی حالات سے گزر رہا تھا۔ مسلمان حکومت پسپا ہو رہی تھی۔ استعمار کا حملہ شدت اختیار کر چکا تھا، حتیٰ کہ مرکزیت اور سطوت کا نشان بھی مٹا دیا گیا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ایک مفتوح قوم کا ردِّعمل تھی مگر بوجوہ کامیاب نہ ہو سکی۔ اس لیے اب ملت کے تحفظ کی ذمہ داری کا سارا بوجھ علما وصوفیہ پر آ گیا تھا، بحمد اللہ ان بزرگوں نے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا، غلامی کے دور میں نظریات کا اجلا پن قائم رہ سکے تو قومیں زندہ رہا کرتی ہیں۔ معاشرتی اعمال پر یورپ کی یلغار تھی، رویے بدل رہے تھے، ایسے جاں کاہ حالات میں نظریات سلامت رہ جائیں تو مستقبل محفوظ ہے۔ اس لیے ساری کاوشیں اسی تحفظ وصیانت پر خرچ ہوئیں۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی تقاضائے وقت کی شدت محسوس کر رہے تھے

اس لیے اُن کے ہاں اس پہلو کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ مولانا دراصل وہی فریضہ انجام دے رہے تھے جو ایک نازک موڑ پر امام غزالی نے انجام دیا تھا کہ عقاید، تسلیمات اور ایمانیات ہر فلسفے کا غبار محیط ہوتا جارہا تھا، فلسفے کے لوازمات کو اسی خوبی اور پامردی سے پیش کیا کہ نہ عقلی تقاضے رد ہوئے نہ دین کی مسلمات سے اعراض ہوا۔ برصغیر میں یہی فریضہ حضرت مجدد الف ثانی بھی ادا کر چکے تھے صیانتِ عقاید کے حوالے سے آپ کی مساعی ہی کا نتیجہ تھا کہ نظریات پر غبار نہ آیا۔ مولانا بریلوی کو بھی ایسا ہی مرحلہ پیش تھا، مشکلات فزوں تر تھیں کہ غلامی کا روح فرسا گھیرا تھا، ایسے دور میں صلاحیتیں نئی مثل نہیں ہوتیں۔ مقاومت کا جذبہ بھی سرد پڑ جاتا ہے، نظریاتی نبرد آزمائی برسرِ میدان معرکہ آرائی سے زیادہ گمبھیر ہوتی ہے کہ مقابل پردہ نشین ہوتا ہے۔ ایسے حالات بہت سے کوتاہ نظریوں کو جنم دیتے ہیں مگر جسے دُور تک دیکھنے کی توفیق حاصل ہو اور جسے کسی کے سامنے چندھیا جانے کی عادت نہ ہو، وہ دھندلکوں میں بھی بالغ نظری کا ثبوت دیتا ہے۔ مولانا کو اس کا احساس تھا اس لیے انھوں نے بار بار اسی پر انتباہ بھی کیا اور علمی وجاہت اور ایمانی قوت سے اس کا تجزیہ بھی کیا تاکہ ابہام کی ہر صورت بے نقاب ہوجائے، اُنھوں نے متنبہ کرتے ہوئے کہا تھا:

سُونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والے جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چُرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے ☆[۴]

مولانا ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب جنگ آزادی آخری مرحلوں پر آگئی تھی۔ بچپن ایسے گھرانوں میں گزرا جہاں علم وعمل کا حسین امتزاج تھا مگر ریاستی فضا غلامی کے سایوں سے داغ دار ہوچکی تھی۔ علوم کی اُن تمام شاخوں سے آشنا ہوئے جو مروج تھیں مگر ان پر عصری تقاضوں کے حوالے سے خالص علمی وسائنسی علوم کا اضافہ کیا تاکہ کوئی دعویٰ کسی معتبر دریافت سے نہ ٹکرائے اور بے خبری کا طعنہ راستہ نہ کاٹے۔ علما پر یہ اعتراض اکثر حلقوں سے لگایا جارہا تھا کہ وہ صرف منقولی علم سے آشنا ہوتے ہیں اور ان علوم کی حدود بھی کسی پُرانی صدی کے کسی دورانیے پر ٹھہر چکی ہوتی ہیں۔ مگر فاضل بریلوی پر اس الزام کی کوئی صورت نہ نکلی کہ اُنھوں نے اپنی ذہانت کی عظمت اپنوں اور غیروں سے منوائی تھی۔ اس حقیقت کا اظہار رابعہ ازھر کے ڈاکٹر محی الدین الوائی نے یوں کیا ہے:

قديماً قيل ان التحقيق العلمي الاصيل والخيال الذهني الخصيب لا يجتمعان في شخصٍ واحدٍ ولكن مولانا احمد رضا خان كان قد برهن على عكس هذه النظرية التقليدية كان شاعراً ذا خيال وتشهدله بذلك دواوينه الشعرية باللغات الفارسية والاردية والعربية المعروف باسم 'حدائق بخشش' حدائق المعطيات ومدح الرسول ﷺ مشهور في اوساط شعر الهند بجانب المؤلفات القيمة في علوم الفلسفة والفلك

والریاضیۃ والدین والادب۔

یعنی یہ قدیم خیال ہے: کہا گیا کہ خالص علمی تحقیق اور زرخیر، نازک خیالی ایک شخص میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں کی ذات میں اس تقلیدی نظریے کا عکس نمایاں ہے۔ آپ نازک خیال شاعر بھی تھے جس پر اُن کے شعری دیوان جو 'حدایقِ بخشش' یعنی 'حدائق المعطیات' کے نام سے موسوم ہیں جن میں فارسی، اُردو اور عربی زبانوں میں کہے گئے اشعار ہیں، مدحِ رسالت تو ہند کے حلقوں میں مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کی فلسفہ، فلکیات، ریاضی اور دین و ادب میں تالیفات بھی ہیں۔☆۵

اس وسعتِ علمی کے ساتھ اُنھوں نے سرورِ دوجہاں ﷺ سے پیمانِ وفا باندھا تھا جس سے علم کو روحانی قوت بھی حاصل ہوگئی تھی۔ آپ جاننے کی صلاحیتوں سے بڑھ کر مشاہدے کے اعتبار تک رسائی پا گئے تھے اور علم جب مشاہدہ بن جائے تو پھر معلومات کی دروبست سے گزر کر واردات کے ایقان میں ڈھل جاتا ہے جس سے اعتماد بھی آتا ہے اور یقین کی بالیدگی بھی حاصل ہوتی ہے۔ خود فرماتے ہیں اور نصیحت افروزی کا حق ادا کرتے ہیں۔

> تبدیلِ احکام الرحمن اور اختراع احکام الشیطان سے ہاتھ اُٹھاؤ، مشرکین سے اتحاد توڑو۔ مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول ﷺ کا دامنِ پاک تمھیں اپنے سایے میں لے — دنیا

نہ ملے دین تو اُن کے صدقے میں ملے۔☆۶

اس سے مولانا کی ذہنی ساخت اور قلبی میلان کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ تاثر ہر اُس شخص کا ہے جس نے کسی حوالے سے بھی مولانا کی نگارشات کا مطالعہ کیا ہے اس سے یہی مترشح ہوا ہے کہ آپ کے ہاں مطلوب و مقصود محبتِ رسول ﷺ ہی ہے کہ آپ اس محبت کو ہی اساسِ دین سمجھتے تھے۔ برصغیر کے حالات تو اس کے زیادہ ہی متقاضی تھے کہ اس پہلو کو نمایاں تر کیا جائے۔ اس حوالے سے اُن کے ہاں جذبات کی شدت واضح طور پر محسوس ہوتی ہے، ہوسکتا ہے ادب کے بعض قاری اس کو ادب کے مروّجہ زاویوں سے قدرے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھیں مگر ایک نظریاتی قاری اس کی افادیت سے انکار نہیں کرسکتا۔ مولانا تو اس وابستگی کو حاصلِ ایمان سمجھتے ہیں اسی لیے وہ ادب کو جو ایک انسانی رویہ ہے اس سے مستثنیٰ نہیں جانتے۔ حیرت ہوتی ہے جب اُن کی احتیاط اور عقیدت اس حد تک آجاتی کہ:

> آپ حدیث کی کتابوں کے اوپر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر اقوالِ رسول ﷺ کی ترجمانی فرمارہے ہیں اور اس درمیان کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدہ خاطر ہوتے۔☆۷

یہ رویہ ہر حوالے سے موجود رہا۔ کسی نے نعت کا مصرع یوں ترتیب دیا کہ 'سب باغِ جہاں کے مالی' تو برداشت نہ ہوا مالک سے بدل دیا کہ مولیٰ کریم ﷺ کو مالی کہنا خلافِ ادب ہے۔' اس عقیدت کا اظہار بار بار اور کئی بار ہوا۔ اس کا

مربوط اور منضبط اظہار مولانا احمد بخش کے عربی قصیدے کی اصلاح میں ہوا جس کا ہم بعد میں تذکرہ کریں گے۔ مولانا کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ تصنیفات کی نوعیت بھی مختلف ہے کہ بیسیوں اطراف کو محیط ہیں۔ موضوعات کا تنوع بھی ہے اور اسلوبِ نگارش کی بوقلمونی بھی۔ ہر پہلو مستقل جائزے کا حق رکھتا ہے۔ اس مختصر تحریر میں صرف شعر کا حوالہ ہے۔ آپ عربی شعر پر اہلِ زبان کی سی دسترس رکھتے ہیں، عربی شعر کے حوالے سے اُن پر رابعہ ازھر میں تحقیقی مقالہ بھی لکھا گیا۔ یہ سعادت محترم مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے صاحب زادے ممتاز احمد سدیدی کو حاصل ہوئی۔ میرا ایک مقالہ 'فاضل بریلوی کی عربی نعتیہ شاعری' معارف رضا میں چھپ چکا ہے۔ اس لیے یہ گفتگو زیادہ تر اُردو شعر کے حوالے سے پیش کی جارہی ہے۔ مولانا فارسی شعر بھی کہتے تھے اگرچہ ان کی تعداد کم ہے مگر جو کچھ لکھا گیا لایقِ توجہ ہے، اُردو شعرِ نعت میں ہر جہت سے محققین نے اپنی نگارشات پیش کی ہیں۔ عقیدت مندانہ جائزہ بھی لیا گیا اور خالص علمی رویوں سے بھی محققانہ تبصرے ہوئے، مستقل کتب بھی لکھی گئیں اور عمومی جائزوں میں بھی تفصیلی تذکرے ہوئے۔ 'اُردو کی نعتیہ شاعری' کے موضوع پر پی ایچ ڈی سطح کے مقالوں میں آپ کا ذکر پورے احترام سے ہوا، ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق کا تبصرہ اور ڈاکٹر ریاض مجید کا بھرپور جائزہ اُردو ادب کے تحقیق نگاروں کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاکٹر اشفاق نے تو یہاں تک کہا:

> یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ان جیسے دل و دماغ کے علماء کم پیدا ہوئے ہیں۔ ☆۸

دیوان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> یہ دیوان شروع سے آخر تک ایسی عقیدت اور محبت سے بھرپور ہے کہ ایک دین دار اگر اسے اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھے تو کوئی بعید نہیں۔ ☆۹

سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی نے افتخار اعظمی کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے۔ اعظمی صاحب فرماتے ہیں کہ

> مولانا احمد رضا خاں عالمِ دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ اس لیے اُن کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی حالاں کہ اُن کا کلام اس پائے کا ہے کہ اُنھیں طبقہ اولیٰ کے نعت گو شعرا میں جگہ دی جانی چاہیے۔ اُنھیں زبان اور فن پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اُن کے ہاں تکلف و تصنع بالکل نہیں بلکہ بے ساختگی ہے۔ چوں کہ رسولِ پاک ﷺ سے اُنھیں بے پناہ محبت ہے۔ اس لیے اُن کا نعتیہ کلام شدتِ احساس کے ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار ہے۔ ☆۱۰

نیاز فتح پوری سے محمود احمد قادری رضوی کی مولانا کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ نیاز فتح پوری کا کہنا تھا:

> میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کو دیکھ چکا ہوں۔ وہ غیر معمولی علم و فضل کے مالک تھے، ان کا مطالعہ وسیع بھی تھا اور گہرا بھی تھا، ان کا نورِ علم ان کے چہرے بشرے سے بھی ہویدا تھا، فروتنی و

خاک ساری کے باوجود اُن کے روئے زیبا سے
حیرت انگیز حد تک رعب ظاہر ہوتا تھا۔

مزید کہا:

شعروادب میرا خاص موضوع اور فن ہے۔
میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب
پڑھا ہے۔اُن کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے
والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگیِ
رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔اُن کے کلام سے اُن
کے بے کراں علم کے اظہار کے ساتھ افکار کی
بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

یہ اعتراف بھی کیا کہ:

یہ حق ہے کہ مولانا کی نگاہ عروض محاورات،
نکاتِ فن پر بھی گہری تھی۔☆[۱۱]

ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے پی ایچ ڈی ڈگری کے لیے لکھے گئے مقالے میں

مولانا کی نعتیہ شاعری کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اُن کے نزدیک مولانا اُردو نعت کے حوالے سے محسن کاکوری کے بعد ایک عظیم تر اور صاحبِ کمال شاعر ہیں۔ایک طویل تبصرہ جس میں اختیارِ کلمات، ضم مفردات اور ترکیبِ کلام کے ساتھ معانی و افکار کی عظمت کو سراہا گیا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

اُردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فردِ واحد نے
شعرائے نعت پر سب سے گہرے اثرات مرتسم کیے
ہوں تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا خاں کی ذات ہے۔☆[۱۲]

مزید لکھتے ہیں:

تبحرِ علمی، زورِ بیان اور وابستگی و عقیدت
کے عناصر ان کی نعت میں یوں گھل مل اور رچ
بس گئے ہیں کہ اُردو نعت میں ایسا خوش گوار
امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔☆[۱۳] اور
آخر یہ فیصلہ دیا کہ اُردو نعت کی ترویج واشاعت
میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک
شاعر نے اُردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو
مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی نے۔ اُنھوں
نے نہ صرف یہ کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ
ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی
تشکیل ہوئی۔☆[۱۴]

حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے ذوقِ نعت اور قدرتِ کلام کی ہر صاحبِ فن نے تعریف کی اُن کی (کہی) نعت کے ممیزات کا ذکر کیا گیا، حرف و معنیٰ کے حسن پر داد دی گئی، محبت و عقیدت کی پُر جوش مگر محتاط فضا کا ذکر ہوا، ان کی (کہی) نعتیں محافل کی زینت اور مجالس کا وقار بنیں۔ اُن کے افکار سے روشنی حاصل کی گئی اور اُن کے جذبوں کو اپنانے کی کوشش کی گئی۔بہتر ہوگا کہ 'حدائقِ بخشش' کے گلستانِ کرم کا مختصر سا جائزہ لے لیا جائے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ انتخاب خالص ذاتی ذوق کا غماز ہوتا ہے، اگر چہ بعض انتخاب، تخلیقی عمل سے بھی برتر مقام پا لیتے ہیں۔ کتاب ''الحماسہ'' ایک انتخاب ہے مگر یہ کہا گیا کہ ابو تمام اس اختیار شعر میں اپنے اشعار سے بھی بڑا نظر آتا ہے۔ضرورت ہے کہ مولانا کے دواوین کا ایسا انتخاب ہوجائے جو اُن کے نظریۂ شعر کا عکاس

بھی ہو اور عام قاری کو طویل مطالعہ کی محنت سے آسانیاں مہیا کرے۔ اگر چہ بالاستعیاب مطالعہ کرنے والے پر یہ حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے کہ مولانا جن قصاید میں جو زیادہ طویل بھی لکھ گئے ہیں وہاں بھی معیارِ شعر اپنی بلندیوں پر ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ علمی مرتبہ کی سطوت بھی مسلسل قائم ہے اور جذبوں کی صداقت بھی بلا استثنا قائم ہے۔ مولانا مرحوم کے موضوعات شعر کا جائزہ واضح کرتا ہے کہ اُن کے ہاں انتخابِ موضوع میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تتبع کیا گیا ہے اور یہ وجدانی مگر شعوری کوشش ہے کہ آدابِ شریعت میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ یہ پابندی راستے کی دشواریوں کا پتا تو دیتی ہے مگر مولانا کی ذات اپنے تمام اعمال و کوائف میں اس قدر پابندِ شریعت ہے کہ اُسے اس پابندی میں اپنا پن ہی محسوس ہوتا ہے۔ اسی لیے تو آپ اپنا نظریۂ شعر یوں بتاتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ ☆۱۵

مزید کہا:

مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کے خلاف
لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو ☆۱۶
ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ ہر واروی تھی کیا کیسے قافیے تھے ☆۱۷

شعر مقصود نہ تھا، شعری صلاحیت کو بھی نذر کرنا تھا کہ ایمان یہ تھا کہ سب کچھ قربان ہو جائے شعر گوئی کسی ادبی روایت، مجلسی منزلت یا اظہار کرامت نہ تھی۔ خواہش صرف یہ تھی کہ جنت کی بار بار بشارت پانے والے مداحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف مل جائے۔

کرمِ نعت کے نزدیک تو کچھ دُور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگِ حسانِ عرب ☆۱۸

عقیدت کی یہی فضا تھی کہ جس میں فاضل بریلوی نثر و نظم کے موتی بکھیر رہے تھے۔ محبت کرنے والے ان موتیوں کو چن رہے تھے مگر یہ ضروری نہیں ہوتا کہ یہ عقیدت مندانہ فضا سب کے لیے خوش گوار جذبوں کو جنم دے، اختلاف علمی وقار کے ساتھ ہو تو فایدہ مند ہوتا ہے کہ اس سے تحقیقی پیش رفت کی راہیں کھلتی ہیں مگر جب اس کے سوتے معاندت سے جڑنے لگیں تو وحدتِ اُمت میں شگاف پڑتے ہیں، بہتر ہوگا کہ مضامین شعر کا جائزہ لینے سے پہلے اُن اوہام کو دور کر لیا جائے جن کی بنیاد پر اعتراضات اُٹھ رہے ہیں۔

بعض حلقوں سے یہ سوال اُٹھایا جا رہا ہے کہ نعت میں ایسے خیالات لائے جا رہے ہیں جو دین کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہیں۔ اس اعتراض کو نہ مجموعی شکل میں قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کلیتاً رد کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ بعض لوگ جنھیں صلاحیتِ شعر حاصل ہے اور وہ عروض و قوافی کے قوانین سے آشنا ہیں مگر انھیں تعلیماتِ اسلام کی حدود سے لایقِ اعتماد شناسائی نہیں ہے۔ وہ دانستہ یا نادانستہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں جو مناسب نہیں بلکہ غیر مناسب ہے مگر یہ ضرور یاد رہے کہ ایسا اُن لوگوں سے سرزد ہو رہا ہے جو شریعت کے ضابطوں کو نہیں جانتے، یہ کوتاہی اور نارسائی ہی بعض اوقات

ایسی لغزشوں کا سبب بنتی ہے،اس تسلیم کے باوجود یہ واضح رہنا چاہیے کہ فاضل بریلوی اس حوالے سے کسی نکتہ چینی کا ہدف نہیں ہیں کہ اُن کی شرکتِ علمی اور تحقیقی وفقہی شعور کا سب کو اعتراف ہے۔شریعت کے رموز سے آشنا وجود جو اپنے فنِ نعت کو بھی احکامِ قرآن اور اتباعِ حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے وابستہ رکھے اور لفظ لفظ پر تقدیس کی چادر کا سایہ رکھے اُس سے کسی شعر یا مصرع میں بے ربط ہوجانا کیسے متوقع ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں خواہ نثر میں ہوں یا نظم میں، اُس میں اُن کے عقاید کا پرتو ہے۔ پوری شعوری کوشش اور علمی مجاہدے کے بعد جو کچھ وہ تسلیم کر چکے ہیں اُسی کے اظہار میں پوری قوت خرچ کرتے ہیں۔نہ نثر میں اُن کا قلم اُن کے قائم کیے گئے ضابطوں سے ہٹا ہے اور نہ نظم میں شعری ضرورت یا تقاضاے ردیف وقافیہ نے اُنھیں حدود سے تجاوز کرنے پر مجبور کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ معترضین کو اُن کے عقاید ونظریات سے اختلاف ہے۔اس اختلاف پر اُن کی بھی نظر تھی اس لیے انھوں نے ترجمۂ قرآن سے لے کر فتاویٰ نویسی تک اس اختلاف کا ردّ کیا ہے اور اپنے نظریات جو اُن کے نزدیک اسلافِ اُمّت کا ورثہ ہے۔ پر مضبوطی سے جمے رہنے کو ترجیح دی ہے، اُنھوں نے جو شعر میں کہا باقی تحریروں میں بھی اُسی پر قائم رہے۔ اس لیے یہ اعتراض اُن کی نعت کے حوالے سے نہیں ہے۔ یہ بے خبری کا شاخسانہ ہے اور کبھی تنقید برائے تنقید کا نتیجہ، مولانا کا اپنا موقف یہ ہے:

نہ ہو آقا کو سجدہ آدم و یوسف کو سجدہ ہو
مگر سدّ ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا ☆[19]

جوشِ محبت، حدود شکنی کا محرک ہوا کرتا ہے مگر اتباعِ شریعت کی قوت کا اندازہ کیجیے۔مثلاً فرماتے ہیں:

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو ☆[20]

پاسداریِ شریعت اور وارفتگیِ محبت کا کس قدر حسین امتزاج ہے۔ایک اور مثال:

پیشِ نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے، ہاں یہی امتحان ہے ☆[21]

غور فرمایئے جو اپنے آپ کو امتحان گاہ میں محسوس کرلے اُن کے ہاں نتائج مرتب کرنے کی کوتاہی کیسے ہوسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کے ہاں شریعت کی پابندی، عشق ومحبت کی وارفتگی میں بھی راہ نما ہے۔ایسے ادب شناس لڑکھڑایا نہیں کرتے۔

ایک اور رویہ جو بعض اہلِ قلم کے ہاں انگشت نمائی کا باعث بنتا ہے وہ یہ کہ مولانا سخت طبیعت رکھتے ہیں۔جلد فتویٰ لگا دیتے ہیں،شعر میں بھی اُن کی کاٹ شدید ہے،اُسی قسم کے خیالات کا اظہار اُن افراد نے کیا ہے جو اُن سے بعض مسائل میں اختلاف رکھتے تھے مگر علمی وجاہت کے قائل تھے۔علامہ اقبال سے بھی اسی قسم کا اظہارِ خیال روایت ہے کہ:

اگر اُن کے مزاج میں شدت نہ ہوتی تو وہ اپنے زمانے کے ابوحنیفہ مانے جاتے۔ ☆[22]

ان تمام خیالات اور آرا میں یہ مرکزی نکتہ ملحوظ رہا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ رائے صائب ہی کا اثر ہے اگرچہ پیش کش کا انداز سخت ہے۔ یہ ایک مغالطہ ہے، بات درست ہو

اور کہنے والے کو اس کی حقانیت پر وجدان کی حد تک یقین ہو تو وہ پوری قوت سے اسی کا اظہار کرتا ہے اور اگر اس اظہار کی مخالفت میں نامناسب رویہ اپنایا جائے تو شدت کا میلان پیدا کرتا ہے۔ فاضل بریلوی عقاید میں سختی کے قائل تھے اور یہ برصغیر کے تناظر میں اور بھی چھلکنے لگا تھا، مبالغہ ایضاحِ معنیٰ میں معاون ہوتا ہے کہ تصور یہی رہا تھا کہ مدحِ رسالت کا حق ادا نہیں ہوتا، اس حوالے سے مبالغہ بھی کمی کا ہی احساس دیتا ہے۔ علامہ ابن فارض نے کہا تھا:

اری کل مدحٍ فی النبی مقصراً وان بالغ
المثنیٰ علیه واکثر ☆۲۳

برصغیر کے سیاسی و مجلسی پس منظر کا جائزہ لیا جائے اور ہندو اکثریت کے قرب کو ذہن میں رکھا جائے اور پھر ہندومت کے تصورِ الٰہ کا مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ ہندو مذہب میں 'خدا' کا تصور مادی آلائشوں میں اسیر ہوگیا تھا، دیوتا شادی کرتے تھے، اولاد بھی تھی، جنسی بے راہ روی بھی اُن کا استحقاق تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے اوتار اور دیوتا کا فرق کم سے کم تر ہوگیا تھا حتیٰ کہ بعض معاملات میں ایک سے ایک رویے اپنائے گئے تھے۔ خالق جو برتر اور لافانی وجود تھا۔ بعض خوارق کے باوجود انسان کے قریب آ گیا تھا، مجلسی قرب نے غیر شعوری طور پر بعض اذہان میں تصورِ الٰہ کو بھی اس کوتاہ خیالی کا اسیر بنا دیا تھا، اس لیے جب بھی ذاتِ رسالت ﷺ کی عظمت، برتر حیثیت اور بے مثال رفعت کا ذکر ہوتا، خدا بنا دینے کا واہمہ پیدا ہوتا، یہ درحقیقت ذات رسولِ اکرم ﷺ کے حوالے سے مبالغہ آمیزی کا اثر نہ تھا بلکہ ذاتِ الٰہ کے بارے میں انسانی حوالوں سے کم تر سوچ کا سبب تھا، وہ ذات پاک اپنی منزہ حیثیت کی حامل رہے تو کسی بے جا قرب کا وسوسہ پیدا نہیں ہوتا۔ فاضل بریلوی ذاتِ رسالت پناہ ﷺ کی بے پناہ عظمتوں کے قائل تھے، ہر حسن جو متصور ہے اُس ذات میں دیکھتے تھے مگر اُن کے ذہن میں یہ خیال کبھی نہ آیا کہ 'ذاتِ الٰہ' میں شرکت کا باعث ہوگا، اس لیے کہ وہ خالق اور مخلوق کے فرق کو پوری شعوری قوت سے تسلیم کرتے تھے اور التباسِ ذات کے کسی واہمہ کے شکار نہ تھے، محبت، عقیدت حتیٰ کہ عشق و سرمستی کی کیفیات میں بھی وہ حکیمِ فرزانہ تھے اور مقام کی رفعتوں سے آشنا تھے، اُن کے فتاوے اس حقیقت میں اس قدر واضح نہیں کہ ایسا کوئی خیال اُن کی ذات پر چسپاں نہیں ہوتا استغاثہ اور توسل کے سوال پر کہ کیا یہ رسولِ اکرم ﷺ اور اولیاء کرام سے جائز ہے! کے جواب میں جواز کا تحریر کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا:

> انھیں بندۂ خدا اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ جانے اور انھیں باذنِ الٰہی والمدد براتِ امراً سے مانے اور اعتقاد کرلے کہ بے حکمِ خدا ذرہ نہیں ہل سکتا اور اللہ عزّوجل کے دیے بغیر کوئی ایک حبہ نہیں دے سکتا، ایک حرف نہیں بن سکتا، پلک نہیں ہلا سکتا۔ ☆۲۴

سوچیے جو سجدۂ تعظیمی پر حرمت کا فتویٰ دے اور قرآن و حدیث اور نصوص فقہ سے اس حرمت پر قطعی دلائل قائم کرلے ☆۲۵ اُس سے تجاوز عن الشریعۃ کی کیسے توقع ہوسکتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ اُن کی نعتوں میں بعض مقامات پر اشارۃً اور کبھی صراحۃً اُن افراد کا رد موجود ہے جن کے نظریات کو وہ

بارگاہِ رسالت میں نامناسب، غیر محتاط اور بعض اوقات لائقِ گرفت سمجھتے تھے۔ ایسے خیالات پر اُن کا جوشِ عقیدت کسی مداہنت کا قائل نہیں ہے۔ اگرچہ فتویٰ لگانے میں اُن کی احتیاط بھی دیدنی ہے، اکثر یوں ہی ہوا کہ خیالات کا رد کیا، نظریات کو دین سے انحراف اور کفر کہا، نظریات کی تردید اُن کے سارے کلام بلکہ نثری نگارشات میں بہت واضح ہے۔ یہ اُن کا ذوقِ ایمان اور تحفظِ عقیدہ کا مسلک تھا، کوئی ذاتی پرخاش یا مفادات کا ٹکراؤ نہ تھا، یہ نظریاتی مبارزت تھی جو پُرجوش بھی تھی اور بِلا کسی حجاب کے بھی تھی۔ اُن کا یہ اعلان بڑا برملا تھا:

خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے ذکر اُن کا سناتے جائیں گے ☆۲۶

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر، کرے فیض و جود ہی سربسر
ارے تجھ کو کھائے تپِ سقر، ترے دل میں کس سے بخار ہے ☆۲۷

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہوجائیں جل جانے والے ☆۲۸

کلکِ رضا ہے خنجرِ خوں خوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں ☆۲۹

کرے مصطفی کی اہانتیں، کھلے بندوں اِس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی! ارے ہاں نہیں! ارے ہاں نہیں! ☆۳۰

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں اُمّت رسول اللہ کی ☆۳۱

شعروں کا آہنگ اور انتخابِ کلمات کا تیور بتا رہا ہے کہ یہ صرف باہمی مبارزت نہیں، یہ تو عقیدے کی پختگی اور نظریے کی صلابت کا اظہار ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان تمام دفاعی معرکوں کے باوجود انھوں نے ملت کے افراد کے درمیان کسی معرکہ آرائی کی دعوت کبھی نہ دی۔ محسوس ہوتا ہے کہ اُن نظریات سے بچنے کی دعوت دے رہے ہیں جو اُن کے نزدیک غیر صالح تھے۔ اسی لیے تو اپنوں کو ان نظریات سے قلبی وابستگی کی دعوت بھی دیتے تھے۔ مثلاً کہتے ہیں:

حاکم حکیم داد و دوا دیں نہ کچھ یہ دیں
مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے ☆۳۲

بے اُن کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط، یہ ہوس بے بصر کی ہے ☆۳۳

بے خودی میں سجدۂ در یا طواف
جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا ☆۳۴

بیٹھتے اُٹھتے مدد کے واسطے
یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا ☆۳۵

کچھ وہ اہلِ محبت کو انتباہ بھی کرتے ہیں کہ

خشک ہے خون کہ دشمن ظالم
سخت خوں خوار ہے کیا ہونا ہے ☆۳۶

اور کبھی برملا للکارتے ہیں:

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے ☆۳۷

یہ شعر پڑھتے ہی حضرت حسان کا قصیدہ یاد آجاتا ہے۔ اُن کے ہاں دفاعِ رسالت کی شدت بڑی اثر آفریں ہے۔ تردید میں حجاب نہیں رہا 'ابوسفیان' کا نام لے کر مخاطب کیا اور صرف متوجہ ہی نہیں کیا۔ تین صفات ذمیمہ کا ذکر کردیا اور آخر میں اپنے شعروں کی کاٹ کا اعلان بھی کیا۔ مثلاً:

الا ابلغ ابا سفیان غنی
فانت مجوف نخب هواء
لسانی صارم لا عیب فیه
وبحری لا تکدره الدلاءُ☆۳۸

فاضل بریلوی کی اردو نعتیہ شاعری 'حدائقِ بخشش' کے تین حصوں میں موجود ہے۔ جب کہ عربی شعر بساتین الغفران میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ مولانا مرحوم کی اُردو نعت کا مختلف عنوانات کے تحت مختصر جائزہ لیا جائے تا کہ اس حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہو کہ آپ ایک قادر الکلام شاعر تھے جن کے شعروں میں بلا کا گداز ہے اور شعری حسن کا بے پناہ اظہار بھی ہے۔

موضوعات کے حوالے سے پہلے ذکر کر دیا گیا کہ مدح سے مبارزت تک، خصائص سے اوصاف تک، معجزات سے استغاثوں تک اُن کا اندازِ تحریر منفرد بھی ہے اور جاذبِ نظر بھی۔ اُن کی ذات کی خوبیاں اُن کے کلام میں نمایاں ہیں۔ حالات کا تناظر بھی پیشِ نظر ہے اور اسلاف کی روایات کی بھی پاس داری ہے۔ نعت چوں کہ 'مدح نگاری' ہے اس لیے مدح کا تعامل پیشِ نظر رہا ہے مگر اُن کو یہ احساس بھی ہے کہ یہ مدح اُس وجودِ گرامی کی ہے جو بے عیب اور بے مثال ہے۔ محبوبِ کائنات بھی ہے اور محبوبِ ربّ العالمین بھی اُن کا دیوان گواہ ہے کہ خصائص شمائل کے شمار میں قرآن و حدیث کے ارشادات اُن کے پیشِ نظر ہیں۔ اگر کوئی محقق ہر شعر کی سند قرآن وحدیث سے تلاش کرنے کی کوشش کرے تو یہ بہت ہی چشم کشا حقیقت ہوگی۔ ہم موضوعات شعر کے حوالے سے گزارشات پیش کر رہے ہیں۔

نعت کا مرکزی مضمون 'مدح' ہے۔ مدح کی روایت یہی رہی ہے کہ اس میں ذاتِ ممدوح کے اوصاف کا ہر وہ پہلو ذکر کیا جاتا ہے جو لائقِ مدح ہو، عمومی مدح نگاری اسی حوالے سے ہوتی رہی ہے، مگر نعت ایک پاکیزہ مدح ہے جس میں ذاتِ ممدوح ہمہ پہلو معزز ومحترم ہے کہ ظاہری حسن و جمال میں بے مثل، معاشرتی رویوں میں بے عدیل اور انسانی حوالوں میں بے نظیر اور سب سے بڑھ کر رسولانِ گرامی کا امام، اس ہمہ جہت سرفرازی نے نعت کہنے والوں کو سہولت عطا کی ہے کہ مضامینِ مدح بے حد وحساب ہیں، اگر چہ یہ سہولت ایک انتباہ بھی ہے کہ اس کثرت سے انتخاب کیسے ہوگا۔ یہ شاعر کی افتادِ طبع کا امتحان ہے۔ فاضل بریلوی کی کہی نعت، کسی مجلسی ضرورت یا ادبی احتیاج کی اسیر نہیں ہے، اُن کے ہاں وہ ذات، باعث تکوینِ جہاں ہے اور وہ خود اس جہان کا ایک حصہ ہے اس لیے اُن کے نزدیک اُن کے وجود کی تعبیر ہی یہی ہے کہ وہ ہر لمحہ مدح سرا رہے۔ کائنات کا کوئی مظہر نظر نواز ہو تو مرکز کائنات تک نظر ضرور اُٹھے کہ وہاں تک رسائی میں کوتاہی شپرہ چشمی ہے، اگر چہ اُن کو یہ احساس ہے کہ محدود علم وبصیرت اس مدح کا حق ادا نہیں کر سکتے مثلاً اُن کا یہ اعتراف کس قدر حقیقت آشنا ہے، ان اشعار میں دیکھیے:

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا☆۳۹

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروروں جہاں نہیں☆۴۰

بلبل نے گل اُن کو کہا، قمری نے سروِ جاں فزا
حیرت نے جھنجھلا کر کہا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں[41]

ادائیِ حقِ مدح تو ممکنات میں نہیں اس لیے اُن کو یہ دعویٰ ہی نہیں ہے مگر شعور و آگہی کا خراج تو ادا کرنا ہے اس لیے اوصاف شماری کا مقصد مسلسل جاری رہا۔ اس کی چند صورتیں دیکھیے:

وہی نورِ حق وہی ظلِّ رب، ہے انھی کا سب، ہے انھی سے سب
نہیں اُن کی مِلک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں![42]

سر تا بہ قدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول[43]

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دوجہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں[44]

مدح سرائی کا نقطۂ کمال یہی ہے کہ اعترافِ عجز کرلیا جائے:

ہے بلبلِ رنگیں رضا یا طوطیِ نغمہ سرا
حق یہ کہ واصف ہے تیرا، یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں[45]

اسی لیے اُنھوں نے اس مومنانہ ایقان پر مدح کے سلسلے کو ختم کردیا:

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندۂ خلق کا آقا کہوں تجھے[46]

نعت کے مشتملات میں خصائص وشمائل کا ذکر ہر نعت گو کے ہاں مرغوب رہا ہے، اس لیے کہ ان کا شمار ہی عظمت کا احساس دلاتا ہے۔ فاضل بریلوی کے ہاں خصائص میں وجہِ تخلیق ہونا، سراپا نور ہونا، قاسم عطایا ہونا، سب سے افضل ہونا، سرتابقدم شانِ حق ہونا، جانِ ایمان ہونا اور کائناتِ ہست وبود کی رونق وجلا ہونا اور مرکزِ عقیدت ومحبت ہونا بہت نمایاں ہیں۔ یہ خصائص اُن کے ایمان کا حصہ رہے اسی لیے ردیف وقافیے کے تنوع کے باوجود تذکرہ انھی کا ہوتا رہا مثلاً وجہِ تخلیق ہونے کا تذکرہ کرتے ہیں:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے[47]

شہا کیا ذات تیری حق نما ہے فردِ امکاں میں
کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے[48]

سب سے اوّل سب سے آخر
ابتدا ہو انتہا ہو
سب بشارت کی اذاں تھے
تم اذاں کا مدعا ہو
سب تمھاری ہی خبر تھے
تم مؤخر مبتدا ہو[49]

عربی کا طالب علم مبتدا کا مؤخر ہونا سمجھتا ہے کہ ترتیبِ ظاہر کی تاخیر تقدیم کے منافی نہیں ہوتی۔

نورانیت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مولانا کی شاعری کا اساسی وصف ہے۔ قصیدۂ نور کا حرف حرف نور افشاں ہے۔ کس طرح سراپا صدا بن کر دربارِ نُور میں حاضر ہوئے ہیں۔ مثلاً

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا ایک اک ستارہ نور کا
تیرے ہی ماتھے رہا اے جانِ سہرا نور کا

بخت جاگا نُور کا چمکا ستارہ نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نُور تیرا سب گھرانا نور کا
نُور کی سرکار سے پایا دوشالا نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

اور پھر اک حاصل قصیدہ دُعا:

میں گدا تو بادشاہ بھردے پیالہ نور کا
نُور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا ☆۵۰

'جہاں آب وگل کی رونق' کا ذکر آئے تو یوں لب کشا ہوئے:

اُنھیں کی بو مایۂ سَمن ہے اُنھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
اُنھیں سے گلشن مہک رہے ہیں اُنھیں کی رنگت گلاب میں ہے ☆۵۱

حُسنِ ظاہر کے بیان کا لہجہ دیکھیے:

اللہ رے تیرے جسمِ منور کی تابشیں
اے جانِ جاں! میں جانِ تجلا کہوں تجھے

مدح کے طویل سفر کے بعد یہ اعترافِ عرفانِ عظمت کا غماز ہے:

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے ☆۵۲

یہی عرفان اُن سے ایک طویل مدحیہ قصیدے لکھوانے کا محرک ہے۔ پورے قصیدے پر وارفتگی کا سماں طاری ہے۔ دیکھیے:

اصالتِ کُل، امامتِ کُل، سیادتِ کُل، امارتِ کُل
حکومتِ کُل، ولایتِ کُل، خدا کے یہاں تمھارے لیے
عطائے ارب، جلائے کرب، فیوضِ عجب، بغیر طلب
یہ رحمتِ رب، ہے کس کے سبب، بہ ربِ جہاں تمھارے لیے ☆۵۳

لہجہ بدل کر وہی بات مگر اسلوب نیا:

نہ دلِ بشر ہی فگار ہے کہ ملک بھی اس کا شکار ہے
یہ جہاں کہ ہژدہ ہزار ہے جسے دیکھو اس کا ہزار ہے
وہی جلوہ شہر بہ شہر ہے، وہی اصل عالم و دہر ہے
وہی بحر ہے وہی لہر ہے، وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے
وہ نہ تھا تو باغ میں کچھ نہ تھا، وہ نہ ہو تو باغ ہو سب فنا
وہ ہے جان، جان سے ہے بقا، وہی بُن ہے، بن سے ہی بار ہے ☆۵۴

نعت، وصف محمود کے ساتھ ساتھ طلبِ خیر کا ذریعہ بھی ہے۔ اوصاف شماری میں بھی جود وکرم کو اولیت حاصل ہے کہ عطا و بخشش کا شمار درحقیقت خیرات طلبی کی تمہید ہی ہے۔ مولانا مرحوم چوں کہ سراپا دستِ سوال ہیں اس لیے عظمتوں کے حوالوں میں اُن رفعتوں کا زیادہ تذکرہ کرتے ہیں جو زیادہ فیض بار ہیں۔ اسی حوالے سے چند شعر:

گنہ مغفور، دل روشن، خنک آنکھیں، جگر ٹھنڈا
تعالیٰ اللہ ماہ طیبہ عالم تیری طلعت کا ☆۵۵
اُنگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ وا ☆۵۶
لاوَربّ العرش جس کو جو ملا اُن سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی ☆۵۷

اس رحمتِ بے پایاں کا اظہار کئی رُخ اختیار کرتا ہے، اگر

کبھی اس کا اظہارِ بیان واقعہ کے طور پر ہے کہ:

جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ اُن کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں☆۵۸

توکبھی مستقبل میں اس کرم کی حتمی کیفیت پر اُن کو بیان واقعہ کی طرح یقین ہے مثلاً:

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی☆۵۹

یا یہ اعتماد کہ:

رضا پُل سے اب وجد کرتے گزریے
کہ ہے رب سلّم صدائے محمد☆۶۰

خواہشِ کرم کی ہماہمی میں بھی آداب کی حد بندی قائم رہتی ہے اور یہ نعت کہنے والے کا امتحان ہوتا ہے، آپ کے ہاں محبت کا ولولہ بے پایاں ہے مگر حدود آشنائی کی پاس داری بھی مثالی ہے، مثلاً یہ اشعار پڑھیے:

ہم بھکاری، وہ کریم، اُن کا خدا اُن سے فزوں
اور 'نا' کہنا نہیں عادت رسول اللہ کی☆۶۱

اس حوالے سے اُن کا ایقان بڑا برملا ہے:

تمھیں عالم برایا تمھیں قاسم عطایا
تمھیں دافعِ بلایا، تمھیں شافعِ خطایا،
کوئی تم سا کون آیا☆ ۶۲

مگر اس برجستگی میں بھی مقام و مرتبہ کا توازن برقرار ہے:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا، تجھے حمد ہے خدایا☆۶۳

استغاثہ، توسل، استقامت یا طلبِ شفاعت، یہ نعت کا حاصل اور مرکزی جزو ہوتے ہیں۔ مدح اگر دنیا طلبی اور تکمیل حوائج کی ہو تو پست تر مقام رکھتی ہے اسی لیے قصاید مدح میں لاطائل تفصیل، خلافِ واقعہ خصائل اور غیر ضروری جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی قبیل کی مدح کشکول گدائی ہے جو غیر محدود خیالات سے لبریز ہوتا ہے۔ نعت سچے جذبوں کا فکری اظہار ہے۔ یہ صنفِ شریف ہمہ تر پوتر ہے اگر چہ کم فہم کوتاہِ نظر اور بے علم افراد جب عروض وقوافی کے سہارے نعت کہنے لگتے ہیں تو نعت، صداقت کی نقیب نہیں رہتی۔ فاضل بریلویؒ کی نعت ایسی ہر پستی سے محفوظ ہے کہ ان کے ہاں علم کا اعتماد، جذبوں کا ایقان اور اظہار کا توازن موجود ہے۔ اُن کا ہر شعر کسی لائق اعتمادِ روایت سے جڑا ہوا ہے اسی لیے استغاثہ و استعانت کا رنگ بھی پُر خلوص سیرت نگاری کا وقار لیے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے چند اشعار پڑھیے، جذبوں کی شدت دیکھیے اور آدابِ شریعت کی سطوت پر نظر رکھیے۔ فرماتے ہیں:

عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں مرغِ سلیمانِ عرب☆۶۴

شفاعت کرے حشر میں جو رضا کی
سوا تیرے کس کو یہ قدرت ملی ہے☆۶۵

مجرم ہوں، اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیع روزِ جزا کا کہوں تجھے☆۶۶

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رسائی ہے
گر اُن کی رسائی ہے، لو جب تو بن آئی ہے☆۶۷

فریادِ امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو☆۶۸

انت فیھم نے عدو کو بھی لیا دامن میں
عیشِ جاوید مبارک تجھے شیدا، دوست [69]

ذرا فریاد کی شدت اور کرم بخشی کی اُمید کی جلوہ گری دیکھیے:

ٹھوکریں کھاتے پھروگے، ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اوّل گیا آخر گیا [70]

مجرم کو بارگاہِ عدالت میں لائے ہیں
تکتا ہے بے کسی میں تری راہ، لے خبر
اہلِ عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے
میرا ہے کون تیرے سوا آہ، لے خبر [71]

کریم اپنے کرم کا صدقہ، لئیمِ بے قدر کو نہ شرما
تُو اور رضا سے حساب لینا، رضا بھی کوئی حساب میں ہے

اور اس لذتِ پکار کی وارفتگی دیکھیے:

مانگیں گے، مانگے جائیں گے، منھ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے
لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے
منگتا کا ہاتھ اُٹھتے ہی داتا کی دین تھی
دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے [72]

نعت نگار کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اسے اوصاف تراشنے نہیں پڑتے جب کہ عام مدح نگار کو یہ محنت بھی کرنا پڑتی ہے۔ ایک دو یا چار امتیازات کسی کم تر سطح پر نظر آئے تو اظہار میں آسانی ہوتی ہے۔ مگر جب سلسلہ طویل ہو جائے تو ذاتی کاوش سے خصائص مہیا کرنے پڑتے ہیں۔ اسی سے مدح اور ممدوح کا فیصلہ پیدا ہوتا ہے اور ایسی محنت قصیدے کو غیر حقیقی روپ عطا کرتی ہے۔ نعت میں مدح نگار کو صرف مطالعہ درکار ہے۔ 'ذاتِ ممدوح' کی سیرت سے آشنائی کی ضرورت ہے۔ مضامینِ مدح اس قدر ہیں کہ صدیوں سے ان گنت مداحین بھی حقِ مدح ادا نہیں کر سکے، ان موجود سہولتوں میں 'معجزات' خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان کا دائرہ کار زمینی ہو یا آسمانی۔ یہ بہر حال وہ امتیازات ہیں جن میں دوسرا سہیم و شریک نہیں ہے۔ حضرت فاضل بریلوی کا مطالعہ قابلِ رشک ہے اس لیے ان کے ہاں دیگر اوصاف و کمالات کے جلو میں معجزات کا تذکرہ بہت نمایاں ہے، دیگر نعت گو شعرا بھی معجزات کا ذکر کرتے ہیں مگر حضرت فاضل بریلوی کے ہاں معجزات کوئی تاریخی واقعہ نہیں بلکہ یہ معجزات ان کے اندر کا ایقان ہے جو ہمہ تن واردات ہے، اُن کے معجزات شماری میں ایسا اعتماد ہے جو بصری و سمعی حقیقت کا ہوتا ہے۔ آپ نے معجزات کا ذکر بہت کثرت سے کیا ہے۔ صرف چند ایک کا جوبن دیکھیے اور روایت سے وابستگی ملاحظہ کیجیے:

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اُٹھ گئی مہ کا کلیجا چر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بُت تھرتھرا کر گر گیا
میں ترے ہاتھوں کے صدقے! کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منھ پھر گیا
کیوں جناب بوہریرہ! تھا وہ کیسا جامِ شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ بھر گیا [73]

ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا
رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں☆۷۴

برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینۂ مہ میں نشانِ سوختہ☆۷۵

چاند شق ہو، پیڑ بولیں، جانور سجدے کریں
بارک اللہ! مرجعِ عالم یہی سرکار ہے☆۷۶

چاند جھک جاتا جدھر اُنگلی اُٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا☆۷۷

معجزات میں معراج اُن کی دلچسپیوں کا نقطۂ انشراح ہے۔ بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں جب کہ ایک مکمل قصیدہ صرف معراج کے لیے وقف ہے۔ اس پر گفتگو کچھ دیر بعد کی جاتی ہے۔

ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام حواشی نعت نگاروں کی محبتوں کا مرکز رہے ہیں۔

اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر قریباً ہر نعت کا جزو رہا ہے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حوالوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا ہے اور ان کا سرِ عقیدت ان بارگاہوں میں ہمیشہ جھکا رہا ہے۔ عقیدت کی فراوانی میں نسبتوں کا توازن ہی وہ معیار ہے جو شاعر کے صاحبِ نظر ہونے کی خبر دیتا ہے۔ ایک دو شعر پڑھیے:

اہلِ سنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی☆۷۸

نجم اور ناؤ کامیابی و نجات کے وہ استعارے ہیں جن کا احادیث میں حوالہ موجود ہے۔

کیا بات رضا اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں، حسین اور حسن پھول☆۷۹

ایک منفرد نازک خیالی دیکھیے:

نہ جاگ اُٹھیں کہیں اہلِ بقیع کچی نیند
چلا یہ نرم نہ نکلی صدائے پائے فلک☆۸۰

متعلقاتِ ذاتِ گرامی میں مدینہ منورہ کا ذکر ہر نعت گو کو تحریک دیتا ہے، محبت و عقیدت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی راہ گزر، شہر کے در و دیوار، گرد و نواح کے صحرا و جبل اور شہر کی ہواؤں اور فضاؤں کے ترانے گائے جائیں تاکہ اُس وادی کا ذرّہ ذرّہ یقین کا سرمہ بن کر بصارتوں کو نُور عطا کرے۔ حضرت مولانا کے ہاں اس حوالے سے اس قدر ولولہ ہے کہ پورے دیوان پر اس کا سایہ ہے۔ سب سے پہلے عظمت کا حوالہ:

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیّدِ عالم
اُس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا☆۸۱

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک تر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گزر کی ہے☆۸۲

ستر ہزار صبح ہیں، ستر ہزار شام
یوں بندگیِ زلف و رُخ آٹھوں پہر کی ہے
معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار، بار
عاصی پڑے رہیں یہ صلا عمر بھر کی ہے☆۸۳

اور اللہ اکبر اک شہرِ شفاعت نگر کی برکات:

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے☆۸۴

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی عظمتوں کو سلام کہتے ہوئے ادب وعقیدت کے ساتھ تقابل بھی مولانا کی شاعری کا حصہ ہے اور اس تقابل میں بڑے لطیف پہلو سامنے آئے ہیں۔ مثلاً سبز گنبد اور سیاہ احرام کا ذکر دیکھیے:

سرسبزِ وصل یہ ہے، سیہ پوش ہجر وہ
چمکی دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے ☆۸۵

مکہ مکرمہ سے جانبِ مدینہ منورہ روانگی کا منظر بڑا دلکش ہے، پوری نعت پر یہ فضا طاری ہے:

رکنِ شامی سے مٹی وحشتِ شامِ غربت
اب مدینے کو چلو صبحِ دل آرا دیکھو
آبِ زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ جودِ شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابرِ رحمت کا یہاں زور برسنا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ
قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
مہرِ مادر کا مزہ دیتی ہے آغوشِ حطیم
جن پہ ماں باپ فدا، یاں کرم اُن کا دیکھو
دھو چکا ظلمتِ دل بوسۂ سنگِ اسود
خاک بوسی مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
کرچکی رفعتِ کعبہ پہ نظر پروازیں
ٹوپی اب تھام کے خاکِ درِ والا دیکھو
جمعۂ مکہ تھا عید، اہلِ عبادت کے لیے
مجرمو! آؤ یہاں عیدِ دوشنبہ دیکھو

غور سے سُن تو رضا کعبے سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو ☆۸۶

اور آخر میں جاں دادگی کی ایک ایسی کیفیت جو صرف عشاق کے ہاں متحقق ہے:

رضا کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے ☆۸۶

دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائے ہیں
اے سگانِ کوچۂ دلدار ہم ☆۸۸

پارۂ دل بھی نہ نکلا، دل سے تحفے میں رضا
اُن سگانِ کُو سے اتنی جان پیاری واہ وا ☆۸۹

مولانا کی نعتیہ شاعری میں خصائص شماری کا ہر روپ پوری قوت کے ساتھ موجود ہے اور ردیف وقافیہ کے تنوع کے ساتھ پورے دیوان کو محیط ہے۔ یہ اگرچہ معروضی اندازِ کلام کا حصہ ہے مگر آپ نے جذبات کی آنچ پر اس کو یوں گلنار کیا ہے کہ موضوع، محرک بن گیا ہے اور تاریخی حقایق، سوزشِ دروں سے ذاتی حوالہ بن گئے ہیں۔ اس پر مستزاد اُن کا جذبۂ محبت جو ہمہ جہت وارفتگی سے مہکنے لگا ہے، شوقِ فروزاں ہو تو حسرتِ دیدار کی چبھن تڑپانے لگتی ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جو حضرت عثمان ہارونی کی طرح یوں گھایل کر دیتا ہے کہ پھر تمام تر علمی وقار، شخصی منزلت اور معاشرتی رکھ رکھاؤ کی قلندرانہ مستی گھیر لیتی ہے اور پکار کا رنگ یہ ہوتا ہے کہ 'زہے تقویٰ کہ من باجبہ ودستاری رقصم' مگر پھر بھی حالت یہ ہوتی ہے کہ 'مگر نازم بایں ذوقے کہ پیشِ یار می رقصم'۔ مولانا اک عالم تھے، فقیہ تھے، امامِ عصر تھے اور مجددِ ملّت تھے اس لیے اُن کی سرفروشی

بھی آداب آشنا تھی مگر حسرتِ دیدار کے لمحوں کا گداز دیکھیے:

الٰہی منتظر ہوں وہ خرامِ ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرشِ آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا ☆[90]

کاش آویزۂ قندیلِ مدینہ ہو وہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو ☆[91]

برنگِ مستزاد جذبِ دروں کا کیف دیکھیے:

ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
مرے پاس تھا ابھی تو، ابھی کیا ہوا خدایا، نہ کوئی گیا نہ آیا
ہمیں اے رضا ترے دل کا پتا چلا بہ مشکل
درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا، یہ نہ پوچھ کیسا پایا ☆[92]

اس بے تابی و اضطراب میں بھی شعورِ ذات کا وقار موجود ہے اور کبھی راہ براور راہ نما ہونے کے احساس کا بھی حوالہ ملتا ہے۔ ایسا لمحہ معاشرتی و سماجی اصلاح سے عبارت ہوتا ہے جو ایک مجددِ وقت کے منصب کا تقاضا ہے۔ یہ خالص مصلح کا کردار ہے جو بے پناہ جذبوں میں بھی نمایاں ہے۔ مثلاً:

دن لہو میں کھونا تجھے، شب صبح تک سونا تجھے
شرمِ نبی، خوفِ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
رزقِ خدا کھایا کیا، فرمانِ حق ٹالا کیا
شکرِ کرم ترس سزا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں ☆[93]

اس قدر ہمہ گیر صلاحیتیں کبھی شعوری طمانیت بھی عطا کر دیتی ہیں۔ ہر صاحبِ منزلت کے ہاں عجز و انکسار میں ایک افتخار کا سماں بھی ہوتا ہے۔ یہ فخر و مباہات کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ قبولیت کے احساس کا دورانیہ ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کے ہاں بھی ایسے لمحے آتے ہیں جب وہ نیازمندی کے وقار میں مست ہو جاتے ہیں۔ اندازہ کیجیے جو وجود درِ حبیب ﷺ پر اس قدر فروتنی کا اظہار کرے کہ پکار اُٹھے:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتّے ہزار پھرتے ہیں ☆[94]

جو دل کے ٹکڑوں کو سگانِ مدینہ کی نذر کرنے کو افتخار جانے جو خاکِ گلشن ہونے کو قسمت سکندری خیال کرے وہ جب قبولیت و قرب کی حلاوت پانے لگے تو اک گونہ ناز کے احساس سے بھی یوں پکارنے لگے:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آ گئے ہو، سکے بٹھا دیے ہیں ☆[95]

یہی کہتی ہے بلبل باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیِ طبع رضا کی قسم ☆[96]

اے رضا جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے ☆[97]

یہ افتخار اس اعتماد کا نتیجہ ہے جو حضوری کے لیے نشانِ منزل ہے:

خوف نہ رکھ رضا ذرا، تُو تو ہے عبدِ مصطفی
تیرے لیے امان ہے، تیرے لیے امان ہے ☆[98]

بلبلِ مدینہ کے احساسِ امان میں بھی اپنی نارسائی کا احساس موجود ہے اسی لیے اُن کا اعتراف بڑا مومنانہ ہے۔

اے رضا خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی ☆[99]

'حدائقِ بخشش' میں شامل نعتوں کا ایک مختصر جائزہ واضح کر دیتا ہے کہ فاضل بریلوی کے ہاں تخلیقِ شعر کا جوہر بڑا ثروت مند ہے۔ نہ مضامین کی کمی ہے نہ الفاظ و کلمات کی تنگ

دامنی ہے۔ رواں دواں قافیے، چمکتی ردیفیں، دلوں میں پیوست ہوجانے والے کلمات اور روح کی تار کو چھیڑنے والے نغمات، اکثر محسوس ہوتا ہے کہ ذخیرۂ الفاظ منھ کھولے حاضر ہے۔ مضامین میں پرے باندھے سایہ افگن ہیں۔ حرف وصوت، آہنگ و اسلوب، لفظ و معنی جدھر نظر اُٹھتی ہے فصاحت دست بستہ ہے اور بلاغت سرنہادہ ہے۔ اکثر نعتیں طویل ہیں، قوافی کا امڈتا ہوا دریا آزادانہ رواں دواں ہے۔ حاضری دربار کی حکایت شروع کرتے ہیں تو اٹھاون شعر پرے باندھے کھڑے ہیں۔ دوبارہ جذبہ بیدار ہوتا ہے تو تریسٹھ مزید اشعار قطار میں لگ جاتے ہیں۔ ایک ایک شعر عقیدت کا حصار باندھے اور محبت کا احرام اوڑھے کھڑا ہے۔ لفظ معطر اور مضمون باوضو ہے۔ اک کیف ہے جو زائر حرم کو اپنی پناہ میں لیے ہوئے ہے۔ ان اشعار کو پڑھتے ہوئے قدرتِ کلام کا احساس بھی ہوتا ہے اور بے پناہ مطالعہ کا بھی۔

'معراج' کا حوالہ معجزات کے ذکر میں دیا جا چکا۔ آیئے قصیدۂ معراج پر اک نظر ڈال لیں جسے 'درتہنیت اسریٰ' کے زیرعنوان ترتیب دیا گیا ہے۔ معجزات کے بیان میں معراج کا حوالہ حدیث وسیرت کی تقریباً ہر کتاب میں ہے۔ اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں اور اس سفرعروج کی حکایت کی تمام جزئیات شمار کی گئیں۔ شاعروں نے اس واقعے کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا۔ برصغیرہ میں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے معجزۂ معراج پر تیس اشعار کا ایک بھرپور قصیدہ لکھا جس میں عظمتوں اور رفعتوں کا حوالہ بھی دیا گیا مگر زیادہ توجہ ذاتی حوالے کی رہی، یہ دور کے سنگین حالات کا تقاضا تھا اور طلبِ خیر کا اک وسیلہ بھی تھا۔ فاضل بریلوی کا قصیدۂ معراج سرسٹھ (۶۷) اشعار کا مرقع ہے۔ اس میں واقعاتِ معراج کا ذکر ترتیب وقوع کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مکہ مکرمہ سے 'اوادنیٰ' کی منزل تک مولانا کی فکر اپنی تنگ دامنی کے باوجود محوِ پرواز ہے، جزئیات کا تذکرہ بھی ہے اور دیدۂ مشتاق کی آسمان گیری کا ذکر بھی ایک واقعہ، واردات کی صورت، لفظ و معنیٰ کو محیط ہوگیا ہے۔ رواں دواں بحر، دل پر دستک دینے والے مرکبات اور مشکل تر موضوع کو دل نشین کردینے والا اسلوب پورا قصیدہ غالب کے مصرع کی طرح:

لباس نظم میں بالیدنِ مضمون عالی ہے

مسلسل پرواز کرتا ہوا اور بلند تر محسوس ہوتا ہے۔ زمینی حوالے سے بات شروع ہوئی کہ سفر کا آغاز مسجدِ حرام کے محسوس مقام سے ہوا تھا اس لیے:

خوشی کے بادل اُمنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آرہے تھے ☆۱۰۰

یہ سفر کامیابی کی نوید اور قرب ووصال کی تمہید تھا اسی لیے پوری فضائے حرم کو مہکایا گیا تھا۔ وہاں کیا کچھ اہتمام تھا اس کا مؤجز تذکرہ تو ہوسکتا ہے۔ مگر شعر کے پیراہن میں پورا منظر سمیٹا نہیں جاسکتا اس لیے برملا اعتراف ہوتا ہے:

خدا ہی دے صبر جانِ پُرغم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب اُن کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے ☆۱۰۱

اب واقعہ شاعر کے دل کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور بے ساختگی میں راہیِ لامکاں ﷺ کا صدقہ اُتارا جاتا ہے۔ جسمانی قرب کے یہ لمحات گریز پا تھے، شاعر کی چشم تصور

بھی نارسائی کا اقرار کررہی تھی۔ محسوس سے غیر محسوس کا سفر حسرتوں کو جنم دے رہا تھا اس لیے اس اعتراف میں ہی عافیت تھی کہ صرف تمنّا کرلی جائے اور بس:

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اُترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے ☆۱۰۲

زمینی سفر کی انتہا مسجدِ اقصیٰ تھی کہ آج دونوں قبلوں کی یک جائی تھی۔ حرم والا اقصیٰ والوں کی امامت کے لیے آرہا تھا تاکہ قبلۂ رضا کی عظمتوں کا یقین آجائے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اسی معمورۂ عالم پر تشریف لائے تھے۔ یہی ان سب کی دعوتی مساعی کا مرکز تھا، بلندیوں کے شعر سے پہلے زمینی منزلوں کو واضح کردیا گیا تاکہ کشورِ رسالت کے تاج دار کا مقام و مرتبہ تسلیم کرلیا جائے۔

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سرِ عیاں ہوں معنیِ اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے ☆۱۰۳

مسجدِ اقصیٰ کی امامت، زمین پر سرفرازی کا نشان تھی۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام حاضر تھے کہ یہی اُمتوں کے امام تھے۔ اب معراج کا سفر تھا۔ ہر صاحبِ معراج کو اب پھر آسمانوں پر اعترافِ عظمت کے لیے موجود ہونا ہے کہ مادی حوالہ ہو یا روحانی حوالہ سب پر سبقت ثابت کرنا ہے۔ یہ مقصد پورا ہوا مگر یہ رفعتِ شان کا آخری حوالہ تو نہ تھا اس لیے پیش قدمی جاری تھی۔ عظمتوں کا رمز شناس ایسے لمحے پر قاری کو باور کرا رہا ہے کہ متوجہ رہنا:

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے ☆۱۰۴

یہ کون سی منزل تھی، اُسی مردِ حق نما سے سنیے:

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکالے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

سراغِ این و متیٰ کہاں تھا نشانِ کیف و اِلیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی، نہ سنگِ منزل، نہ مرحلے تھے ☆۱۰۵

این و متیٰ، کیف و اِلیٰ کے کلمات بتا رہے ہیں کہ سفر وہاں تک ممتد ہوگیا ہے جہاں مناسب لفظوں کی احتیاج بڑھتی جارہی ہے۔ اب وہ مرحلہ آگیا ہے کہ کلماتِ الہام ہی کا سہارا لیا جائے۔ قاری کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ بات حدِ امکان سے گزرتی جارہی ہے۔ اب دنیٰ، تدلیٰ کی منزل ہے، بحرِ ھو کا منظر ہے، قصرِ دنیٰ میں دوئی کا گزر نہیں تو حکایتِ سفر کون بیان کرے۔ اس نازک مقام پر فاضل بریلوی کا علم جو عرفان کی منزلوں سے آشنا تھا سہارا بنا ہے اسی لیے وہ قاری کو اس حقیقت کے اعتراف کرنے کی ترغیب دیتے ہیں:

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے ☆۱۰۶

وہ متنبہ کرتے ہیں کہ:

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے ☆۱۰۷

اس لیے اس اعتراف میں ہی عافیت ہے:

وہی ہے اوّل، وہی ہے آخر، وہی ہے باطن، وہی ہے ظاہر
اُسی کے جلوے، اُسی سے ملنے، اُسی سے اُس کی طرف گئے تھے ☆۱۰۸

قصیدۂ معراج کا قاری حیران و ششدر ہے کہ فاضل

بریلوی نے کس علمی وجاہت، عرفانی منزلت اور حسنِ کلام کی قدرت کے ساتھ ان نازک مرحلوں کو عبور کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اُن کو وہ فکری معراج حاصل تھی جو ان منزلوں کے لیے ضروری تھی۔ اُردو ادب کا قاری ان سرسٹھ اشعار کو رُخِ اُردوئے معلیٰ کا نشانِ عظمت خیال کرتا ہے۔

نعت کے مضامین میں درود وسلام کو رفعتِ تکمیل کا مقام حاصل ہے۔ یہ حکمِ الٰہی بھی ہے کہ اس کا ورد تو فرشتوں کے لیے وظیفہ ہے اور پھر پروردگارِ عالم بھی اپنے حبیب کریم ﷺ پر درود بھیجتا ہے۔ حکم دیا گیا ہے کہ ہر کلام کی ابتدا حمد وصلوٰۃ سے ہو۔ مسلم اُمّت کی تاریخ گواہ ہے کہ ہر لمحہ اس حکم پر عمل ہوا ہے۔ شعراء کے ہاں بھی زیادہ تر اختتامِ مدح اسی پر ہوا۔ حضرت فاضل بریلوی ایک مداحِ رسول تھے۔ اُن کو درود خوانی کے وجوب کا احساس تھا اس لیے اُن کی ہر تحریر اس فریضے کی ادائی سے مزین ہے۔ شعر میں بھی درود وسلام کا حوالہ اُن کا مرغوب میلان ہے۔ اس لیے درود وسلام پر مبنی اشعار مختلف نعتوں کا حصہ ہیں۔ مثلاً

اُن پر درود جن کو حجر تک کریں سلام
اُن پر سلام جن کو تحیّت شجر کی ہے
شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام
راحت اُنھیں کے قدموں میں شوریدہ سر کی ہے[110]

'حدایق بخشش' کے حصہ دوم میں آپ کا ایک طویل قصیدہ درودیہ شامل ہے جو ساٹھ اشعار کا ہے۔ جس میں حرف ہجا کا التزام فنی مہارت کا ثبوت ہے۔ پورے قصیدہ پر عقیدت مندانہ جذبوں کی ہماہمی کا سماں ہے۔ عقاید کا حوالہ، شمائل و خصائص کے اشارے اور استغاثہ وتوسل کی فریاد قصیدے کے مشتملات ہیں۔ چند شعر پڑھیے جن سے اسلوب کلام کا اندازہ ہوجائے گا:

شافعِ روزِ جزا، تم پہ کروڑوں درود
دافعِ جملہ بلا، تم پہ کروڑوں درود
اور کوئی غیب کیا، تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کروڑوں درود
تم سے جہاں کی حیات، تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود
خَلق تمھاری جمیل، خُلق تمھارا جلیل
خلق تمھاری گدا، تم پہ کروڑوں درود
خلق کے حاکم ہو تم، رزق کے قاسم ہو تم
تم سے ملا جو ملا، تم پہ کروڑوں درود
آنکھ عطا کیجیے، اس میں ضیا دیجیے
جلوہ قریب آگیا، تم پہ کروڑوں درود
کام وہ لے لیجیے، تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نامِ رضا، تم پہ کروڑوں درود[111]

مولانا کا وہ سلام جو برصغیر ہی نہیں اُردو زبان سے آشنا ہر خطۂ زمین پر یکساں ذوق وشوق اور عقیدت ومحبت سے پڑھا جاتا ہے۔ ایک طویل قصیدے کی شکل میں ہے۔ ایک سو سرسٹھ اشعار کا یہ گلدستہ رنگارنگ پھول سے مہک رہا ہے۔ الفاظ میں روانی، لہجے میں مٹھاس کے ساتھ ساتھ جہانِ معنیٰ کا ایک اثر آفریں مظہر بھی ہے، سلام کی تکرار ایک ایسا سماں پیدا کرتی ہے کہ ہر سطح اور ذوق کا انسان اس کی گرفت محسوس کرتا ہے،

پڑھنے والا والہانہ جذب میں ڈوب جاتا ہے تو سننے والوں کی سماعتیں چٹخارے لے لیتی ہیں۔ ایک بھرپور تاثر کا حامل قصیدہ جس میں ذات سے صفات تک، خصائص وشمائل سے امتیازات سیرت تک، مدح سے دُعا تک، وجودِ پاک سے متعلقاتِ وجود تک ایک رحمت کا سائباں تنا محسوس ہوتا ہے۔ اس قدر طویل تاثر کو یکتائی کا اسیر رکھنا صاحب فن کا ہی کمال ہے۔ایسا صاحبِ فن جو لفظوں کی حرمت سے بھی آشنا ہے اور معانی کے تقدس سے بھی آگاہ ہے، یہ بلاشبہ شعری عظمت کی معراج ہے۔ سلام میں مدح نگاری پیوستگی دیکھیے۔ابتدا ہی یوں ہوئی:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریارِ ارم تاج دارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
شبِ اسریٰ کے دولھا پہ دائم دُرود
نوشۂ بزم جنت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی دُرود
فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام
نقطہ سِرّ وحدت پہ یکتا دُرود
مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
پرتوِ اسمِ ذات احد پر دُرود
نسخۂ جامعیت پہ لاکھوں سلام

پھر موضوع کو ذاتی حوالہ دیتے ہوئے اُن کی عقیدت مندانہ طبیعت کی جولانی دیکھیے:

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد دُرود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
ربّ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ دُرود
حق تعالیٰ کی منّت پہ لاکھوں سلام

امتیازات ذاتِ رسالت مآب ﷺ کا تذکرہ دیکھیے:

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں
ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم
اس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام
جس کے آگے کھنچی گردنیں جھک گئیں
اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام

صحابہ کرام اور اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالے سے سلام کے متعدد شعر کہے گئے۔ ان میں یہ رجحان بہت واضح ہے کہ ان صحابہ میں سے ہر ایک کا وہ کون سا امتیازی وصف ہے۔جن کا تذکرہ اثر آفرینی میں شدت پیدا

کرتا ہے۔مثلاً

سیّدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
بنتِ صدیق آرامِ جانِ نبی
اس حریم برأت پہ لاکھوں سلام
جاں نثارانِ بدر و احد پر دُرود
حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام

پھر یہ سلسلۂ عقیدت ائمۂ اُمّت، ائمۂ فقہ،صوفیائے کرام تک پھیلتا جاتا ہے۔مگر آخر پر وحدتِ اُمت کا درس یوں دیتے ہیں:

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب
تا ابد اہلِ سنت پہ لاکھوں سلام

مقطع میں ایک دُعا جو اپنے سلام کی قبولیت سے مربوط ہے۔سلام کا حرفِ آخر ہے۔

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام ☆۱۱۲

حضرت مولانا کی شعری عظمت کا اعتراف ہر صاحبِ فن نے کیا ہے اور اس پر اُن کی اپنی نگارشات بھی شاہد ہیں۔ذہنی تحفظات سے دامن بچالیا جائے اور نعت کی حدود اور وسعت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو پھر اس اعتراف میں کوئی فنی ضرورت یا ادبی منزلت حائل نہیں ہوگی کہ 'حدایق بخشش' نعتیہ ادب میں ایک بیش قیمت کارنامہ ہے۔مولانا کا سارا کلام نعت ومنقبت پر ہی مشتمل ہے۔اس لیے یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اُردو نعت میں مولانا کا مقام ومرتبہ ہر نعت گو شاعر سے بلند ہے۔جذبوں کی صداقت کا حوالہ ہو یا اثر آفرینی کا کوئی بھی دوسرا اُن سا نہیں ہے۔یقینا بہت بلند پایہ نعتیں کہی گئیں اور کہی جارہی ہیں مگر ابھی تک کسی اور کو وہ حیثیت حاصل نہ ہوسکی جو مولانا کو حاصل ہے۔محسن کاکوری کا نام بلاشبہ بڑا ہے۔اُن کے قصاید میں ایک والہانہ پن ہے مگر نعت کا جو Canvas مولانا نے وسیع کیا ہے وہ بس اُنھی کا حصہ ہے۔

شعر کہنے کی صلاحیت ایک تخلیقی منزلت ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ شعر کہنے والا شعر کے تنقیدی پہلوؤں سے بھی آشنا ہو۔نقد وتجزیہ ایک فن ہے جو ہر ایک کا حصہ نہیں۔مولانا باکمال شاعر تھے۔لایقِ اعتماد عالم تھے اور قابلِ استناد محقق تھے۔ان تمام صلاحیتوں کے ساتھ آپ ایک صاحبِ بصیرت نقاد بھی تھے۔جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تونسہ شریف سے مولانا احمد بخش نے ایک سو چودہ اشعار کا عربی قصیدہ برائے اصلاح بھجوایا۔اصلاح کچھ اس طرح ہوئی کہ ۱۱۴ اشعار میں ۲۶ شعر مکمل بدل دیے گئے جب کہ ۱۰۱ شعروں میں ترمیم کی گئی۔اس ترمیم میں بعض کو بالکل بدل دیا۔جواب میں جو خط لکھا گیا اُس میں لکھا:

"فعلن ضرب میں بدلنا تو ضرور تھا ہی بوجہ کثرت عروض میں رہنے دیا ہے ورنہ مرے مذاق پر ثقیل ہے۔نظم عربی میں دخیل وتاسیس کی رعایت واجب ہے۔ہوتا تو سب میں ہوتا حالاں کہ ۸۶ میں نہیں صرف ۲۸ میں ہے انھیں کو بدل دیا۔☆۱۱۳

ترمیم کا ہر حرف شعری محاسن ومعائب سے مکمل آگہی کا

گواہ ہے۔ وزن، بابِ فصل، ترتیب کلمات اور معانی کی صحت سب پر تبصرہ کیا اور ثبوت دیے گئے۔ ان تنقیدی آرا سے مولانا کی فنی مہارت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ غرض کہ آپ شاعر بھی تھے اور نقادِ شعر بھی۔

ہم گفتگو کو مکمل مولانا کی اس نعت پر کررہے ہیں جو چار زبانوں کا حسین مرقع ہے۔ مخلوط قسم کی شاعری، فارسی شعراء کے ہاں موجود رہی، اُردو کے قدیم شاعر جو فارسی، عربی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے ایسی شاعری کرتے رہے ہیں۔ اس سے شاعر کی علمی وسعت کا اندازہ ہوتا رہا ہے مگر مولانا کی نعت منفرد کاوش ہے۔ کسی ایک زبان کی شاعری میں کسی دوسری زبان کی پیوندکاری ہوتی رہی ہے۔ مگر ایسا شاید نہ ہوا کہ نعت ہی چار زبانوں میں ہو، اور یہ زبانیں یوں کندھے سے کندھا جوڑ کر کھڑی ہوجائیں کہ انقطاع کی کوئی صورت پیدا نہ ہو، خیال کا تسلسل نہ ٹوٹے اور تاثر کی وحدت کو نقصان نہ پہنچے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سامعین ہر زبان سے آشنا نہیں ہوتے۔ مگر اثر پذیری میں کوئی تفاوت نظر نہیں آتا۔ آیئے اس بین الاقوامیت کی حامل نعت کے چند شعر پڑھیں اور اسی پر اس گفتگو کا اختتام کریں۔

لم یاتِ نظیرک فی نظر مثل تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سرسو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا
البحر علا والموج طغیٰ من بےکس وطوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا
یا شمس نظرت الی لیلی چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
انا فی عطشٍ و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابرِکرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا ☆۱۴

حوالہ جات:

☆۱۔R.A. Nicholson،"A Literary History of the Arabs"ص۴۵۵
☆۲۔مولانا نجم الغنی، 'بحر الفصاحت'
☆۳۔مولانا احمد رضا خان، 'حدائقِ بخشش'، مکتبہ المدینہ شہید مسجد، کھارادر، کراچی، 'رُباعیات نعتیہ'، ص۳۱۵
☆۴۔'حدائقِ بخشش'، حصہ اوّل، ص۱۳۰
☆۵۔محمد وارث جمال، 'امام شعر و ادب'، حق اکیڈمی، مبارک پور، اعظم گڑھ، ص۳۹
☆۶۔'الحجۃ المؤتمنہ'، مولانا احمد رضا خانؒ، ص۱۹۲
☆۷۔ پروفیسر مختار الدین احمد، 'امام احمد رضا کا شخصی جائزہ'، 'المیزان'، امام احمد رضا نمبر، ص۳۳۴
☆۸۔ ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق، 'اردو میں نعتیہ شاعری'، ص۳۸۰
☆۹۔حوالہ مذکورہ ☆۱۰۔ سیّد محمد مرغوب اختر الحامدی، 'امامِ نعت گویاں'، ص۱۲۴
☆۱۱۔ علامہ محمود احمد قادری، 'حضرت فاضل بریلوی کے بارے میں نیاز فتح پوری کے تاثرات'، الاصلاح پبلی کیشنز، کالونی نمبر۱، خانیوال، ملتان ☆۱۲۔ ڈاکٹر ریاض مجید، 'اردو میں نعت گوئی'، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص۴۰۹
☆۱۳۔حوالہ مذکورہ ☆۱۴۔حوالہ مذکورہ، ص۴۲۰

☆۱۵۔'حدایقِ بخشش'، حصہ دوم، ص ۳۰۹
☆۱۶۔حوالہ مذکورہ ☆۱۷۔ 'حدایقِ بخشش'، حصہ اوّل، ص ۱۶۹ ☆۱۸۔حوالہ مذکورہ، ص ۴۴
☆۱۹۔حوالہ مذکورہ، ص ۳۴ ☆۲۰۔ حوالہ مذکورہ، ص ۹۶ ☆۲۱۔ حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۶
☆۲۲۔مولانا فیض احمد اویسی، 'امام احمد رضا اور علمِ حدیث'، مرکزی مجلسِ رضا، لاہور، ص ۷
☆۲۳۔ ابن العماد الحنبلی، 'شذرات الذہب'، مکتبہ القدسی، القاہرہ، جلد ۵، ص ۱۵۳
☆۲۴۔ڈاکٹر مسعود احمد، 'حیاتِ مولانا احمد رضا خاں'، اسلامی کتب خانہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ، ص ۱۳۹
☆۲۵۔حوالہ مذکورہ
☆۲۶۔'حدایقِ بخشش'، ص ۱۱۴
☆۲۷۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۵۹
☆۲۸۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۵
☆۲۹۔حوالہ مذکورہ، ص ۴۷
☆۳۰۔حوالہ مذکورہ، ص ۸۰
☆۳۱۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۱
☆۳۲۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۵
☆۳۳۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۶
☆۳۴۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۶۲
☆۳۵۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۶۲
☆۳۶۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۸
☆۳۷۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۵۹
☆۳۸۔'دیوانِ حسان، شرح البرقوقی' المکتبۃ التجاریۃ، شارع محمد علی مصر، ۱۳۴۷ھ، ص ۷، ۱۰
☆۳۹۔'حدایقِ بخشش'، ص ۱۷
☆۴۰۔حوالہ مذکورہ، ص ۸۱
☆۴۱۔حوالہ مذکورہ، ص ۸۲
☆۴۲۔حوالہ مذکورہ، ص ۸۱
☆۴۳۔حوالہ مذکورہ، ص ۶۰
☆۴۴۔حوالہ مذکورہ، ص ۷۷
☆۴۵۔حوالہ مذکورہ، ص ۸۳
☆۴۶۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۴
☆۴۷۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۶
☆۴۸۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۴
☆۴۹۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۴۸
☆۵۰۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۱
☆۵۱۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۷
☆۵۲۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۳
☆۵۳۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۵۴
☆۵۴۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۵۶، ۲۵۷
☆۵۵۔حوالہ مذکورہ، ص ۳۲
☆۵۶۔حوالہ مذکورہ، ص ۹۸
☆۵۷۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۰
☆۵۸۔حوالہ مذکورہ، ص ۵۷
☆۵۹۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۰
☆۶۰۔حوالہ مذکورہ، ص ۵۱۔
☆۶۱۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۱
☆۶۲۔حوالہ مذکورہ، ص ۲۶۳
☆۶۳۔حوالہ مذکورہ
☆۶۴۔حوالہ مذکورہ، ص ۴۳
☆۶۵۔حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۳

☆۶۶۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۲۳
☆۶۷۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۳۶
☆۶۸۔حوالہ مذکورہ،ص ۹۷
☆۶۹۔حوالہ مذکورہ،ص ۴۸
☆۷۰۔حوالہ مذکورہ،ص ۴۱
☆۷۱۔حوالہ مذکورہ،ص ۵۲
☆۷۱(الف)۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۲۸
☆۷۲۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱
☆۷۳۔حوالہ مذکورہ،ص ۴۱
☆۷۴۔حوالہ مذکورہ،ص ۶۶
☆۷۵۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۰۰
☆۷۶۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۲۴
☆۷۷۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۸۳
☆۷۸۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۱۱
☆۷۹۔حوالہ مذکورہ،ص ۶۱
☆۸۰۔حوالہ مذکورہ،ص ۵۶
☆۸۱۔حوالہ مذکورہ،ص ۳۰
☆۸۲۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۵۹
☆۸۳۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۵۵، ۱۵۶
☆۸۴۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۵۷
☆۸۵۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۵۸
☆۸۶۔حوالہ مذکورہ،ص ۹۴، ۹۵، ۹۶
☆۸۷۔حوالہ مذکورہ،ص ۲۶۷
☆۸۸۔حوالہ مذکورہ،ص ۶۴
☆۸۹۔حوالہ مذکورہ،ص ۹۹
☆۹۰۔حوالہ مذکورہ،ص ۳۴
☆۹۱۔حوالہ مذکورہ،ص ۹۱
☆۹۲۔حوالہ مذکورہ،ص ۲۶۴
☆۹۳۔حوالہ مذکورہ،ص ۸۳
☆۹۴۔حوالہ مذکورہ،ص ۵۷
☆۹۵۔حوالہ مذکورہ،ص ۶۷
☆۹۶۔حوالہ مذکورہ،ص ۶۳
☆۹۷۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۲۳
☆۹۸۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۲۶
☆۹۹۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۱۱
☆۱۰۰۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۶۳
☆۱۰۱۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۶۳
☆۱۰۲۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۶۴
☆۱۰۳۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۶۵
☆۱۰۴۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۶۷
☆۱۰۵۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۶۷
☆۱۰۶۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۶۸
☆۱۰۷۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۶۸
☆۱۰۸۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۶۸
☆۱۰۹۔'طبقات الشافعیہ الکبریٰ' الجزء الاوّل،ص ۸۰
☆۱۱۰۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۴۷، ۱۴۸
☆۱۱۱۔حوالہ مذکورہ،ص ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۵، ۱۹۷
☆۱۱۲۔حوالہ مذکورہ،ص ۲۱۱ تا ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۰
☆۱۱۳۔قصیدہ مولانا احمد بخش تونسوی مع ترمیم قلمی نسخہ
☆۱۱۴۔'حدایقِ بخشش'،ص ۳۶، ۳۷

☆☆☆

پروفیسر کاشف عرفان

کلام رضا میں ثقافتی عناصر کی تشکیل
(ساختیاتی جائزہ)

مولانا احمد رضا خان بریلوی اردو کے معروف نعت گو شاعر تھے۔اُن کی نعتیہ شاعری روایت سے منسلک رہتے ہوئے اپنا ایک علیحدہ،منفرد اور مختلف فکری و معنوی نظام تشکیل دیتی ہے۔جس کی بنیاد میں عشقِ رسول ﷺ کی معطر کیفیات تخلیقی کوڈ اور شعری گرامر کی صورت میں موجود نظر آتی ہیں اور پچھلی ایک صدی سے قارئین کے ہر ہر مشامِ جاں کو عشقِ رسول ﷺ کی مہک سے معطر کر رہی ہیں۔کلامِ رضا میں فکری سطح پر نبی اکرم ﷺ کے عہد سے بیسویں صدی تک کا تاریخی اور تہذیبی پھیلاؤ دیکھا جا سکتا ہے۔مولانا احمد رضا خان ایک بلند پایہ عالم دین اور مذہبی مبلغ تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ تاریخ کے طالب علم بھی تھے لہذا فکری سطح پر وہ اسلام کی تاریخی و تہذیبی اقدار کی ہمہ گیریت کو عشقِ رسول ﷺ کے تناظر میں پیش کرتے رہے اور فن اور زبان و بیان کی سطح پر ان کے ہاں ہندی،عربی،فارسی اور اردو کا خوبصورت امتزاج نظر آتا ہے۔

ساختیات کی رُو سے کوئی بھی فن کار اپنے عہد کے اثرات اور زبان کے اجتماعی نظام سے باہر جا کر نہیں سوچ سکتا۔وہ زبان سے اُس علامتی نظام کو بھی حاصل کرتا ہے جو زبانوں کے اندر مختلف حیاتیاتی تغیرات سے پیدا ہوتا ہے گویا فن کار (ادیب،شاعر،نقاد،محقق) اپنے عہد کی ثقافت کو زبانوں کے اُس نظام کے ذریعے خود میں جذب کر لیتا ہے جس کے تحت اُس کا ادب پروان چڑھتا ہے۔مولانا کے نعتیہ کلام میں ثقافتی عناصر کی تلاش سے قبل مجھے ڈاکٹر ناصر عباس نیرؔ کے الفاظ یاد آتے ہیں۔

> ''ساختیات کی رُو سے کوئی شخص چاہے بھی تو زبان کے نظام سے باہر نہیں جا سکتا۔وہ زبان ہی نہیں سیکھتا اُس زبان کے ذریعے وہ علامتی نظام بھی جذب کرتا ہے جس میں ثقافتی رسمیات و اقدار سے لے کر تصورِ کائنات تک کوڈ ڈ صورت میں موجود ہوتا ہے۔''(۱)

مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ تخلیقات میں ثقافتی عناصر کی تلاش کے ڈانڈے عرب کی سرزمین سے برصغیر کی مذہبی رسمیات تک پھیلے ہوئے ہیں۔فہرست سازی کی جائے تو مولانا کی نعت پر کچھ اِس طرح کے اثرات ملتے ہیں:

(۱)عشق رسول ﷺ (۲) قران و حدیث اور سنّت (۳) تاریخی حقائق (۴) تہذیبی اشتراکات (۵) ثقافتی عناصر (۶) زبانوں کے اشتراک اور اختلاف سے پیدا ہونے

والے اثرات (۷) مرّوجہ ادبی روایت (۸) سپردگی کی کیفیت (۹) مخصوص لفظیات۔

مولانا کے ہاں تاریخ سے دلچسپی بہت نمایاں ہے یہی وجہ ہے کہ مذہبی تلمیحات کا ایک علیحدہ ہی رنگ ان کی شاعری میں نظر آتا ہے

بُراق کے نقشِ سُم کے صدقے وہ گُل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلُبن لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہارہے تھے

پانسوسال کی راہ ایسی ہے جیسے دو گام
آس ہم کو بھی لگی ہے تری شنوائی کی
گشتگانِ گرمیِ محشر کو وہ جانِ مسیح !!
آج دامن کی ہوا دے کر جلاتے جائیں گے

(۲)

مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ تخلیقات کے فکری وفنی حُسن وجمال پر ناقدانِ فنِ نعت سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں اگر چہ کچھ وجوہات کے باعث ہمارے عہد کے ممتاز اور اہم ترین نعت گو شاعر کی تخلیقات پر کھل کر ادبی گفتگو نہ ہونے دی ۔مولانا کی شخصیت بہت محبوب ہے۔اردو کے مذہبی ادب میں آج کے جدید ادبی نظریات کے تناظر میں مولانا کی نعتیہ تخلیقات کی تفہیم نہیں کی گئی تو اِس کی بہت سی وجوہات ہیں ۔اِس حوالے سے نعت رنگ ۱۸ (احمد رضا خان) کے ادارتی نوٹ میں سید صبیح رحمانی کہتے ہیں۔

''اردو کے کسی اور نعت گو پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا مطبوعہ مواد مولانا احمد رضا خان پر موجود ہے لیکن مقالات ومضامین کی یہ کثرت ہمارے لیے خوشی کا باعث تو ہوسکتی ہے اطمینان کا نہیں۔خوشی اس بات کی کہ کسی نہ کسی بہانے ایک عظیم نعت گو کی یاد اور اس کے کام کی خوشبو پھیل رہی ہے اور عدم اطمینان اس بات پر کہ اس مطبوعہ سرمائے کی ایک بڑی تعداد سنجیدہ قارئین کو متاثر کرنے کی بجائے یکسانیت اور اکتاہٹ کا احساس پیدا کر رہی ہے۔'' (۳)

مولانا کی شاعری میں فکر وفن کا ایک حسین امتزاج نظر آتا ہے جس کی تہہ میں عشقِ رسول ﷺ کی شمع لو دیتی ہے ۔زبان و بیان کی باریکیاں اور نعت میں مخصوص لفظیات (ڈکشن) کا استعمال مولانا کی شاعری کا اختصاص ہے۔جس کے عقب میں اُن کی اپنی نفسیاتی کیفیات کے ساتھ ساتھ ادب کی مروجہ روایت کے اثرات بھی شامل ہیں۔مولانا کی نعت کا معنوی آہنگ اور شعری تہذیب وتمدن کا تعلق برصغیر کی شعری تہذیبی روایت سے بھی ہے اور عربی شعری روایت (قصائد) سے بھی۔اُن کی نعتیہ تخلیقات میں طیبہ سے دوری کا حزن و ملال بھی شامل ہے اور نبی مُکرّم ﷺ کی رحمت اللعالمینی کا احساس بھی۔

کسی بھی فن پارے میں ثقافتی عناصر کی تشکیل کو سمجھنے کے لیے ساختیاتی زاویۂ نگاہ کو بھی بروئے کار لانا ہوتا ہے۔یہ کسی حد تک سائنسی اور منطقی اندازِ فکر ہے جس میں تخلیق کے پس پردہ اُس بنیادی مرکز کو تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جوفن پارے کی تخلیق کی وجہ بنا۔اسی بنیادی کوڈ ڈشکل اور تخلیقی گرامر کے ذریعے فن پارے کی کلی تفہیم کی جاتی ہے۔فن ایک وسیع اور پیچیدہ عمل ہے جس میں صرف فن کار کی ذات ہی نہیں پورا

عہد شامل ہوتا ہے۔معاشرتی تغیرات،ادبی روایت،زبانوں کے خدوخال اور خود فن کار کے نفسیاتی عوامل ایک فن پارے کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں اور صرف یہی نہیں بہت سے دوسرے نادیدہ عوامل بھی ایک فن پارے کی شکل وصورت متعین کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔فن پارے پر اُس کے پس پردہ شعری کوڈ اور تخلیقی گرامر کے ساتھ ساتھ فن کار کی اندرونی تخلیقی سطح اور بیرونی اثرات یکساں طور پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ایسے عوامل کی فہرست سازی کی جائے تو کچھ ایسی (ادھوری) تصویر بنے گی۔

☆فن کار کی لاشعوری کیفیات

☆ تاریخی اور تہذیبی بہاؤ

☆ ثقافتی رسمیات

☆فن کار کی انانیت میں چھپی گرہیں

☆نظریات ورجحانات

☆ میلانات وخواہشات

☆خواب اور آدرش............

اِس فہرست کی تکمیل ممکن نہیں کہ شخصیت پر اثرانداز عوامل کی فہرست تک پہنچنا ابھی ہمارے لیے ممکن نہیں۔ایسا اِس لیے ہے کہ فن کار کی شخصیت میں موجود چاک (Gaps)تخلیق کا حصہ بن جاتے ہیں اور یہ چاک یا خالی جگہیں قاری یا معاشرہ اپنے اپنے نفسیاتی تغیرات کے تحت بھرتے ہیں اور اپنی مرضی کی تصویریں بناتے ہیں۔فن کو سمجھنے کے لیے ڈاکٹر وزیر آغا کے ان چند جملوں کو بھی دیکھتے چلیں۔

’’فن اپنی طرف لوٹنے کا ایک وظیفہ ہے۔اندر کے ان دیکھے جہان کو صورت پذیر کرنے کی ایک کاوش ہے۔’ان دیکھا‘ اِس لیے کہ مرئی شئے ہی کو دیکھا جاسکتا ہے۔جب شئے غیر مرئی ہو،ایک بے خدوخال احساس یا تجربے کی صورت میں ہو تو اس کو حسیات کی مدد سے نشان زد کرنا کیسے ممکن ہے؟‘‘(۴)

فن کبھی بھی سادہ اور اکہرا عمل نہیں رہا۔یہ پیاز کی پرتوں کی طرح تہہ در تہہ ہے۔یہ وہ نقطۂ اتصال ہے جو فن کار کے اندر کی کائنات اور باہر کی دنیا کے درمیان ایک ایسا رشتہ قائم کرتا ہے جو فکری سطح پر تخلیق کار کو ایک نئی اور ان دیکھی دنیا میں لے جاتا ہے۔یوں کہیے کہ ہر تخلیق کے دوران فن کار نیا ہو جاتا ہے۔نیا اور بدلا ہوا بالکل اُس طرح جیسے عورت ماں بننے کے بعد ہو جاتی ہے۔نئی اور بدلی ہوئی۔

فن یا تخلیق کی وہ صورت جو کاغذ پر منتقل ہوتی ہے ،ضروری نہیں کہ تخلیق کار کے ذہن میں بھی اِس کے ابتدائی خدوخال ایسے ہی ہوں۔تخلیق سے قبل تخلیق کار کا سامنا لاشعوری سطح پر اپنے آپ سے ہوتا ہے یوں اُس کی ذات غیر ذات بن کر اُس تخلیق میں ڈھل جاتی ہے۔اس مقام پر فن کار تنہا نہیں رہتا پورا عہد اور سماج اُس کے ساتھ ہو جاتا ہے یوں فن کار کی سرکردگی میں یہ قافلہ تہذیب وتاریخ کے سمندروں سے گزرتا ہے۔اِس کشتی کے ناخدا (تخلیق کار) کے اپنے نفسی احساسات اور اندر کی کائنات میں موجود شعری کوڈز اور تخلیقی گرامر بھی اس سارے عمل میں حصہ لیتے ہیں۔تخلیق اُسی خاص لمحے کی کہانی ہے جب فن کار تنہائی میں محفل ہو جاتا ہے ۔اِس محفل میں فن کار کا قاری بھی شامل ہو جاتا ہے۔یہ قاری

جو تخلیق سے قبل ہی تخلیق کار کے ذہن میں موجود ہوتا ہے ۔ڈاکٹر وزیر آغا پھر یاد آتے ہیں۔

''جب قاری یا ناظر تخلیق کے روبرو آتا ہے تو محض اپنے متخیلہ کے زور پر تصویر نہیں بناتا بلکہ تخلیق کے سٹرکچر کے مطابق ایسا کرتا ہے۔۔۔۔ایک فنی تخلیق میں تو جابجا چاک یعنی (Gaps) ہوتے ہیں مگر یہ چاک تخلیق کے سٹرکچر کے تابع ہیں ۔ایک اعلیٰ تخلیق اپنے قاری یا ناظر کو حُسن کا دان نہیں دیتی اسے اپنی طرف بلاتی ہے تا کہ وہ اُس کے اندر کے شگافوں کو بھر دے۔'' (۵)

فن کی تخلیق کے دوران یا اُس سے قبل فن کار کے ذہن کے نہاں خانوں میں قاری بھی کہیں موجود ہوتا ہے۔تخلیق کے سٹرکچر میں رہ جانے والے چاک (Gaps) بتاتے ہیں کہ قاری تخلیق کے رُوبرو آنے سے پہلے ہی تخلیق کار کے ساتھ تخلیق میں شامل ہوتا ہے ورنہ ابہام تخلیق کا جُزو کبھی نہ بن پاتا ۔میرا جی سے کسی نے پوچھا آپ کی نظمیں مبہم ہیں۔قاری اُن کی تفہیم کر کے اُن سے حظ نہیں اٹھا پاتا انہوں نے جواب دیا ۔میری نظمیں اُن قارئین کے لیے ہیں جو انہیں سمجھنے کے لیے ضروری محنت کر سکیں ایسے قاری کے لیے نہیں جو انہیں سمجھنا ہی نہ چاہتا ہو۔میرؔاجی شاید قارئین سے تخلیق کے سٹرکچر میں موجود چاک (Gaps) کو پورا کروانے کی خواہش رکھتے تھے اور یہ کوئی ایسی ناجائز خواہش بھی نہیں گو یا میرؔاجی کے ہاں تخلیق سے قبل ہی قاری تخلیقی عمل میں شریک ہو جاتا تھا۔

فن اور وجدان کے درمیان بڑا باریک فرق ہے۔تخلیق کار کی فنی سطح جب وجدانی جمال سے ہم آہنگ ہوتی ہے تو تخلیق وجود میں آتی ہے لیکن اِس سارے عمل میں روح کا شریک ہونا بھی ضروری ہے۔یہ عمل انسانی سطح پر ہوتے ہوئے بھی فن کار کو کسی بڑے روحانی منطقے کی طرف لے جاتا ہے۔اس روحانی عمل کو بینی ڈیٹو کروشے نے کچھ یوں بیان کیا تھا:

''فن وجدان یا تاثرات کے اظہار کے سوا کچھ بھی نہیں۔وجدان اُس وقت فن بنتا ہے جب روح اُس میں غرق رہتی ہے تاکہ مکمل اظہار معرض وجود میں آسکے۔اس عالم وجدان میں جھوٹ اور سچ کا مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' (٦)

مذہبی مدحیہ شاعری اسی عالمِ وجدان کی تخلیق ہوتی ہے لیکن اِس کا اطلاق ہر مذہبی مدحیہ تخلیق پر نہیں ہوتا۔یہ روحانی ترفّع اللہ کی دین ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر کرم سے بھی اِس کا تعلق ہے۔فن چونکہ شعور اور لاشعور سے مزّین ایک صورت حال ہے لہٰذا اِس میں ماورائے منطق عناصر بھی موجود ہوتے ہیں۔فن پارے کی تفہیم بھی عمومی منطقی رجحانات سے بالا ہو کر ہی کی جا سکتی ہے۔

ہمارے ہاں اردو نعت میں صورتحال گمبھیر ہے۔عمومی سطح پر مذہبی مدحیہ شاعری کی تفہیم و تحسین کے لیے تاثراتی، تحسینی اور تقریظی سطح کی تنقید کا استعمال کیا جاتا ہے۔ہمارے روایتی نقاد نے تنقید کے اس پامال انداز کے استعمال سے فن پارے کے اکہرے معنیٰ کی دریافت کو کافی جانا۔مصنف کے تخلیقی جہاں میں اُترنے اور معنیٰ کی نئی نئی جہات کو تلاش کرنے کا رجحان ہماری مروجہ تنقید میں جڑیں نہیں پکڑ سکا۔اس کی بہت

سی وجوہات ہیں۔ایک بڑی وجہ ہمارا روایتی شاعر ہے جو خود بھی مروجہ روایت اور لفظیات کے سحر سے باہر نہ نکل سکا۔حمد و نعت میں یہ معاملہ زیادہ گمبھیر ہے کہ ہمارے روایتی حمد و نعت گو حضرات نے علامت کو ادب کے معنیاتی پھیلاؤ میں اضافے کے لیے شعوری سطح پر استعمال نہیں کیا یوں تخلیق کار خود بھی بالائی سطح کے نیچے جھانکنے کی کوشش نہیں کر رہا تو اُس کے قاری اور ناقد کے پاس تو اُس کی تخلیق ہی وہ آلہ ہے جس سے وہ کچھ نیا دیکھنے یا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔اب اگر تخلیق ہی اکہری سطح کی ہے اور اُس کا معنیاتی پھیلاؤ کچھ زیادہ نہیں تو ناقد یا قاری کیا کرے؟۔ایسی تخلیقات ہمارے ارد گرد موجود ہوتی ہیں اور اپنا احساس دلائے بغیر معدوم ہو جاتی ہیں۔

مدحیہ تخلیقاتی دائرے میں ہمارے روایتی شاعر کے ساتھ ساتھ روایتی نقاد نے بھی جدید منطقی علوم ادب کو بروئے کار لانے کا کشٹ نہیں اٹھایا۔اب تخلیق اور تخلیق کار دونوں کے ساتھ ساتھ قاری اور ناقد بھی آسان پسندی کا شکار ہو گیا۔اس حوالے سے ایک چھوٹی سی مثال ذہن میں آ رہی ہے۔حالیہ نعت رنگ نمبر (۲۵) میں حمد و نعت کی دنیا کے ایک اہم شاعر اور نقاد جناب ڈاکٹر ریاض مجید کا تنقیدی و تحسینی مضمون" بر سبیل نعت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔الفاظ و تراکیب" شائع ہوا جس میں موصوف نے نعت کے حوالے سے اردو نعت کے غیر نعتیہ الفاظ و تراکیب بیان کی ہیں۔مضمون پڑھ کر میں روایتی شاعری اور روایتی تنقید کی اپروچ (Approach) پر خاصا حیران ہوا۔ڈاکٹر ریاض مجید میرے استادوں میں ہیں اور میں اِس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ فن تخلیق، وجدان اور خبر و اطلاع کے درمیان موجود باریک لکیر سے یقیناً واقف ہیں۔ادب کی تشکیل مکمل طور پر شعوری عمل نہیں ہے۔یہ خبر اور نعرے کی طرح مکمل طور پر منطقی اور سُود و زیاں پر مبنی عمل بھی نہیں ہے ادب تو وہ سرحد ہے جہاں شعور و لاشعور گلے ملتے ہیں۔اِسے خواب اور بیداری کے درمیان کی صورت حال سمجھا جا سکتا ہے۔تخلیق کی لاشعوری سطح کی ڈومنیشن (Domination) اتنی ضرور ہوتی ہے کہ خیال کو فن کی صورت میں ڈھلنے کے لیے اپنے لفظ، تراکیب یا مرکبات خود لانے پڑتے ہیں۔ایسا کرتے ہوئے خیال پر مروجہ زبان اور عہد کے تغیرات کے اثرات مرتب ہو رہے ہوتے ہیں۔تراکیب کی بُنت اور مصرعے کی موزونیت میں تمام حصہ شعور کا نہیں اگر ایسا ہوتا تو شعر میں جذبہ، تاثر، کیفیت اور رنگ جیسے ماورائی و غیر منطقی تصورات کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ڈاکٹر صاحب مذکورہ مضمون میں ایک مقام پر رقمطراز ہیں۔

> "نعت کے اظہار میں نادرہ کاری کو آمیز کرنے کے لیے ہمارے پاس لاحقوں، سابقوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے بس ذرا توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ہم دستیاب ذخیرے کو نہ صرف نعت رنگ کر سکتے ہیں بلکہ عقیدت نگاری کی تمام صنفوں میں استعمال کر سکتے ہیں مثلاً آور کے ساتھ زور آور، نعت آور، حمد آور، منقبت آور وغیرہ ...." (۷)

صاحب! اگر الفاظ و تراکیب اور سابقے لاحقے شعری بُنت میں ایسے ہی ٹانکے جا سکتے تو پھر قواعد و انشاء کی کتب کی

مدد سے شاعری ہوتی۔فن تو فن کار کو اپنی ہی ذات کے روبرو لا کھڑا کرتا ہے اور مذہبی مدحیہ شاعری میں تو احترام کی فضا اپنے سامنے بھی کھڑا نہیں ہونے دیتی۔تخلیق کار کی ذات جب غیر ذات بنتی ہے تو فن تخلیق ہوتا ہے۔ایسے عالم میں تراکیب کی بُنت کا کیا سوال؟۔اِس لمحے تخلیق کار کے سامنے صرف حُسن کا احساس ہوتا ہے اور وہ اِس احساس کی چھتری تلے روشنیوں رنگوں کے جہان دیکھتا ہے۔اِس لمحے میں سچ یا جھوٹ نہیں رہتا۔منطق نہیں ہوتی بس ایک روحانی ترفع ہوتا ہے۔عمومی ادبیات سے مذہبی ادبیات کا سلسلہ ذرا مختلف ہے۔فن کار کی یہ انفرادیت اُسے اُس کی لاشعوری کیفیات میں اپنے سامنے ہی آئینہ نہیں کرتی بلکہ وہ مالک کائنات اللہ رب العزت کے سامنے اپنی نم آنکھوں اور کانپتے جذبوں کے ساتھ جا کھڑا ہوتا ہے وہ شعور اور لاشعور کے درمیان کی اِس منفرد کیفیت میں اپنی جینیاتی (Genetical) کوڈ حیثیت ،تاریخی شعور اوراجتماعی لاشعور اور معاشرتی عوامل کے اثرات کے ساتھ یک بہ یک حاضر ہوجاتا ہے۔ایسے میں احترام اور مناجاتی احساسات اُس کی شخصیت کے پیچھے بڑے فکری عناصر کے طور پر موجود ہوتے ہیں۔تراکیب اور الفاظ کی ایسی بُنت دراصل شعر گڑھنے یا انجینیرڈ (Engineered) شاعری کی تراکیب ہیں جس میں لاشعور کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اور یوں جذبہ کا فقدان شعر کو خبر بنا کر پیش کردیتا ہے ایسی شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہوتی۔احمد ندیم قاسمی صاحب کی مشہور نعت کا ایک شعر ہے۔

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا ﷺ

پورے شعر میں انجینئرڈ شاعری کے مطابق کوئی ترکیب یا شعری بُنت نہیں ہے لیکن شعور اور لاشعور کی ہم آہنگی نے شعر کو خبر کی سطح سے بلند کردیا۔اسلوب کا تعلق لفظ کے سوچے سمجھے اور منطقی استعمال سے نہیں ہے۔روایتی مدحیہ شاعری اور طرحی شاعری کے سیلاب نے ہمارے شاعر کے ذہن میں آفاقی شاعری کا کوئی تصور ابھرنے ہی نہیں دیا۔گہرا مطالعہ روحانی ترفع عطا کرتا ہے یوں ایک شعری خیال کے ساتھ دیر تک سفر کرنا اور یکسُو ہونا آسان ہوتا ہے۔ایک خیال کے ساتھ دیر تک رہنے اور فکری سطح پر شعوری کوشش سے عمدہ،اعلیٰ اور آفاقی شاعری کی تشکیل ہوسکتی ہے لیکن یہ محنت طلب کام ہے کہ ایک ہی خیال کو آپ زاویہ بدل بدل کر مختلف شکلوں میں تلاش کریں۔اِس سے کہیں آسان یہ ہے شعری ظروف سازی میں گڑھی گڑھائی تراکیب یا الفاظ کو لگا دیا جائے۔اِس سے بھی آسان یہ ہے کہ گڑھی ہوئی تراکیب کو سامنے رکھ کر الفاظ کو شاعری کی صورت اکٹھا کرلیا جائے مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر ریاض مجید کے اس مضمون کی اشاعت کے بعد ہمارے روایتی شعراء کاغذ اور قلم لے کر تیار ہوچکے ہوں گے بلکہ ان کے عطا کردہ یہ تمام لاحقے،سابقے،مرکبات اور تراکیب اب تک استعمال ہوچکے ہوں گے۔ڈاکٹر صاحب کو اب اپنے مریضوں کے لیے کسی نئے نسخے کا اہتمام کرنا ہوگا۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی (۱۴جون ۱۸۵۶ء......۲۸اکتوبر ۱۹۲۱ء)ایک مذہبی و مسلکی مبلغ اور عشقِ رسول ﷺ کے عظیم داعی تھے۔آپ کی پوری زندگی عشق رسول ﷺ اور سیرت مصطفی ﷺ کی تبلیغ و ترویج میں گزری

۔آپ نے اپنی زندگی میں دینی تبلیغ اور سیرت پاک کی ترویج کے لیے ایک ہزار سے زائد چھوٹی بڑی عربی، فارسی اور اردو کی کتب یادگار چھوڑیں۔آپ کا سارا علمی کام ہی قابلِ تحسین ہے تاہم آپ کی تین علمی و دینی کاوشوں کو اہم ترین تسلیم کیا جاتا ہے۔

اوّل: ترجمہ وتفسیر قران (کنزالایمان فی ترجمۃ القران)

دوم: فتاویٰ رضویہ (۱۲ جلدیں)

سوم: حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)

''حدائقِ بخشش''، مولانا کا نعتیہ دیوان ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ان کے کلام میں حمد، نعت اور منقبت شامل ہیں۔نعتیہ دیوان کے شعر شعر سے خوشبوئے ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پھوٹتی ہے اور ایک صدی سے زائد سے ایوانِ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معطر کیے ہوئے ہے۔مولانا نے اپنی ۶۵ سالہ حیات مستعار کے ہر ہر لمحے میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا فکری وظیفہ بنائے رکھا اور زندگی کا سفر آپ نے اسی چراغ کو ہاتھ میں لے کر طے کیا۔اُن کے ہاں نعت برائے گفتن یا برائے برکت نہ تھی بلکہ نعت اُن کا طرز زندگی بن گئی تھی۔ایسا طرز حیات جس کے باہر دیکھنے کی انہیں کبھی حاجت ہی محسوس نہ ہوئی۔مولانا کے ہاں نعتیہ تخلیقات جن کیفیات سے متصف ہیں انہیں بیان کرتے ہوئے کچھ مخصوص منطقۂ فکر پر گفتگو ضروری ہوگی۔مولانا کی نعت پڑھتے ہوئے جو پہلا احساس میرے دل میں پیدا ہوا وہ ایک ایسے شخص کا ہے جو اپنے اصل سے بچھڑ گیا ہو۔اُن کے ہاں ہر شعر میں فراق کا جذبہ اور کیفیت نمایاں نظر آتی ہے۔مولانا کے نعتیہ دیوان کے مطالعے سے برصغیر میں رہنے والے ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصور ابھرتا ہے جو جسمانی سطح پر تو اپنے شہر میں موجود ہے لیکن اُس کا دل اور روح روضۂ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طواف کرنے میں مشغول ہیں۔وہ اپنی ہر نسبت اُس خطۂ زمین سے رکھنا چاہتے ہیں جس کا تعلق آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہے۔اُن کا یہ ذہنی سفر ان کی زندگی کا حصہ بن کر نعتوں میں در آیا۔

کنارِ خاک مدینہ میں راحتیں ملتیں
دلِ حزیں تجھے اشکِ چکیدہ ہونا تھا
مفلسو ! ان کی گلی میں جا پڑو
باغ خلد اکرام ہوہی جائے گا
مدینہ چھوڑ کر ویرانہ ہند کا چھایا !
یہ کیسا ہائے حواسوں نے اختلال کیا
جان و دل ، ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا(۸)

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری کو سمجھنے کے لیے اُن کے عہد سے قبل کی نعتیہ شاعری کی روایت کو سمجھنے کی ضرورت ہوگی۔مولانا سے قبل کی اردو نعتیہ شاعری میں مُحسن کاکوروی اور حالی کا نام نمایاں ہے۔حالی کے نعتیہ موضوعات میں اجتماعی فکر کا احساس اِس طرح نمایاں ہوتا ہے کہ ان کی تہذیبی اساس استغاثۂ امت کی صورت میں دلوں پر دستک دیتی ہے۔یہ آواز اُس دور ابتلاء کی صدا تھی جس کو حالی کے محتاط قلم نے حد درجہ خلوص سے پیش کیا۔مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ہاں نعت کا اجتماعی عکس نہیں بنتا۔اُن کی نعت انفرادی سطح پر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غماز ہے لیکن جذبے اور عقیدت کی سطح پر وہ حالی سے آگے نظر آتے ہیں۔حالی کے

ہاں احتیاط بعض صورتوں میں مراتب و مدارج کی پہچان سے عاری بھی ہوجاتی ہے۔حالی کہتے ہیں

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا
کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رُتبہ نہ میرا بڑھانا
بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا
سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح میں بھی ہوں اک اُس کا بندہ
بنانا نہ تربُت کو میری صنم تم
نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تُم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اُس کا اور ایلچی بھی (۹)

اِس کے مقابلے میں مولانا احمد رضا خان کے ہاں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قلندرانہ کیفیت کا بیان ملتا ہے۔اُن کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نعتیہ شاعری کی مثال لق و دق صحرا میں قافلے سے علیحدہ ہوکر اکیلے ہی سفر پر نکل پڑنے کے فیصلے جیسی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مولانا کے ہاں نعتیہ مضامین میں بعض اوقات مسلکی مخالفین کے خلاف تنبیہی اشعار بھی مل جاتے ہیں۔

ترا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے
نجدی اُس نے تجھ کو مہلت دی کہ اِس عالم میں ہے
کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی
اف رے منکر یہ بڑھا جوشِ تعصب آخر
بھیڑ میں ہاتھ سے کم بخت کے ایمان گیا
اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا (۱۰)

مولانا کے اِس رویے کا استدلال یہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ وہ عشقِ رسول کے جس درجے پر تھے وہاں وہ کسی بھی سطح کا معمولی اختلاف بھی برداشت نہ کر سکتے تھے کہ اُن کے عشقِ رسول پر حرف آتا تھا اور وہ بے چین ہو اٹھتے تھے۔ایسے میں بھی وہ منکرین کو آقا کی رحمت کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے تھے۔نعت میں قلندرانہ لہجہ نہ مولانا سے قبل دیکھا گیا نہ اُن کے بعد ہی کہیں اِس صدا کی گونج سنائی دی کہ یہ شاعری کی فنی گرفت کا معاملہ نہیں تھا یہ فکر اور نظریے سے متصل وہ لکیر تھی جس کا ایک سرا مولانا کے دل و روح پر ثبت تھا اور دوسرا مدینہ کی سرزمین پر۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دل عبث خوف سے پتّا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا
تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا (۱۱)

حالی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کے درمیان تقابل دراصل دو شخصیات کے درمیان تقابل نہیں ہے بلکہ دو رویوں کے درمیان موازنہ ہے۔حالی کے ہاں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دھیمی دھیمی آنچ کا سا انداز ہے جس میں وہ خود بھی

چمکتے رہتے ہیں اور اپنے قاری کو بھی اِسی دھیمی مہک سے مسحور کرتے ہیں۔ ان کے ہاں آقا کریم ﷺ کے جسمانی حُسن اور ظاہری زندگی کے پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے جبکہ مولانا کے ہاں آقا کریم سرکار دو عالم کی رحمت، شفاعت اور امت سے بے پایاں محبت کو انفرادی سطح پر دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ انفرادی سطح پر کسی موضوع کو دیکھتے ہوئے آنکھ اور قلم دونوں پر محدب عدسہ آٹھہرتا ہے یوں منظر کی ہر شے اپنی جزئیات کے ساتھ نمایاں ہوکر سامنے آتی ہے۔ ایسی صورت میں اُن کے ہاں بار بار گفتگو اور مکالمے کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ گفتگو یا مکالمہ کسی شعوری کوشش کے باعث نہیں بلکہ آقا کریم ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت اور نسبت کا احساس اُن کو اُس دربار میں درخواست پیش کرنے کا اہل بنا دیتا تھا۔ یہ چیز حالی کے ہاں محسوس نہیں ہوتی۔

غم ہوگئے بے شمار آقا
بندہ تیرے نثار آقا !
بگڑا جاتا ہے کھیل میرا
آقا ! آقا ! سنوار آقا
منجدھار پہ آکے ناؤ ڈوبی
دے ہاتھ کہ ہوں میں پار آقا
ٹوٹی جاتی ہے پیٹھ میری
للہ یہ بوجھ اتار آقا
ہلکا ہے اگر ہمارا پلہ
بھاری تیر اوقار آقا (۱۲)

پوری نعت میں مکالماتی طرز اُن کے مناجاتی طرزِ احساس کے حوالے سے ہمیں معلومات تو دیتا ہی ہے ساتھ میں اُس نسبتِ محمدی پر تفاخُر اور تشکر کی کیفیت سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ حالیؔ کے ساتھ موازنے نے مولانا کی نعتیہ شاعری کے فکری اور فنی محاسن کو نمایاں کیا انہیں اگر ترتیب دیا جائے تو فہرست کچھ اِس طرح کی ہوگی:

نعتیہ شاعری میں ایک قلندرانہ کیفیت کا مسلسل برتاؤ:

مولانا کے نعتیہ دیوان میں پہلی نعت سے آخر تک یہ فکری نشونما نمایاں ہے۔ وہ اپنی نعت کے آغاز سے ہی ایک خوبصورت مناجاتی ماحول تشکیل دیتے ہیں پھر اُسے کلائمکس تک لے کر جاتے ہیں اور مقطع تک پہنچتے پہنچتے قاری کو وہ اشک اور آہیں نظر آنے لگتے ہیں جو نعت کہنے کے دوران مولانا کی آنکھوں اور دل سے نکلے تھے۔ کسی بھی فن کار کی یہ معراج ہوتی ہے کہ وہ اپنے قارئین کو اُس لمحے تک لے جائے جہاں اُس پر فن کی یہ بارش آغاز ہوئی تھی اور مولانا کی بیشتر نعتوں میں بحیثیت قاری میں اُس لمحہ اتصال تک پہنچ گیا جہاں لفظوں کے دروبست میں نور اور رحمت کے چھینٹے تن من بھگونے لگتے ہیں۔ یقینا یہ مولانا پر اللہ کی مہربانی اور آقا کی عنایت ہے۔ زیر نظر نعت میں بھی آپ کو وہی قلندرانہ کیفت اور مکالماتی حسن تحریر ملے گا۔

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
گلزارِ قُدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں
درمان ِدر د بلبلِ شیدا کہوں تجھے
اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں

اے جانِ جاں میں جانِ تجلّا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سُخن اس پہ کردیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے (۱۳)

فنی اور لسانی سطح پر غزل کے لحن کا نعت میں استعمال:

مولانا کا عہد یعنی آج سے لگ بھگ سو سال قبل غزل کا روایتی لہجہ اپنی پوری آب وتاب سے جگمگا رہا تھا۔ داغ دہلوی ،حسرت موہانی ،جگر مراد آبادی ،سیماب اکبر آبادی اور حفیظ جالندھری جیسے شعراء غزل کے روایتی لحن کی تشکیل میں نت نئے تجربات کررہے تھے گویا شاعری میں روایتی غزل بیسویں صدی کے آغاز کی اردو شاعری کو Dominate کررہی تھی۔ مولانا مذہبی مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نعتیہ شاعر بھی تھے۔ شاعر کی حیثیت سے وہ غزل کی مروجہ روایت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ ایسے میں آقا کریم ﷺ کی محبت میں جب انہوں نے اشعار کہنا شروع کیے تو اُسی مروجہ اندازِ سخن کی طرف ان کی توجہ منعطف ہوئی اور لاشعوری طور پر اُن کی نعت میں غزل کا رنگ در آیا جسے انہوں نے شعوری سطح پر کم کرنے کی کوشش کی غزل کا مخصوص آہنگ چھپا کر بات کرنے کا نام ہے۔ غزل کی ڈکشن (Diction) بھی نعت سے کچھ مختلف ہے۔ غزل کے اسی لہجے پر مشتمل اِس نعت کے چند اشعار دیکھیں:

کیا مہکتے ہیں مہکنے والے	بو پہ چلتے ہیں بھٹکنے والے
جگمگا اٹھی مری گور کی خاک	تیرے قربان چمکنے والے
عاصیو ! تھام لو اُن کا دامن	وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے
شمعِ یادِ رخ جاناں نہ بُجھے	خاک ہوجائیں بھڑکنے والے
کفِ دریائے کرم میں ہیں رضا	پانچ فوارے چھلکنے والے (۱۴)

ایک دوسری نعت میں غزل کی ایمائیت دیکھیے۔ اِس نعت میں غزل کی روایتی لفظیات بھی ایک دوسری طرز کا لطف پیدا کررہی ہیں جو اُس عہد کی روایتی نعت سے ہٹ کر تھا:

عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے
جانِ مراد اب کدھر ہائے ترا مکان ہے
بزم ثنائے زلف میں میری عروس فکر کو
ساری بہار ہشت خلد چھوٹا سا عطر دان ہے
عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طُرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے
اک ترے رخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی
اِنس کا اُنس اِسی سے ہے جان کی وہی جان ہے
خوف نہ رکھ رضا ذرا تُو تو ہے عبدِ مصطفی
تیرے لیے امان ہے تیرے لیے امان ہے (۱۵)

نعت کی تشکیل میں زبانوں کے اختلاط کا تجربہ:

مولانا کے ہاں نعتیہ تخلیقات میں عربی اور ہندی کا امتزاج مختلف مقامات پر ہوتا نظر آتا ہے جو نعت میں کسی شاعر کی اولین سعی ہے۔ زبانوں کا یہ اختلاط ایسے دور میں ہوتا ہے جب ایک زبان کے اثرات دوسری زبان پر پڑ رہے ہوں۔ غالب کے عہد میں جیسے فارسی نے اردو (ہندی) کے لیے جگہ خالی کرنا شروع کردی تھی اور ولیؔ کے عہد میں ہندی (ہندوی) نے اردو کے لیے راستہ ہموار کرنا شروع کردیے تھے۔ مولانا احمد رضا خان کے عہد میں زبانوں نے ایک دوسرے کے اثرات لینے شروع کردیا تھا۔ عربی کی وسعت اور دین کی زبان ہونے کا اثر اردو پر پڑ رہا تھا۔ فارسی اپنا

رسُوخ کھو چکی تھی لہٰذا اب ہندی (اردو) کے لیے جگہ خالی ہونا شروع ہوگئی تھی۔ ہر عہد کا بڑا تخلیق کار اِس تبدیلی (Transmission) کو محسوس کرتا ہے اور اُس کے ہاں ردعمل بھی سب سے پہلے نظر آتا ہے مثلاً

☆ امیر خسرو کے ہاں فارسی اور ہندی کے اختلاط پر مشتمل غزل
☆ سعدی کاکوروی (عہد اکبری کا ایک شاعر) کے ہاں فارسی اور ہندی کا اختلاط
☆ بابا فرید کے ہاں اردو، فارسی اور پنجابی پر مشتمل کلام
☆ امیر حسن (امیر خسرو کے پیر بھائی) معروف نام حسن دہلوی کے ہاں امیر خسرو کے تتبع میں فارسی اور ہندی کا اختلاط
☆ غالب کے ہاں فارسی کی مشکل پسندی سے اردو کی آسان لحن کی جانب پیش رفت
☆ اقبال کے ہاں مخصوص ڈکشن میں فارسی سے اردو کی طرف پیش رفت

اسی طرح ن۔م راشد کے ہاں بھی فارسی اور اردو کے اختلاط کی مثالیں موجود ہیں تاہم اُن کا انداز زبانوں کے مختلف اور مشترک خواص کے نتیجے میں نہیں تھا بلکہ اپنی نفسیاتی کیفیات کے زیر اثر تھا۔

مولانا احمد رضا خان نعت گو شاعر کے ساتھ ساتھ مختلف زبانوں کے عالِم اور مذہبی مبلغ تھے۔ اُن کے ہاں عربی اور فارسی کا رچاؤ موجود تھا۔ ایک بڑے نعت گو اور اپنے عہد کے اہم ترین ماہر لسانیات کی حیثیت سے وہ زبانوں کی تاریخ سے بھی واقف تھے۔ زبانیں اپنے عروج کے بعد کسی خاص عہد یا علاقے میں اپنے اثرات چھوڑ کر دوسری زبانوں کو جگہ دیتی ہیں۔ عربی اور فارسی نے بھی انیسویں صدی کے نصف آخر سے لے کر بیسویں صدی کے اوّل ربع تک اردو کے لیے راستہ ہموار کرنا شروع کر دیا تھا۔ قرآن کی زبان عربی ہونے کے باعث مذہبی حلقے کی یہ کسی حد تک روزمرہ کی زبان تھی لہٰذا عربی نے بڑی بہن کی مانند اردو کی آبیاری میں اپنا حصہ ملایا۔ مولانا اپنے عہد کے اس اہم ترین تغیر پر نظر رکھے ہوئے تھے اور ایسے میں انہوں نے اردو نعت میں عربی اور اردو (ہندی) کے اختلاط کا تجربہ کیا یہ تجربہ نعت کے حوالے سے مولانا کے ہاں اولین تجربے کے طور پر ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عمومی شعرائے کرام کے لیے آسان نہیں کہ ہمارا روایتی شاعر زبانوں پر اِس طرح دسترس نہیں رکھتا۔ مولانا احمد رضا خان کے ہاں صرف زبانوں کے اختلاط کا معاملہ نہیں تھا بلکہ آقا کریم ﷺ کی زبان سے محبت اور نعت کی صنف کو روایت کی سطح سے اٹھا کر نئی راہوں کا تعین کرنا بھی تھا۔ لاشعوری سطح پر وہ نعت کو اصنافِ ادب میں نمایاں مقام دلوانے کے لیے راستہ ہموار کر رہے تھے۔ مولانا کے ہاں نعت کی صنف کا موازنہ کسی دوسری صنف سخن کے ساتھ کرنے کی کوئی باقاعدہ سعی نہیں ملتی لیکن وہ اپنے عہد میں غزل جیسی طاقت ور صنفِ سخن کی کارفرمائیوں سے آگاہ تھے لہٰذا نعت میں اُس ڈکشن کا استعمال مولانا کے عہد کی ضرورت تھا کہ ہر عہد اپنی ڈکشن خود مرتب کرتا ہے۔ اُس عہد کی نعت میں عمومی سطح پر اور مولانا کے ہاں خصوصی طور پر غزل کی ایمائیت اور پردہ داری کا رجحان ملتا ہے۔ ان کی ایک نعت میں اسی ایمائیت کے کھلتے ہوئے رنگ دیکھیے۔ اس ایمائیت میں غزل

کی خوبصورتی بھی موجود ہے اور مکالماتی سطح پر مناجاتی کیفیات بھی۔

راہ پُر خار ہے کیا ہونا ہے
پاؤں افگار ہے کیا ہونا ہے
تن کی اب کون خبر لے ہَے ہَے
دل کا آزار ہے کیا ہونا ہے
پر کٹے تنگ قفس اور بُلبُل
نو گرفتار ہے کیا ہونا ہے
تیرے بیمار کو مرے عیسیٰ
غش لگاتار ہے کیا ہونا ہے
کل تو دیدار کا دن ہے اور یہاں
آنکھ بے کار ہے کیا ہونا ہے
کیوں رضؔا کڑھتے ہو ہنستے اٹھو
جب وہ غفار ہے کیا ہونا ہے(۱۶)

اس مکمل نعت میں (جو پینتیس ۳۵/اشعار پر مشتمل ہے) میں مولانا نے زبان و بیان اور لہجہ غزل سے مستعار لیا ہے بلکہ کہیں کہیں تو مضامین بھی غزل کی مروجہ روایت کے ہی نظر آتے ہیں۔

"تن کی اب کون خبر لے ہَے ہَے" میں ہَے ہَے کے الفاظ شمالی ہندوستان کی گھریلو بول چال کا رنگ پیش کرتے ہیں جو مولانا کی مقامی بولیوں اور گھریلو لہجوں پر عبور کی صلاحیت کو بیان کرتا ہے"تیرے بیمار کو مرے عیسیٰ جیسے مصرعے تلمیحاتی سطح پر غزل کی مروّجہ تلمیحات کو نعت رنگ کرنے کی ایک خوبصورت کوشش ہے۔

''پر کٹے تنگ قفس اور بُلبُل'' میں سارا استعاراتی ماحول ہی روایتی غزل سے مستعار لیا گیا۔مولانا کے ہاں نعت میں تشبیہاتی اور استعاراتی سطح سے آگے علامت کی تشکیل کے شواہد بھی موجود ہیں۔علامت تشبیہ اور استعارہ کے خاندان کا ایک رکن ہونے کے باوجود ان سے ذرا علیحدہ اپنی شناخت قائم کرتی ہے۔علامت کی تشکیل استعارے کی تیسری چوتھی یا پانچویں کڑی میں جا کر ہوتی ہے گویا علامت تک کا سفر مروجہ شعری تہذیب میں سے گزرنے کا سفر ہے۔

مولانا کے ہاں زبان و بیان کے حوالے سے حُسنِ تکرار کے ذریعے ایک نیا آہنگ پیدا کرنے کی کوشش بھی نظر آتی ہے۔

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کسِ کو زباں نہیں !!
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے، جس کا بیاں نہیں
کروں مدح اہل دول رضؔا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

زبان و بیان کے حوالے سے حُسن پیدا کرنے کے لیے مولانا نے گفتگو اور مکالمہ سے بھی کام لیا ہے۔ایک بڑے نعت گو شاعر کی حیثیت سے مولانا لفظوں سے تصویر کاری کرتے نظر آتے ہیں۔

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف اُن کی رسائی ہے
گراُن کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے

یقین سے متصف اس نعت نذرانے میں زبان سادہ اور رواں استعمال کی گئی ہے جس سے گفتگو اور مکالمہ کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔"لو جب تو بن آئی ہے " میں لفظ"لو " رواں دواں گفتگو کا مزہ پیدا کرتا نظر آتا ہے۔نعت کے مطلع میں" سنتے

ہیں” کے لفظوں سے جو وہم اور شک کی کیفیت پیدا ہوئی مقطع تک پہنچتے پہنچتے اُن کے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ نے گوارا نہ کیا کہ یہ احساس اُن کے قارئین تک منتقل ہو لہٰذا مقطع میں فرماتے ہیں:

مطلع میں یہ شک کیا تھا واللہ رضا واللہ
صرف اُن کی رسائی ہے صرف اُن کی رسائی ہے

برصغیر کا عمومی مزاج ،زبان اور انداز حیات عرب کی سرزمین سے مختلف ہے ۔برصغیر اور عرب کے درمیان سب سے بڑا اور اہم نکتہ اشتراک مذہب ہے ۔دین مبین کی محبت نے دونوں خطوں کی زبانوں کے درمیان ایک نئے رشتے کو جنم دیا۔برصغیر کے مسلمان فرد کے لیے اُس کی اپنی مادری یا قومی زبان سے بھی زیادہ اہمیت عربی زبان کی ہے۔عربی قران پاک اور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفی ﷺ کی زبان ہے۔دین اسلام کا لافانی پیغام اِسی زبان میں انسانوں تک پہنچا ۔یہی وہ زبان تھی جس میں دنیا کو انسانیت ،امن،محبت اور اخوت کا درس ملا۔اِس زبان سے محبت دنیا کے ہر مسلمان فرد کی فطرت میں ہے۔مولانا مبلغ دین اور نعت گو کی حیثیت سے عربی زبان کے عالِم بھی تھے اور اِس سے محبت بھی رکھتے تھے اور برصغیر کے ایک اردو بولنے والے فرد کی حیثیت سے اردو اور ہندی سے بھی ان کا فطری رشتہ تھا ۔سماجی روابط کی زبان اردو میں دوسری زبانوں سے اختلاط کی فطری گنجائش موجود ہے ۔مولانا بریلوی کے ہاں ایک نعت میں دونوں زبانوں (اردو اور ہندی لہجہ)اور عربی) کے اشتراک سے ایک نعت تشکیل دی گئی ہے ۔مولانا کی یہ نعتیہ کاوش زبانوں کے اختلاط کا مدحیہ مذہبی شاعری میں اولین تجربہ ہے۔مولانا سے قبل اردو (ہندوی) اور فارسی کے اختلاط سے غزل کا تجربہ امیر خسرو کے ہاں موجود ہے۔امیر خسرو کی غزل میں دونوں زبانوں کا سفر ایک ایسی ندی کو دیکھنے کے مترادف ہے جس میں دو مختلف رنگوں کے پانی کو یکجا کر کے ایک یک جان آمیزہ (Homogenious Mixture) بنا دیا گیا ہو۔

زحال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روز و صلت چُو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں (۱۷)

خسرو کے ہاں زبان کا یہ اولین تجربہ اِس لحاظ سے مکمل کامیاب رہا کہ دونوں زبانوں کی اجنبیت کو انہوں نے اپنے لسانی فلسفے سے مکمل طور پر ختم کر دیا۔خسرو کے ہاں زبانوں کا یہ اختلاط و اشتراک ایک ادبی قدر اور شعری فلسفے کے طور پر تھا۔ہمیں خسرو کی غزل کا مولانا کی نعتیہ ادبی کاوش سے تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے اِس بات کو ضرور ذہن میں رکھنا چاہیے کہ خسرو کے ہاں دونوں زبانوں (فارسی اور اردو) سے کوئی مذہبی جذباتی وابستگی نہ تھی جبکہ مولانا کے ہاں یہ جذبہ تخلیق میں ایک نیا ادبی حُسن پیدا کر رہا ہے۔

مولانا کی نعت میں اس اختلاط میں دو تہذیبوں کا اشتراک نظر آتا ہے ۔مناجاتی کیفیات اور ہجر طیبہ کے جذبات سے سجی اس نعت میں ہندی گیت کی وہ لے محسوس ہوتی ہے جو محبوب کے ہجر کو لفظوں کا روپ دینے سے پیدا

ہوتی ہے۔۔

لم یاتِ نظُیر ک فی نظرِ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تو رے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا
الجرُ علاو الموجُ طغا، من بے کس وطوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہَوا موری نیّا پار لگا جانا
یاشمس نظرتِ الیٰ لیلی چُو بطیبہ رسی عرضے بکنی ! !
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا(۱۸)

مولانا احمد رضا خان کے ہاں محبوب سے فراق کا ہجر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے ۔مولانا کا محبوب دنیاوی محبوب نہیں بلکہ محبوب خدا حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے یوں تناظر وسیع ہونے سے احترام کی کیفیات کا رنگ بھی منفرد ہو گیا۔مولانا خود بھی زبانوں کے اس اختلاط پر مشتمل نعت کی تخلیق کے دوران تلاش حُسن کی اُسی کیفیت میں سرگرداں رہے جہاں سچ اور جھوٹ جیسی منطقی جذبات کے بجائے حُسن ومحبت کا احساس اہم ہوتا ہے اور اِسی نیم خوابی کی کیفیت میں ایک جہان حُسن کی تسخیر کرتے چلے گئے ۔وہی جہان رنگ وُ بو محبت رسول ﷺ ایک اعلیٰ اخلاقی قدر کے طور پر جلوہ افروز ہے۔اُس لمحۂ وجد کو جہاں احساس فن کی شکل اختیار کرتا ہے،مولانا خود بھی سمجھ نہ پائے لہٰذا مقطع میں اپنی اس کم مائیگی کو یوں بیان کرتے ہیں۔

بس خامۂ خام نوائے رضا، نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا نہ چار اِس راہ پڑا جانا

خسرو کے عہد میں زبان ارتقائی مراحل طے کر رہی تھی اور اُن کا لسانی شعور نئے ادبی تجربات کی راہ ہموار کر رہا تھا جبکہ مولانا کے عہد میں زبانیں اپنے ارتقائی مراحل طے کر چکی تھیں اور اجتماعی لسانی شعور تمدن کے مراحل میں داخل ہو چکا تھا۔مولانا کے ہاں وہ اجتماعی ادبی اور لسانی شعور مکمل رچاؤ کے ساتھ نظر آ رہا ہے۔

خُسرو سے قبل بھی زبانوں کے اختلاط کے تجربات بھی ہوتے رہے ہیں۔بابا فرید گنج شکر (متوفیٰ ۱۲۶۹ء) کے کلام میں ایسا ہی ایک تجربہ جو فارسی اور ہندی آمیز اردو اور پنجابی پر مشتمل ہے، ملتا ہے۔

وقت سحر وقتِ مناجات ہے
خیز دراں وقت کہ برکات ہے
بادم خود ہمد م و ہشیار باش
صحبتِ اغیار بُری بات ہے(۱۹)

زبانوں کا یہ اختلاط عام طور پر ایسے عہد میں ہوتا ہے جب ایک زبان اپنے ارتقائی مراحل طے کر کے کسی خاص علاقے میں کسی دوسری زبان کے لیے جگہ خالی کر رہی ہو۔شہنشاہ اکبر (متوفیٰ ۱۶۰۵ء) کے عہد کے ایک شاعر سعدی کاکوروی کے ہاں بھی یہ لسانی تجربہ موجود ہے جو فارسی اور ہندی کے اختلاط کا نتیجہ ہے۔

قشقہ چو دیدم بررخش گفتم کہ یہ کا ریت ہے
گفتہ کہ دورے باولے اِس ملک کی یہ ریت ہے
سعدی طرح انگیختہ شیرو شکر آمیختہ ! !
در ریختہ و ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے(۲۰)

امیر خسرو کے ایک پیر بھائی امیر حسن (معروف نام حسن دہلوی) متوفی (۱۳۳۷ء) کی ایک غزل بھی اسی ذوقِ

اختلاط کا نتیجہ ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ یہ غزل امیر خسرو کے شعری اور لسانی تجربے کا تتبع ہے

ہر لحظہ آید در دلم دیکھوں اُسے ٹک جائے کر
گویم حکایت ہجر خود با آں صنم جیوں لائے کر (۲۱)

مولانا کے ہاں لسانی تجربات سے محبت کا ذوق موجود تھا۔ وہ خاص وضع کے الفاظ اور تراکیب کا استعمال زیادہ کرتے ہیں۔ اردو کی روایتی غزلیہ شاعری اور ہندی گیت میں ناؤ، نیّا، کشتی یا اِسی قبیل کے الفاظ قسمت کے بگڑنے یا بننے کے مضمون کو ضابطہ تحریر میں لانے کے لیے استعمال کیے جاتے رہے۔ طویل فاصلوں اور ناممکن اور مشکل سفر کے بیان کو بھی سمندر، منجدھار، دریا اور کشتی کے ذریعے بیان کرنے کا رجحان موجود رہا۔ ایک زمانے تک طویل فاصلوں کے لیے ذریعۂ سفر کشتیاں اور بادبانی جہاز ہی رہے۔ مولانا کے عہد میں برصغیر میں ریل بھی متعارف ہو چکی تھی تاہم حج کا طویل سفر بحری جہازوں کے ذریعے یا پھر ریل کے ذریعے ہوتا تھا۔ خواجہ حسن نظامی حج کے لیے سرِ زمین حجاز ریل کے ہی ذریعے گئے تھے جس کا ذکر انہوں نے اپنے سفری یادداشتوں پر مشتمل مضمون میں کیا ہے۔ مولانا احمد رضا خان کے ہاں استعاراتی سطح پر آقا کریم ﷺ کو ناخدائے دین وملت تسلیم کیے جانے کے بعد غزل کے استعاراتی نظام کے ذریعے مناجات پیش کی گئی ہیں۔

البحر علا والموج طغےٰ، من بے کس وطوفاں ہوش رُبا منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا شعر کے دوسرے مصرعے کے آخری نصف میں ''موری نیّا پار لگا جانا'' کو ''میری کشتی پار لگا جانا'' میں تبدیل کر کے آسان کیا جا سکتا تھا لیکن داد دیجیے مولانا کی لسانیاتی تشکیلی قوت کو جنھوں نے ان چار الفاظ پر مشتمل ٹکڑے کے ذریعے ہندی گیت کے بین السطور ہجر کی دھیمی دھیمی لَی کی ساری خوشبو شامل کر دی یوں یہ صرف آقا کریم ﷺ کے حضور مناجات ہی نہ رہی بلکہ ہندی زبان کی مٹھاس اور خوشبو کو قاری تک پہنچانے کی خدمت بھی انجام دے رہی ہے۔ یہاں ہمیں مولانا احمد رضا خان کے حوالے سے کم از کم دو باتوں کا احساس ہوتا ہے۔

اوّل: مولانا کے ہاں زبانوں کی ساخت کی تفہیم کا احساس اور کلاسیکی غزل کی ڈکشن کے اثرات

دوم: اُردو نعت میں نئے لسانی تجربات کی پہلی باضابطہ کوشش۔ غزل میں وقتاً فوقتاً ایسے لسانی تجربات کیے جاتے رہے۔

مولانا ادب اور ثقافت کی ترسیل میں زبان کی اہمیت سے واقف تھے۔ اردو اور عربی کے درمیان مشترکات بھی اُن کی نظر میں تھے لہٰذا وہ دونوں زبانوں کے درمیان ایک ایسا اختلاط پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے جس میں جذبے کی ترسیل آسان بھی تھی اور پُر تاثیر بھی۔ زبانوں کی ساخت کو سمجھتے ہوئے اس نعت میں مولانا کلاسیکی غزل کے روایتی جذبات کے ذریعے تاثیر پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اردو کی روایتی غزل میں یہ روایت رہی ہے کہ نئی اور مختلف الاوزان بحور کا استعمال کیا جاتا رہا ہے یوں زبان و بیان کی سطح پر ایک نُدرت کا احساس ہوتا ہے۔ مولانا نے بھی نعت میں کچھ نئی

بحور پر طبع آزمائی کی ہے

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعتِ نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ
ظاہر و باطن اوّل و آخر زیب فروع وزینِ اصول
باغِ رسالت میں ہے تو ہی گُل غُنچہ جڑ پتی شاخ (۲۲)

مولانا کی نعت میں جو گلہائے عقیدت کھلے ہوئے نظر آتے ہیں اُن میں ہماری روایتی کلاسیکی شاعری کے مثبت رنگ جھلکتے نظر آتے ہیں۔نئی بحروں کے استعمال کی یہ کوشش اُس نفسیاتی میلان کی جانب اشارہ کرتی ہے جو اردو غزل کی کلاسیکی روایت کے تحت اُس زمانے کی اجتماعی ادبی روایت کا حصہ بن چکا تھا۔مولانا نے اردو کی کلاسیکی غزل کے زبان و بیان اور فکری فضا کو اجتماعی سطح پر محسوس کیا اور نعت میں نئے لسانی اور فکری تجربات کی صورت میں قرطاس کے حوالے کیا۔

اُن کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفی نے دریا بہا دیے ہیں

نعت رسول مقبول تو ہے ہی عشق کی دولت اور عشق بغیر یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔عشق نبوت منطق طلب نہیں کرتا۔یہ راستے کی مشکلات بھی نہیں دیکھتا اور بے خطر آتشِ نمرود میں کود پڑتا ہے۔مولانا کی نعت میں فکری سطح پر یہی یقین کوڈ ڈ صورت میں موجود ہے جو مولانا کی ساری نعتیہ شاعری میں جذبے اور فکر کی آمیزش کو معنیاتی سطح پر یقینی بناتا ہے۔یہی یقین جب اُن کے سرمایئے کو روشن کرتا ہے تو تصویر کچھ ایسی بنتی ہے۔

ہے کلامِ الٰہی میں شمس وضحیٰ تیرے چہرۂ نورفزا کی قسم
قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم
پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکر یں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
یادِ حضور کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں (۲۳)

غالب کی غزل کی مشہور زمین میں نعتِ رضا میں غزل کی کلاسیکی روایت کی ایمائیت اور پردہ داری کی ساری خوبیاں نظر آرہی ہیں۔فکری سطح پر محبوب کے ہجر کی کیفیات کو مجسم کرنے میں لفظیات بھی غزل کی اُسی روایت سے لی گئی ہیں جس پر غزل کی کلاسیکی روایت استوار ہے۔

غزل کی روایت سے منسلک ایک اور نعت کا رنگ دیکھیں

لطف اُن کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا
ایک دن آواز بدلیں گے یہ ساز
چہچہا کہرام ہو ہی جائے گا
اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا (۲۴)

اس نعت کا لسانی تجزیہ کرتے ہوئے ہمارے سامنے اٹھارویں ،انیسویں اور بیسویں صدی کی اردو غزل کا وہ لفظیاتی آہنگ نظر آرہا ہے جو غزل کی روایت نے زبانوں کے ارتقائی عوامل سے حاصل کیا تھا۔زبان صاف اور لہجہ رواں

ہے لیکن بڑی خوبی لفظوں کے ذریعے ایک خاص طرح کی فضا کی تشکیل ہے جس میں ہجر اور جدائی کا رنگ نمایاں ہوتا نظر آتا ہے۔

مولانا کے نعتیہ کلام میں مخصوص لفظیات اور ان سے پیدا ہونے والے معنوی اثرات کا تانا بانا انیسویں صدی کی شعری روایت سے منسلک ہوتا نظر آتا ہے۔منجدھار ،نیّا ،ناؤ ۔ سگ،محراب،ولا،دلہن،دولہا،نوشہ،عروس،نقاب،جلوہ،شادی، بوسہ جیسے الفاظ کو انہوں نے اختصاص کے ساتھ مسلسل استعمال کیا ہے۔اِن الفاظ میں ہندی الاصل الفاظ زیادہ ہیں کہا جا سکتا ہے کہ فن پارے کی تخلیق پر تخلیق کار کے اثرات اُس کے گردوپیش کے تناظر کے ساتھ پڑتے نظر آتے ہیں۔موضوع اور لفظوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔الفاظ موضوع کے ساتھ ساتھ ہی تخلیقی کیفیات کو مجسم کرنے کے لیے اترتے ہیں اور ان لفظوں کا نزول ایک خاص لسانی دائرے میں آتا ہے۔جن پر فن کار کا شعوری سطح پر حاصل کیا گیا ماضی بھی نظر آتا ہے تخلیق میں لفظ کا استعمال تخلیق کار کے ماضی سے جُڑے ہوئے احساس کو بھی رقم کرتا ہے اور حال کی شعری روایت کی تصویر کاری بھی کرتا ہے یوں ایک فن پارہ اپنے تخلیق کار کی مکمل ملفوظاتی تصویر (Wordic Picture) بن کر سامنے آجاتا ہے۔

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
نظر میں دولہا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منھ پر آنچل تجلی ذات بحت کے تھے (۲۵)

لفظ کا تخلیق میں استعمال کا تعلق روایت سے بھی ہے۔میں نے اس بات کو روایت کے تناظر میں کچھ یوں بیان کیا ہے

''روایت کا عمل ارتقائی ہے یعنی یہ کسی تاریخی منظر نامے میں بنائے گئے کسی ادبی منصوبے یا فکری نظریے کا پابند نہیں ہوتا۔روایت کا تعلق ثقافت کے ساتھ گہرا ہے۔ادب اور ثقافت کی بنیاد ایک ہی ہے اور روایت اس بنیاد کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔'' (۲۶)

مولانا احمد رضا خان کے ہاں بھی نعت کی شعری روایت ثقافتی عناصر کے ساتھ خلط ملط ہو کر ایک ایسی تصویر پیش کرتی ہے جس میں برصغیر (شمالی ہند) کے ثقافتی پیرہن بھی نظر آتے ہیں اور حجاز کے صحرائی حُسن کی تصویر بھی۔یہی حُسنِ فطرت انہیں ہاتھ پکڑ کر اُس حُسنِ ازل کی جانب لے جاتا ہے۔

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں

فکری سطح پر تقابل ارض طیبہ اور ارض وطن کے دوران مولانا کی کیفیت قفس میں موجود بے بس پرندے جیسی نظر آتی ہے

میں یادِ شہ میں روؤں عنادل کریں ہجوم
ہر اشکِ لالہ فام پہ ہو احتمالِ گُل
طیبہ سے ہم آتے ہیں کہیے تو جناں والو
کیا دیکھ کے جیتا ہے جو واں سے یہاں آیا

مولانا کے ہاں منقبت شیخ عبدالقادر جیلانی میں بھی نعت مبارک کی طرح سپردگی کی کیفیت ملتی ہے۔محبت اور عقیدت

کے جذبات کی روانی ان کی منقبت کو بھی معاصر شعراء سے منفرد بناتی ہے ۔مولانا کی نعتیہ تخلیقات میں لفظ کا مخصوص استعمال اُس ثقافتی پیرائے کو بیان کرتا ہے جس کے جلو میں تاریخ وتہذیب کا ایک دریا بہتا نظر آتا ہے۔یہ تاریخی ورثہ دین اسلام کی مرکزیت کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔یوں مولانا کی نعتیہ شاعری میں وطن سے حجاز تک کے تمام رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔ثقافتی ترسیل کا یہ منبع شعروادب اپنی گہری مدحیہ کیفیات میں ایک منفرد رنگ کا حامل ہے۔نظریۂ ترسیل اور لفظیاتی ساختوں کے حوالے سے یہاں کچھ نکات پیش کیے گئے ہیں لیکن ابھی بہت کچھ کہنا باقی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ نعت اورجدید تنقیدی رجحانات ،کاشف عرفان ،(دیباچہ)،نعت ریسرچ سنٹر،کراچی،۲۰۱۶ء
۲۔ حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)،احمد رضا خان،مولانا ،نذیر سنز ،لاہور،۱۹۸۷ء
۳۔ نعت رنگ نمبر ۱۸(ادارتی نوٹ)،(مُرتّبہ)سید صبیح رحمانی ،نعت ریسرچ سنٹر،کراچی
۴۔ مضمون"معنی اورتناظر"مشمولہ"معنی اورتناظر"،وزیرعلی آغا،مکتبہ نردبان،سرگودھا،دسمبر ۱۹۹۷ء،ص ۱۵
۵۔ مضمون"ادراک حُسن کا مسئلہ"مشمولہ"معنی اورتناظر"،وزیر آغا ،ڈاکٹر،نردبان سرگودھا،دسمبر ۱۹۹۸ء،ص ۳۸
۶۔ اشاراتِ تنقید ،سید عبداللہ،ڈاکٹر ،مقتدرہ قومی زبان ،اسلام آباد،۱۹۸۶ء
۷۔ مضمون"بر سبیل نعت......الفاظ وتراکیب"،ریاض مجید،ڈاکٹر ،مشمولہ نعت رنگ نمبر ۲۵ ،نعت ریسرچ سنٹر،کراچی ۲۰۱۵ء
۸۔ حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)،احمد رضا خان،مولانا ،نذیر سنز ،لاہور،۱۹۸۷ء
۹۔ مشمولہ قرآنی شمعیں ،حکیم محمد صادق سیالکوٹی ،مکتبہ نعمانیہ،گوجرانوالہ
۱۰۔ حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)،احمد رضا خان،مولانا ،نذیر سنز ،لاہور،۱۹۸۷ء
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ایضاً
۱۳۔ایضاً
۱۴۔ ایضاً،صفحہ ۶۳-۶۲
۱۵۔ایضاً
۱۶۔ایضاً،ص ۶۴-۶۳
۱۷۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ ،سلیم اختر ،ڈاکٹر،سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۳ء
۱۸۔ حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)،احمد رضا خان،مولانا ،نذیر سنز ،لاہور،۱۹۸۷ء
۱۹۔ اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ ،سلیم اختر ،ڈاکٹر،سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۳ء
۲۰۔ ایضاً
۲۱۔ایضاً
۲۲۔ حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)،احمد رضا خان،مولانا ،نذیر سنز ،لاہور،۱۹۸۷ء
۲۳۔ ایضاً
۲۴۔ایضاً
۲۵۔ایضاً
۲۶۔ مضمون"نعت نگاری پر مابعد جدیدیت کے اثرات"،کاشف عرفان،مشمولہ نعت رنگ نمبر ۲۵۔

☆☆☆

ڈاکٹر تنظیم الفردوس

کلامِ رضا کی لسانی تشکیلات اور اس پر مقامی اثرات

دُنیا کی تمام زبانوں میں نعت پاک رسول ﷺ کے ذخیرے موجود ہیں اور ساری دُنیا میں مسلمان اور شمع رسالت کے پروانے موجود ہیں۔ نعت مسلمانوں کے لیے سرمایۂ آخرت ہے اور غیر مسلم اس محفل میں شرکت کو اپنے لیے اپنے طور پر باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔ کرۂ ارض پر جہاں بھی ذی رُوح موجود ہے وہاں ذکر پاک رسول ﷺ بھی موجود ہے۔ ہندو پاک کی زبانوں کی تو بات ہی دیگر ہے، دُنیا کی ساری زبانیں اور بولیاں بھی سب نبی ﷺ کی گواہ ہیں۔ اس کی گواہی فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری سے مل سکتی ہے کہ ان کے یہاں بیک وقت کئی زبانوں کا ملاپ نظر آتا ہے۔ مولانا کے علم و فضل سے تو سب واقف ہیں۔ آپ عربی، فارسی، اُردو، ہندی، ترکی زبانوں پر دسترس کے علاوہ شمالی ہندوستان کی مختلف بولیوں اور لہجوں پر بھی محض رسمی نہیں بلکہ ماہرانہ قدرت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں عربی، فارسی، ہندی، اودھی، برج، پنجابی اور ہریانی لفظوں کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ان سب کے اتصال سے ایک نئے لہجے کو جنم دیا ہے۔ یہ اتصال ان کی ماہرانہ قدرت کی دلیل ہے۔(۱)

احمد رضا خان بریلوی سے پہلے ایسے نمونے شاذ ہی نظر آتے ہیں۔ اگر کچھ نمونے موجود بھی ہیں تو وہ برائے بیت ہی ہیں یا تفنن طبع کے طور پر وجود میں لائے گئے ہیں۔ احمد رضا خان بریلوی کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ ان کے یہاں تجربات عالمانہ شان کے ساتھ وجود میں آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا کے یہاں شمال مغرب، شمال مشرق، شمال جنوب کی بولیاں جھلکتی ہیں۔ شمال مغرب میں بولیوں کا یہ سلسلہ پنجاب تک ہی نہیں، کشمیر کے نواح تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح شمال مشرق میں بلیا، گورکھپور اور اعظم گڑھ تک یہ سلسلہ جاملتا ہے۔ مولانا کی لسانی قوت اس پورے علاقے کے نوع بنوع لسانی تصورات کا احاطہ کرتی ہے۔ انھوں نے اپنے تمام ہم عصروں کو اس معاملے میں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔(۲)

نعت نبی ﷺ کا وسیع دامن پوری کائنات پر اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ اس کی بیکراں وسعتوں کا قیاس عقلِ انسانی کے بس کی بات نہیں لیکن مولانا احمد رضا خان نے نعت گوئی میں نئے نئے گوشوں اور نئی نئی یافتوں سے ہمیں رُوشناس کرایا ہے جس میں سے ایک یہ ہے کہ مقامی زبانوں کا عربی و فارسی کے ساتھ جس طرح ایک مخصوص آمیزہ نعت نبی میں تیار کیا ہے وہ زبانوں کے لیے باعثِ فخر ہے۔ ڈاکٹر سراج بستوی

کے مطابق مولانا علاقائی اور مقامی بولیوں سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ مقامی بولیوں کے اس لہجے کو ادبی اظہار میں جگہ ملنا چاہیے تھی لیکن حضرت رضا بریلوی کے عہد تک کے شاعروں اور ادیبوں کی فکری جولانگاہ بننے سے محروم رہ گئی تھیں۔ یا پھر اربابِ سخن نے ان الفاظ کو محض نامانوسیت کی بنا پر نظرانداز کر دیا تھا۔(۳) جبکہ ادبی تخلیق کار کے لیے انھیں نظرانداز کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ جبکہ کچھ الفاظ سماجی ضروریات کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے متروک قرار دیے جاتے ہیں۔ حالانکہ ایک تخلیق کار اپنی صلاحیت سے ان میں جان ڈال سکتا ہے۔ کچھ الفاظ کریہہ، ثقیل اور نامانوس تسلیم کر لیے جاتے ہیں، بڑا شاعر ایسے الفاظ کو بھی غیر تقلیدی انداز پیش کش سے تازگی اور حُسن کا مرقع بنا کر پیش کرتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان کی نعتوں میں پہنچ کر الفاظ نئی معنویت حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً:

میل سے کس درجہ ستھرا ہے یہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

(حدائق:۲:۳)

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں کہ یہ شعر جب میرے سامنے آیا تو میں نے غور کیا کہ یہ لفظ تو ہمارے بچّے بھی نہیں جانتے کہ کورا کرتا کسے کہتے ہیں۔(۴) لیکن قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ کورا کرتا ہمیں لباس تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے جو قرآن کی ایک مستقل اصطلاح ہے یعنی جو لباس تقویٰ کا ہے وہی سب سے اچھا لباس ہے۔ مثلاً یہ دوسرا شعر ملاحظہ ہو:

کیا بنا نامِ خدا اسریٰ کا دولھا نور کا
سر پہ سہرا نور کا ، بر میں شہانا نور کا

(حدائق:۲:۴)

کشفی صاحب لکھتے ہیں کہ ''شادی کی نسبت سے رسوم اور یہ معراج! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ معراج ہے اور معراج کا واقعہ ''معراجِ کبریٰ'' ہے۔ اسی معراج کبریٰ سے یہ لفظ دولھا جس طرح ایک نقطۂ معراج کی طرح یہاں آتا ہے اس کا جواب نہیں۔ آپ یہ غور فرمایئے کہ آج واقعی اُردو کی لغت مرتب کرنے میں لہرا نور کا، اعلیٰ نور کا، اہلا نور کا، توڑا نور کا...... یہ وہ الفاظ ہیں جو اُردو میں متروک ہوجاتے اگر امام احمد رضا خان نے ان کو اپنی نعتوں میں استعمال نہ کیا ہوتا۔''(۵)

ان الفاظ کی موجودگی اُردو زبان کی اصل پر دلالت کرتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اُردو خالص برّصغیر پاک و ہند کی زبان ہے۔ اس میں مقامی زبانوں کے الفاظ کی تعداد عربی اور فارسی الفاظ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ جہاں تک اُردو گرامر (قواعد) کا تعلق ہے وہ ہندی گرامر سے بہت زیادہ قریب ہے کیونکہ اس کے بیشتر افعال وضمائر دیسی ہیں۔ مزاج اور لہجہ دیسی ہے۔ رُوح دیسی ہے۔ جسم دیسی ہے۔(۶) گویا یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اُردو نے ہند آریائی زبان کا دودھ پیا ہے...... اُردو زبان ہماری پچھلی کئی صدیوں کی تہذیبی کمائی ہے۔(۷)

یوں بھی شاعر تو بڑا حسّاس ہوتا ہے۔ وہ اپنے جذبات و خیالات ہی کا ترجمان نہیں، اپنے عہد کا بھی ترجمان ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ماحول اور اپنے گردوپیش سے بے خبر کیسے رہ سکتا ہے۔ ان سے بے پروا ہو کر یا ان کی طرف سے آنکھیں موند

کر اچھے ادب اور اچھی شاعری کو کیسے وجود میں لاسکتا ہے۔ ایک سچائی یہ بھی ہے کہ جو زبان جس ملک میں آنکھ کھولتی ہے، پلتی ہے، بڑھتی ہے وہ کسی بیرونی تہذیب سے متاثر ہونے کے باوجود بھی اپنی ملکی تہذیب سے رشتہ نہیں توڑ سکتی۔ اُردو ہندوستان کی سب ہی قوموں اور زبانوں کا ایک مشترک روپ ہے۔ ہندوستانی تہذیب کا کوئی مظہر ایسا نہیں جو اُردو ادب میں نہ ہو۔ اور نعت اُردو کی ایک توانا صنف جبکہ مولانا احمد رضا خان اُردو کے نمایاں نعت گوشعراء میں باوقار اہمیت کے حامل جنھوں نے رسول کریم کے حسن و جمال، ان کے جاہ وجلال اور ان کی عظمتوں و رفعتوں کے گن گائے ہیں اور مکہ و مدینہ و بغداد کے نغمے الاپے ہیں لیکن ان سب کے باوجود آپ کی شاعری میں ہندوستانیت موجود ہے۔ آپ نے ہندی زبان و محاورہ اور ضرب الامثال و رسم ورواج سب ہی کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے اور اس حقیقت کو کبھی نہیں بھولتے کہ وہ ہندوستانی شاعر ہیں۔ (۸)

مولانا احمد رضا خان کے یہاں ہندی اور ہندوستانی عناصر کو اس طرح برتا گیا ہے کہ موضوع کے تقدّس اور شرعی وقار پر کوئی حرف نہیں آنے پاتا ساتھ ہی اشعار میں شیفتگی و پاکیزگی کا ایک انیلا وسجیلا انداز اور ایک طرحداری و بانکپن رچا ہوا دِکھائی دیتا ہے۔ وہ عقائد کی بنیاد پر مسلک اہلسنّت اور سلسلۂ قادریہ کے پاسبان ضرور ہیں لیکن وہ اپنی ہندوستانیت کے بھی معترف ہیں جب وہ کہتے ہیں:

احمد ہندی رضا ، ابن نقی ابن رضا
از اب وجد بندہ واقف زہر عنواں توئی

(حدائق:۱:۸۵)

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں ہوں بھی تو دیتا رہوں پہرا تیرا

(حدائق:۱:۵)

لفظیات اور مقامی اثرات:

شاعری کے شائقین اور فن شاعری کے رموز سے آگاہ افراد مولانا احمد رضا خان کا کلام پڑھنے کے بعد یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ان کی شاعری میں کوئی جز ماورائے شاعری بھی ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس جز کا تعلق ان کے علمی مرتبے، فضل وکمال یا کسی بھی نوع کی ہمہ دانی سے نہیں ہے اس کے باوجود ان کے کلام میں لفظی دروبست اور صوتی ولسانی ہمہ رنگی کا جائزہ لیا جائے تو ان کی انفرادیت کا رنگ بخوبی اُبھر کر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیے:

وہ سرگرم شفاعت ہیں عرق افشاں ہے پیشانی
کرم کا عطر صندل کی زمیں رحمت کی گھانی ہے

(حدائق:۱:۸۶)

''اُردو لغت تاریخی اصول پر'' کی سولھویں جلد میں لفظ ''گھانی'' کے کئی معنیٰ درج ہیں جن میں سے ایک ہے ''تیل یا رس نکالنے کی مشین، کولھو، بیلن، چکی۔ اور اس لفظ کی اصل سنسکرت ہے۔ اب آپ مذکورہ بالا شعر کی معنویت اور لفظی دروبست ملاحظہ فرمائیں۔ ڈاکٹر سراج احمد کے مطابق ''یہ لفظ مشرقی اُتر پردیش کے مضافاتی علاقوں میں بولا جاتا ہے۔ خصوصاً ان اضلاع کے دیہی علاقوں میں جو سرحدوں سے جاملتے ہیں، خود اس لفظ کو بارہا اپنی دادی کی زبان سے سنا ہے۔'' (۹)

یاں بھی داغِ سجدۂ طیبہ سے تمغا نور کا

اے قمر کیا تیرے ہی ماتھے ہے ٹیکا نور کا
(حدائق:۲:۴)

تاج والوں کا یہاں خاک پہ ماتھا دیکھا
سارے داراؤں کی دارا ہوئی دارائی دوست
(حدائق:۱:۲۴)

ہم بھی چلتے ہیں ذرا قافلے والو ٹھہرو
گٹھریاں توشۂ اُمید کی کس جانے دو
(حدائق:۱:۵۳)

لفظ ''ٹیکا'' جو قشقہ (اور بندیا) کا ہم معنیٰ ہے، تقریباً پورے ہندوستان کے شمالی علاقوں میں بولا جاتا ہے جس کو اہلِ ہنود اپنی عام بول چال زبان میں استعمال کرتے ہیں۔ لفظ ''ماتھا'' کا استعمال بھی بالکل لفظ ٹیکا کی طرح ہے۔ لفظ ''گٹھری'' بھی مشرقی اضلاع کے سرحدی مضافاتی علاقوں میں بولا جاتا ہے۔

وسطِ گلستاں میں نہر، نہر کے ہر سمت دوب
دوب میں بوٹے ہزار بوٹوں میں در عدن
(حدائق:۳:۴۴)

جب سے شہہ بلخ نے زک شہہ ایراں کو دی
سکۂ زر کے عوض کوڑیوں کا ہے چلن
(حدائق:۳:۴۴)

رضا بریلوی نے اس شعر میں لفظ ''دوب'' کا استعمال کیا ہے۔ دوب ایک مخصوص گھاس ہوتی ہے جس کو جانور بہت پسند کرتے ہیں۔(۱۰) یہ احمد رضا خان کی اپنی انفرادیت ہے کہ اس لفظ کو اپنے نعتیہ قصیدے میں استعمال کیا۔ اس لفظ کو بھی مشرقی اُتر پردیش کے مضافات میں استعمال کیا جاتا ہے اور خصوصاً وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو زراعت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح لفظ کوڑی کا شمار مقامی بولیوں کے زمرے میں ہوتا ہے۔

کچھ ترے پروانے کو نام کی پروا نہ ہو
لاکھ جلیں ساتوں شمع بارہ کنول نو لگن
میرے خطِ کف سے ہو پرزے کمندِ بلا
کاٹی بندھے دھار سے پہنچے کہ مچھلی ڈگن
(حدائق:۳:۵۱)

احمد رضا خان نے مذکورہ دونوں اشعار میں لفظ ''لگن'' اور ''ڈگن'' کا استعمال فرمایا ہے۔ لگن ایک مخصوص برتن ہے جو طشت یا ٹب کو کہتے ہیں۔ اسی طرح لفظ ''ڈگن'' اس چھڑی یا آلہ کو کہتے ہیں جس کا استعمال مچھلی کے شکار کے لیے کیا جاتا ہے۔(۱۱)

ڈالیں ہری ہری ہیں تو بالیں بھری بھری
کشت امل پری ہے یہ بارش کدھر کی ہے
سرکار ہم گنواروں میں طرزِ ادب کہاں
ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے
(حدائق:۱:۹۹/۱۰۴)

بحر و بر شہر و قریٰ سہل و حزن دشت و چمن
کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعویٰ تیرا
تجھ سے در در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
(حدائق:۱:۵)

مندرجہ بالا اشعار میں تین الفاظ ''بال''، ''گنوار'' اور ''بھیک بھر'' استعمال کیے گئے ہیں۔ سراج بستوی صاحب کے مطابق یہ علاقائی محاورے ہیں۔ اور بھیک بھر کا استعمال ''ذرا سے'' کے مفہوم میں انتہائی حسین طریقے سے محاوراتی انداز میں ہوا ہے۔ علاوہ ازیں ''چرنا''، ''چک''، ''ڈورا''، ''جمنا'' وغیرہ بھی علاقائی بولیوں کے الفاظ ہیں۔

آب تطہیر سے جس میں پودے جمے
اس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام
(حدائق:۲:۳۴)

آخرِ حج غمِ اُمت میں پریشاں ہوکر
تیرہ بختوں کی شفاعت کو سدھارے گیسو
(حدائق:۱:۵۴)

ہائے رے ذوق بے خودی دل جو سنبھلنے سا لگا
چھک کے مہک میں پھول کی گرنے لگی صبا کہ یوں
(حدائق:۱:۳۸)

تیرے ابرو کے تصدق پیارے
بند کرّے ہیں گرفتاروں کے
(حدائق:۲:۶۰)

عاقلو ان کی نظر سیدھی رہے
بوروں کا کام ہو ہی جائے گا (حدائق:۱:۱۴)

منزل کڑی ہے شانِ تبسم کرم کرے
تاروں کی چھاؤں نور کے تڑکے سفر کریں
(حدائق:۱:۴۳)

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضاؔ
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں
(حدائق:۱:۴۶)

مذکورہ اشعار میں لفظ ''سدھارے''، ''چھک'' اور ''کرّے'' کا استعمال کیا ہے۔ ''کرے'' کے معنیٰ کوڑے یا تعزیانے۔ یہ الفاظ جنوبی اتر پردیش کے مضافاتی علاقوں میں بولے جاتے ہیں۔(۱۲) جبکہ ''بوروں''، ''تڑکے''، ''لوٹ جاؤں'' جیسے الفاظ بھی مقامی اور علاقائی بولیوں میں شامل ہیں۔

اس کے علاوہ ''حدائق بخشش'' میں احمد رضا نے دن، رات، چاند، سورج، اُجالا، گھڑی، شبھ، میل، ماتھا، منجدھار، گما، بن، دھار، مہانی، بیڑا، پاٹ، دریا، جادو، دلہن، کلس، گن، کھنڈر، بدلی، اترن، دھوون، بوجھ، پاکھ، متیں، لتیں، گتیں، منگتا، داتا، جگ راج، کنور، سہاگن، جوبن، پت، بہت، گھنگھور، جوت، چندن، چندر، کنڈل، بھرن، وغیرہ نہ جانے کتنے الفاظ استعمال کیے ہیں جو ہندوستانی اور ہندی ہیں۔ آئیے چیدہ چیدہ مقامات سے کلامِ رضا میں ہندی وسنسکرت کے الفاظ ہندی کہاوتیں محاورے علامتیں اور رسم ورواج کی جھلکیاں دیکھتے ہیں:

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے
(حدائق:۱:۱۰۸)

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا، مت کیسی متوالی ہے
جگنو چمکے، پتا کھڑکے، مجھ تنہا کا دل دھڑکے
ڈر سمجھائے کوئی پون ہے یا اگیا بیتالی ہے

دُنیا کو تُو کیا جانے یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ
صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے
(حدائق:۱:۸۳)

لک بدرٌ فی الوجه الاجمل خط ہالۂ مہہ زلف ابرِ اجل
تورے چندن چندر پروکنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
(حدائق:۱:۱۵)

اُنگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ وا
(حدائق:۱:۶۰)

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے
ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل
وہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے
(حدائق:۱:۸۱)

مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
(حدائق:۱:۷)

متذکرہ بالا اشعار میں پاکھ، بن، سجیلی، پی سہاگن، کنور، بس گانٹھ، پون، جگ راج، سوہنا، تورے، مت، بھرن استعمال ہوئے ہیں اور یہ سارے ہی ہندی کے الفاظ ہیں۔ یہ پوری ترکیب ''چندن چندر پروکنڈل'' خالص سنسکرتی ترکیب ہے۔ انھیں عربی زبان کے میل کے ساتھ کس قدر خوبصورتی سے استعمال کیا گیا ہے۔ بس کی گانٹھ، جگنو، اگیا بیتالی، ٹھگ، گلاب، پنجاب وغیرہ سب کے سب ہندوستانی تلازمے، علامتیں اور تشبیہیں ہیں۔(۱۳) اسی طرح اندھیرا پاکھ دو دن کی اُجالی''، ''جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے'' اور ''مت کیسی متوالی ہے'' دیسی کہاوتیں ہیں۔ ''بھرن برسانا'' ویسے تو اس سے مراد بارش برسانے کے ہیں لیکن یہ ہندوستانی رسم و رواج کی ایک علامت بھی ہے۔(۱۴)

اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہے تو جل بھی اُٹھ
دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمائی ہے
(حدائق:۱:۸۷)

ڈالیاں جھومتی ہیں، رقص خوشی جوش پر ہے
بلبلیں جھولتی ہیں گاتی ہیں سہرا تیرا
تُو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار
لاتی ہے فصل سمن گوندھ کے سہرا تیرا
(حدائق:۱:۷)

بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنھوں نے دولھا کی پائی اُترن وہ پھول گلزار نور کے تھے
(حدائق:۱:۱۰۸)

دھونی رمانا ہندوستانی جوگیوں کا طریقہ ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر دولھا کے ساتھ براتی کا چلنا، سہرا گوندھ کر لانا، دولھے کے تلووں کا دھوون پینا، اس خوشی کے موقع پر خیرات بانٹنا، دولھے کی اُترن کا صدقہ کرنا، یہ سارے ہی خالص ہندوستانی رسم و رواج ہیں اور مولانا احمد رضا خان ان کا ایسے دلکش انداز میں استعمال کرتے ہیں جو ان ہی کا حصّہ ہے۔

بارِ جلال اُٹھا لیا، گرچہ کلیجہ شق ہوا
یوں تو یہ ماہ سبز رنگ نظروں میں دھان پان ہے

گندے نکمے کمین مہنگے ہوں کوڑی کے تین
کون ہمیں پالتا تم پہ کروروں درود
(حدائق:۱:۸۰)

آنسو بہا کے بہہ گئے کالے گنہہ کے ڈھیر
ہاتھی ڈباؤ جھیل یہاں چشم تر کی ہے
(حدائق:۱:۹۷)

ہر جا ہے بلندی فلک کا مذکور
شاید ابھی دیکھے نہیں طیبہ کے قصور
(حدائق:۲:۱۰۰)

دھان پان ہونا، کوڑی کے تین، ہاتھی ڈباؤ جھیل، یہ بھی سب ہندی اور دیسی محاورے اور کہاوتیں ہیں۔ ان کے علاوہ آنکھیں پھیرنا، دور کے ڈھول سہانے اور طوطا اُڑنا جیسے محاوروں کا استعمال دیکھیے:

انسان کو انصاف کا بھی پاس رہے
گو دور کے ڈھول ہیں سہانے مشہور
(حدائق:۲:۱۰۰)

باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی
دیکھ اُڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا
(حدائق:۱:۹)

اسی انداز کے دو شعر اور ملاحظہ فرمایئے:

نفس یہ کوئی چال ہے ظالم
جیسے خاصے بجار پھرتے ہیں
(حدائق:۱:۴۴)

پڑتی ہے نوری بھرن اُمڈا ہے دریا نور کا
سر جھکا اے کشت کفر آتا ہے اہلا نور کا
(حدائق:۲:۴)

لفظ ''بجار'' ہندی کا لفظ ہے جو ''سانڈ'' کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور خاص طور سے روہیل کھنڈ یعنی بریلی کے علاقے میں بولا جاتا ہے۔(۱۵) لفظ ''اہلا'' بھی دیسی ہے اور سیلاب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

صوتی آہنگ اور نغمگی:

اہلِ علم جانتے ہیں کہ شاعری میں زبان کی صوتیات کو بہت اہمیت ہے۔ شاعری میں الفاظ کی آواز اور اس کی اشاریت بنیادی تاثیر یا شعری تجربے کی ترسیل کا فرض انجام دیتی ہے اور تاثر کو گہرا کرتی ہے۔ بڑا شاعر اپنے شعری تجربے کے اظہار کے لیے انہی الفاظ کو استعمال کرتا ہے جو صوتیاتی نقطۂ نظر سے موزوں اور مناسب ہوں۔(۱۶)

لیکن یہ بھی درست ہے کہ محض سبک، حسین اور سامعہ نواز الفاظ کے ذریعے شاعری نہیں کی جاسکتی۔ شاعری میں الفاظ جذبات کی مرئی شکلیں ہوتی ہیں اور اپنی جمالیاتی مدافعتوں کو حد آخر تک بروئے کار لاتے ہیں۔ اسی لیے ادبی زبان کو جمالیاتی قرار دیا گیا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے اپنے قصیدۂ معراجیہ میں جمالیاتی احساس، قادرالکلامی کے ساتھ آمیز کر کے ہلکے پھلکے مترنم اور سامعہ نواز، الفاظ کی مدد سے ایسی سحر آفریں کیفیت پیدا کر دی ہے کہ یہ ان کا فنی اسلوب بن گئی ہے:

نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا

حجر کے صدقے کمر کے اِک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
اُٹھی جو گرد رہِ منوّر وہ نور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل، بھرے تھے جل تھل، اُمنڈ کے جنگل اُبل رہے تھے
براق کے نقش سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن لہکتے گلشن ، ہرے بھرے لہلہا رہے تھے
حجاب اُٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل وفرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے
(حدائق:۱:۱۰۶/۱۰۹/۱۱۴)

ایسے الفاظ کو بھی جو سننے میں زیادہ مترنم اور رواں معلوم نہیں ہوتے مولانا نے اپنے شعری اور لسانی تجربے سے نغمگی کا حال بنا دیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے لفظ ''بھوں'' کا استعمال وہ بھی سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں...... یقیناً یہ مولانا رضاؔ کے غیر معمولی لسانی تجربے اور تخلیقی تحرک کی دلیل ہے:

جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
(حدائق:۲:۳۰)

اس شعر میں اس لفظ کی کریہہ الصوتی کو حسن میں تبدیل کر دیا اور سامعہ نواز بنا دیا ہے۔ اس قصیدے میں لفظ باڑا، کھنگالنا، بھبھوکا پھوٹنا، تیورانا اور ارّا کا استعمال اس طرح کیا ہے کہ ان کی ثقالت اور غیر سامعہ نوازی نکھار، روانی اور مٹھاس و چاشنی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

یہ ان کی آمد کا دبدبہ تھا نکھار ہر شے کا ہو رہا تھا
نجوم و افلاک جام و مینا اُجالتے تھے کھنگالتے تھے
روش کی گرمی کو جس نے سوچا، دماغ سے اک بھبھوکا پھوٹا
خرد کے جنگل میں پھول چمکا، دہر دہر پیڑ جل رہے تھے
جلو میں جو مرغ عقل اُڑے تھے عجب بُرے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آ گئے تھے
طرب کی نازش کہ ہاں لچکیئے، ادب وہ بندش کہ ہل نہ سکیے
یہ جوشِ ضدین تھا کہ پودے کشاکشِ ارّہ کے تلے تھے
(حدائق:۱:۱۰۸/۱۱۰/۱۱۱/۱۱۵)

مولانا احمد رضا خان نے سلاستِ زبان کو اس حد تک ملحوظ رکھا ہے کہ تلمیحات تک سے امکانی گریز کیا ہے اپنے اس قصیدے میں انھوں نے ریاضی کی اصطلاحوں کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ وضاحتِ مطلب کے ساتھ ساتھ جمالیاتی احساس بھی برقرار ہے۔ مزید یہ کہ اس کی زبان نہایت سادہ، شستہ اور بامحاورہ ہے۔ روزمرہ کا برمحل اور مناسب استعمال قریب قریب ہر شعر میں نظر آتا ہے۔ زبان کی سلاست اس طور ملحوظ رکھی گئی ہے کہ آیاتِ کریمہ یا احادیث کی تلمیحات تک سے امکانی طور پر بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ معراج کے ذکر میں ایسا کرنا بہت دُشوار ہے۔(۱۷)

ایسا نہیں کہ امام احمد رضا کی فکر نے ان مقامات کو چھوا تک نہ ہو، جہاں تلمیح کے علاوہ کوئی چارہ نہیں بلکہ ان مقامات کو ایسے سلیس انداز میں بیان کرتے ہیں جہاں اس کی ضرورت ہی ختم ہو جاتی ہے اور مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً قاب قوسین کی ترجمانی دیکھیے:

محیط و مرکز میں فرق مشکل ، رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے ، عجیب چکر میں دائرے تھے
(حدائق:۱:۱۱۴)

اس قصیدے میں عربی و فارسی کے ایسے الفاظ جو صوتی اعتبار سے سماعت پر گراں گزرتے ہیں، بہت کم استعمال ہوئے ہیں۔ بیشتر خالص اُردو کے مترنم الفاظ مصرعوں میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔

خبر یہ تحویل مہر کی تھی کہ رُت سہانی گھڑی پھرے گی
وہاں کی پوشاک زیب تن کی، یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے
(حدائق شائعر :۱:۱۰۸)

قصیدۂ معراجیہ میں حضرت امام احمد رضا کی زبان کی شستگی اِک عجب ترکیب سے سامنے آتی ہے جسے ''مرئی اور غیر مرئی'' دونوں کہا گیا ہے۔ ''مرئی'' اس اعتبار سے کہ وہ اپنے زمانے کے تمام لسانی تنوعات اور رُجحانات سے خوب اچھی طرح واقف تھے اور ''غیر مرئی'' اس اعتبار سے ان کے اس قصیدے میں آورد نہیں بلکہ آمد ہی آمد ہے۔ اس میں فن کے تمام محاسن موجود ہیں جو ایک اچھے فن پارے میں ضروری سمجھے جاتے ہیں۔(۱۸)

صرف اس ایک قصیدے میں ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا نے اُردو الفاظ و محاورات کے ساتھ ساتھ ہندی الفاظ اور محاورات کے ایسے موزوں، برمحل اور بھرپور استعمال کی مدد سے قصیدے میں ارضی فضا کو برقرار رکھا ہے۔ مثلاً ہندی الفاظ میں جوت، بناؤ، پھوہار، دھانی، جوبن، دھوون، بھبھوکا، تیورانا، جل تھل، مت، تپ، دوئی، بھنور، سہانی گھڑی، وغیرہ۔ چند محاورات کے استعمال کا انداز دیکھیے:

یہ سن کے بے خود پکار اُٹھا، نثار جاؤں کہاں ہیں آقا
پھر ان کے تلووں کا پاؤں بوسہ، یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

غبار بن کر نثار جائیں کہاں اب اس رہ گزر کو پائیں
ہمارے دل، حوریوں کی آنکھیں، فرشتوں کے پر جہاں بچھے تھے
ضیائیں کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضور خورشید کیا چمکتے چراغ منھ اپنا دیکھتے تھے
(حدائق :۱:۱۰۸ / ۱۱۱ / ۱۱۲)

جھومر، زربفت، اطلس، دھانی، دوپٹہ، دھوپ، چھاؤں، آبِ رواں، چھڑیاں، پٹکا، تھل، یہ سب ہندوستانی علامتیں، زیور اور کپڑے ہیں۔ ان کے علاوہ کپڑوں میں لچکے لگانا، چھڑیاں ڈالنا اور تھل ٹانکنا، یہ سب ہندوستانی طریقے ہیں۔ مقامی روایتوں کے مطابق دولھا کا صدقہ اُتارا جاتا ہے۔ اس کی اُترن کو خیرات میں دیا جاتا ہے۔ دولھے کے سر پر سہرا ہوتا ہے۔ ان تمام رسموں کو آپ نے اس قصیدے میں بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مزید چند مثالیں ملاحظہ ہوں: (ان اشعار میں کسی وضاحت کے بغیر قابلِ ذکر الفاظ وتراکیب کو خط کشیدہ کیا گیا ہے)

یہ جھوما میزاب زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسن تزئیں وہ اُونچی چوٹی وہ ناز و تمکیں
صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
نہا کے نہروں نے وہ دمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا، حباب تاباں کے تھل ٹکے تھے
وہ ظل رحمت وہ رُخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت، اودی اطلس یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے
بچا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن

جنھوں نے دولھا کی پائی اُترن وہ پھول گلزار نور کے تھے
تجلّی حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر سلامی کے واسطے کھڑے تھے
(حدائق:۱:۱۰۷/۱۰۸)

مولانا کا قصیدۂ معراجیہ تکنیکی اعتبار سے دوسرے معراج ناموں سے مختلف ہے۔ پورے قصیدے پر ایک تاثراتی فضا چھائی ہوئی ہے جس میں مترنم آہنگ کا ارتعاش رُوح کو بالیدگی عطا کرتا ہے۔ قصیدے کا ایک ایک شعر حسین پیکر میں ڈھلا اور ترشا ہوا ہے۔ جمالیات کی اعلیٰ حس ہے اور نغمگی اور موسیقیت ہے کہ لگتا ہے کہ ہر لفظ ہاتھوں میں جل ترنگ لیے دُور دُور تک فضاؤں میں نغمگی اور رس بکھیرنے اور پھیلانے میں مصروف ہے۔ بلاشبہ شادی اسریٰ کا یہ تہنیت نامہ شہرستان قصیدہ میں ایک حسین تاج کی طرح کھڑا ہر طرف جمال بکھیر رہا ہے۔(۱۹)

یوں تو شاعر اپنے جذبات و خیالات کی ترجمانی اپنے عہد کی زبان کے توسط سے کرتا ہے۔ البتہ اندازِ بیان میں ندرت پیدا کرنے کے لیے قوتِ متخیلہ سے کام لے کر مضمون آفرینی کرتا ہے اور اس عمل کے لیے وہ اپنے علم و آگہی کی توانائی سے اپنے اشعار میں نیا پن پیدا کرتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان نے بھی مضامین و موضوعات کی وسعت و رفعت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے علمی تبحر سے کام لیا ہے اور مضمون و معنیٰ آفرینی کے جلوے دِکھاتے ہوئے اپنے عہد کی زبان کو برتنے کے ساتھ ساتھ اسے مختلف شکلوں میں بھی ڈھالا ہے۔ عربی و فارسی یہاں تک کہ ہندی و سنسکرت کے الفاظ کو بھی برتا ہے اور اس حسن و خوبی کے ساتھ کہ دوسری زبانوں کو اُردو کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا ہے اور ان کا جمالیاتی احساس اور قدریں کہیں بھی مجروح نہیں ہونے پاتیں۔

زبان و اسلوب، طرزِ ادا میں آپ کا ایک اور قصیدہ ''قصیدۂ نور'' بھی قابل تحسین ہے جس کا موضوع ہے ''مدینہ منورہ کی صبح اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک''۔ اس ایک قصیدے میں آپ نے ایک ہی لفظ ''نور'' کو ساٹھ مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ اور ہر شعر کا لطف جداگانہ اور زبان کی کیفیت منفرد ہے۔ مولانا احمد رضا خان کو زبان پر یہ قدرت ان کے وسیع عالمانہ پس منظر کی بنا پر حاصل تھی۔ عربی و فارسی زبانوں میں تو آپ نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور مختلف علوم کے حوالے سے عربی میں آپ کی کتابیں اہلِ عرب کے لیے مثال ثابت ہوئیں۔ عربی میں شاعری بھی کی، فارسی میں بھی آپ کی شعری کاوشیں موجود ہیں لیکن آپ کی اُردو نعتیہ شاعری میں زبان کے حوالے سے ''مقامیت'' کے اثرات نہایت واضح اور نمایاں دِکھائی دیتے ہیں۔ یہ مقامی اثرات محض ہندی اور مقامی الفاظ کو اشعار میں جگہ دینے کی بنا پر قائم نہیں ہوئے بلکہ آپ اپنی عالمانہ قادر الکلامی کو بروئے کار لاتے ہوئے عربی و فارسی کے الفاظ کی پیوندکاری مقامی الفاظ و محاورات کے ساتھ ایسے دلکش انداز میں کرتے ہیں کہ اس کی مثال ان کے عہد کے کسی شاعر کے یہاں ملنی مشکل ہے۔ محسن کاکوروی کا مشہور قصیدہ لامیہ ''سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل'' اُردو نعت گوئی کی تاریخ میں بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں شاعر نے ہندوستانی اساطیر کی علامتوں

اور مقامات کو ایک نئے ڈھنگ سے پیش کیا ہے اور نئی معنویت عطا کی۔ مولانا احمد رضا خان کے یہاں اس سے بالکل مختلف انداز ہے۔ انھوں نے مفرد و مرکب الفاظ کی نئی نئی تشکیلات کیں اور استعارات و کنایات کو مختلف جہتوں سے پیش کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ مقامی الفاظ و محاورات کا انتہائی وسیع ذخیرہ ہمیں ان کے کلام میں نظر آتا ہے۔

مقامی الفاظ و محاورات کی کثیر تعداد اور ان کے فنکارانہ استعمال کی بنا پر وہ اُردو کے مایہ ناز شعراء نظیؔر اکبرآبادی، انیسؔ اور جوشؔ سے کسی بھی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ محاورات کا استعمال اگر دیکھا جائے تو کثیر تعداد میں محاورات دِکھائی دیتے ہیں۔ قصیدۂ معراجیہ اور نوریہ سے کچھ محاورے دیکھیے:

باڑ ابٹنا، توڑا ہونا، توڑا لینا، کلمہ پڑھنا، صدقہ لینا، سونا چڑھنا، سہرا ماتھے پر رہنا، بخت جاگنا، ستارہ چمکنا، دن دونا ہونا، بول بالا ہونا، کلیجا ٹھنڈا ہونا، مچلکا لکھ دینا، لو لگانا، ذرا سا منھ نکل آنا، چھینٹا پینا، آنکھیں مانگنا، آئینہ اندھا کرنا، گرمی کا جھلکا لانا، دل کے کنول کھلنا، قدموں پھرنا، اشاروں پر چلنا، بے حکم پر مارنا، دو ورقہ لکھنا، کچا کر لینا، دھڑکا ہونا، کوڑا کھانا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہونا، نظروں پہ چڑھنا، کلیجا بجھانا، جگر تازہ ہونا، پتا سا اُڑنا، پلہ ہلکا ہونا، ٹکڑوں پہ پلنا، ٹھوکر پہ ڈالنا، کڑوڑا ہونا، دل چاک ہونا، خاک کرنا، خاک سمجھنا، خاک اُڑانا، کھیل بگڑنا، کالے کوسوں رہ جانا، نمک چھڑکنا، مرہم کا فور ہاتھ آنا، رام ہونا، دامن تھامنا، جان کا نیلام ہونا، دام نقد ہونا، نظر سیدھی رہنا، نہال کرنا، کلیجا چرنا، بیڑا پار ہونا، در پر پڑے رہنا، پھولنا پھلنا، دامن کھنچنا، آنکھ میں کھٹکنا، جان پھیر دینا، نکالا دینا، ٹکسال باہر کرنا، قسمت پھوڑنا، چھاؤنی چھانا، خون رلانا، خار کھانا، کھٹکا ہونا، دل کی کلی کھلنا، دام سے چھڑانا، منت اُٹھانا، سر پہ بلا اُٹھانا، سر پہ ہاتھ دھرنا، ہوا بتانا، سر کو پیٹنا، سخن ہونا، دم میں دم آنا، تارے کھلنا، بگڑی بننا، دل ہرا ہونا، گل کھلنا، دل کی لگی بجھانا، دل برا کرنا، جی رکھنا، بلا ٹوٹنا، کان لگانا، نیند نکالنا، بنا ڈالنا، دم میں آنا، خاک چھاننا، دل میں ٹھاننا، بن آنا، بات بنانا، تمہید اُٹھانا، دھونی رمانا، نظر میں کھونا۔

اب ''قصیدۂ نور'' کی چند شعری مثالیں ملاحظہ کیجیے کہ مولانا احمد رضا نے کس کس طرح سے الفاظ و تراکیب کو موضوع کی مناسبت سے استعمال کیا۔ کہیں خالصتاً مقامیت اُجاگر ہے تو کہیں پورا یا آدھا ٹکڑا عربی یا فارسی کا ہے یا ان زبانوں کی کوئی نمایاں ترکیب نظر آرہی ہے اور فوراً روزمرہ اور مقامی محاورہ ایسا جڑتا ہے کہ دونوں میں کوئی تضاد، تفاوت، بے ترتیبی نہیں محسوس ہوتی۔

بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اِک اِک ستارہ نور کا
ہیبت عارض سے تھراتا ہے شعلہ نور کا
کفش پا پر گر کے بن جاتا ہے گپھا نور کا
ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا
تم کو دیکھا ، ہوگیا ٹھنڈا کلیجہ نور کا
جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

(حدائق: ۲:۲ / ۳ / ۴)

بزمِ وحدت میں مزا ہوگا دوبالا نور کا
ملنے شمعِ نور سے جاتا ہے اکّہ نور کا

صبح کردی کفر کی سچا تھا مژدہ نور کا
شام ہی سے تھا شب تیرہ کو دھڑکا نور کا
نسخ ادیاں کرکے خود قبضہ بٹھایا نور کا
تاجور نے کرلیا کچا علاقہ نور کا
دیکھ ان کے ہوتے نازیبا ہے دعویٰ نور کا
مہر لکھ دے یاں کے ذرّوں کو مچلکا نور کا
تاب مہر حشر سے چونکے نہ کشتہ نور کا
بوندیاں رحمت کی دینے آئیں چھینٹا نور کا
(حدائق:۲:۴/۵)

مندرجہ بالا اشعار میں سے آخری شعر میں لفظ ''توڑا'' دونوں مصرعوں میں دو الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

آپ نے اس کثرت سے محاورات اور استعارات استعمال کیے ہیں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک لغت تیار ہوسکتی ہے۔(۲۰) اس سے قبل قصیدۂ نوریہ ومعراجیہ سے محاوروں کی ایک فہرست دی گئی ہے اب ایک ہی نعت میں محاوروں کے استعمال کی صورت دیکھیے۔

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرا تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا
تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منھ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
میری تقدیر بُری ہو تو بھلی کردے کہ ہے
نفی و اثبات کے دفتر پہ کڑوڑا تیرا
(حدائق:۱:۲/۳)

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا
بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنویں کا پیاسا
خود بجھا جائے کلیجا میرا چھینٹا تیرا
آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آرا ہے اُجالا تیرا
دل عبث خوف سے پتہ سا اُڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا
تُو جو چاہے تو ابھی میل مِرے دل کے دھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا
(حدائق:۱:۴/۵)

حروفِ تاسف، تعجب اور مسرت کے استعمال کی مختلف صورتیں:

ہر زبان میں انسان کی مختلف کیفیات و حالات کو ظاہر کرنے کے لیے کچھ الفاظ مخصوص ہوتے ہیں۔ اور ہر لفظ کی اپنی ایک اشاریت ہوتی ہے اور شاعر اپنی تخلیقی توانائی کو بروئے کار لاکر ان کی اشاریت سے اشعار کے جاندار پیکر تراشتا ہے۔ لفظ ''اے'' اور ''ارے'' ندائیہ اور خطابیہ ہیں لیکن شاعر ان کے مناسب استعمال سے ان کے ذریعے حیرت و استعجاب اور ایک طرح کا لوچ پیدا کردیتا ہے۔ ''ہائے، اف، آہ'' سے رنج اور حسرت کا اظہار ہوتا ہے۔ ''واہ واہ'' سے محبت اور سرشاری وغیرہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ احمد رضا خان صاحب نے بھی ان الفاظ کو مختلف اشعار میں برت کر بے ساختگی، طرح

داری، سوز اور حسن کے عجیب انداز پیدا کیے ہیں۔مثال کے طور پر:

اے شافع اُمم شہِ ذی جاہ لے خبر
لِلّٰہ لے خبر مِری لِلّٰہ لے خبر
وہ سختیاں سوال کی وہ صورتیں مہیب
اے غمزدوں کے حال سے آگاہ لے خبر

(حدائق:۱:۲۶)

ان دونوں اشعار میں ''اے'' کا استعمال خطابیہ ہے اور یہ انداز مولانا کے عقیدے کے اظہار کے ساتھ ساتھ عقیدت کا بھی مظہر ہے:

اے رضاؔ آہ وہ بلبل کہ نظر میں جس کی
جلوۂ جیب گل آئے نہ بہار دامن

(حدائق:۱:۳۷)

اس شعر میں تاسف کا اظہار ہے۔طرزِ اَدا میں ایک تیکھاپن ہے اور طنز بھی پوشیدہ ہے۔ساتھ ہی جمال محبوب کی جہاں آرائی اور محبوبیت کا اظہار بھی ہے۔

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور
اے! میں فدا! لگا کر اِک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

(حدائق:۱:۳۹)

یہاں ''اے! میں فدا'' کے ٹکڑے نے برجستگی اور بے ساختگی کا ایسا حسین انداز پیدا کیا ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔یا جب وہ کہتے ہیں:

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

(حدائق:۱:۵۹)

اس شعر میں رمزیت میں وضاحت اور روضاحت میں رمزیت ہے اور ''اے'' کا استعمال کسی معمولی لسانی تجربے سے نہیں ہوا بلکہ شاعر کے تخلیقی تحرک کا واضح ثبوت ہے۔

کرے مصطفی کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی، ارے ہاں نہیں، ارے ہاں نہیں

(حدائق:۱:۴۷)

مصرعۂ ثانی میں سوال و جواب کا عجیب انداز اس پر ''ارے ہاں نہیں! ارے ہاں نہیں!'' کی تکرار سے لطف کی کیفیت قابلِ دید ہے۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

(حدائق:۱:۱۷)

اس شعر میں لفظ ''ارے'' کے استعمال نے بے ساختگی کے حسن کے ساتھ حیرت و استعجاب کا حسین منظر پیش کیا ہے کہ وہ مقدس سرزمین اور قدم رکھ کے چلنا۔نہیں نہیں، وہاں تو سر کے بل چلنا بھی بے ادبی ہے۔ارے یہ تو سر دے دینے اور قربان جانے کا موقع ہے۔''ارے سر کا موقع ہے او جانے والے'' میں معنیٰ کا ایک جہان پوشیدہ ہے اور اس انداز کی اشاریت پر ہزار وضاحتیں قربان کی جا سکتی ہیں۔لفظوں کا اس انداز سے استعمال مولانا احمد رضا خان بریلوی کے مخصوص ڈکشن کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

دل کہاں لے چلا حرم سے مجھے
ارے تیرا برا خدا نہ کرے

(حدائق:۱:۶۴)

ایسے محبت بھرے انداز سے دل کو ٹو کتے ہیں کہ اس کا بُرا بھی نہیں چاہتے۔"ارے تیرا بُرا" اور پھر "خدا نہ کرے" دل کو اور ذوق ووجدان کو چھو لینے والا انداز ہے۔

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں
مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ رہی
اب عمل پوچھتے ہیں ہائے نکما تیرا

(حدائق:۱:۴۴)

ہائے کس وقت لگی پھانس الم کی دل میں
کہ بہت دُور رہے خار مغیلانِ عرب

(حدائق:۱:۲۳)

ہائے اس پتھر سے اس سینے کی قسمت پھوڑیے
بے تکلف جس کے دل میں یوں کریں گھر ایڑیاں

(حدائق:۱:۳۶)

اُف رے خود کام بےمروّت
پڑتا ہے کام آدمی سے

(حدائق:۱:۶۶)

کعبہ و عرش میں کہرام ہے ناکامی کا
آہ! کس بزم میں ہے جلوۂ یکتائی دوست

(حدائق:۱:۲۴)

پہلے دونوں شعروں میں تاسف اور رنج وغم کی کیفیت کا اظہار ہے۔ جبکہ تیسرے شعر میں تاسف اور اظہارِ رنج کے ساتھ سرزمین عرب اور اس کے خار سے عقیدت کا اظہار بھی ہے۔انھیں عرب سے دُوری منظور نہیں اور اس صدمے پر وہ خارِ عرب کی خلش کو فوقیت دیتے ہیں۔ چوتھے شعر میں لفظ "ہائے" سے حسرت کا جو انداز پیش کیا ہے وہ بہت ہی پُرمعنیٰ ہے۔ شاعر اس بات کا تمنائی ہے کہ جس طرح پتھر پر سرکارِ مدینہ کے نقوش قدم اُبھر آئے تھے، کاش کہ سینۂ رضا میں بھی وہ قدم مبارک گھر کرتے۔ پانچویں شعر میں نفس کی خودغرضی اور بےمروّتی پر اظہارِ تاسف بھی ہے اور اظہارِ تعجب بھی۔"رے" کے ساتھ "اُف" کے اضافے نے شعر میں بےساختگی پیدا کر دی ہے۔ چھٹے شعر میں بھی تاسف اور حسرت کا اظہار ہے۔کعبہ وعرش کی ترکیب اور اس ترکیب سے معنویت پیدا کر کے رضاؔ نے شعر کو طرحداری کا ایک عمدہ انداز عطا کیا ہے۔"آہ" کے استعمال نے اس شعر میں بھی جذبۂ عشق کو واضح کر دیا ہے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہہ بطحا تیرا
نہیں سُنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

(حدائق:۱:۲)

اس شعر میں لفظ "واہ" کے استعمال نے مزید حُسن پیدا کر دیا ہے۔اور سرکار مدینہ کے جود وکرم کو ظاہر کر رہا ہے۔"واہ واہ" کی ردیف میں احمد رضا خان کی ایک نعت ۱۳ اَشعار پر مشتمل ہے۔اس نعت سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمھاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ
خامۂ قدرت کا حسنِ دستکاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ

(حدائق:۱:۶۰)

''واہ واہ'' سے خوشی اور سرشاری کا جو انداز مولانا موصوف نے ان شعروں میں پیدا کیا ہے وہی انداز بقیہ اشعار میں بھی ہے۔ اسی نعت کے دو اشعار مزید دیکھیے کہ یہاں اس لفظی ترکیب سے بالکل مختلف انداز پیدا کرتے ہیں۔

نفس پہ کیا ظلم ہے جب دیکھو تازہ جرم ہے
ناتواں کے سر پہ اتنا بوجھ بھاری واہ واہ
پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضاؔ
اُن سگانِ کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

(حدائق:۶۱)

دونوں اشعار میں افسوس اور تعجب کا اظہار ہے۔ مذکورہ الفاظ کا استعمال ان کی شاعری میں غیر معمولی لسانی تجربے کے نمونے ہیں اور ان عام فہم الفاظ کے برتاؤ میں احمد رضا بریلوی کے تخلیقی عمل کا جادو پوری طرح نمایاں ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفی خان صاحب، مولانا کی خوبیِ کلام کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے شعری محاسن میں زبان و بیان کی بکثرت خصوصیات ہیں صرف اس قدر عرض کریں گے کہ اعلیٰ حضرت الفاظ کی تکرار کے ذریعے بات سے بات پیدا کر دیتے ہیں۔'' (۲۲)

مولانا احمد رضا خان بریلوی الفاظ کی تکرار کی مدد سے بات سے بات پیدا کر دیتے ہیں اور اس طرح اشعار میں شگفتگی، روانی اور صوتی ترنم نمایاں ہو جاتا ہے۔

بگڑا جاتا ہے کھیل میرا
آقا! آقا! سنوار آقا!
گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی
ڈوبا ، ڈوبا اُتار آقا!

(حدائق:۱:۱۱)

زبان کی اس خصوصیت کی ایک مثال مزید دیکھیے:

اللہ! اللہ کے نبی سے
فریاد ہے نفس کی بدی سے
شب بھر سونے ہی سے غرض تھی
تاروں نے ہزار دانت پیسے

(حدائق:۱:۶۵)

الغرض مولانا احمد رضا خان کا نعتیہ کلام اپنی گونا گوں خوبیوں کی بنا پر قریب قریب ہر مقام سے اہلِ نظر کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کی خوبی رکھتا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ کیجیے کہ مولانا نے کس انفرادیت سے محاوروں اور لفظوں کے در و بست میں زبان کا خوبصورت انداز پیش کیا ہے:

گدا بھی منتظر ہے خلد میں نیکوں کی دعوت کا
خدا دن خیر سے لائے سخی کے گھر ضیافت کا
یہاں چھڑ کا نمک واں مرہمِ کافور ہاتھ آیا
دل زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا

(حدائق:۱:۱۲/ ۱۳)

جان دے دو وعدۂ دیدار پر
نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا
ایک دن آواز بدلیں گے یہ ساز
چہچہا کہرام ہو ہی جائے گا
یاد ابرو کر کے تڑپو بلبلو

ٹکڑے ٹکڑے دام ہو ہی جائے گا
مفلسو ان کی گلی میں جاپڑو
باغِ خلد اکرام ہو ہی جائے گا
(حدائق:۱:۱۴)

اس کے علاوہ:

لے طوقِ الم سے اب آزاد ہو اے قمری
چٹھی لیے بخشش کی وہ سروِ رواں آیا
ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دُنیا کا تاج
جن کی خاطر مرگئے منعم رگڑ کر ایڑیاں
(حدائق:۱:۳۶)

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول
(حدائق:۱:۳۲)

یہاں ''پھولنا''، بمعنیٰ مغرور ہونا۔

منزل کڑی ہے شانِ تبسم کرم کرے
تاروں کی چھاؤں نور کے تڑکے سفر کریں
(حدائق:۱:۴۳)

چھوڑ کے اس حرم کو آپ بن میں ٹھگوں کے آبسو
پھر کہو سر پہ دھر کے ہاتھ لٹ گئی سب کمائی کیوں
(حدائق:۱:۴۱)

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اُٹھتے ہوں گے؟
اب تو غنی کے در پر بستر لگا دیے ہیں
کی جو بالوں سے ترے روضے کی جاروب کشی
شب کے شبنم نے تبرک کو ہیں دھارے گیسو

سُوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہوجائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمھارے گیسو
(حدائق:۱:۵۴)

صبا ہے مجھے صرصرِ دشتِ طیبہ
اسی سے کلی میرے دل کی کھلی ہے
(حدائق:۱:۸۴)

اور یہ غزل ملاحظہ فرمائیے جس کا موضوع نفس کا محاسبہ ہے جس کے متعلق ڈاکٹر غلام مصطفی خان صاحب کی رائے ہے: کہ ایک غزل محاسبۂ نفس کے لیے......ایسی مرصع ہے کہ جدید اُردو شاعری بھی اس پر ناز کرے گی۔(۲۱)۔

سُونا جنگل رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
سونا پاس ہے سُونا بن ہے سونا زہر ہے اُٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے
(حدائق:۱:۸۳)

یا ان اشعار میں:

سُنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے
گر ان کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے
اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھاوے گی وہ آگ لگائی ہے
طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے
(حدائق:۱:۸۷)

ترکیب سازی: تشبیہ واستعارہ:

کم سے کم لفظوں میں مفہوم کی ادائیگی نیز شعر میں بلاغت کا حُسن بھرنے میں تراکیب کی بڑی اہمیت ہے۔ عربی، فارسی اور اُردو شاعری میں تراکیب سازی کا رُجحان ابتدا سے لےکر اب تک برابر چلا آرہا ہے۔ شاعران تراکیب کے ذریعے دو چیزوں یا دو خیالوں کے درمیان رشتہ قائم کرتا ہے اور جہاں کہیں اس رشتے میں مماثلت کا پہلو ہوتا ہے وہاں مرکب لفظ ایک نیا استعارہ بن کر اُبھرتا ہے۔ عمومی شاعری کی طرح نعتیہ شاعری میں بھی تراکیب کی بڑی اہمیت ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنی کتاب میں امیر مینائی کی ترکیب سازی کے خوبصورت اور نادر نمونے پیش کیے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان بھی امیر و محسن کے ہم عصر ہیں۔ دیگر ادبی و فنی خوبیوں کے ساتھ ان کے ہاں ترکیب سازی کے بھی بڑے دلکش اور نادر نمونے ملتے ہیں۔ آپ کا مشہور زمانہ سلام جو ایک سو اکتہر اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں تراکیب کے بہت ہی خوبصورت اور نادر نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کچھ ترکیبیں تو بالکل ہی اچھوتی ہیں۔ اور اس سلام کے قریب قریب ہر شعر میں استعارہ موجود ہے۔ مثلاً مطلع ہی ملاحظہ فرمایئے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

(حدائق: ج ۱: ۲)

''جانِ رحمت'' بہت ہی خوبصورت استعارہ ہے اور یہ ترکیب بلاغت کے کتنے ہی جلوے پیش کرتی ہے۔ جو بات جانِ رحمت کہنے میں ہے وہ لفظ ''رحمت'' کو کسی اور لفظ سے جوڑ کر پیدا نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس سلام کے ابتدائی تیس اشعار میں آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات و خصائص اور معجزات کا بیان کیا ہے۔ اور بے حد حسین ترکیبیں وضع کی ہیں۔

نو بہارِ شفاعت، زیب و زینِ نظافت، یکہ تازِ فضیلت، مرکزِ دورِ کثرت، عطرِ جیبِ نہایت، مطلعِ ہر سعادت، مقطعِ ہر سیادت، سبزۂ نہرِ رحمت، نرگسِ باغِ قدرت، ظلۂ قصرِ رحمت (پلکوں کے لیے)، سلکِ درِّ شفاعت (آنسوؤں کی جھڑی کے لیے)۔ آپ نے قصیدۂ درودیہ اور قصیدۂ معراجیہ میں بھی ترکیب سازی کے نادر نمونے پیش کیے ہیں (طوالت کی بنا پر مثالوں سے گریز کیا جارہا ہے)

ایک نعت سے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

عرش سے مژدۂ بلقیسِ شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں، مرغِ سلیمانِ عرب

کوچے کوچے میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستاں ہے ہر اک گوشۂ کنعانِ عرب

بزمِ قدسی میں ہے یاد لبِ جاں بخش حضور
عالمِ نور میں ہے چشمۂ حیوانِ عرب

پائے جبریل نے سرکار سے کیا کیا القاب
خسرو خیلِ ملک، خادمِ سلطانِ عرب

(حدائق: ۱: ۲۱/ ۲۲)

تمام ہی خط کشیدہ تراکیب اور ان کی ترتیب مولانا کی اعلیٰ فنکاری اور مینا کاری کے نمونے ہیں۔

دل شدوں کا یہ ہوا دامنِ اطہر پہ ہجوم
بے دل آباد ہوا نامِ دیارِ دامن

(حدائق:۱:۳۶)

یہ دونوں تراکیب کس قدر اچھوتی ہیں اور اس شعر میں نازک خیالی اور سلاست بیان کا کیسا لطف ہے، اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا کے یہاں تراکیب میں لفظ و خیال کی بڑی مماثلت ہے۔ اگر کلامِ رضا سے تراکیب یکجا کی جائیں تو ایک علیحدہ مضمون کی صورت ہوسکتی ہے۔

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ کلامِ رضا کا موضوع یکساں ہونے کے باوجود اس کلام میں مولانا احمد رضا خان نے عشقِ رسول ﷺ کو بنیاد بنا کر جذباتِ انسانی کو عمومی طور پر اور ایک عاشقِ صادق کے جذبات کو خصوصیت سے نیرنگیوں کے ساتھ پیش کیا ہے جس میں اُردو زبان اپنے تمام اسالیب اور اندازِ بیان کے ساتھ نظر آتی ہے۔

مولانا احمد رضا خان نے اُردو نعت گوئی میں پہلی مرتبہ اُردو غزل کے استعارات، علامتوں اور تشبیہات کو ایک بالکل مختلف اور اعلیٰ تناظر میں پیش کیا ہے۔ حسن محبوب کی جلوہ فرمائی کو جس جس انداز سے آپ نے اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔ آپ سے پہلے نعت گوئی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تغزل کی شاعری میں عشق اور اس کی مختلف کیفیات مثلاً انتظار، دیدار، فراق و ہجر، وصل و ملاقات کے موضوعات کو آپ نے عام انسانی سطح سے اُٹھا کر ایک اعلیٰ تر سطح بخش دی۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کے مطابق:

''ابن قتیبہ (متوفیٰ ۸۸۹ھ) کے یہاں ایک اچھے شاعر کی پہچان حسن الفاظ اور حسن معانی کا اختیار ہے اور عوامل کو مدنظر رکھ کر وہ فن کار کو تنقید کی کسوٹی پر کھرا کرتے ہیں۔ ابن اسلام الجمعی (متوفیٰ ۲۳۲ھ) نے تو مقدار کو چھوڑ کر قدر (Quality) کو افضل مانا ہے۔'' (۲۳)

اس خیال کی روشنی میں جب ہم درج ذیل شعر کا تجزیہ کرتے ہیں:

رُخ دن ہے یا مہر سما ، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشک ختا ، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

(حدائق:۱:۴۹)

تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس شعر میں آپ نے ایک نسبت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے چونکہ یہ نسبت ایک ایسی محبت کا ردِّعمل ہے جو ماورائے فطرت ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے ہماری عام زبان تراشی نہیں گئی ہے لیکن شاعر اس کیفیت کا ادراک کر لیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کو رائج زبان میں اَدا کرے لیکن چونکہ ایسا کرنے سے عاری ہے اس لیے وہ تشبیہات واستعارات کی زبان تراشتا ہے چنانچہ اس شعر میں شاعر حضور ﷺ کے رُخ کو منظم شکل میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ یہ وہ مشکل ہے جو جذبات اور عقیدت نے ان کے دل میں تراشی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ دن اور مہر سما سے ان کے رُخ کی نمائندگی ہوسکتی ہے اور شب اور مشک ختا ان کی زلف کے لیے بہتر لفظ ہوسکتا ہے۔ لیکن پھر احساس ہوتا ہے کہ عقیدت کی تراشی ہوئی شکل اس سے اور بھی منفرد ہے چنانچہ ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کہہ کر اپنی اس تشنہ تصویر کو قاری کے فیصلے پر چھوڑ دیتے ہیں۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مولانا کے کلام میں فنی کاریگری کے اس طریقۂ کار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب جہاں تک جدید ناقد کا تعلق ہے تو وہ داخلی فنکاری کی بجائے خارجیت پر زور دیتا ہے اور فنی کاریگری کے لیے تشبیہات واستعارات (Semilies) کو بے حد اہم قرار دیتا ہے۔ اگر فنی کاریگری کے اس طریقۂ کار سے مولانا کا مطالعہ کیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ انھیں الفاظ کے بطون پر کامل گرفت حاصل تھی۔ الفاظ جو خوابوں میں تراشی ہوئی تصویروں کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔(۲۴)

سرتابہ قدم ہیں تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول بدن پھول
(حدائق:۱:۳۱)

یہ شعر تشبیہات و استعارات کا پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ حب صادق کی بھرپور نمائندگی بھی کرتا ہے انھوں نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عضو کو پھول سے تشبیہ دے کر مکمل پھول بنا دیا ہے۔(۲۵)

مولانا احمد رضا خان کی شاعری کے سلسلے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مکمل قرآن و حدیث کا ترجمہ ہے۔ ان کا کلام، کلام اللہ کے رموز کا مخزن ہے بلا شبہ وہ نامعلوم اور طویل مدت تک زندہ و تابندہ رہے گا۔ اسلامی عقائد، شعائر اور روایات کی وکالت اپنے کلام میں عالمانہ، عارفانہ انداز سے کی ہے اور لفظوں کا دروبست ایسا ہے کہ جیسے لعل و گہر کو حسین لڑی میں پرودیا ہے۔

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن واَدا کی قسم
(حدائق:۱:۳۲)

اور ایسا نہیں ہے کہ محض معانی و مفاہیم کو اشعار میں جگہ دی ہو بلکہ اس کے ساتھ قرآنی الفاظ کو بھی انھوں نے اس خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایسا لگتا ہے کہ زبان و بیان میں حد درجہ ہم آہنگی ہے۔ ایسی ہم آہنگی کہ کہیں پر بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ دو الگ الگ زبانیں جوڑ دی گئی ہیں۔ مثلاً:

لیلته القدر میں **مطلع الفجرِ** حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
(حدائق:۲:۱۶)

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اُونچا تیرا
(حدائق:۱:۹)

''حدائق بخشش'' حضرت رضا کی نعتوں کا مجموعہ ایک ایسی متاعِ بے بہا ہے جس پر اُردو کی نعتیہ شاعری ہمیشہ ناز کرے گی۔ حضرت رضا کی نعتیں سادہ، سہل، عام فہم، سوز و گداز قلب اور عاشقانہ جذبات سے مملو ہیں۔ مخصوص فنی نقطۂ نظر سے بھی مشکل اور سخت زمینوں میں آپ کی نعتیں بندش و تراکیب اور قدرت بیان کا سارا حسن رکھتی ہیں۔ اُردو کلاسیکی شاعری کے وہ سارے اوصاف جن پر اہلِ زبان کو ناز ہے حضرت رضا کے کلام میں بھرے پڑے ہیں۔ شوخیٔ طبع کے باوجود آپ نے بہت احتیاط سے عروس سخن کو ان تمام زیورات سے آراستہ کیا ہے جو نعت گوئی کے تقدس و احترام کے ساتھ اس کے حسن کو چار چاند لگاتے ہیں۔ شاعر کو اپنی تخلیقی علویت کا احساس تھا۔

یہی کہتی ہے بلبل باغِ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم
(حدائق:۱:۳۳)

انھیں زبان و بیان پر ملکہ حاصل تھا۔ فارسی و عربی میں مہارت کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کا ستھرا شعور رکھتے تھے۔ کلام کی سنجیدگی، لب و لہجے کی بلند آہنگی، طنطنہ اور زور اس میدان میں بے مثل استادی کی دلیل ہے۔ ڈاکٹر طلحہٰ رضوی برق، کلامِ رضا پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کے یہاں کچھ ایسے الفاظ بھی بڑی عمدگی سے اَدا ہوئے ہیں جو لکھنؤ کی خالص بیگماتی اُردو کا جزو ہیں۔ روزمرہ، محاورہ اور لب ولہجہ کا یہ نکھرا اور شستہ انداز ان کے کلام کا خاص جوہر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سخت اور دُشوار زمینوں میں حضرت رضا نے جو مضامین باندھے ہیں وہ ان کی قادرالکلامی کا منھ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ کی طبعیت مشکل پسند تھی اور یہ مشکل بھی انھیں اتنی سہل تھی۔ کوئی تکلیف ہی نہیں۔'' (۲۶)

مثلاً:

او شہد نمائے زہر در جام
گم جاؤں کدھر تری بدی سے
(حدائق:۱:۶۵)

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا
لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا
(حدائق:۱:۱۹)

ہے کون کہ گریہ کرے یا فاتحہ کو آئے
بیکس کے اُٹھائے تری رحمت کے بھرن پھول
(حدائق:۱:۳۲)

اپنے کوچہ سے نکالا تو نہ دو
ہیں تو حد بھر کے خدائی خوار ہم
(حدائق:۱:۳۴)

یادِ وطن ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بدنصیب سر پہ بلا اُٹھائی کیوں
نامِ مدینہ لے لیا چلنے لگی نسیمِ خلد
سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں
غفلتِ شیخ و شاب پر ہنستے ہیں طفلِ شیرخوار
کرنے کو گدگدی عبث آنے لگی بہائی کیوں
(حدائق:۱:۴۱،۴۲)

کیا ٹھیک ہو رُخِ نبوی پر مثالِ گل
پامالِ جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل
رنگ مژہ سے کرکے خجل یادِ شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل
(حدائق:۱:۳۰)

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں
دو قمر، دو پنجۂ خور، دو ستارے، دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر، ایڑیاں
چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آگئی
کر چکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں
(حدائق:۱:۳۵/۳۶)

مولانا احمد رضا خان نے نہ صرف عربی، فارسی اور اُردو

تین زبانوں میں شاعری کی بلکہ بعض نظمیں خصوصی التزام کے ساتھ ہندی بھاشا کی آمیزش سے بھی لکھیں۔ بہر طور مولانا احمد رضا خان کے کلام کا بیشتر حصّہ زبان کی لطافت، سلاست، پاکیزگی اور روانی کا آئینہ دار ہے۔ ان کی نعت گوئی، سادگیٔ زبان، طرزِ اَدا کی دلکشی، روزمرہ کی لطافت اور محاورہ بندی سے مملو ہے۔ البتہ جہاں حضور رسول اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت اور کمالاتِ نبوت کا اظہار کیا ہے وہاں رفعت مضامین کی مناسبت سے بلندیٔ خیال، شکوہِ الفاظ، قرآن واحادیث سے موضوع کا استدلال انھیں ایسی منزل پر لے جاتا ہے کہ زبان کی سادگی اور سلاست پیچھے رہ جاتی ہے لیکن وہاں بھی زبان کے وقار کا منفرد عالم ہوتا ہے۔ جب جب یہ بلند اور وقیع مضامین، موزونیت کا پاکیزہ لباس زیب تن کرتے ہیں تو کلام بلاغت کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ ایک حقیقت ہے کہ علم وفضل اور زبان دانی کے میدان میں مولانا کی ہمہ جہتی خراجِ عقیدت وصول کرتی رہے گی۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ان کی شاعری فنی نقطۂ نگاہ سے معیار وکمال کی حامل اور سر بسر حمد ونعت و منقبت پر ہی مشتمل ہے۔

مولانا احمد رضا خان کی شاعری کا جس قدر مطالعہ کرتے جایئے کمالاتِ شعری کے انکشافات کے ساتھ زبان دانی کے معاملات بھی عیاں ہوتے ہیں لیکن اس امر کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے کہ مولانا کی شعری لفظیات پر ایک مکمل اور بسیط تحقیقی مطالعے کا ڈول ڈالا جائے۔ اس تحقیق کے بعد یہ جاننا اور آسان ہوجائے گا کہ اُردو زبان میں عربی وفارسی اور مقامی لفظیات کی آمیزش اور ہم آہنگی کے نتیجے میں مولانا احمد رضا خان نے اُردو لغت کو کس درجے مقامی ارضی اور سماجی ثروت سے مالا مال کیا ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد افتخار شفیع

کلامِ رضا میں سراپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نعت ایک محبوبہ دل براں صنف ہے۔اسے دیگر اصناف ادب پر وہی برتری حاصل ہے کہ جو تفوق اس کی موضوعہ ہستی کو باقی انسانوں پر ہے(یعنی بعد از خدا.....)۔گزشتہ صدیوں میں نعت کا تخلیق کردہ سرمایہ بہت زیادہ ہونے کے باوجود طلب سے کم ہے۔زمانوں کے تغیر نے کیسے کیسے نامیوں کے نشانات کو بود سے نابود کر دیا۔دنیا کے فٹ پاتھ سے انسانی نسلوں کے نہ جانے کتنے گروہ بے خیالی میں گزر گئے ،ایسی مقدس ہستیاں بہت کم ہیں جنھوں نے جلوس جہاں میں اپنی یادوں کے دستخط ثبت کیے۔وقت کے بہتے دھارے نے انسانی چہروں پر فراموشی کی دھول جما دی،لیکن چنیدہ لوگوں میں سرفہرست ایک باکمال ذات ایسی بھی ہے کہ وقت کا یہ سیل بے پناہ اس کے جمال پرانوار میں روز بہ روز اضافہ کرتا جا رہا ہے۔اس کا ذکر حسب وعدہ بلند سے بلندتر ہوتا جا رہا ہے۔دنیا کے دیگر مذاہب اور عقاید میں تصویریں اور بت بنا کر اپنے مشاہیر کو خراج تحسین پیش کرنے کی روایت موجود تھی،اسلام میں اس کی سخت ممانعت کی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں الفاظ کا نذرانہ بہ ذریعہ نعت پیش کرنے کا آغاز ہوا۔نعت کی صنف اپنے جلو میں متعدد فکری زاویے رکھتی ہے ۔مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں کہ اب ضرورت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل وصورت کی تعریف وتوصیف کی بجائے ان کی سیرت صادقہ کے مختلف پہلوؤں کو شاعری کا موضوع بنایا جائے(۱)، یہ بات اپنی جگہ پر درست ہونے کے باوجود بہ ذات خود اس موضوع کی تحدید کرنے کے مترادف ہے۔آپ جناب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے ساتھ ساتھ صورت میں بھی نور ونکہت کی ہمیشگیاں فی الحقیقت اسی مقدار میں موجود ہیں جسے دوسرے لفظوں میں خیر کثیر کہا جاتا ہے۔جس طرح زندگی کے جمالیاتی زاویوں کی افادیت سے انکار ممکن نہیں بالکل اسی طرح اس عظیم ہستی کے جمال پرنور کی عظمت سے کیسے انکار ممکن ہے۔ احادیث مبارکہ میں مناقب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابواب میں اس حسن صبیح وملیح کا سراپا نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔سیرت ابن ہشام میں محسن رسول حضرت ابوطالب کا ایک نعتیہ قصیدہ ملتا ہے،اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو ،اس میں صورت وسیرت کے دونوں پہلو بیان ہوئے ہیں:

وہ بیواؤں کا وارث اور یتیموں کا والی، جسے دیکھ کر بادل
بھی مینہ برسا دے(۲)

فی الحقیقت عربی، فارسی اور اردو شاعری میں موجود نعتیہ

شاعری میں کثیر تعداد میں سراپا کے اشعار ملتے ہیں۔اسلام کی اشاعت اور زندگی میں بنیادی سطح پر برپا ہونے والے انقلاب کے سبب عربی شاعری کے دیگر زاویے متروک ہو گئے۔ ''مخضرم'' کی اصطلاح سامنے آئی اور حسن و جمال کے بیان کا مرکز و محور پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی قرار پائی اور آپ کے جمال دل نشیں کے تذکرے عام ہوگئے۔عربی نعت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا مبارک بیان کرنے کی عظیم روایت موجود ہے۔بنوامیہ کے دور میں عربی شاعری کے قدیم عناصر نے ازسرنو ظہور کیا۔ عبدالملک بن مروان نے عربی کو سرکاری زبان قرار دے کر اموی عہد کو خالص عربی عہد بنادیا۔بنوعباس کی طرف اقتدار کی منتقلی کے بعد عربی شاعری پر عجمی تصورات کا غلبہ ہوا، یہ دراصل ترجمے کا دور تھا،اس عہد میں فارسی اور سنسکرت سے متعدد کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔اسی دور میں فارسی کے معروف شعراء فردوسی، انوری اور سعدی وغیرہ کو پذیرائی ملی۔مشرقی شعریات کے نعتیہ سرمائے میں آپ جناب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سراپا نگاری کی ایک شان دار روایت ملتی ہے۔مختلف لغات میں سراپا نگاری کی درج ذیل تعریفیں موجود ہیں:

☆ ''بمعنٰے خلقت وبمعنٰے تمام از اول تا آخر و وصف تمام اندام ہائے معشوق''(۳)

☆ ''اوّل سے آخر تک تمام،معشوق کے جسم کی اول سے آخر تک نظمیہ تعریف''(۴)

☆ سر سے پاؤں تک پورا جسم اور تمام اعضائے جسمانی، اعضائے جسمانی کی تعریف میں لکھے ہوئے اشعار،مثل،تمثال،تصویر''(۵)

☆ ''وہ نظم جس میں اعضائے جسمانی کی تعریف لکھی جائے''(٦)

☆ اول سے آخر تک جسم کی نظمیہ تعریف''(۷)

☆ The whole body, figure, totally, from end to end. (8)

سراپا نگاری کی تعریف کرتے ہوئے ابو الاعجاز حفیظ صدیقی رقم طراز ہیں: ''ادبیات کی اصطلاح میں محبوب یا ممدوح کے بالوں سے لے کر ناخن پا تک ایک ایک کر کے مختلف اعضائے بدن کی توصیف سراپا کہلاتی ہے۔''(۹)

سراپا، پیکر،تمثال یا امیج شاعر کے متخیلہ یا تصور سے بہ راہ راست تعلق نہیں رکھتا،بل کہ شعری عمل کے دوران ایک واضح شبیہ ابھرتی ہے جو قرأت کے بعد مجسم شکل اختیار کر لیتی ہے۔سراپا مشاہدے اور تجربے کی معنیٰ خیز صورت میں کسی شخصی حالت کا آنکھوں کے سامنے تصویری شکل میں ابھر آنے کا عمل ہے۔سراپا نگاری کے لیے پیکر تراشی،تمثال نگاری،محاکات نگاری اور تصویریت وغیرہ کی اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی ہیں۔یہ لفظوں کے تال میل اور خوب صورت دروبست سے ابھرنے والی وہ شبیہیں ہوتی ہیں جو ایک واضح یا قدرے مبہم انداز میں قاری تک پہنچتی ہیں۔ڈاکٹر شائستہ حمید کے مطابق:

''پیکر تراشی،سراپا نگاری، امیجری،تمثال دراصل وہ تصویر ہے جو شاعری کے مطالعے سے ذہن میں بنتی ہے۔شاعر کے محسوسات اور واردات اپنے اظہار کے لیے جب لفظی تصویروں کا روپ دھار لیتے ہیں تو

اس کو سراپا، پیکر، تصویر، امیج اور تمثال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔''(۱۰)

سراپا نگاری کا عمل اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ انسانی ذہن ہمہ وقت مختلف تصاویر کا مرکز رہتا ہے۔ شاعر گرد و نواح میں پھیلی ہوئی دیکھی اور ان دیکھی دنیا میں اپنے حواس کے ذریعے مختلف مناظر ترتیب دیتا ہے اور اپنے ذہن میں ان کی جمع آوری کرتا رہتا ہے۔ یہ مناظر مختلف تصویروں اور شبیہوں کی صورت میں شاعر کے لاشعور کا حصہ بنتے ہیں اور بعد ازاں لفظی تصویروں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ غور کیا جائے تو انسانی سراپے کو لفظی پیکر میں ڈھالنے کا عمل سراپا نگاری کہلاتا ہے۔ سراپا نگاری سے مراد کسی محبوب شخصیت کی ایسی لفظی تصویر بنانے کا عمل ہے جس میں اس کے حسن و جمال کو الفاظ کے ساتھ چشمِ تخیل میں لاکر وجود دیا جاتا ہے۔ یہ عمل شعوری کاوش کا مرہون منت ہے۔ اس میں لاشعور کی کارفرمائی بہت کم ہوتی ہے۔ جان پریس (John Press) سراپا نگاری میں شخصی نقش گری کے حوالے سے کہتے ہیں:

A good poet should be a , but imagery,master of imager is some thing complex and elaborate that a series of A •unambisious pictures distiction must between visual which evokes a clear ,image picture of an object and a symbolic image which arouses (11)".a network of associations

شاعری میں سراپا نگاری شعر کو فنی کمال عطا کرنے کا عمل تو ہے ہی، اس میں حقائق کی دریافت کی خواہش کی موجودگی سے بھی انکار ممکن نہیں، درحقیقت یہ حسن و جمال کے خارجی بیان کا ایک موثر اور مبنی بر حقیقت ذریعہ بھی ہے۔ یہ کائنات بہ ذات خود حسن کا عظیم شہ کار ہے، اس کی ہر ایک شے بہ شمول انسان ایک دوسرے سے مربوط ہے۔ اشیاء کے باہمی ارتباط اور تعلق سے ان کے رشتوں اور دیگر لامحسوس تعلقات کا عقدہ کھلتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جسے بہ قول ولی دکنی عشق کا عاشقانہ اور صادقانہ اظہار قرار دیا جاسکتا ہے:

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالبِ عشق ہوا صورتِ انسان میں آ

(ولی دکنی، کلیات ولی، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، مرتبہ، نورالحسن ہاشمی، ۱۹۹۶ء، ص ۷۵)

سراپا نگاری کے ذریعے وضع کردہ زبان یوں بھی اہم ہے کہ اس کا تعلق بہ راہِ راست موضوع کے نقطۂ ارتکاز یعنی موضوعہ شخصیت سے ہے۔ محبوب کے ''لبِ لعلیں'' یا ''زلفِ عنبریں'' کو سرخ اور خوشبودار کی خارجی خصوصیت کے باوجود محبوب سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں چیزوں کے خارج میں ہونے کے باوجود محبوب سے یہ ہر حال ایک ان مٹ رشتہ قائم ہے۔ دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو سراپا نگار کی آنکھ میں ابھرنے والا سراپا جس ترتیب سے متشکل ہوتا ہے، وہ اس کی آنکھ کا لازمی جزو ہے۔ سراپا نگاری کو اسی سبب غزل سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں

فریقین کے مابین ایک ایسا تعلق پروان چڑھتا ہے جو خارج کے ساتھ ساتھ باطنی سطح پر بھی ایک منفرد کیفیت کو جنم دیتا ہے۔

اردو نعت میں سراپا نگاری سے متعلقہ مواد خاصا وسیع ہے۔شعراء نے حواس کی پانچوں اقسام کو پیش نظر رکھتے ہوئے رنگوں کی گل کاری کی ہے۔سراپا نگاری کے موضوعہ کرداروں میں محبوب کے ساتھ ساتھ عاشق کے سراپا کا بیان بھی خاصا وقیع ہے۔

سراپا نگاری اردو نعت کی وہ خصوصیت ہے جسے ایک مکمل اور جامع حقیقت حاصل ہے۔اس کے خارجی اور داخلی پہلو خاصے وسیع ہیں۔ خارجی پہلوؤں میں بدن کے اعضاء کا سیدھا سادہ بیانیہ اظہار شامل ہے لیکن داخلی پہلوؤں میں وہ جذبات اولیت رکھتے ہیں جو تخلیق کار کے داخل میں حسن کے مشاہدے یا خیالی تصور کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ہر لفظ اپنے جلو میں ایک تصور لیے ہوتا ہے، اس لیے اعضائے بدن کے جمال کی اپنی الگ تاثیر ہے۔اس سے کسی شاعر کے ذاتی اور اجتماعی لاشعور کا ادراک بھی ممکن ہو پاتا ہے۔

سراپا کی سادگی اپنی جگہ لیکن علم بیان و بدیع کے استعمال سے اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔تصویر سازی کی ان رنگا رنگ صورتوں کا تعلق انسانی تخیل سے براہ راست ہونے کے باوجود بعض اوقات تجریدی قسم کی سراپا نگاری بھی وجود میں آتی ہے۔ ان جانی قسم کی تصویر کشی کا سبب شاعر کا اپنے واضح مشاہدے کے ساتھ داخلی کیفیات کو پیچیدہ انداز کے ساتھ شعر گوئی کا عمل بھی ہے۔شاعری کے خالص عناصر میں محاکات لازمی جزو ہے۔مولانا شبلی نعمانی کے خیال میں شاعری کی بنیاد محاکات اور تخیل پر ہے۔اگر ان دونوں میں سے ایک چیز بھی موجود ہو تو شعر اصل معنوں میں شعر کہلانے کا حق دار ہے۔ محاکات کا تعلق شاعرانہ مصوری سے ہے۔عام مصوری میں جو تصویر کھینچی جاتی ہے اس میں بہ تفصیل عارض و رخسار اور خال و خد کو نمایاں کیا جاتا ہے۔اس کے برعکس سراپا نگاری، پیکر تراشی اور محاکات میں شاعر انھی اعضائے بدن کو سخن کا موضوع بناتا ہے جو اس کے جذبات کو تلذذ آمیز ذوق جمال عطا کرتے ہیں یا اس کے خیال میں قاری یا سامع کے ذوق مشاہدہ کو وسیع یا اس کے جذبہ کو برانگیختہ کر سکتے ہیں۔پیکر تراشی اور محاکات نگاری میں مظاہر فطرت کی عکاسی کو اولیت حاصل ہے۔جب کہ سراپا نگاری کسی انسان کے اعضائے بدن اور ان کے متعلقات کی تعریف کے ساتھ ساتھ دیگر امور کا تجزیہ کرتی ہے۔سراپا نگاری میں انسانی اعضائے بدن کی شعری عکس بندی اور بھی زیادہ دل چسپی کی حامل محسوس ہوتی ہے۔اس مرحلے پر شاعر کے ذوق جمال کے ساتھ ساتھ اس تمدن کا اجتماعی لاشعور بھی واضح ہوتا ہے جس میں وہ شاعر رہ رہا ہے۔سراپا نگاری میں موضوع بننے والے جملہ اعضا میں سر، بال، زلف، جبیں، رخسار، ابرو، آنکھ، چشم، پلک، ناک، عارض، دانت، رخ، منھ، گلا، گردن، دوش، ہاتھ، کہنی اور پاؤں وغیرہ شامل ہیں۔

اردو نعت کے شعراء نے رسول ﷺ کی سراپا نگاری کے بیان میں آپ ﷺ کے اعضاے بدن کی مجرد تعریف کے ساتھ ساتھ علم البیان اور علم البدیع کے پس منظر میں بھی اشعار کہے ہیں۔ نعتیہ سراپا نگاری کے موضوعاتی حدود میں آپ ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے ان باتوں کو بھی موضوع

میں داخل کیا گیا ہے۔جن کا تعلق سراپا سے ہے۔اس میں نگاہ و نظر، تبسم، انداز گفتار، نجابت ونزاکت، سادگی، خوش خرامی، نشانِ کف پا اور نکہتِ زلف و پسینہ وغیرہ شامل ہے۔سراپا نگاری کے متعلقات تصویروں کا ایک ایسا سلسلہ ترتیب دیتے ہیں جو ہمارے ذہن میں معنویت پیدا کرتا ہے۔اگر اس عمل میں علم البیان اور علم البدیع کی جہتوں کو استعمال میں لایا جائے تو ہونے والی یہ نقش گری اور بھی واضح اور بامعنیٰ ہوجاتی ہے۔ ان خصوصیات کے سبب ایک مصرعے میں معانی کا ایک جہان پنہاں ہوتا ہے۔ ہر لفظ اپنے جلو میں ایک تصور رکھتا ہے، اور ہر تصور کا ایک مخصوص پس منظر ہوتا ہے۔اس طرح الفاظ کا برموقع اور برمحل استعمال ہمیں ایک ایسی فضا کی سیر کراتا ہے، جہاں ہم ذہنی طور پر آسودگی اور سرشاری محسوس کرتے ہیں۔نعتیہ سراپا نگاری میں سرکار ہر دو عالم کے چہرہ انور کو مرکزیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کسی انسان کی خوب صورتی کا اولین تاثر اس کے چہرے کا محتاج ہے اور چہرہ حسن و جمال کا مرکزی مقام متصور ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ Linda a Jackson چہرے کو مرکزی مقام دیتے ہوئے کہتی ہیں:

"It is certainly not surprising that the face has occupied centre stage in the research on phyisical appearence-after all, the face is usually the first source of information available about a person, and after the most potent source of information available to the perciever."(12)

کسی شخصیت کا عمومی جسمانی انداز، گفت گو، چال ڈھال اور دیگر جسمانی حرکات کم وبیش اس کی ذات کا مستقل حصہ ہوتی ہیں۔کلاسیکی عہد کے شعراء نے اس پہلو سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔انھوں نے اس زاویے سے موضوعہ شخصیت کا تجزیہ کر کے اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ جیسے البیلی چال، ماتھے کی شکن، چشم ولب کی مختلف کیفیات، آنکھوں سے ٹپکنے والی نخوت، اور کسی غیرت ناہید کی دیپک جیسی تان وغیرہ۔اس سے کسی شخصیت کی ذہنی کیفیات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔نفسیات کی دنیا میں اسے بصری متخیلہ سے جوڑا جاتا ہے۔کسی منظر کو انسان جب ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے تو اس کے متخیلہ میں وہ اپنی اصل حالت کے ساتھ بہت عرصے تک موجود رہتا ہے۔ماہرین نفسیات کے مطابق سوچ کے عمل میں ذہنی تصاویر یا تمثال، الفاظ اور تعقلات کی مدد سے کسی انسان کی سوچ کو واضح اور اس کے تخیل کو دل پذیر بناتے ہیں۔ اس مرحلے پر سراپا سے متعلق صدیوں پرانے انسانی تصورات بھی اپنا رنگ جماتے ہیں۔ماہرین نفسیات کے مطابق:

''بہت سے ایسے نظریات قائم ہیں۔جن کے مطابق فرد کی آنکھوں کے رنگ، قد، ہاتھوں کی لکیروں، ناک، کان یا چہرے کی عمومی بناوٹ کی بنیاد پر اسے مخصوص خصوصیات کا حامل قرار دے دیا جاتا ہے۔''(۱۳)

اس طرح کے وضع کردہ خودساختہ نظریات کی کوئی

سائنسی یا منطقی توجیہ تو پیش نہیں کی گئی، اس کے باوجود عوام الناس کے ذہن پر ان تصورات کے اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ بشریاتی علوم کے ماہرین نے تو کسی کے جسمانی خدوخال کے پس منظر میں متعلقہ شخصیت کی دقیق نفسیاتی پرتوں کو کھولنے کی کوشش بھی کی ہے۔''انیسویں صدی عیسوی کے ایک اطالوی ماہر انسانیات سیزر لومبروسو (Cesare Lamborso) نے چہرے کے خدوخال اور جسم کی عمومی بناوٹ کی بنیاد پر شخصیت کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔اس نے سر کے سائز، آنکھوں کے درمیانی فاصلے، ٹھوڑی کی شکل، اور بالوں اور آنکھوں کے رنگ کو بعض شخصی خصوصیات سے منسلک کیا ہے۔''(۱۴)

شعراء بھی مشاہدے اور متخیلہ کے ذریعے سے کسی شخصیت کے سراپا کی تصویر کھینچتے ہیں تو اس سے ان کے حسن و جمال کے تصور کے ساتھ ساتھ اس شعور کی غمازی بھی ہوتی ہے جو صدیوں کے تہذیبی سفر کے بعد مرتب ہوتا ہے۔ اردو نعت کی عظیم الشان روایت میں سراپا نگاری کے خاص زاویے ہیں۔حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی ان چند شخصیات میں سرفہرست ہیں، جنہیں ذات حق نے اس خطے میں فروغ نعت کے لیے منتخب کیں۔اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی ۱۰ شوال ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی (اترپردیش) میں پیدا ہوئے (۱۵)،ان کی شخصیت کی متعدد جہتیں ہیں، عشاق رسول میں بلند مقام رکھتے ہیں، ان کی شخصیت کے آفاق بھی اس قدر وسیع اور متنوع ہیں کہ ایک مضمون میں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔حضرت والا کی نعتیہ شاعری کے پس منظر میں شعور کی وہ سطحیں دکھائی دیتی ہیں جن کا تعلق ایک عظیم روایت سے ہے، ڈاکٹر عبدالغفور عزیزی کے مطابق:

> امام احمد رضا عقلی اور نقلی علوم وفنون کے جامع اور بہ ذات خود علم وآگہی کا ایک جہان تھے۔ان کی تبحر علمی کا ان کی شاعری پر اثر انداز ہونا ایک فطری اور لازمی امر ہے۔امام موصوف کی مضمون ومعنیٰ آفرینی اور ان کے فکر وتخیل کی رفعت کے جو نمونے ادبی محاسن کے طور پر دیکھے جاتے ہیں، ایسی مثال کم ملتی ہے (۱۶)

سراپا نگاری کی مروجہ تعریفیں اپنی جگہ لیکن نعت شریف کا معاملہ جدا ہے۔نعتیہ شاعری میں سراپا نگاری کے پس منظر میں صوفیانہ روایات کا جائزہ لیں تو ایک اور جہان معنیٰ کا انکشاف ہوتا ہے۔حضرت والا نے اکثر سراپے متصوفانہ انداز فکر سے تخلیق کیے ہیں، اس لحاظ سے انھوں نے سراپا نگاری کو ایک منفرد زاویہ عطا کیا ہے۔فاضل بریلوی کی نعت میں سراپا نگاری حسن کی تجلیات حقیقت کو مجاز کے پردے میں مخفی رکھتی ہیں اور کبھی وہ اس مجاز کے ذریعے حقیقت آشکار کرتے ہیں۔انھوں نے خاص طور پر جہاں زلف وچشم کا ذکر کیا ہے، وہاں ان کی سراپا نگاری میں بوقلمونی پیدا ہوئی ہے۔حضرت والا کے ہاں زلف ایک علامت بن کر محبوب حقیقی کے رخ روشن پر تعینات کا پردہ تان لیتی ہے۔یہ جب سیاہ بادلوں کی طرح محبوب کے مہ تاب نما زلف کا لفظ کا کل یا گیسو سے جدا ہے۔

فاضل بریلوی نے اہتمام کے ساتھ اپنے قصیدہ سلامیہ

میں رسول کریم ﷺ کا سراپا بیان کیا ہے،اس کے علاوہ ان کی دیگر شاعری میں بھی سرکار ہر دو عالم ﷺ کے مقدس سراپا کا تذکرہ ملتا ہے، یہاں مثال کے طور پر حضرت والا کے اشعار دیکھیں۔ان کے ہاں سراپا نگاری میں زلف کس طرح ایک وسیع استعارہ بن کر سامنے آتی ہے:

لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالہ ءمہ زلف ابر اجل

تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحٰی ترے چہرۂ نور فزا کی قسم

قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا

لکہ ء ابر راء فت پہ لاکھوں سلام

تصوف کی دنیا میں زلف ایک ایسا جزو سراپا ہے جو سالک کو اس کے مقام تک رسائی حاصل کرنے میں رہ نمائی کرتا ہے۔ اگر وہ محبوب کو چھپادے تو افسردہ دلی پیدا کرتی ہے۔ الجھ جائے تو الجھاؤ کا باعث بنتی ہے اور سنور جائے تو طالب کو بھی سنوار دیتی ہے۔محبوب اور اس کے اعضائے سراپا کا علامتی پس منظر سمجھنا خاصا دقیق ہے،مثلاً زلف تصوف میں انقباض کی نشانی ہے، اس کا مختلف زاویوں سے شاعری میں استعمال متعدد جہتوں کا حامل ہے، زلف اگر چہرے کو چھپالے تو رابطے کے تعطل کی علامت ہے،اگر زلف کی خوشبو کا ذکر ہو تو اس سے مرشد اور مسترشد کے مابین تعلقات کی بحالی مراد ہے۔مولانا شاہ خالد میاں فاخری کے مطابق

”زلف سلسلۂ تعینات، جذب الٰہی، مقامِ راز و اخفا، مظاہر کثرت، پریشانی یا پریشان کن حالات اور ابتلا کی علامت ہے۔ اس ابتلا کا باعث ہونا زلف کی درازی بھی ہے اور سیاہی بھی۔جس طرح زلف رخِ محبوب پر پردہ ڈال لیتی ہے۔ سیاہ تعینات بھی حسن حقیقی یا ذاتِ واحد کو چھپالیتے ہیں۔ زلف کی پیچ داری معاملات من وتو کا اشکال میں ہونا ظاہر کرتے ہیں،خواجہ میر درد کے ہاں زلف یا گیسو کے حوالے سے جو اشعار ملتے ہیں، ان سے تصوف کی ان اصطلاحات کے معنیٰ اخذ ہوسکتے ہیں،زلف کے ساتھ رخسار کا ذکر بے وجہ نہیں،صوفیاء کے نزدیک رخسار کو بدن کے ساتھ بعینہ وہی نسبت ہے جو سورۂ فاتحہ کو قرآن مجید سے ہے جہاں زلف کے ساتھ رخ، رخسار یا رکا ذکر آئے وہاں کفر کے ساتھ ایمان یا مشکل کے ساتھ آسانی کا کنایہ مراد لیا جاتا ہے۔(۱۷)

زلف اور اس کے متعلقہ اوصاف کی سراپا گری دراصل بصری اور شامی خصوصیات کی حامل ہے۔اس میں بصارت کے ساتھ قوت شامہ بھی حظ اٹھاتی ہے۔محبوب کی عنبریں زلفیں منتشر حواس کی تسکین کرتی ہیں۔زلف کے ساتھ خوشبو جیسی پر اسرار شے بھی حضرت والا کے ہاں سراپا نگاری میں زلف ایک وسیع استعارہ بن کر سامنے آتی ہے۔زلف،کاکل اور گیسو معمولی فرق سے ایک ہی ہیں۔حضرت والا کی شاعری میں ایک غزل ایسی ہے جس کی ردیف ہی گیسو ہے۔ایک نظر دیکھیے کس خوب صورتی کے ساتھ ردیف کے تقاضے نبھائے گئے ہیں۔

ہم سیہ کاروں پہ یارب تپش محشر میں سایہ افگن ہوں
ترے پیارے کے پیارے گیسو
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہوجائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو
بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو
دیکھو قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو
تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

سید عابد علی عابد کے مطابق:

''زلف، کاکل اور گیسو کا ذکر شعر میں بالعموم اور غزل میں بالخصوص اس لیے آتا ہے کہ خوشبو اور مہک ان چیزوں سے وابستہ ہے اور ظاہر ہے قانون اسلاف افکار کے ماتحت خوشبو میں یہ پراسرار طاقت ہوتی ہے کہ وہ بھولی بسری یادیں جو دل کے نہاں خانے میں کہیں سوئی پڑی ہوتی ہیں۔ اس کے ذکر سے جاگ پڑتی ہیں''(۱۸)

آنکھ انسانی جسم کا سب سے حساس عضو ہے۔ یہ حسن ازل کی مشاہدہ بیں ہے۔ چشم، آنکھ یا نظر قلب کو سہلانے اور گرمانے کا کام دیتی ہے، یہ کہیں مردہ جسم میں جان ڈال دیتی ہے اور کہیں بدن سے جان نکال بھی لیتی ہے۔ مجازی محبوب کے عشق میں چہرے کے نقش ونگار بنیادی کردار ادا کرتے ہیں تو جمالِ خداوندی کی زیارت کے طالبوں کی صورت حال بھی اس سے الگ نہیں، صوفیاء کے نزدیک چشم کا ایک مخصوص کردار ہے۔ شاہ سید محمد ذوقی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق:

''تصوف کی شاعری میں لفظ چشم سے کبھی بصارت ازلیہ کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ کبھی شہودِ حق حسب استعداد سالک کی جانب اور کبھی نظر حق تعالیٰ اور اس نظر کے اثرات کی جانب، دل بر کی چشمِ شوق کا اثر یہ ہے کہ عشاق کے دلوں میں بعد و فراق و پندار خودی سے بیماری کا احساس پیدا ہوتا ہے، کبھی خمار غم سے جسم ٹوٹتا ہے، کبھی محبوب کی نظر کو اپنی جانب ملتفت پا کر ایک مستی پیدا ہوتی ہے۔''(۱۹)

چشم کے مختلف غمزے ہیں، کبھی یہ چشمِ مست ہوتی ہے اور کبھی چشم شوخ، بیماریِ چشم، خماریِ چشم اور کرشمۂ چشم بھی اس کی مخصوص اصطلاحیں ہیں۔ خانۂ چشم ہے یہ خانۂ خمار نہیں۔ حضرت والا کی شاعری سرکار ہر دو عالم ﷺ کی چشم عنایت کی منتظر رہتی ہے۔ کب وہ نگاہ عاصی پر اٹھے اور دنیا و آخرت کے سارے گناہ دھل جائیں

کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں
نرگس مست ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں
جب آگئی ہیں جوش رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں
دل نکل جانے کی جا ہے آہ کن آنکھوں سے وہ
ہم سے پیاسوں کے لیے دریا بہاتے جائیں گے
ان کی آنکھوں پہ وہ سایہ افگن مژہ
ظلۂ قصر رحمت پہ لاکھوں سلام

آنکھیں یہ نہیں سبزہء مژگاں کے قریب
چرتے ہیں فضائے لا مکاں میں آہو
سرگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال
ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا

انسانی وجود میں چہرہ سب سے زیادہ افضلیت رکھتا ہے، اہل عشق کے نزدیک اس کی حیثیت وہی ہے جو قرآن مجید میں سورۂ یٰسین کی ہے۔ فاضل بریلوی کی نعت میں سرکار ہر دو عالم کے چہرۂ انور کا حسن متعدد زاویوں سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ مرکزی مقام جمال ان کے نزدیک مقصود کائنات ہے، چند مثالیں دیکھیں:

جیسے قرآن ہے ورد اس گل محبوبی کا
یوں ہی قرآں ہی وظیفہ ہے وقار عارض
کیا ٹھیک ہے رخ نبوی پر مثال گل
پامال جلوۂ کف پا ہے جمال گل
وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں شرح والشمس وضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں
پردہ اس چہرہ انور سے اٹھا کر اک بار
اپنا آئینہ بنا اے مہ تاباں ہم کو
وہ ظل رحمت وہ رخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پائے
سنہری زربفت، اودی اطلس، یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے ہیں

عشق و تصوف کی دنیا میں عارف کا تجربہ سب سے جدا ہے، عارفانہ خصوصیات کے حصول کے بعد ہستی ثانی کسی تجریدی (Abstract) تجربے کی بجائے حسی تجربے کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ ایک فلسفی کے برعکس صوفی الجھے ہوئے ریشم کی ڈور میں اپنا ہاتھ الجھانے کی بجائے حق الیقین کی بات کرتا ہے، حضرت احمد رضا بریلوی کا عشق رسول مشاہدۂ حق کی گفتگو کرتا ہے۔ وہ عشق کے جس سیلاب بلا کی زد میں آئے ہوئے ہیں وہ تیز و تند ہونے کے باوجود ان کے محبوب کا سراپا آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ شاعر کی چشم بینا میں محبوب کا سراپا اس طرح موجود ہے جیسے آندھی کے بطون میں ہی اس کی شدت چھپی ہوتی ہے۔ حضرت والا کے خیال میں عام آنکھ سے انسان کا دیدار تحقیق شدہ اور مسلم ہے لیکن اس کے لیے ماہیت کی کلیت اور ہویت کی جزویت پر تفصیلی نظر ڈالنی ضروری ہے، وہ حسن کے تشبیہی اور تنزیہی مراتب کو الگ کرنے اور روح اور جسم کے مابین فرق روا رکھنے کے قائل ہیں۔ یہاں حضرت خواجہ میر درد نقشبندی کی تصنیف ’علم الکتاب‘‘ سے ایک اقتباس قابل غور ہے:

’’تمہارا مقصود وہی عالی مراتب ہو اور کہو کہ میں نے انسان کو ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا اور نہ ہی دیکھ سکتا ہوں۔ یہ مادی آنکھیں ان غیر مادی چیزوں کے دیدار کی اہلیت ہی نہیں رکھتیں تو یہ صحیح اور درست ہے، اور انسان کے ظاہر و باطن پر مجموعی طور پر عرفانی نگاہ ڈالو اور کہو کہ میں نے ایک لحاظ سے انسان کو دیکھا ہے اور ایک لحاظ سے نہیں دیکھا تو یہ بھی درست اور صحیح ہے، اور اگر اپنے ہی ظاہر و باطن کو ملاحظہ کر کے کہہ دو کہ میں انسان کو ظاہراً بھی دیکھتا ہوں اور باطناً بھی تو بھی صحیح و درست ہے۔‘‘(۲۰)

سبزۂ خط صوفیاء کے نزدیک رخ محبوب پر خوبی و لطافت

کا مظہر ہے، یہ ایک ایسی حدِ فاصل ہے کہ غیب مطلق اور شہود دونوں کے درمیان موجود ہے اور یہاں رخ وحدت دن اور خط رات ہے، اس تناظر میں صوفیاء کے ہاں سبزۂ خط کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ سید محمد ذوقی رقم طراز ہیں:

''سبزہ خط جامع جمیع دقائق ونکاتِ حسن و جمال بن گیا ہے اور کوئی خوب روئی و ملاحت اس سے تجاوز نہیں کرسکتی، بہ لحاظ اس کے کہ یہ خطِ ظہورِ حیات ہے، اسے سبزہ زارِ جہانِ عالم بھی کہتے ہیں کیوں کہ نشو ونما کی ابتدا سبزے سے ہوتی ہے اور مراتبِ ظہور میں مرتبۂ ارواح ابتدائی مرتبہ ہے۔'' (۲۱)

حضرت رضا بریلوی کی شاعری میں اس حوالے سے اشعار دیکھیں:

مصحف عارض پہ ہے خط شفیعہ نور کا
لوسیہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا
ریش خوش معتدل مرہم ریش دل
ہالہء ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام

حضرت والا کے ہاں یہ دونوں اشیاء اس طرح باہم آمیز ہیں کہ ان کی درجہ بندی خاصی مشکل ہوجاتی ہے۔ بعض اشعار میں تو سراپا نگاری میں موجود پاکیزگی سے درد کے قلب ونظر کی روحانی وسعتوں کا ادراک بھی ہوتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں ایرانی تصوف کے غلبے کے سبب اعضائے سراپا کا جو علامتی نظام ہے وہ انسانی مزاج کو مہذب بنانے کے کام آکر اور اس کو حدِ اعتدال پر لاتا ہے، ڈاکٹر وزیر آغا اس علامتی نظام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''صوفی شعراء کے ہاں خواہشات کی تکذیب نہیں ہوتی بل کہ ان کی تہذیب ہوتی ہے اور یہی فن کا مسلک بھی ہے، چناں چہ شراب اور محبوب اور اس کے سراپا کے تمام لوازم جنھیں پہلے صوفیاء نے خوف اور نفرت کی نظروں سے دیکھا تھا، صوفی شعراء کے ہاں علامتی روپ اختیار کرگئے حتیٰ کہ نفسیاتی سطح کی محبت بھی ایک ارفع جذبۂ عشق میں مبدل ہوگئی'' (۲۲)

صوفیاء کے نزدیک مجازی لباس میں محبوب کو پانے کی خواہش فطری ہے، کیوں کہ عشقِ حقیقی تک پہنچنے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق ''درد چوں کہ باطنی حسن کے متلاشی ہیں۔ جو ظاہر میں نہیں دیکھا جاسکتا، سچ پوچھو تو وہ اس کے لیے مجبور بھی تھے کہ حقیقت کے اظہار کے لیے مجاز کا سہارا تلاش کرتے۔'' (۲۳)

یہاں خواجہ میر درد کی اس مجبوری کو غزل ''تنگ نائے'' سے بھی جوڑا جاسکتا ہے جہاں بہ ہر حال اس کے مفاہیم ومعنیٰ کے حدود سے تجاوز کرنا زیادہ مناسب نہیں۔ صوفیاء کے ہاں محبوب اور اس کے سراپا کا مطالعہ مخصوص صوفیانہ اصطلاحات کے پس منظر میں خاصا منفرد اور دل چسپ ہے۔ چند مثالیں دیکھیں:

ابرو:

ہے جلوہ گہ نور الٰہی وہ رو
قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

صوفیانہ تفہیم: جس طرح قاب قوسین کو ذات حق کا قرب حاصل ہے اسی طرح ابرو کو چشم کی ہم راہی میسر ہے۔

قد/ قامت:

ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر جس کے بلبل ہیں
ترا سروِ سہی اس گل بن خوبی کی ڈالی ہے

سرو ناز قدمِ مغزِ رازِ حِکَم
یکّہ تازِ فضیلت پہ لاکھوں سلام

صوفیانہ تفہیم: وجوب و امکان کی درمیانی جگہ، وہ برزخ جو اجتماعِ ضدیں یا جانبین یا طرفین ہے کیوں کہ قد و قامت میں بھی یہی صورت حال ہوتی ہے۔

لب:

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

صوفیانہ تفہیم: شاعر کے نزدیک محبوب کے لب حیات بخش ہیں۔ کلام معشوق نیستی کو ہستی میں لاتا ہے، دردمند دل کو ہونٹوں کے ذریعے مژدۂ طرب سنایا جاتا ہے۔ شاعر ابھی تک اس خوش خبری کو سننے سے محروم ہے۔

انگشت:

چاند اشارے کا ہلا حکم کا باندھا سورج
واہ کیا بات شہا! تیری توانائی کی

جنبش ہوئی کس مہر کی انگلی کو رضا
بجلی سی گری شیشۂ مہ ٹوٹ گیا

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

صوفیانہ تفہیم: انگشت گرہ کشائی کرتی ہے، اس لیے حل المشکلات ہیں۔ نیک روحیں عالم برزخ میں بھی عقدہ کشائی کرتی ہیں۔

دہن:

خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن
سبزۂ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام

صوفیانہ تفہیم: صفتِ تکلم، جس کا ادراک آسان نہیں

تبسم:

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھادے وہ ادائے گل خنداں ہم کو

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
اے ملیح عربی کر دے نمک داں ہم کو

صوفیانہ تفہیم: ایک نظر عنایت جس کا تعلق عطا سے ہے۔

چال:

کمان امکاں کے جھوٹے نقطو تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
تعالیٰ اللہ ماہ طیبہ عالم تیری طلعت کا

صوفیانہ تفہیم: مطلوب ومقصود کا منطق الطیر کے پرندوں کی طرح سے مرغ کے ٹھکانے کی طرف روانہ ہونا۔

ظاہری اور باطنی آنکھ سے کسی بھی شے کا سراپا دیکھنا اہل تصوف کے نزدیک دراصل انسان کے قلبی افعال میں سے ایک فعل ہے۔ اس سے شاید بصارت سے زیادہ بصیرت کا تعلق ہے۔ عرفانی علوم سے وابستہ شخص اپنی آنکھ کے روزن سے مخفی اور ظاہر، حسن کی دونوں جہتوں کا دیدار کرتا ہے۔ حضرت والا کے ہاں اس کی چند مثالیں یوں ملتی ہیں:

ایک سینے تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا
میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا
ایسی بندھی نصیب کھلے مشکلیں کھلیں
دونوں جہاں میں دھوم تمہاری کمر کی ہے
میرے ہر زخم جگر سے یہ نکلتی ہے صدا
پھر دکھادے وہ ادائے گلِ خنداں ہم کو
تاج روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں
رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں
کوچے کوچے میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستاں ہے ہر اک گوشہء کنعان عرب
نقاب الٹے وہ مہرِ انورجلال رخسار گرمیوں پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکتے انجم کے آبلے تھے
گنہ مغفور، دل روشن، خنک آنکھیں، جگر ٹھنڈا
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خوابِ بصارت کا

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

حضرت احمد رضا بریلوی صاحب کی نعتیہ شاعری اپنے جلو میں ایک خاص رنگ رکھتی ہے، وہ اپنے عہد کے شعراء سے منفرد اور جدا دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنی نعت میں علم بیان و بدیع کی مہارتوں کے ساتھ ساتھ، محاوروں اور ضرب الامثال کا جس خوب صورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے اس کی مثال مفقود ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ حیرت دہلوی، مرزا، بہ حوالہ شاہ چراغ الدین تونسوی، جمال لولاک، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۸۸ء ص ۲۳
۲۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، مضمون، مشمولہ، نقوش رسول نمبر، بحوالہ سیرت طیبہ کے شعری نقوش، ص ۱۲
۳۔ غیاث اللغات، مرتبہ، مولانا غیاث الدین، کراچی: ادب منزل، ۱۲۴۲ھ، ص ۲۶۲
۴۔ اعجاز اللغات جدید، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء، ص ۴۴۶
۵۔ فرہنگ تلفظ، مرتبہ، شان الحق حقی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۲ء، ص ۶۱۷
۶۔ جامع نسیم اللغات اردو، مرتبہ، نسیم امرہوی، سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، س ن، ص ۶۹۵
۷۔ فرہنگ آصفیہ، جلد سوم، مرتبہ، مولوی سعید احمد

دہلوی، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۶ء، ص ۲۹۹

۸۔ Dictionary Urdu and English, By Duncan forhas, Lahore: Sang-e-Meal Publications, 2002, P 463

۹۔ حفیظ صدیقی، ابو الاعجاز، تفہیم و تحسین شعر، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴۴

۱۰۔ شائستہ حمید، ڈاکٹر، ''اردو غزل میں پیکر تراشی''، ماہ نامہ، اخبار اردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۳

۱۱۔ John Press, The First and Fountain, the University of Chicago: 1927, P144
Linda, A Jackson and Physical Appearance and gender London: Barly House.12, 1988, P 177

۱۳ حمیر ہاشمی، و دیگر، مرتبین، نفسیات، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۷ء، ص ۴۹۵

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۹۹

۱۵۔ فخر الدین چشتی، سیرت رضا، لاہور: مکتبہ فریدیہ، ۱۹۸۷ء، ص ۷۹

۱۶۔ عبد النعیم عزیزی، ڈاکٹر، اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، کراچی: ادارہ تحقیقات امام رضا، ۲۰۰۸ء، ص ۵۹۳

۱۷۔ خالد میاں، فاخری، مولانا، اصطلاحاتِ تصوف، کراچی: دائرۃ المصنفین، س ن، ۲۳

۱۸۔ عابد، علی عابد، پروفیسر، تنقیدی مضامین، دہلی: ہندستان پبلشنگ ہاؤس، س ن، ۶۵

۱۹۔ محمد ذوقی، سید، سر دلبراں، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۰۵ء

۲۰۔ درد، میر، خواجہ، علم الکتاب، مترجم، ڈاکٹر عبد اللطیف، ص ۶۸۹

۲۱۔ محمد ذوقی، سید، سر دلبراں، ص ۲۳۱

۲۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تصورات عشق و خرد اقبال کی نظر میں، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۷۵

۲۳۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، تحقیق و تنقید، کراچی: ماڈرن پبلشرز، ۱۹۶۳ء، ص ۴۸

☆☆☆

احمد جاوید۔ پاکستان

کلام رضا۔ آئینہ رسول مرکزیت

مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل اور اسباب عظمت پہ گو کہ کافی نہیں لیکن خاصا علمی کام ہو چکا ہے۔ آپ کی ذات گرامی کے تعارف کی بہت ساری بنیادیں معروف حالت میں ہمارے اندر موجود ہیں اور ان پہ کام مسلسل جاری رہتا ہے لیکن آپ کی عظیم شخصیت کا یہ گوشہ، آپ کے فضائل کی یہ جہت جو آپ کی نعتیہ شاعری میں قائم اور اس سے ظاہر ہے اس پر میرے علم کے مطابق وقیع کاموں کی روایت نہیں پڑ سکی ہے۔ اس کا سبب اعلیٰ حضرت کی فکر سے وابستہ لوگوں کی غفلت یا نااہلی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم اُن ادبی تصورات کی تحصیل اور تشکیل سے محروم ہو گئے ہیں جو ہمیں شاعری کے ان نمونوں کی تحسین کے قابل بنا سکتا ہے تو ہمارے اندر ابھی وہ ادبی تھیوری شاید موجود نہیں ہے۔ شاید پنپ نہیں سکی ہے کہ جو ہمیں ''حدائق بخشش'' کی فنی تحسین اور جمالیاتی تفہیم کے قابل بنا سکے لیکن بہر حال یہ کام ہونا چاہیے کیونکہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی شخصیت کا جو جوہر ہے وہ ان کے فتاوے میں نہیں ہے حدائق بخشش میں ہے انشاء اللہ اس کی تفصیل پیش کروں گا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب ہمارے اسلاف علماء کی اس روایت کے غالباً آخری نمائندے تھے اور میرے خیال کے مطابق تا حال یقینا کہ جس نے اپنے علوم اور اپنے احوال میں مکمل اہلیت پیدا کر کے دکھا دی تھی۔ شاید سننے میں کچھ مشکل اور اجنبی لگے یعنی وہ اپنے علوم سے بنے ہوئے آدمی تھے تو یہ جو خوبی ہے یہ بہت کم ہوتی ہے یہ خوبی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک آدمی یہ معرفت نہ رکھتا ہو کہ ہمارا دین، دراصل رسول مرکز ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ربانی حکمت دین کے اس سرّ کو اس سرِّ اکبر کو نہ صرف دریافت کیا بلکہ اُس کو پھیلانے کا موثر ترین ذریعہ بنے۔ برصغیر میں اس سرّ کو اس بھید کو اس معرفت کو کہ دین اسلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرکز ہے یعنی کہ جو چیز منتہا ہے ۔ترتیب کا خیال نہیں رکھوں گا اپنے جذبے کی روشنی میں ہی بات کروں گا دماغ کا پیچھا نہ کروں گا۔ جو چیز منتہائے بندگی ہے، منتہائے بندگی یعنی جہاں بندگی مکمل ہو جاتی ہے جہاں بندگی کسی گمان اور کسی سوال کا ہدف بننے سے بلند ہو جاتی ہے وہ بندگی ہماری روایتی اصطلاح میں دوامِ حضور کا نام ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کا مستقلاً استحضار، اللہ کی یاد کا ایسا تسلسل اور

غلبہ جو خیالات اور احساسات پہ حاکم ہو کہ ہمارے باطن کا تزکیہ کرتا رہے اور ارادے اور عمل پر غالب آ کر ہمارے اعمال اور ظاہری رویوں کی اصلاح کا کام کرتا رہے۔ یہ منتہائے بندگی ہے، یہ دوامِ حضور انسان اپنے اندر موجود کسی ملکۂ یاداشت سے حاصل کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہی نہیں ہے کہ وہ غیب مطلق کو مستحضر رکھنے میں اپنے اندر موجود قوتوں کے ذریعے سے کامیابی حاصل کرے۔ یہ استحضار ہے یعنی جس کو حضورِ دائم کہیں یا دوامِ حضور۔ یہ استحضار ممکن ہی نہیں ہے رسول اللہ ﷺ سے عارفانہ نسبت اور عاشقانہ تعلق کے بغیر۔

رسول اللہ ﷺ کے تعلق میں اللہ کی رحمت سے وہ اثر موجود ہے کہ آپ کا عاشق آپ ﷺ کی محبت دل کو میسر آجانے کے بعد ایک مستقل اندازِ تاثر رکھتی ہے۔ رسول ﷺ اپنے سچے امتیوں کو کبھی بھولتے نہیں ہیں۔ ہماری ایک اختیاری یاداشت ہے وہ کہیں اِدھر اُدھر نکل جاتی ہے لیکن ہمارا ایک وجودی حافظہ ہوتا ہے جس کو ہم جب چاہیں محسوس کرتے رہتے ہیں وہ وجودی حافظہ اگر کسی چیز سے ہمہ وقت معمور ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ دوامِ حضور کہتے ہی اسے ہیں کہ میری وجودی یاداشت میں اللہ کے ساتھ میری نسبت بندگی زندہ اور موثر حالت میں موجود رہے۔ جب چاہوں اسے محسوس کرلوں اور جب چاہوں اس کو اپنے عمل خیال پر حاکم کرلوں۔ یہ درجہ کسی بھی صورت سے کسی بھی ذریعے سے ذہن کی کسی بھی صلاحیت سے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ عدمِ امکان اس وقت تک رہے گا جب تک آدمی رسول اللہ ﷺ کی طلب فرمودہ محبت کا محصل نہیں ہوگا، طالب نہیں ہوگا۔ تو جیسے 'جو یہاں نہیں وہ وہاں نہیں' وہ ابھی پڑھ رہے تھے اویس صاحب۔ ماشاءاللہ یہ وہ اصول اعظم ہے جو خواص صوفیاء کے حلقوں میں لائق اعتبار حالات میں موجود رہا ہمیشہ سے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے خواص میں کارفرما اس اصول کو اپنی قوم کی نفسیات کی سب سے بڑی طاقت اپنی زندگی میں بنا کے دکھا دیا یعنی کہ ایک ایسی دولت جو خواص اور اخص الخواص کے تصرف سے باہر نہیں نکل رہی تھی باہر نظر نہیں آ رہی تھی اس دولت خاصہ کو تحویل عوام تک پہنچا دیا۔ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس کے سامنے قانونی تجدید مجددیت کا قانونی تناظر کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ ان کے مجدد ہونے کی میری نظر میں سب سے بڑی دلیل ہے کہ اُنھوں نے بندگی کے آخری مطالبے کی تکمیل کے وسائل ہم ایسے لوگوں کے لیے بھی فراہم کردیے ہیں تو خیر آج میں سعادت حاصل کروں گا کہ آپ کے مشہور مجموعۂ نعت کے فنی محاسن پر گفتگو کروں۔ فنی محاسن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم رعایتِ لفظی تک محدود رہیں۔ فنی حسن کہتے ہیں حسن اظہار کو۔ حسنِ اظہار کی ایک تیکنیک (Technique) ہوتی ہے جو بعض مکینکس (Mecanics) پہ استوار ہوتی ہے جو صنائع بدائع اور تصورات پہ کھڑی ہوتی ہیں جو لفظ اور معنی کے متعلقات ہوتے ہیں۔ ہم ان دونوں جہتوں سے آپ کی فنی اور جمالیاتی حیثیت کا جائزہ لینے کی اپنی سی کوشش کریں گے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو نعت کے تقاضے ہمارے بھائی انوار احمد زئی صاحب نے بہت خوبصورتی اور اختصار سے مکمل طور پر بیان کردیئے ان

کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ دوسرا جو میں نعت کے ادب کا تقاضا بتانے جارہا تھا وہ دوسرے پہلو سے تھا دوسرا پہلو جونعت کے بنیادی ترین تقاضے کی حیثیت رکھتا ہے کہ ہم عشق کو جمالِ مصطفوی سے وابستہ کریں اور معرفت کو کمالِ مصطفوی کے قدم پہ ڈالیں۔ یعنی معرفت اور محبت یہ دونوں لوازم تعارف بالرسالت کس طرح سے اعلیٰ حضرت نے اپنی نعتوں میں ملحوظ اور محفوظ رکھے ہیں اور ان میں سے بعض روایتوں کی بنیاد ڈالی ہے اس کی طرف بھی کچھ اشارے اگر ہم سے ممکن ہوسکے تو ہم کریں گے۔ نعت کا ادب نعت کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ محبت کا سر چشمہ محبت کا ماخذ و مرجع یعنی جمال نبوی اگر صاحب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حسنِ اظہار کے ساتھ ظاہر ہو۔ معرفتِ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حسنِ اظہار بہت بلند حقائق کا کنٹینر (Container) ہو۔ احمد رضا خاں صاحب نے نعت کے یہ دو بنیادی لوازم بہت خوبصورتی سے بہت کمال سے پورے فرمائے اور یہ اب ہم لوگوں کا کام ہے کہ اس میں چھپے ہوئے خزانے کو اپنی اپنی بساط پر دریافت کرنے کی کوشش کو جاری کریں۔ ایک بات جو مجھے یہاں آتے آتے سوجھی تھی معرفت کی، میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں گویا اس مجلس کی برکت سے وارد ہونے والی ایک بات آپ کے ساتھ شیئر کروں ۔عارف اور عالم یہ دونوں ایک ہی روایت کے دونمائندے ہوتے ہیں لیکن ان میں ایک فرق یہ ہوتا ہے کہ عالم صورت کا منتہی ہوتا ہے۔ عارف معرفت معنوی کو حاصل کرنے میں عالم شریعت پر مدار رکھتا ہے ۔عارف شارع کا ہاتھ تھامے ہوئے ہوتا ہے اور شارع شریعت کا تابع ان معنوں میں نہیں ہوتا جن معنوں میں ہم ہوتے ہیں۔ شریعت شارع کے فضائل کا رکن اعظم ہے لیکن شارع کے فضائل کا کُل نہیں ہے۔ اس بات کو نہ جاننے سے بہت سارے معارف، بہت سارے مقامات جو اعلیٰ حضرت کی شاعری میں اِدھراُدھر بکھرے ہوئے ہیں وہ لوگوں کی گرفت میں نہیں آتے۔

میں نے ایک انتخاب ''حدائق بخشش'' کا فوری طور پر تیار کیا اس نیت سے ایک یا کچھ اشعار ایک رَو میں پڑھوں اور ان پر اس طرح کی گفتگو کرنے کی کوشش کروں کہ اس سے ایک تو آپ کی شانِ نعت گوئی پر کچھ روشنی پڑ سکے اور دوسرے یہ کہ آپ کے ممدوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہم پر جو نئی معرفت اور نئی جہتِ محبت کھلتی ہیں ان کی طرف کچھ اشارہ ہو سکے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے، یہ بات اصرار کے ساتھ کہنے کی ہے کہ ایسی شخصیت ایسے کام ہماری پوری روایت میں بہت کم ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر جن سے مستفیض ہوکر ہم یہ کہنے کے قابل ہوسکیں یا یہ دعویٰ کرنے میں صادق ہوسکیں کہ اس کام کی وجہ سے اس شخصیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ترقی ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت اس طرح فطرت میں راسخ ہے جس طرح توحید پر ایمان فطرت میں راسخ ہے اور فطریات میں اضافہ کردینا یہ بہت ہی بڑے آدمی کا کام ہوتا ہے۔ کوئی شخص یا کسی آدمی نے میرے اندر میری والدہ کی محبت میں اضافہ کردیا تو یہ جملہ مہمل ہے اس آدمی نے اپنی کسی بات سے میرے دل میں میرے سب سے بڑے محبوب کی الفت میں زیادتی کردی یہ جملہ مہمل ہے۔ اس جملے کے کوئی معنی نہیں ہیں یہ جملہ کسی دماغ کی خرابی پر دلالت کرتا

ہوا محسوس ہوتا ہے۔لیکن بعض لوگ ہوتے ہیں، مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں یہ جملہ پوری طرح بامعنیٰ ہے اور آپ اگر اس جملے تک نہیں پہنچیں گے تو تعلق کبھی مکمل نہیں ہوگا۔آپ انہیں سمجھے ہی نہیں۔آپ نے ان کے صرف فتوے رٹ رکھے ہیں۔آپ ان تک پہنچے ہی نہیں ابھی۔ یہ ان کا کمال ہے یا پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے وہ ذات پیدا کی، عشق مصطفوی نے اپنا وہ کامل مظہر ہمارے درمیان بھیجا جس کو دیکھ کر، جس کو سن کر، ہمارے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اضافہ یعنی ہماری فطرت کے بنیادی جوہر میں شدت اور زیادتی ہوگئی۔ یہ بہت بڑی بات ہے اور یہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلۂ معجزات کی ایک کڑی ہے کہ جب آپ کہیں گے کہ فلاں عالم ریاضی کا بہت بڑا ماہر ہے تو اس کے ریاضی کے دقائق آپ کو بتا کے اس کے علم کا ثبوت دینا ہے تو وہ سلسلہ اس آدمی کے سامنے عرض نہیں کیا جا سکتا جو ریاضی کے مبادی سے واقف نہ ہو۔ اسی طرح اگر ہم یہ دریافت کرنے نکلیں کہ اعلیٰ حضرت فنی اور جمالیاتی معیارات پر نعت گوئی فرماتے رہے تو اس کے لیے وہ کچھ ادبی تصورات، کچھ شعری معیارات، کچھ ان کی اصطلاحات ان کا ذکر آنا ناگریز ہے تو اگر ایسا ذکر آئے تو مجھے اس کے لیے معذور سمجھیے گا اور یہ کہ میرے اوپر گویا فرض ہے کہ میں آپ کی اس تحسین کو ادبیات میں قابل قبول طریقے سے بیان کروں نہ کہ اُس طریقے سے جس سے ادبیات سے ناواقف لوگ مانوس ہیں۔

ناواقف کی تحسین کوئی تحسین نہیں ہوتی، ادبیات میں کچھ اصول ہیں کہ موضوعاتی فن پارے ہوں یعنی یوں کہہ لیں کہ کوئی شاعری اپنی مجموعی شکل میں اگر ایک مدار اور ایک موضوع کے گرد گھوم رہی ہو تو اُس میں پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا بیسک تھیم (Basic Theme) کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری نعت کی شاعری ہے، مناقب کی شاعری ہے ہم فی الحال نعت تک محدود ہیں۔نعت کی شاعری کے ان کے مجموعے کو ہم مجموعۂ نعت سمجھ کر اس کی تحسین کے مختلف مراحل طے کرنے کے لیے کھڑے ہیں تو اس میں جب ہم ''حدائق بخشش'' کو مجموعۂ نعت کی حیثیت سے ادبی نقطۂ نظر سے دیکھیں گے تو ایک معیاری اور مروّج معتدل نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کے بیسک تھیم یا میجر تھیمز دریافت کیے جائیں۔یعنی کہ اس موضوع کے کچھ مستقل مکمل دوائر ہیں جن سے جڑ کر، جن سے مل کر یہ کتاب ایک بڑے دائرے کے طور پر وجود میں آئی یعنی یہ کُل جو ہے اپنے بہتیرے اجزا کا اخراج گوارا کر سکتا ہے، بہت سے اجزا جو کُل سے خارج ہو جائیں تو کُل کی کلیت پر اثر نہیں پڑتا لیکن بعض اجزا ایسے ہوتے ہیں جو خارج ہو جائیں تو کُل کی کلیت متاثر ہوتی ہے۔

آپ لوگ ماشاء اللہ جانتے ہیں کہ وہ کس شان کی علمی گفتگو فرماتے تھے کتابوں اور گفتگو میں کہ وہ ذوقیات رکھنا چاہیے بڑے آدمیوں سے وابستگی لفظ اور کان کی وابستگی نہیں ہے، آواز اور گوش کی وابستگی تھوڑی ہوتی ہے، یعنی صرف اتنی نہیں ہوتی، یہ بھی ہوتی ہے، آنکھ اور لکھے ہوئے لفظ کا تعلق تھوڑی ہوتا ہے کہ آپ نے کچھ چیزیں یاد کر لیں کچھ چیزوں کے بالکل ظاہری اور ابتدائی معنیٰ جان لیے اور ان پر اپنا کُلی موقف تشکیل دے دیا۔ یہ نہیں ہوتا کوئی بڑا موقف عامیانہ

ذہن میں موجود تصورات کی بنیاد پر قائم نہیں ہوسکتا اور ہوگا تو جہل اسی کو کہتے ہیں، جہل اس کو کہتے ہیں کہ عامیانہ ذہن سے Definer کو تشکیل دینا چیزوں کو Define کردینے کے ذریعے۔ اعلیٰ حضرت سے وابستگی کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ اپنے اندر وہ ذوق پیدا کرلیں اپنی استعداد میں اس بلندی کو داخل کرنے کی مسلسل کوشش کریں جو آپ کے کاموں کی ابتدائی اور ضروری تحسین کے لیے لازماً درکار ہے تو اس کے بغیر آپ کا دعویٰ تعلق ایک ضد ہے ایک وہم ہے کیوں کہ آپ تعلق کی اساس کو نظر انداز کرکے تعلق کے ایک نقطے کو پکڑے ہوئے ہیں یعنی آپ ایک شخصیت کی طرف پیٹھ کیے ہوئے ہیں اور اس کا جوتا سر پر رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی تعلق نہیں ہے تعلق کا مطلب ہے دل سے دل کا تعلق جو اپنے نتائج میں پہلے ذوق پیدا کرتا ہے پھر تفہیم میں ترقی ہوتی ہے تو اعلیٰ حضرت جیسے لوگوں سے تعلق جس شوق ذوق کا موجد ہے یا جس ذوق کا متقاضی ہے اس میں عشق اور عمل اپنے ایک ہی مقصود ہونے کی وجہ سے یکجان ہیں یا ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ تو اپنی استعداد علم میں اضافے کی طرف توجہ نہ دینے سے ہم عشق کی قبولیت کے ذرائع کو بھی سکیڑ لیں گے۔ ہماری محبت بھی بڑے ذہن سے لاتعلقی کی وجہ سے ایک عامیانہ محبت بن کر رہ جائے گی۔

دنیا میں سب سے ذہین لوگ اس دنیا میں ہونے والے عاشق ہوئے ہیں عاشقوں سے بڑے معارف کسی نے بیان نہیں کیے۔ تو تم مرتبۂ عشق کو سمجھتے کیا ہو محبت کو تم کسی جذباتی تسکین کا نام سمجھتے ہو محبت تمہاری صورت کا گھر ہے محبت کے آگے تمہاری حیثیت صرف بدن اور لباس جیسی ہے محبت بدن ہے تو تم اس کے جسم پر پڑے ہوئے بوسیدہ کپڑے ہو تو اس کو سمجھیں یعنی کہ اعلیٰ حضرت کی یہ شانِ عشق اُن کی شانِ علم کی کمک پر ہے اگر ان کا ذہن اتنا بڑا نہ ہوتا تو اُن کی محبت بھی اتنی بڑی نہ ہوتی یہ یاد رکھیے گا کیوں کہ آدمی اپنے جذبات ادھر اُدھر اڑائے پھر سکتا ہے اپنا ذہن حبِ غلامی میں دو گے نا تو اُس پر تم غلام ہو کیونکہ جھوٹا آدمی جو ہے نہ وہ واہ واہ اور آہ آہ اور سبحان اللہ بہت کہہ دے گا لیکن کہنا نہیں مانے گا مجاہدے کی دعوت دو گے تو مجاہدہ نہیں کرے گا تو انسان جو سب سے بڑا ایثار کرتا ہے اپنے مالک کو معبود یا اپنے محبوب کے آگے وہ سب سے بڑا ایثار اپنی عقل کا ایثار ہے اپنا ذہن نذر کروا اپنا ذہن اس بلند بارگاہ میں پیش کرنے کے قابل بناؤ وہ بارگاہ ایسی نہیں ہے کہ جس میں جانے سے پہلے اپنا دماغ سر سے نکال کر اپنے جیب میں رکھ دو گے یا جوتوں کی جگہ پر رکھ دو گے اُس بارگاہ میں تمہیں اپنے دماغ سمیت جانا ہے اُس دماغ کے ساتھ جانا ہے جس دماغ سے تم نے اپنی باقی زندگی کے تمام فیصلے کیے ہیں یعنی کہ تم نے گھوڑا دے دیا گھوڑے کی باگ نہیں دی تو عقل سے آپ نے اپنی ساری زندگی چلائی ہے تو وہ عقل آپ نے محبت کی تحویل میں دینے سے گریز کیوں کیا ہے وہ اس وجہ سے کہ محبت آپ کی صادق نہیں ہے اور جس کی محبت صادق ہوتی ہے اس کے محبوب کی شان کے مطابق اس کے علم و عقل میں تہہ داری اور گہرائی ضرور پیدا ہوتی ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ میں کسی کا عاشق ہوں اور میری عقل اُس عشق کی روشنی سے مزید گہرائیوں تک پہنچنے کے قابل نہ ہو جائے

تو اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ کہیں کوئی مشکل بات آئے تو ہر مشکل بات سمجھنے کے لیے نہیں ہوتی ہر بات سمجھ میں بھی نہیں آتی دنیا میں اس وقت کوئی آدمی ایسا نہیں ہوگا جو یہ کہہ سکے کہ اُسے ہر بات سمجھ میں آجاتی ہے بلکہ کسی فن کا منتہی بھی آدمی ہو تو اُسی فن کے حوالے سے ایسی باتیں سامنے آسکتی ہیں جو اُس منتہی کی سمجھ میں نہ آئیں تو سمجھ میں آنا مقصود نہیں ہے عظمت سے تعلق کی بنیاد فہمِ عظمت نہیں ہے۔ عظمت سے تعلق کی بنیاد ذوقِ عظمت ہے کہ میں اس کو بڑا مانتا ہوں اور بڑا جاننے کے بہت سے تقاضے پورا نہیں کرسکتا تو مشکل بات آپ کے لیے پہلا چیلنج یہ دیتی ہے کہ اسے محفوظ رکھا جائے اور اُس سے ایک غیر مفہومی مناسبت پیدا کی جائے۔ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں میرے استاد ماشاء اللہ اس کا نمونۂ کامل تھے میرے بہت سے اساتذہ اس کے بہترین مظاہر تھے کہ جو چیز بڑی ہے اور سمجھ میں نہیں آرہی اُس کو یاد رکھو اور اُس کو سمجھنے کے عمل میں کچھ وقت بتاؤ تو بعض باتیں ایسی ہوسکتی ہیں بعض اصطلاحات ایسی سامنے آسکتی ہیں جو فی الحال کسی وجہ سے سمجھ میں نہ آئیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ انسانی حافظے میں چیزوں کو زیادہ دیر تک محفوظ رکھنے کی ایک صلاحیت ہے جو اُن چیزوں پر زیادہ صرف ہوتی ہے جو فی الحال سمجھ میں نہ آئے۔ حافظہ اُن چیزوں کو زیادہ گہرائی اور دوام کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے جن کے معنیٰ تک فی الحال ذہن کی رسائی نہ ہو تو اگر اس طرح کا حافظہ ہمارے اندر فنکشنل (Functional) ہے تو انشاء اللہ امید ہے ہم بہت سے مسائل وقت گزرنے پر جان جائیں گے طے کرلیں گے یا سمجھ جائیں گے۔

''حدائق بخشش'' بطور مجموعۂ نعت اس کا جو میجر تھیم ہے اس کا جو بنیادی ترین تھیم ہے جس پر نظر کیے بغیر ہم اس مجموعے کے کسی جز کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے وہ وہی نقطہ ہے جو میں نے عرض کیا کہ یہ تین عناصر فطرت، انسانیت، کارخانۂ ہستی یہ محمد ﷺ مرکز ہیں، وہ کیل جس پر ہستی کا پہیہ گھوم رہا ہے وہ کیل جس پر دین کا پاٹ گردش کررہا ہے وہ کیل رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس بیسک تھیم سے گزرنے کے بعد آپ اس کے اندر اجزا کی شکل میں موجود معانی کو ایک دوسرے سے جوڑنے کے قابل ہوجائیں گے یا ایک دوسرے سے ذرا گہرائی کی حالت میں جوڑنے کے قابل ہوجائیں گے۔ اس کا دوسرا تھیم یعنی اس کے دو جو سیکنڈری تھیمز ہیں ان کو میجر تھیمز کہتے ہیں اس کے جو دو سیکنڈری تھیم ہیں وہ یہ کہ ممدوح کا تصوّر کیا ہے؟ مادّے کیا ہیں؟ یعنی ممدوح احمد رضا خاں صاحب کی نظر میں آپ ﷺ کی کن جہتوں پر زیادہ اسٹریس ہے اور خود احمد رضا خاں صاحب اپنی نظر میں کیا ہیں اور کیا احمد رضا خاں صاحب خود کو سمبلائز کرپائے۔ یہ ذرا ٹیکنیکل بات ہے لیکن میری درخواست ہے کہ اس کو غور سے سنیے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا Actual Self یہ کہ جیسے آپ ﷺ اپنی تفصیلات میں تھے اپنے افعال مبارکہ میں تھے سب چیزوں میں جیسے تھے جیسے اللہ نے بنایا تھا آپ ﷺ اپنے Actual Self میں ناممکن حد تک کامل اور اکمل ہیں۔ تو جو چیز کامل اور اکمل ہو یعنی Actuality میں اپنی فعلیت میں اُس چیز کو سمبلائز (Symbolize) کرنا بے معنیٰ ہے وہی چیز سمبلائز ہوتی ہے جو اپنی ذات میں ناقص

ہو اور سمبل بن کر وہ کسی اور کے کمالات پر دلالت کرے تو رسول اللہ ﷺ کا Actual Self کمال سے زیادہ مکمل ہے تو اُس کو سمبلائزیشن کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ واضح رہے یہ بات ہمارے صوفیاء کی بصیرت تھی وہ خیر موضوع نہیں ہے ورنہ میں بتاتا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصل مادے ہمارے صوفیاء تھے خیر اب مادے کا جو Actual Self ہے اُس کو سمبلائز ہونے کی ضرورت ہے تو احمد رضا خاں صاحب کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے تمام بڑے شاعروں کی طرح اپنے Actual اور Conceptual دونوں سلفز کو سمبلائز کر کے واحد سے مرکب بنایا جز سے کُل بنایا یعنی کبھی اپنی ذات کو اپنی ذات کے معنیٰ میں لیا، کبھی اپنی ذات کو ذات ابدیت کے معنیٰ میں لیا، کبھی اپنی ذات کو ذات انسانیت کے معنیٰ میں لیا تو احمد رضا خاں صاحب اپنا ذکر ان تین مرحلوں میں کرتے ہیں فرد واحد، ذاتِ ابدیت کا مجسمہ، ذات انسانیت کا نمونہ۔ یہ اُس کا دوسرا سیکنڈری تھیم ہے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ''حدائق بخشش'' سے فراہم ہونے والی معرفت کیا ہے یہ ایک اتنا قیمتی نقطہ ہے کہ اگر ''حدائق بخشش'' ظہور میں نہ آتی تو اردو خواں حضرات کی تحویل سے ہمیشہ کے لیے باہر رہتی۔ جو نقطہ میں عرض کرنے جا رہا ہوں کہ ''حدائق بخشش'' کے اردو میں ہونے کی وجہ سے ہمارے علم بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہمارے تجربے میں آیا۔ وہ نقطہ ہے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں اصالت (Principality) اصل کی حیثیت آپ ﷺ کی حبیبیت کو حاصل ہے آپ ﷺ اپنے جوہر ہستی میں حبیب اللہ ہیں اپنی ہستی کی فعلیت میں رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت، آپ ﷺ کی حبیبیت کی Manifestation ہے آپ کی حبیبیت اصل ہے۔ آپ ﷺ کی رسالت اس کے فرد واحد فرد کُل ہے تو رسول اللہ سے تعلق رکھنے کا کوئی بھی راستہ بلا غبار نہیں ہوسکتا جب تک تم اس بات کو اپنے وجدان اور اپنے ذوق میں نہ سمجھنے کے قابل ہو جاؤ کہ رسالت رسول اللہ ﷺ کی حبیبیت پر تعمیر ہونے والا Structure ہے آپ کی حبیبیت کی وجہ رسول ہونا نہیں ہے آپ کے رسول آخر و اعظم ہونے کی وجہ آپ کا حبیب اللہ ہونا ہے اگر آپ صرف اس پر فوکس کر کے اب ''حدائق بخشش'' کو دیکھیں تو آپ کو اُس میں موجود تمام معانی میں ایک نیا کرنٹ دوڑتا ہوا نظر آئے گا ایک نیا ربط پیدا ہوتا ہوا دکھائی دے گا اور آپ کو رسول اللہ ﷺ کی وہ معرفت حاصل ہوگی جو کسی دستیاب ذریعے سے ممکن نہیں ہے اردو خواں طبقے کے لیے یہ وہ ورثہ ہے جو شیخِ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جن لوگوں نے افسوس صد افسوس کہ ہمارے اسلاف کی روایت کے پہیے ہم نے اپنے ہاتھوں سے پنکچر کر دیئے ہیں ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ ابن عربی کون تھے؟ مجدد الف ثانی کون تھے؟ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں جو آدمی جس نے حقیقت محمدی ﷺ کا ذکر سنا ہو اور اس میں اترنے کے در پے ہو گیا ہو کون ہے ایسا آدمی؟ تو یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے خود کردہ ہے تو خیر وہ حقیقت محمدی جو پہلے اخص الخواص عارفوں کا موضوع تھا اس حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے دائرۂ فیضان کو احمد رضا خاں صاحب

نے مجھا ایسے عامیوں اور ناقصوں، کاہلوں تک پھیلا دیا۔

یہ بہت بڑا کام ہے کہ کوئی شخص اپنی روایت کے جوہر اپنی روایت کے مینار کے برج کو اُس زمین پر کھڑے تمام آدمیوں کے دائرۂ بصارت میں لے آئے وہ اتنا ہی بڑا آدمی ہے جتنا بڑا آدمی اس برج پر کھڑے ہونے والے لوگ ہیں تو اس چیز سے بچیں کہ ''حدائق بخشش'' سے کسی قانونی ذہن میں پیدا ہونے والے دلائل کو رد یا قبول کیا جائے یہ مجموعہ اس سے بہت بلند ہے اس سے بلند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے پورے وجود کے ساتھ متعلق ہونے کا پورا ہو جانے کا ادب اور وہ کیفیت قانونی اصطلاحات میں بیان نہیں ہوسکتی اس سے نکلیں اور اس میں سیر کریں اس کو اپنا مدارِ اسلوب بنائیں اس کو تعلق بالرسالت کے ذوق اور فہم کی سنجیدہ بنیاد بنا کر کچھ مہینے اس کے ساتھ چل کر تو دیکھیں، اس کا ہاتھ پکڑ کے کم از کم دو چار ہفتے ہی گزار کر دیکھیں تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو پھر وہ ذوق محبت بھی پیدا ہو جائے گا اور وہ استعداد معرفت بھی نصیب ہو جائے گی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مطالبے میں قیامت تک کے لیے مضمر ہے کہ تم اُس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتے جب تک میری محبت ماں باپ، اولاد یعنی تمام محبوبوں سے بڑھ کر نہ ہو جائے۔ یہ کیا فرمایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ محبت کس چیز کا نام ہے محبت جھوم لینے کا نام ہے اور تمہارا محبوب ہے کون۔ تمہارا محبوب وہ ہے جس کے آگے تسلیم وفنا کے علاوہ کوئی اور اسلوب عشق نہیں ہے سوائے تسلیم اور فنا۔ اس کے علاوہ کوئی اور اسلوب عشق نہیں ہے تمہارا محبوب شارع ہے، تمہارا محبوب مدار نجات ہے، تمہارا محبوب جنت ودوزخ کا فیصلہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ محبوب جتنا بڑا ہوگا محب کی کیفیت میں ہیبت میں غلبہ ہوتا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نفس کے معمول کے میلانات کی تسکین کا نام نہیں ہے۔ یہ بدترین اہانت ہے رسول اللہ کی۔ رسول اللہ کی محبت کامل تسلیم امتیاز اطاعت اور فنا ہو جانے کا نام ہے یعنی رسول اللہ کی محبت جس فنا کو میری منزل آخر بناتی ہے وہ فنا سب سے پہلے قدم کے طور پر مجھ سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اس راستے پر اُن کی دی ہوئی بیڑیاں پاؤں میں ڈال کر آؤ۔ تم نے اُن کی دی ہوئی بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈالی ہیں؟ یہی اعلیٰ حضرت کا منشاء ہے ابھی جو دو شعر برادر اویس رضا قادری صاحب نے سنائے ہیں کہ یہ اصلاحی شعر ہیں:

شرمِ نبی خوف خدا ، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

شرم نبی ایک معجزانہ لفظ ہے پر شرم محبوب سے آتی ہے خوف مالک سے ہوتا ہے یہ ادبیت میں ان کی بتا رہا ہوں محبوب سچے عاشق کے لیے جمال سے زیادہ جلال ہوتا ہے اس بات کو تم نہیں سمجھے تو تمہیں کیا معلوم کہ رسول اللہ کون تھے

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ابھی میں نے ان کا نام لیا بعد میں لینا تھا لیکن جذبات میں یاد آ گیا کہ ہماری روایت کے سب سے بڑے عارف و عاشق یعنی ہماری ہزار سالہ روایت کے سب سے بڑے عارف و عاشق کون تھے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا روم کی مثنوی معرفت کا پہاڑ ہیں معرفت کی سب سے اونچی چوٹی تک لے جانے والا اگر کوئی ذریعہ ہمارے پاس امتیوں کا تصنیف کردہ

ہے تو وہ مثنوی ہے اور عاشقانہ طغیانی منتہا تک بہا جانے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ دیوان شمسؒ ہے وہ عشق کا کارخانہ ہے دیوان شمس۔ یہ جو فرماتے ہیں کہ محبت محبوب کے جلال پر نگاہ رکھنے کا نام ہے۔ تو تم کس محبت کی بات کرتے ہو وہ انہوں نے کیا کہا:

جامہ سیاہ کرد کفر نور محمد رسید
طبل بقا کوفتن ملک مخلد رسید

کہ کفر نے سوگ کا لباس پہن لیا کہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسمانی ظہور ہوگیا ہے۔ دیوان شمس میں نعت ہے اور شاید نعتیہ تاریخ کی روایت میں سب سے بڑی نعت ہے۔ 'طبل بقا کوفتن ملک مخلد رسید' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد مبارکہ کے ساتھ ہی بقا کا طبل کائنات نے پہلی مرتبہ بجایا ورنہ کائنات حرف موت اور فنا کے ترانے کی عادی تھی آپ تشریف لائے تو اس کائنات میں بقا کا طبل گونجا کہ ملک مخلد تو اب آیا ہے ہمیشہ رہنے والا ملک اب آیا ہے۔ ارے تم کوئی اندازہ لگا سکتے ہو یہاں مِلک مخلد نہیں کہا مُلک مخلد کہا ہے۔ مُلکِ مخلد کا مطلب ہے کہ اللہ کے ملک کے دو حصّے ہیں ایک غیر مخلد ہے یعنی کل کائنات جس کو فنا ہونا ہے ایک مخلد ہے یعنی ذات رسول جس کو فنا نہیں ہونا تو ہمارے احمد رضا خاں صاحب میرے تاثر میں رومیِ ثانی ہیں۔ یعنی رومی کی روایت جس شخصیت نے جو اپنا پہلا مظہر اور آخری بھی یہی ہیں۔ آپ دیکھ لیں وہی بلندی معرفت، وہی شدت عشق، وہی گہرائی، وہی التہام اور پھر ویسا ہی ادب اور اس جملے کو اگر سمجھنا ہو اس پر عمل کو دیکھنا ہو کہ سچی محبت محبوب کے جلال پر نظر رکھنے کا نام ہے تو ''حدائق بخشش'' پڑھ لو۔ اس سے بے پروا نہ ہو کر اس سے بے پروا ہو کر جب وہ کہتے ہیں

کہ گناہ کی طلب نیک کرنے لگتے ہیں آپ کی شانِ مغفرت کو دیکھ کر۔ تو وہ گناہ احمد رضا خاں کے مفروضہ گناہ ہیں وہ میرے آپ کے گناہ نہیں ہیں نہ وہ گناہ کا لائسنس آپ کو تھمار ہے ہیں کہ بے پروار ہو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ وہ اپنے فرضی گناہوں کو اپنی حقیقت بتا کر اس پر اظہار کر رہے ہیں مطلب سچا بندہ کون ہے سچا عاشق کون ہے؟ سچا امتی کون ہے؟ جس کے واقعی حسنات اس کی نظر میں نا قابلِ اعتبار ہوں جس کے غیر موجود گناہ اس کے گناہ میں حقیقی ہیں تو یہ اس آدمی کے گناہ کا ذکر ہے جس کے لیے گناہ ایک مفروضہ ہے کوئی عمل اور لائحہ عمل نہیں ہے۔ یہ احمد رضا خاں صاحب اپنے گناہ کا تذکرہ کر رہے ہیں یہ زید و بکر کے گناہوں کا تذکرہ اور اس پر شفاعت کی بشارت نہیں پیش کر رہے۔ اس بات کو سمجھنا چاہیے حضرات صوفیا میں جو مربی ہیں اعلیٰ حضرت کے۔ آپ جانتے ہیں کہ صوفیوں کی تعظیم اور عقیدت اور محبت کا جو عالم ان کے یہاں ہے وہ واقعتا نا قابل تصّور ہے۔ یعنی اپنے بزرگوں کا اپنے بڑوں کا جیسا ادب ہے وہ واقعتا وہم وگمان سے ہم ایسوں کو باہر لگتا ہے تو ان کا قول ہے سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ امام طائفہ کہلاتے ہیں صوفیاء کی جماعت کے امام وہ فرماتے ہیں کہ بقا بقدر فنا ہوتی ہے۔ صوفیوں کا مشہور تھیم ہے بقا باللہ فنا فی اللہ۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ بقا باللہ اتنی ہی حاصل ہوگی جس قدر تم نے فنا فی للہ حاصل کر لی۔

اب آپ دیکھئے کہ اصول کو اعلیٰ حضرت نے کس کس طرح اپلائی کیا۔ فنا پہلا نقطہ اب میں جیسے نمبر ۱، ۲ اس طرح کر کے بیان کر رہا ہوں پہلا نقطہ فنا فی اللہ کیا ہے فنا فی اللہ مفسر

بن جاتا ہے فنا فی اللہ عالم بن جانا ہے فنا فی اللہ کوئی تحریک چلا دینا ہے فنا فی للہ کہیں جنگ میں جا کے مرجانا ہے۔نہیں فنا فی اللہ یہ نہیں ہے فنا فی اللہ ہے ذات کو اس کے صادرات پر حتمی ترجیح دے کر اس کے آگے خود کو فنا کر دینا جو آدمی حکم کی آڑ لے کر حاکم سے بھاگتا ہے وہ باغی ہے وہ باغی تو ہے ہی مکاری کے ساتھ باغی ہے۔جو آدمی شرع کو شارع پر نافذ کرتا ہے وہ باغی ہے جو آدمی وصف کو موصوف پر غالب رکھتا ہے وہ باغی ہے وہ بے ادب ہے پہلا نقطہ انہوں نے بتایا کہ فنا فی اللہ ممکن نہیں کہ لائقِ اعتبار نہیں ہے فنا فی الرسول ہوئے بغیر۔صرف اتنا نہیں بتایا یہ تو بہت پہلے سے سب جانتے ہیں سب کہہ سکتے ہیں اس میں جو نقطہ بتایا ہے وہ یہ کہ فنا فی الرسول ہی کا دوسرا نام فنا فی اللہ ہے فنا فی الرسول کی حقیقت فنا فی اللہ ہے فنا فی اللہ وہ حقیقت ہے جو اپنی حقیقی وحدت کا واحد مظہر رکھتی ہے جو وحدت حقیقی ہوگی اس کا مظہر بھی واحد ہوگا تو فنا فی اللہ حقیقت ہے اور فنا فی الرسول اس کی واحد صورت ہے۔

یہ سارا کام احمد رضا خاں صاحب کی ''حدائق بخشش'' سے لے کر فتاویٰ اور فتاویٰ سے لے کر ریاضی اور ادھر اُدھر جتنے علوم میں انھوں نے کام کیا ہے وہ تمام کام اس بنیادی نقطے کی تفسیریں ہیں کہ فنا فی اللہ دوسرا نام عالم حقیقت میں نام ہے فنا فی الرسول کا۔ یہ بات واضح رہے کہ انسان کو تین چیزیں دی گئی ہیں۔ انسانی نفس تین چیزوں کا مجموعہ ہے عقل یعنی ذہن ،طبیعت اور ارادہ۔کبھی آپ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے سوانح اور آثار کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کیجیے کہ آپ نے اپنے ذہن، طبیعت اور ارادے کو یک اصل کیسے کیا ہے۔یعنی آپ کی شاعری آپ کے فتاویٰ سے کسی بھی طرح کا کوئی تضاد اور تصادم نہیں رکھتی۔ یہ چیز انھوں نے حاصل کیسے کی اور''حدائق بخشش'' میں ایک بڑے فقہی ذہن کی شمولیت کے بغیر وہ مادیانہ بلندی حاصل ہی نہیں ہوسکتی تھی جو اس میں جا بجا بکھری نظر آتی ہیں تو جو میں کہنے جا رہا ہوں ادبی نقطۂ نظر سے ناممکن بات ہے۔یعنی ناممکن کیا تقریباً ناممکن بات ہے وہ یہ کہ قانون کو جمالیاتی معنویت دیتے ہیں چیزوں کی ظاہری اسکیم کو جمالیاتی معنویت دیتے ہیں۔ چیزوں کی ظاہری اسکیم میں کوئی خلل ڈالے بغیر ان میں ایک جمالیاتی کلیت اور بلندی اور وقعت پیدا کرتے ہیں تو قانونی ذہن جمالیاتی ان معنوں میں ہوتا ہے کہ وہ قانون کے جبر کے بلٹن (Built-in) تاثر کو زائل کر کے ہمیں اس کے لیے آمادہ کر دیتا ہے۔اگر تمہیں چاہیے کہ بندگی تم پر جبر نہ بنے۔ یہ یاد رکھنا حکم میں جبر جوہر کے طور پر موجود ہے جس طرح پانی میں نمی ہوتی ہے آگ میں گرمی ہوتی ہے اسی طرح حکم میں جبر ہوتا ہے وہ حکم چاہے اللہ ہی کا کیوں نہ ہو۔حکم کی تعمیل احساس جبر کے بغیر ہو نہیں سکتی اللہ ہی ذات جبار ہے تو اس جبر کو اگر اپنے اندر تم منتہائے رغبت بنانا چاہتے ہو تو اس کا واحد ذریعہ کیا ہے وہ آپ ان کے یہاں دیکھ لیجیے گا اور جس شخص کو قانون کا منتہائے رغبت بن جانا میسر آجائے وہ کیسا ہوتا ہے وہ آپ چاہیں تو فقیر احمد رضا کو دیکھ لیں چاہیں تو شاعر احمد رضا کو دیکھ لیں ان کے فتاوے میں بھی ایک جمالیاتی شان ہے ان کی شاعری میں بھی ایک قانونی بصیرت ہے تو خیر وہ باتیں تو بہت ہیں میں یہ چاہتا ہوں آپ کو ش ئیر کردوں اپنے کچھ پسندیدہ اشعار اور تھوڑا سا اس میں

دکھاؤں کہ اس میں ادبی نقطہ کیا ہے کوئی عارفانہ نقطہ کیا ہے وہ جو سرنامہ ہے غالباً ''حدائق بخشش'' کا مطلعِ دیوان غالباً یہی ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہاں نہیں سنتا جو ہے وہ ایک معنیٰ میں نہیں ہے ایک تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں کچھ عرض کرنے والا انکار نہیں سنتا۔ یہ تو ظاہر ہے ایک واضح مطلب ہے۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عطا اپنے مانگنے والے کو ایسا بنا دیتی ہے کہ وہ اس دینے والے سے بھی نہیں سنتا یعنی خدا سے بھی نہیں سنتا۔ 'نہیں سنتا ہی نہیں' میں جو حصر ہے اس حصر میں خدا بھی شامل ہے مطلب کہ اعلیٰ درجہ کی زباں دانی کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس نعت میں ایک اور مشکل شعر ہے جس نے بہت سوں کو غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے وہ شعر ہے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

اب اس میں میرا تیرا یہ کہ کائنات میں تصرف میں دوئی نہیں ہے یعنی کائنات میں جو قوت تصرف ہے اس کا ماخذ خدا ہے مظہر رسول اللہ ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ جہاں میں نہیں ہوں یعنی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں وہاں اللہ محض ایک تصوّر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واسطہ بنائے بغیر اللہ کوئی حقیقی وجود نہیں ہے محض تصوّر ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو آپ کو واسطہ بنائے بغیر مجھ تک پہنچے گا وہ مجھ تک نہیں پہنچے گا اپنے کسی خیال تک پہنچے گا۔ وہ اپنے خالق خدا تک نہیں پہنچے گا اپنے مخلوق خدا تک پہنچے گا۔ جہاں تک وہ پہنچے گا وہ خدا اس کا خالق نہیں ہے اس کا مخلوق ہے۔

پھر منھ نہ پڑے کبھی خزاں کا
دے دے ایسی بہار آقا

آپ سمجھے یہ کیا کہا ہے یہ ختم نبوت کی موثر ترین ترجمانی ہے۔ اس ختم نبوت میں ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو وجودی اور ذاتی فیضان پوشیدہ ہے اس کی بلند ترین ترجمانی ہے اس ختم نبوت کو محض ایک تاریخی واقعے سے بلند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجمع اوصاف میں سے ایک وصف بتانا ہے وہ اس شعر میں موجود ہے۔ ختم نبوت سے خاتم المرسلین نہیں بڑھا ہے خاتم المرسلین کی ذات سے ختم نبوت کے معنیٰ پیدا ہوئے ہیں۔ ختم نبوت کی کوئی حیثیت نہیں ہے یعنی آپ کا فیضان غیر مکانی یعنی محدود فی المکان نہیں ہے۔ آپ کی شخصیت کی تاثیر محدود فی الزماں نہیں ہے۔ یہ ہے کہ پھر' منھ نہ پڑے کبھی خزاں کا' خزاں کس کو کہتے ہیں خزاں کہتے ہیں زمانے کے غلبے کو خزاں زمانے کا غلبہ ہے۔ زمانہ جو سیف قاطع ہے۔ امام شافعی کے قول مبارک کہ زماں زمانہ فنا کی قوت کا نام ہے تو خزاں اسی پھول پہ آئے گی جو زمانے کے قانون کا تابع ہو جو پھول زمانے کی حد سے نکل جائے اس پہ خزاں کہاں سے آئے گی تو آپ جس پر فیضان فرما دیں آپ کے فیضان کو جو چیز بھی قبول کر لے وہ زمانے سے ماورایت حاصل کر لیتی ہے۔

دے دے ایسی بہار آقا

یعنی وہ بہار اپنے لیے مانگ رہے ہیں۔ خیر بہت بہت شعر ہیں۔ بہر حال کہنے کا مطلب بہت سارے مسائل رہ گئے بہت سارے موضوعات رہ گئے ہیں وہ انشاء اللہ' یار زندہ صحبت

باقی، تو کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت کوئی آپ سے داد لینے نہیں آئے تھے کوئی بڑا آدمی چھوٹوں سے داد نہیں لیتا چھوٹوں سے داد ملتی ہے تو ناراض ہوتا ہے شرما جاتا ہے وہ کوئی امام کہلانے کے لیے نہیں آئے تھے وہ امام بننے نہیں آئے تھے وہ تمہیں تمہاری حقیقت پر از سرِ نو استوار کرنے کے لیے آئے تھے خود کو اس حقیقت پر استوار دکھا کر۔ تو اس بات کو سمجھو اور اعلیٰ حضرت کے تعلق کے جو مروج اسالیب ہیں ان کو اپنے لیے کافی نہ سمجھو وہ تمہارے لیے ان کے راستے میں رکاوٹوں کی حیثیت اختیار کرتے جارہے ہیں تمہارے لیے معاون نہیں بن رہے۔ معاونت پیدا کرنی ہے تو وہ رنگ پیدا کرو، اس کی کوئی چھینٹ اپنے اوپر ڈال لو وہ چھینٹ اگر تمہارے اوپر نظر نہیں آئے گی تو کیا تمہاری مدّاحی اور کیا تمہاری عقیدت مندی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس ذوق کا حامل بنائے جس ذوق کے وہ نمائندے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے ذہن کو وہ عارفانہ بلندیاں عطا فرمائے جوان کے یہاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے اندر وہ استقامت فی العمل پیدا فرمائے جوان کی شخصیت کا دوسرا نام ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ وہ محبت اس کا ایک ذرہ ہمیں نصیب فرما کر ہمیں اس میں فنا ہونا سکھا دے جو صحرا ''حدائق بخشش'' میں ہر طرف بکھرا ہوا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا ایک ذرہ ہی ہمیں نصیب فرمائے اور اس کو ہماری کُل متاع بنائے۔ آمین!

☆☆☆

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضل و کمالات، ذہانت و فطانت، طباعی اور دراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین اور مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے۔ مختصر یہ ہے کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے، شعر و ادب میں بھی ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے اور میرا تو ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ اگر صرف محاورات و مصطلحات، ضرب الامثال میں بھی اور بیان و بدیع کے متعلق تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف سے یکجا کر لئے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے ہم یہاں اجمالی طور پر ان کی اردو شاعری کا ذکر کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت چونکہ عالم متبحر اور فاضل کامل و مکمل تھے اس لئے ان کی اردو شاعری میں بکثرت قرآنی آیات کے حوالے آتے ہیں مثلاً۔

ورفعنالک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا ترا

انت فھیم نے عدو کو بھی لیا دامن میں
عیش جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

مجرم بلائے آئے ہیں جاء وک ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

مومن ہوں مومنوں پہ رؤف الرحیم ہو
سائل ہوں سائلوں کو خوشی لا نہر کی ہے

سوف یعطیک ربک ترضیٰ
حق نمودت چہ پاسدار یہا

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

معنی قَدْرَأیٰ مقصد ماطغیٰ
نرگس باغ قدرت پہ لاکھوں سلام

فاذا فرغت فانصب یہ ملا ہے تم کو منصب
جو گدا بنا چکے اب اُٹھو وقت بخشش آیا کرو قسمت عطایا

غنچے مااوحی کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

ایسا امی کس لئے منت کش استاذ ہو
کیا کفایت اسکو اقراء ربک الاکرم نہیں

اب ایک ہی زمین کے اشعار میں احادیث مبارکہ کا استعمال دیکھئے مثلاً۔

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے
ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اس گل کی یاد میں یہ صدا بوالبشر کی ہے
یہ پیاری پیاری کیاری تیرے خانہ باغ کی
سرد اس کی آب وتاب سے آتش سقر کی ہے
کہنا نہ کہنے والے تھے جب سے تو اطلاع
مولیٰ کو قول و قائل و ہر خشک و تر کی ہے
ان پر کتاب اتری **بَیَاناً لِکُلِّ شَیٔ**
تفصیل جس میں **ما عَبَرَ وَ مَا غَبَرَ** کی ہے
ہم گرد کعبہ پھرتے تھے کل تک اور آج وہ
ہم پر نثار ہے یہ ارادت کدھر کی ہے
ماؤ شما تو کیا کہ خلیل و جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے

اعلیٰ حضرت نے تلمیحات بھی بہت استعمال کی ہیں مثلاً ایک ہی غزل میں یہ تلمیحات ملاحظہ ہوں۔

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا
لمعہ باطن میں گمنے جلوہ ظاہر گیا
تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجا چر گیا
بندھ گئی تیری ہوا ساوہ میں خاک اڑنے لگی
بڑھ چلی تیری ضیاء آتش پہ پانی پھر گیا
تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا
تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا
تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا
میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتہ منھ بھر گیا
کیوں جناب بو ہریرہ تھا وہ کیسا جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منھ پھر گیا

پھر اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ وہ کوئی ایسی نعت لکھتے جو بے مثل ہوتی چنانچہ ایک نعت انہوں نے صنعت ملمع میں لکھی۔ دراصل ملمع اس صنعت کو کہتے ہیں کہ ایک مصرع یا شعر عربی کا ہو اور دوسرا مصرع یا دوسرا شعر فارسی کا ہو۔اس میں زیادہ سے زیادہ بیس اشعار ہوا کرتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔

ملمع مکشوف یعنی جب ایک مصرع عربی میں اور ایک فارسی میں۔ملمع محجوب یعنی جب ایک شعر عربی میں ہوا اور دوسرا فارسی میں لیکن اعلیٰ حضرت نے ایسے ملمع اشعار لکھے ہیں جن میں عربی، فارسی، ہندی (بھاشا) اور اردو چار زبانوں کے الفاظ ہیں۔

لم یات نظیر ک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

البحر علا والموج طغیٰ من بیکس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا
یا شمس نظرت الی لیلی چوبطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

سبحان اللہ کیسے پیارے اشعار ہیں کہ پڑھنے والا جھومنے لگتا ہے یہ کل دس اشعار ہیں اور مقطع یہ ہے۔

بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشادِ احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

اس شعر سے ظاہر ہے کہ عقیدت مندوں کی درخواست پر اعلیٰ حضرت نے یہ ملمع لکھا ہوگا پھر ایک غزل محاسبۂ نفس کے لئے ہے اور ایسی مرصع ہے کہ جدید اردو شاعری بھی اس پر ناز کرے گی اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تونے نیند نکالی ہے
یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے
بادل گرجے بجلی تڑپے دھک سے کلیجہ ہو جائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے
پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں
ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

پھر ایک قصیدہ مرصع بھی ہے جس کے ہر پہلے مصرع کے آخر میں بالترتیب حروف تہجی آتے ہیں مطلع یہ ہے۔

کعبے کے بدرالدجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

یعنی یہاں پہلے مصرع میں ردیف سے پہلے الف ہے۔ چند اشعار کے بعد پہلے مصرع کا آخری حرف ''ب'' آتا ہے۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود

ایسے دو شعر ہیں پھر ''ت'' آخری حرف پہلے مصرع میں آتا ہے۔

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروڑوں درود

اس ترتیب سے اشعار آخر تک آتے ہیں۔

ان کے علاوہ صنعت اتصال تربیعی صنعت سوال و جواب وغیرہ کا استعمال بھی ہے اور فارسی کی رباعیوں کے قوانی میں بھی حروف تہجی کی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے شعری محاسن میں زبان و بیان کی بکثرت خصوصیات ہیں یہاں چند خصوصیات اجمالاً عرض کی جاتی ہیں دوسرے مجموعہ کلام میں تجنیس مماثل 'تجنیس مستوفی' تجنیس زائد وغیرہ کی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں ہم آسانی کے لئے ان مصطلحات کو ترک کر کے صرف اس قدر عرض کریں گے کہ اعلیٰ حضرت الفاظ کی تکرار سے بات سے بات

پیدا کر دیتے ہیں مثلاً۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا
مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ ''جناب'' ہوں
طور پر کوئی کوئی چرخ پہ یہ عرش سے پار
سارے بالاؤں پہ بالا رہی بالائی دوست
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائے جناب الٰہی
جناب الٰہی برائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
دمِ نزع جاری ہو میری زبان پر
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سر تا بقدم ہے تنِ سلطان زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آ نہ جائے کیوں
ہے تو رضا نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوز غم ساز طرب بجائے کیوں

☆☆

یہ کتاب کن میں آیا طرفہ آیہ نور کا
غیر قائل کچھ نہ سمجھا کوئی معنیٰ نور کا
یہاں چھڑکا نمک واں مرہمِ کافور ہاتھ آیا
دل زخمی نمک پر وردہ ہے کس کی ملاحت کا
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

پھر ایک جگہ تو لفظ کی رعایت سے کتنے مضامین تیار کئے ہیں فرماتے ہیں۔

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جد اعلیٰ ہے ہمارا
اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغہ ہے ہمارا
جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا
اس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا
جو حیدر کرار کہ مولی ہے ہمارا
اے مدعیو خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفوں شہِ بطحا ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا
ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

حسن تعلیل کی بڑی نادر مثالیں ملتی ہیں مثلاً۔

ڈوبا ہوا ہے شوق میں زمزم اور آنکھ سے
جھالے برس رہے ہیں یہ حسرت کدھر کی ہے
دیکھو قرآں میں شبِ قدر ہے مطلعِ فجر

یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو
شرم سے جھکتی ہے محراب کہ ساجد ہیں حضور
سجدہ کرواتی ہے کعبہ سے جبیں سائی دوست
اس قسم کی عمدہ مثالیں بھی پائی جاتی ہیں مثلاً۔
دندان ولب وزلف ورخِ شہ کے فدائی
ہیں ورعدن لعل یمن مشک ختن پھول
آپ نے اس کثرت سے محاورات اور استعارات استعمال کئے ہیں کہ ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک لغت تیار ہوسکتی ہے۔ دیکھئے صرف قصیدے کے اشعار میں کتنے محاورات ہیں۔
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرّہ تیرا
اغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستہ تیرا
فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسر وا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منھ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آراء ہے اجالا تیرا
دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا
ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا
تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
میری تقدیر بری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے
محو و اثبات کے دفتر پہ کڑوڑا تیرا
تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا
تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا
کس کا منھ تکیے کہاں جائیے کس سے کہیے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا
تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری
جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا
حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ
جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا
اس کے بعد اور مشہور قصیدہ ہے جس میں بکثرت محاورات ہیں کچھ اشعار یہ ہیں۔
صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا
بخت جاگا نور کا چمکا ستارہ نور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا
سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا
بینِ پر نور پر رخشاں ہے بکّہ نور کا
ہے لِواء الحمد پر اڑتا پھریرا نور کا

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

محاورات کی چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اے دل یہ سلگنا کیا جلنا ہے تو جل بھی اٹھ
دم گھٹنے لگا ظالم کیا دھونی رمائی ہے

اعلیٰ حضرت کی شاعری کی یہ چند خصوصیات عرض کی گئیں اگر مزید غور کیا جائے تو اور بھی محاسن نظر آئیں گے لیکن ان تمام محاسن پر غالب ایک چیز ہے اور وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعلیم اور ان کا پیام بھی صرف یہی ہے۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضاؔ اول گیا آخر گیا

پھر کس بے قراری سے یہ شعر صفحۂ قرطاس پر آیا۔

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

❖❖❖

ڈاکٹر سراج احمد قادری

''الاستمداد علیٰ اجیاد الارتداد''
حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ کا مجموعۂ کلام

حسان الہند حضرت رضاؔ بریلوی کے نعتیہ مجموعہ کلام ''الاستمداد'' پر آج تک کوئی تسلی بخش کام نہیں ہو سکا جس کا از حد افسوس ہے۔ نیز اسی طرح بہت سارے موضوعات ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے ۔ چنانچہ ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں۔

''حضرت رضاؔ بریلوی عربی ، فارسی ، اردو اور ہندی زبانوں پر یکساں عبور رکھتے تھے ۔ وہ ان زبانوں کے نبض شناس اور ماہر تھے ۔عربی ، فارسی اور اردو میں ان کے دواوین موجود تھے ۔ اب اردو دیوان حدائق بخشش (جس میں کچھ فارسی کلام بھی ہے) موجود ہے۔ باقی عربی، فارسی کلام منتشر صورت میں ملتا ہے اور اپنی مثال آپ ہے ،خصوصاً عربی قصائد ۔۔۔ان کے فارسی اور اردو منظوم فتاویٰ کا ایک ذخیرہ ہے جو ابھی تک مرتب نہ ہو سکا۔ کچھ اردو کلام بھی باقی ہے۔'' ۱

غالباً ڈاکٹر صاحب کا اشارہ مجموعہ کلام ''الاستمداد'' کی جانب ہے۔اسی طرح دیگر موضوعات بھی ہیں جن پر کام کیۓ جانے کی ضرورت ہے ۔ میں نے اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ ''مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری'' میں ان میں سے کچھ موضوعات کی نشان دہی کی ہے۔

حضرت رضاؔ بریلوی نے اپنے اس مجموعہ کلام کو مکمل طور پر نعتیہ افکار و خیالات کی روشنی میں قلم بند فرمایا ہے۔اور نعت گوئی میں رہبر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا ہے ۔ ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''نعت گوئی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رہبر بنایا اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہے ۔وہ مداح رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود منبر بچھایا اور ان کو بٹھایا۔۔۔۔دعاؤں سے نوازا۔

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرت حساں بس ہے

حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفش برداری، در کی دربانی اور جاروب کشی کو حضرت رضاؔ بریلوی نے اپنے لیے سعادت سمجھا،فرماتے ہیں۔

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں

کہ رضاؔے عجمی ہو سگِ حسانِ عرب ۲؎

نعت صرف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہی کا نام نہیں ہے بلکہ نعت ہی کے زمرے میں وہ سارے کلام بھی آتے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدافعت اور اغیار کی ہرزہ سرائیوں کے جواب میں قلم بند کیے جائیں ۔ چنانچہ عصر حاضر کے عظیم نعت گو جناب نعیم صدیقی فرماتے ہیں ۔

''میں نعت کو محض حمدیہ یا ثنائیہ رنگ تک محدود رکھنا درست نہیں سمجھتا بلکہ اس میں سیرت وخلق محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان اوراپنی پستی احوال اور دشمنوں کی چیرہ دستیوں کا دُکھڑا بھی رویا جاسکتا ہے''۔ ۳؎

ڈاکٹر صدیقہ ارمان لکھتی ہیں ۔

''حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعت کی بنیاد ناموسِ رسول کی حفاظت ، تعلیمات رسول کی تبلیغ اوراپنے خلوص وعقیدت کے اظہار پر رکھی تھی ۔ آپ نے اپنی نعت میں منکرین رسالت کے جواب میں فضائل نبوی بیان کرکے قرآن کے اس حکم کی تعمیل کی '' جھٹلانے والے بہرے گونگے اور اندھیروں میں ہیں۔'' ۴؎

پروفیسر محمد اقبال جاوید لکھتے ہیں ۔

''عرب بنیادی طور پر فصیح وبلیغ تھے ۔ان کی طلاقت لسانی اور ذوقِ اظہار مسلم تھا۔ آغاز اسلام میں جب زبان و بیان کے میدان میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت شدّت اختیار کرگئی تو ایک دن آپ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہوکر فرمایا '' مخالف شعرأ کی ہرزہ سرائیاں حد سے بڑھتی جارہی ہیں ۔تم لوگوں نے تلوار سے تو میری مدد کی ہے کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زبان سے میری مدد کرے؟'' اس پر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور خود کو اس خدمت کے لیے پیش کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا '' ان میں کچھ لوگ میرے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں ان کے خلاف بھلا کس انداز سے کہو گے؟'' حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں آپ کو ان میں سے یوں الگ کرلونگا جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال کھینچ کر نکال لیا جاتا ہے ۔ گویا نعت کی ترغیب خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایما پر جس شاعری نے جنم لیا وہ شعوری طور پر مخالفین کے معاندانہ اشعار کا جواب اور لاشعوری طور پر حضور کی ثنا کے سانچے میں ڈھل کر نعت بنتی چلی گئی۔'' ۵؎

حکیم محمد یحییٰ خاں لکھتے ہیں ۔

'' حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلامی مورخین اور سیرت نگاروں نے شاعر دربار نبوی کے خطاب سے ذکر کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ آپ مدّاحین رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سرخیل ہیں ۔خود نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں یہودی اور مشرک شاعروں کی ہفوات سے اپنے دفاع پر معمور فرمایا تھا۔۔۔۔ روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے بھری مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مخاطب ہوکر فرمایا، ''مخالف شعرا کی ہرزہ سرائیاں حد سے زیادہ بڑھتی جارہی ہیں۔تم لوگوں نے تلوار سے میری مدد کی کیا کوئی ایسا بھی ہے جو زبان سے میری مدد کرے؟''اس موقع پر حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور کہنے لگے یارسول اللہ اس خدمت کے لیے یہ ناچیز حاضر ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے جذبہ خلوص سے خوش ہوکر ارشاد فرمایا''ان میں سے کچھ لوگ میرے اپنے قبیلے قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور میرے عزیز ہیں مثلاً''ابوسفیان میرا عم زاد ہے۔اس کے خلاف بھلاتم کس انداز سے کہو گے؟'' حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، حضور! میں آپ کو ان کے بیچ میں سے یوں الگ کرلونگا جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال کھینچ کرنکال لیا جاتا ہے۔''۶؎

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مسجد میں منبر بچھاتے تھے جس پر حضرت حسان کھڑے ہوکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے فخر ومباہات کی باتیں بیان کرتے تھے۔اپنی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت سرائی کرتے تھے یا حضور کی طرف سے مدافعت کرتے تھے۔کسی نے کچھ ناشائستہ کلمات کہے تو اس کا جواب دیتے تھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ساتھ حسان کی تائید کرتا ہے۔جب تک وہ میری طرف سے فخر ومباہات کی باتیں کریں یا میری طرف سے دشمنوں کی نازیبا اور شرارت آمیز باتوں کا دفاع کرتے رہیں۔''۷؎

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اپنی کتاب ''عربی میں نعتیہ کلام'' میں ڈاکٹر شوقی ضیف کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''تاریخ وسیر کی کتابوں میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ کے اشعار تعداد میں زیادہ ہیں لیکن خاص نعت کے اشعار بہت کم ہیں زیادہ تر اسلام کی عظمت کا مضمون ہے یا پھر وہ قصیدے ہیں جو کفار و مشرکین اور یہود کی ہجو میں کہے گئے ہیں۔حضرت حسان اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ہجو میں فرق یہ ہے کہ حضرت حسان مشرکین مکہ کے انساب پر حملہ کرتے تھے اور ان کی تاریخ کے کمزور پہلوؤں کو اجاگر کرتے تھے، جنہیں سن کر وہ تلملا کر رہ جاتے اور سمجھتے تھے کہ یہ باتیں حضرت حسان کو حضرت ابوبکر کے ذریعے معلوم ہوئی' مگر عبداللہ بن رواحہ بدزبان کفار کی ہجو دوسرے انداز سے فرماتے تھے۔وہ کفر وشرک کی گمراہی اور بے دینی کا طعنہ دیا کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد جو لوگ سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئے تھے جیسے ابوسفیان، ہندہ اور وحشی وغیرہ ان کو عبداللہ بن رواحہ کی کہی ہوئی ہجو زیادہ بری لگتی تھی کیونکہ وقت گذرنے کے بعد سب باتیں

بھولی بسری ہوجاتی ہیں۔مگر جن باتوں کو کسی کامیاب شاعر نے اپنی نظموں میں کہہ دیا ہوتو وہ ختم نہیں ہوتیں اورلوگ اس کودہرایا کرتے ہیں۔'' ۸؎

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

''حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شعرائے کرام میں سے جو حضرات کافروں کے شر کو اسلام اور مسلمانوں سے دفاع کرتے اور باز رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح کرتے اور کافروں کی ہجو اور مذمت کرتے تھے وہ تین اشخاص شمار کیے گئے ہیں۔حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک اورعبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ''روضۃ الاحباب'' میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خدام شعرأ مردوں میں سے ایک سوساٹھ اورعورتوں میں بارہ تھیں۔'' ۹؎

ڈاکٹر ریاض مجید نے ہجویہ شاعری کے سلسلے میں بڑے پتے کی بات تحریر کی ہے، وہ لکھتے ہیں۔

''بظاہر نعت کے موضوع کا تعین بہت آسان نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نعت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح ہی کا نام ہے لیکن اگر عربی، فارسی اور اردو میں موجود نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔اس میں کوئی کلام نہیں کہ ''مدح نعت کا اہم موضوع ہے اور صنف نعت کے آغاز ہی سے اسے نعت کے ایک مرکزی عنصر کی حیثیت حاصل رہی ہے جب عربی میں باقاعدہ نعت نگاری شروع ہوئی تو کفار مکہ کی ہجو اور گستاخی رسول کے جواب میں مسلمان شاعروں نے موثر طور پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔نعت اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے۔ دربار رسالت کے شاعروں نے کفار کے رد میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسب ونسب اور کردار وصفات کی توصیف وستائش میں جو مدحیہ منظومات لکھی انہیں عربی نعت کے اولین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔'' ۱۰؎

مذکورہ حوالاجات کی روشنی میں یہ بات ایمان و ایقان سے کہی جاسکتی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا، ناموس رسالت کی حفاظت وصیانت، کفار ومشرکین کی ہرزہ سرائی، ہجو اور ذم کا جواب آج کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہی لسانی جہاد نعت کی خشت اوّل ہے اور اس کے معمار وہ مقدس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جن کی اتباع سراپا رشد وہدایت ہے۔جن کی پذیرائی خود اللہ اور اس کے رسول نے فرمائی۔نعت گوئی میں انہیں مقدس صحابہ کرام کے نقشِ قدم کی اتباع حضرت رضؔا بریلوی نے کی اور اسی لیے واضح لفظوں میں فرمایا۔

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرتِ حساں بس ہے

نعت کا یہ اساسی پہلو نعت گو شعرأ کے دل و دماغ سے محو ہوتا جارہا ہے۔حضرت فاضلِ بریلوی نے زیرِ نظر نعتیہ مجموعہ

کلام ''الاستمداد'' قلم بند فرما کر نعت گو شعراٗ کی فکر کو مہمیز لگائی ہے اور نعت کے اس بنیادی پہلو یا موضوع پر شعر گوئی کی دعوت دی ہے جس سے کہ نعت کے اس بنیادی موضوع کا احیاٗ ہو سکے۔ چونکہ مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ درجہ مجددیت پر بھی فائز تھے اور ایک مجدد کی ذمہ داری ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابہ کرام کے ان نقوش کو زندہ و تابندہ فرمائے جو حوادثِ زمانہ کے باعث پژمردہ ہو گئے ہیں۔

چنانچہ ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مذکورہ نعتیہ مجموعۂ کلام کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''اندریں حالات ۱۳۳۷ھ میں فاضل بریلوی نے ایک دردناک فریاد، ایک پُرآشوب استغاثہ اور ایک خوں چکاں نظم بہ عنوان ''الاستمداد'' (زیرِ نظر) شائع کی۔ جس میں ان لوگوں کے ظلم و ستم، بارگاہِ خداوندی میں زبان درازیاں، بارگاہِ رسالت میں گستاخیاں اور مسلمانوں کے پاکیزہ نظریات پر جارحانہ حملوں کی داستان مرتب کر دی۔ فاضل بریلوی کی یہ کوشش آسان نظم میں اہلِ دل کو خون کے آنسو رلائے گی، اعتقادی سفر کے قافلہ والوں کے ڈگ مگاتے قدموں کے لیے سہارا بنے گی اور پھر ان نقاب پوشوں کے سیاہ عزائم کو بے نقاب کر دے گی جو اہل سنت کے ایمان و ایقان کی دولت کے خلاف نقب زنی کر رہے ہیں۔ یہ اشعار چھوٹی بحر میں ہیں مگر ایک ایک مصرع دیوبندیوں کے پُر فریب عقیدے کی مکمل تصویر ہے۔ اگر چہ نظم کے نشتر بعض سادہ لوح اور نو آموز دیوبندی حضرات کے لیے باعثِ تکلیف ضرور ہوں گے مگر ان کے پُرانے اور محروم صلاحیت حضرات تو جانتے ہیں کہ۔

یہ رضاؔ کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے

وہ عام مسلمانوں کے سامنے اپنے زخم دکھاتے پھریں گے اور کہتے پھریں گے کہ لوگو! دیکھو ہمیں کیا ہو گیا ہے مگر زخم دیکھنے والے ان کی دشنہ زبانی سے واقف ہیں۔ انہیں شاید یاد دلانے کی ضرورت نہ ہو کہ ان لوگوں کی زبان درازیوں نے عصمت مصطفوی اور کمالات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم پاک پر جو زخم لگائے ہیں وہ صدیوں تک ہرے رہیں گے۔''۱۱؎

انوار رضا میں اس نعتیہ مجموعہ کلام کا ذکر کچھ اس طرح ہے۔

''امام اہلِ سنت کا ایک منظوم رسالہ بھی ہے جس میں جملہ فرقہ باطلہ کا رد ہے جو بالکل ہی چھوٹی بحر میں ہے جس کا نام ''الاستمداد علی اجیاد الارتداد'' ہے تقریباً ڈھائی تین سو اشعار ہیں اس میں اغیار دین کا بھی تذکرہ ہے اور احباب و خلفاء کے لیے دعائیں بھی ہیں۔''۱۲؎

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی مجموعہ کلام ''الاستمداد'' کی رقم طرازی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''جب ۱۹۱۹ء میں امام احمد رضا اپنے خلفاء عید الاسلام حضرت علامہ عبد السلام اور ان کے صاحبزادے برہان ملت مفتی برہان الحق صاحب

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے زبردست اصرار و التجا پر جبل پور تشریف لے گئے تو حاجی کفایت اللہ صاحب بحیثیت خادم ساتھ میں تھے۔ ٹرین میں انہوں نے خیال کیا کہ امام احمد رضا تو مجدد ہیں اور مجدد کا کوئی بھی وقت خدمت دین سے خالی نہیں جاتا۔ آج اس طویل سفر میں امام سے کون سی دین کی خدمت ہوئی۔ جب جبل پور پہنچے تو حاجی صاحب سے امام احمد رضا نے فرمایا کہ فقیر نے راستے میں ۳۶۰ر اشعار کہے ہیں جن میں ۳۵ر اشعار نعت پاک کے ہیں باقی وہابیہ، دیوبندیہ کے رد میں ہیں انہیں قلم بند کر دیجیے۔ یہ قصیدہ دیکھ کر حاجی صاحب کو اپنے دل کے وسوسے پر سخت ملامت ہوئی۔ یہی وہ قصیدہ ہے جس کا تاریخی نام ''الاستمداد علیٰ اجیاد الارتداد'' ہے اس میں امام احمد رضا نے اپنے ۱۴ر خصوصی خلفائے کرام کا ذکر بھی کیا ہے۔'' ۱۳؎

حضرت رضاؔ بریلوی نے اپنے اس مجموعہ کلام میں جن موضوعات پر روشنی ڈالی ہے اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(۱) نعت انور سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
(۲) استمداد از شاہِ رسالت بر کبرائے کفر وردّت
(۳) اسماعیل دہلوی، وہابیہ اور دیوبندیہ
(۴) امّتِ محمدیہ علمائے دیوبند کی نظر میں
(۵) شر کستان
(۶) اللہ تعالیٰ کے متعلق دیوبندی علماء کا عقیدہ
(۷) دیوبندی عقائد کے اضافے
(۸) گنگوہی صاحب کے نظریات
(۹) نانوتوی صاحب کے نظریات
(۱۰) تھانوی صاحب کے نظریات
(۱۱) ذکر احباب ودعائے احباب

حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اس نعتیہ مجموعۂ کلام کا آغاز خطبۂ مسنونہ کے بعد نعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا ہے۔ نیز جس بحر کا انتخاب فرمایا ہے وہ بہت ہی چھوٹی بحر ہے اور اس نعت پاک کی خوبی یہ ہے کہ اس کو اتنے آسان اور دلنشیں انداز میں قلم بند فرمایا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ پڑھتے رہیں۔ اور وجد میں آکر گنگناتے رہیں۔ اس کے چند ابتدائی اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

سچی بات سکھاتے یہ ہیں
سیدھی راہ دکھاتے یہ ہیں
ڈوبی ناویں تراتے یہ ہیں
ہلتی نیویں جماتے یہ ہیں
ٹوٹی آسیں بندھاتے یہ ہیں
چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں ۱۴؎
فیض جلیل خلیل سے پوچھو
آگ میں باغ کھلاتے یہ ہیں
ان کے نام کے صدقے جس سے
جیتے ہم ہیں جلاتے یہ ہیں ۱۵؎

چونکہ اس نعتیہ مجموعے کا دوسرا موضوع ''استمداد از شاہِ رسالت بر کبرائے کفر وردّت'' ہے جو اس مجموعہ کلام کے نام کا ایک جزو ہے اس لیے اس موضوع یا عنوان کے تحت استمداد کا

ایک جدید اسلوب اور پیرایہ استعمال کیا گیا ہے جس سے مجموعۂ کلام اسم بامسمیٰ ہوگیا ہے، ملاحظہ فرمائیں چند اشعار۔

مولیٰ دین مٹاتے یہ ہیں
کفر اسلام میں لاتے یہ ہیں
تیری شان گھٹاتے یہ ہیں
رب کو عیب لگاتے یہ ہیں
رب سے اُلجھیں نبی سے اُلجھیں
کس ابلیس کے کاتے یہ ہیں
بلکہ کفن میں ان کا گرگا
پھر مسلم کہلاتے یہ ہیں
ابن عقبہ سے ہے مسلم
حاشا اس کو لجاتے یہ ہیں
اس کے ظلم کی حد تھی حرم پر
شاہ حرم تک جاتے یہ ہیں
کتنے مذہب ردت ٹھہرے
فقہ و کلام میں آتے یہ ہیں ۱۶ ؎
سب سے مضر تر ہیں یہ وہابی
سنی بن کے رجھاتے یہ ہیں
سنی و حنفی و قادری و چشتی
بن بن کر بہکاتے یہ ہیں
حق سے باطل شاہ سے ذاہل
کیسی مد کے ماتے یہ ہیں
پیارے دفع کر اعداً کیونکر
تیرے ہوتے ستاتے یہ ہیں ۱۷ ؎

استمداد و استغاثہ نعت کا موضوع قدیم رہا ہے۔ اس موضوع پر عہدِ رسول سے لے کر اس وقت تک سخن وری کا سلسلہ جاری ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''نعت کا ایک اہم اور مشہور انداز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں اپنے حالات اور درپیش مسائل اور مصائب وآلام اور مشکلات کا اظہار کر کے ان سے مدد طلب کرنا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استغاثہ اور استمداد اور آپ کے حضور فریاد اور مشکل کشائی و حاجت روائی کے لیے آپ کی بارگاہِ رحمت میں سوال، آغاز نعت ہی سے نعت کے اجزائے ترکیبی میں شامل رہا ہے۔ ہر عہد، ملک اور زبان کے شعراً نے رفع مشکلات، شفائے امراض، حصولِ مقاصد اور مصائب و مسائل سے نجات حاصل کرنے کے لیے سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنی عرض داشت پیش کی ہے۔''۱۸ ؎

تیسرا موضوع ''اسماعیل دہلوی وہابیہ اور دیوبندیہ'' کے رد پر مشتمل ہے جس میں اسماعیل دہلوی کے وہابی اور دیوبندی عقیدے کو حضرت رضاؔ بریلوی نے بڑی ہی چابک دستی سے واضح کیا ہے، فرماتے ہیں۔

شہ کو رسل کو ملک جو مانے
اس کو خدا سے چھڑاتے یہ ہیں ۱۹
شہ کو رسل کو اہل خدا کو
چوہڑے چمار سناتے یہ ہیں ۲۰ ؎

ان کے منہ پہ خاک ہو کس کو
مٹی میں مر کے سلاتے یہ ہیں ۲۱ ۔
اتنا جلتے ہیں یہ نام شہ سے
کلمے سے کنیاتے یہ ہیں ۲۲ ۔
بیٹی تک کے نہ کام آیں گے
بے قدری یہ مناتے یہ ہیں
اِن کے کام نہ آئیں گے بیشک
جب تو جہنم میں جاتے ہیں ۲۳ ۔
یاد محمد یادِ خدا ہے
کِس کو خر سے گھٹاتے یہ ہیں
ان کو گدھے کا ذکر ہی روزی
جس کی شان بڑھاتے یہ ہیں
ہم کو ذکر حبیب جسے یوں
آگ سمجھ کے بجھاتے یہ ہیں ۲۴ ۔

چوتھا موضوع ''امت محمدیہ علمائے دیوبند کی نظر میں'' ہے۔اس موضوع کے تحت کل تین ہی شعر کہے گئے ہیں۔مگر یہ تین اشعار قولِ فیصل یا حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔کسی طویل موضوع کو اس پیرائے میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے کہ موضوع بھی سمٹ جائے اور بات بھی پوری ہو جائے یہ انتہائی فصاحت و بلاغت کی دلیل ہے، ملاحظہ فرمائیں حضرت رضاؔ بریلوی کی طلاقتِ لسانی ۔

شہ کی امت کافر مانی
آپ کہاں بچے جاتے یہ ہیں
روئے زمیں سے الگ کیا کوئی
گوہ بھٹہ بساتے یہ ہیں
اپنی آگ میں جل گئے آپ ہی
اچھی دیپک گاتے یہ ہیں ۲۵ ۔

پانچواں موضوع ''شرکستان وہابیہ'' ہے اس موضوع کے تحت حضرت رضاؔ بریلوی نے وہابیہ کے ان تمام امور کی وضاحت کردی ہے جو ان کے نزدیک شرک کے دائرے میں آتے ہیں، فرماتے ہیں ۔

شرک کی ایسی تند چڑھی ہے
شرک ہی شرک بلاتے یہ ہیں
شرک کی تسبیح ان کا وظیفہ
شرک ہی جپتے جپاتے یہ ہیں
ساون کے اندھے کا ہرا ہے
شرک جو گاتے گواتے یہ ہیں ۲۶ ۔
لاکھوں مسلماں کر دیئے مشرک
گھر کی خبر بسراتے یہ ہیں
جیسی کرنی ویسی بھرنی
کاٹیں جیسی بواتے یہ ہیں
جدِّ عزیز و ولی اللہ کو
شرک کی دلّی دکھاتے یہ ہیں
شیخ مجدد صاحب پر تو
سب سے سوا غُرّاتے یہ ہیں
آپ پہ ڈھالیں باپ پہ ڈھالیں
کون ہے جس کو بچاتے یہ ہیں
حاجی امداد اللہ کو بھی

شرک مدد پہنچاتے یہ ہیں
تھانوی قاسم گنگوہی کو
شرک کے تھان بندھاتے یہ ہیں ۲۷ ؎

چھٹا موضوع ’’ اللہ کے متعلق دیوبندی علماء کا عقیدہ‘‘ ہے۔اس موضوع کے تحت فرماتے ہیں ؎

سارا علم غیبِ الٰہی
پانچ میں ختم کراتے یہ ہیں ۲۸ ؎
کذب الٰہی ممکن کہ کر
دین ویقیں سب ڈھاتے یہ ہیں ۲۹ ؎
کذب کا کیا غم ہاں کوئی کاذب
سمجھے اس سے ڈراتے یہ ہیں
بالفعل ان کا خدا ہے عیبی
پھر امکان تو گاتے یہ ہیں
سوئے اُونگھے بہکے بھولے
کیا کیا گت بنواتے یہ ہیں ۳۰ ؎
اپنے خدا کو محفل محفل
کوڑی ناچ نچاتے یہ ہیں
دیو کے آگے گھنٹی بجا کر
بم اس سے بُلواتے یہ ہیں
زانی مزنی اُچکّا ڈاکو
سارے جھولے جھلاتے یہ ہیں
کون سی خواری باقی چھوڑی
سب اس سے کرواتے یہ ہیں ۳۱ ؎

ساتواں موضوع ’’ دیو بندی عقائد کے اضافے ہے۔ اس موضوع کے تحت فرماتے ہیں۔

بیٹے گاۓ ُ یہود و نصاریٰ
جورو اور ملاتے یہ ہیں
عقل فرنگ سے باغ خرد میں
تین خدا لہکاتے یہ ہیں ۳۲ ؎
اب تو اُلوہیت بھی سُدھاری
ڈھول سے کھال گنواتے یہ ہیں
جب ہے کمال خلاف قرآں
اب کیا پلہ بچاتے یہ ہیں
یا تو خدا ہے کمال سے خالی
یا قرآں جھٹلاتے یہ ہیں
رب کا غضب ہو وحی سے پہلے
کس کو ضال بتاتے یہ ہیں
مرسل لاثانی کا ثانی
گنگوہی کو بناتے یہ ہیں ۳۳ ؎

آٹھواں موضوع ’’ گنگوہی صاحب کے نظریات‘‘ ہے۔اس موضوع میں حضرت رضاؔ بریلوی نے رشید احمد گنگوہی کے نظریات کا انکشاف کر کے اس کی تشریح وتوضیح فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

علم اپنے مرشد شیطاں کا
علمِ شہ سے بڑھاتے یہ ہیں
علمِ غیب ابلیس کو مانیں
شہ کو کہو جل جاتے یہ ہیں ۳۴ ؎
مٹی میں ملنا مٹی سے ملنا

ایک ہے یوں چندراتے یہ ہیں
مجلسِ مولد شہ ہے خرافات
ایسی خرافات لاتے یہ ہیں ۳۵ ؎
عبد عزیز تک ایماں کب تھا
اسلام آج پھلا تے یہ ہیں
دیوبند والوں کے ملنے سے
اردو شہ کو سکھاتے یہ ہیں
ان کے نبی کی استاذی کا
حق امت پہ جتاتے یہ ہیں
اُف بے باکی شاہ سے اپنی
روٹی تک پکواتے یہ ہیں ۳۶ ؎

نواں موضوع ''نانوتوی صاحب کے نظریات'' ہیں اس موضوع کے تحت جناب قاسم نانوتوی صاحب کے نظریات کی عقدہ کشائی فرمائی ہے۔

شہ کے پچھلے نبی ہونے کو
فضل سے خالی گاتے یہ ہیں ۳۷ ؎
شہ کے بعد نبوت تازہ
پاک خلل سے بتاتے یہ ہیں
آپ ہی کافر آپ ہی مکفر
اپنی آپ ہی ڈھاتے یہ ہیں
اوّل کافر آخِر کافر
ہر پھر کفر پہ چھاتے یہ ہیں
اُن کے کفر کا اُٹھتا جُوبن
ناحق اس کو چھپاتے یہ ہیں ۳۸ ؎

دسواں اور آخری موضوع '' تھانوی صاحب کے نظریات ہیں، اس کے بعد حضرت رضاؔ بریلوی نے اپنے احباب وخلفاء کا ذکر کیا ہے اس کے تحت جناب اشرف علی تھانوی صاحب کے نظریات کی وضاحت کی ہے، فرماتے ہیں۔

شہ سا ہر کس و ناکس جانے
غیب یہ عیب دکھاتے یہ ہیں
علم غیب میں بچے پگلے
کُل چوپائے بُھڑاتے یہ ہیں ۳۹ ؎
یعنی اپنے نبی جینے کو
تسکیں بخش بناتے یہ ہیں
اپنے نام پر استقلالاً
صلی علیٰ بھُنواتے یہ ہیں
بہکی زباں اور دن بھر بہکی
اف اف کیا بہکاتے یہ ہیں
اُن کی ثنا تھی نبی کی ذم تھی
یوں یہ عذر مناتے یہ ہیں ۴۰ ؎
واقعہ ڈھالیں ماں کا آنا
زن کا ذہن لڑاتے یہ ہیں
جن پر لاکھوں مائیں تصدق
تعبیر ان کی بناتے یہ ہیں
کو کبہ میں ستر ہی تھے جن پر
قاروں گنج بساتے یہ ہیں
یہ تو دو سو تیس ہیں اب کس
تحتِ ثریٰ کو جاتے یہ ہیں ۴۱ ؎

اس پورے مجموعۂ کلام میں ۳۶۱/اشعار ہیں۔ ۳۳۷/ اشعار نعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عقائد باطلہ کے رد پر مشتمل ہیں۔ اور ۲۴/اشعار حضرت رضؔا بریلوی نے اپنے احباب وخلفاء کے فضائل ومناقب میں قلم بند فرمائے ہیں جس میں انہوں نے اپنے ۱۴/خلفاء کا ذکر اختصاصی طور پر فرمایا ہے۔

ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ:

حضرت رضؔا بریلوی کے اس مجموعہ کلام ''الاستمداد'' میں ترتیب وتدوین کے لحاظ سے مقالہ نگار کو ایک اہم اشتباہ محسوس ہوا جس کا ازالہ لازم وملزوم ہے۔ اس نعتیہ مجموعے میں دو حواشی ہیں اور ایک تکملہ ہے۔ پہلا حاشیہ پیرومرشد حضور سیدی الشاہ مصطفی رضا المعروف مفتی اعظم ہند نوری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔ یہ حاشیہ ۳۳۷/اشعار کی توضیح وتشریح پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا حاشیہ ماہر لسانیات معروف ادیب و صحافی حضرت علامہ اقبال احمد فاروقی علیہ الرحمہ ایم۔ اے، سابق مہتمم مرکزی مجلس رضا، لاہور کا ہے۔ یہ حاشیہ ۲۴/ اشعار کی تشریح وتوضیح پر مشتمل ہے جس میں حضرت رضؔا بریلوی نے اپنے مقتدر خلفاء کا ذکر فخر ومباہات کے طور پر فرمایا ہے۔ مجموعۂ کلام کے آخر میں ایک تکملہ ہے جس کا عنوان ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب'' الاستمداد'' پر

''تکمیلات'' تالیف: حضرت مولانا الشاہ مصطفی رضا خاں بریلوی دامت برکاتہ مفتی اعظم ہند اور کتاب کے صفحہ اوّل پر جو عنوان ہے وہ بایں طور ہے۔

''الاستمداد (۱۳۳۷ھ) علیٰ اجیاد الارتداد''

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ، حواشی وتکمیلات: حضرت مولانا الشاہ مصطفی رضا خان قادری مفتی اعظم ہند دامت برکاتہ ،قادری بک ڈپو، نومحلہ مسجد بریلی شریف۔

الحاصل کتاب کے آخر میں جو تکملہ ہے اس کے بارے میں ایک جگہ لکھا جا رہا ہے کہ حواشی وتکملہ حضرت مولانا الشاہ مصطفی رضا خان قادری مفتی اعظم ہند دامت برکاتہ۔ اور دوسری جگہ لکھا جا رہا ہے تالیف حضرت مولانا الشاہ مصطفی رضا خاں بریلوی دامت برکاتہ مفتی اعظم ہند۔ ایک ہی چیز کو ایک جگہ حضور مفتی اعظم ہند کا تکملہ قرار دیا جا رہا ہے اور اسی کو دوسری جگہ حضور مفتی اعظم ہند کی تالیف۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تکملہ خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا ہے۔ ہاں اس تکملے کو حضور مفتی اعظم ہند کی تالیف تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن بذات خود اس تکملہ کی نسبت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی جانب تخلیقی حیثیت سے کرنا غیر مناسب ہے۔

حضرت رضؔا بریلوی علیہ الرحمہ نے اس تکملہ کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ اس سوال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ۔ اس مجموعہ کلام میں حضرت رضؔا بریلوی نے اپنی فکر کا موضوع جن موضوعات کو بنایا ہے وہ تفصیل طلب ہیں اس لیے کہ شعر گوئی کا دامن خود ہی تنگ ہوا کرتا ہے اور پھر اُس میں ایمان و عقائد کا بیان ہر کس وناکس کے فہم وادراک سے بالاتر چیز ہے۔ اسی لیے باقاعدہ طور پر آپ نے ان اشعار کی تشریح وتوضیح خود اپنے قلم سے فرمائی اور اس کو مجموعہ کلام کا تکملہ قرار دیا جس

سے کہ لوگ بات کو کما حقہ سمجھ سکیں۔ اس تکملہ کے بغیر اس مجموعۂ کلام کو مکمل قرار نہیں دیا جا سکتا، چناچہ مندرجہ ذیل اشعار کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مٹی میں ملنا مٹی سے ملنا
ایک ہے یوں چندارتے یہ ہیں
پیٹھ رسول اللہ کو دے کر
کیسی اوندھی گاتے یہ ہیں

''تکمیل ۶۲/ اقوال اسماعیل کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے کو کیسی صریح بے ایمانی کی کہ مٹی سے متصل ہوجانا مٹی میں ملنا کہلاتا ہے۔ حاشا محض جھوٹ اولاً ہر مکان کی دیواریں مٹی سے متصل بلکہ بنیاد تک مٹی کے اندر داخل ہوتی ہیں۔ پھر جب سلطانی قلعہ بن کر تیار ہو کوئی مجنوں ہی کہے گا کہ سارا قلعہ مٹی میں مل گیا۔

ثانیاً روپیہ زمین پر رکھیے تو کوئی نہ کہے گا کہ روپیہ مٹی میں مل گیا اور چاندی کا برادہ خاک میں گر کر خلط ہوجائے اُسے کہیں گے کہ چاندی مٹی میں مل گئی۔

ثالثاً گنگوہی صاحب زمین پر بیٹھتے ہوں گے تو اس وقت ان کے نیچے مٹی سے جسد مع پاجامہ ملاحق ہوتا تھا مگر کوئی نہ کہتا کہ گنگوہی صاحب مٹی میں مل گئے نہ مرنے کے بعد چند روز تک یہ کہا جاتا۔ ہاں اب کہ ایک جگ بیت گیا اور ان کا بند گل کر مٹی میں خلط ملط ہو گیا، اب کہا جائے گا کہ گنگوہی صاحب مٹی میں مل گئے۔

رابعاً ''سے'' اور ''میں'' میں فرق کرنا کیا مطلب کے لیے بھولا بن جانا ہے۔ اگر کسی کا لٹھا گنگوہی صاحب کے پاس امانت ہو اور ان سے گم ہو جائے تو یہ کہا جائے گا کہ لٹھا ان سے غائب ہو گیا۔ یا یہ کہ لٹھا ان میں غائب ہو گیا۔ آپ کے نزدیک دونوں طرح کہ لاتا ہے کچھ اعتراض نہیں انا للہ و انا الیہ راجعون ☆ ان کے یہاں یہ وقعت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کہ ان کی شان میں گالی کو کیسے چھل پیچ سے ٹھیک کیا جاتا ہے اور پھر دعویٰ ایمانی ہے سبحان اللہ یہ منھ اور دعویٰ!''۴۲؎

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگ پوری اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' میں علمائے دیوبند کے نظریات اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کی گئی اہانتوں کے حوالے سے حضرت رضؔا بریلوی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

'' مولانا احمد رضا خان بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء بڑے زبردست عالم اور غیر معمولی ذہانت کے مالک تھے۔ تقریباً نصف صدی تک جس قدر انہوں نے غیر مقلدین کے خلاف لکھا ہے یا لکھوایا ہے۔ شاید دنیائے اسلام میں کسی ایک خاص دبستان خیال کے خلاف کبھی اتنا نہیں لکھا گیا۔ جناب اسماعیل دہلوی کی ''تقویت الایمان'' میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق جو اہانت آمیز فقرے کہیں کہیں نظر آتے ہیں ان کی توجیہ بھی کر لی جائے تب بھی ان کی بُرائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے کے مکتب خیال کے خلاف مولانا احمد رضا خاں اور ان کے متوسلین نے بڑی سختی سے لکھا ہے۔ بہر حال جن

لوگوں نے مولانا کو دیکھا ہے۔ وہ اگر چہ ان کے عقائد سے مطابقت بھی نہیں رکھتے تھے۔ تب بھی ان کی قوت حافظہ، طریق استدلال اور اجتہاد کے قائل تھے۔ اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ان جیسے دل و دماغ کے علماء کم پیدا ہوئے ہیں۔''۴۶

حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے تکملہ میں جن امثال اور تشریح وتوضیح کا ذکر فرمایا ہے وہ ساری کی ساری مثالیں یا وضاحتیں اتنی کارآمد ہیں کہ کچھ مت پوچھئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر آج ہم ان اقوال ونظریات، افکار و خیالات کے پابند ہو جائیں تو بہت کچھ کر اور سمجھ سکتے ہیں۔ چنانچہ مجھے یاد آ رہا ہے کہ ایک بار میں ایک مناظرے کی روداد پڑھ رہا تھا جس میں مناظرے کا موضوع رشید احمد گنگوہی صاحب کی یہی عبارت تھی کہ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے'' اس مناظرے کے مناظر علمائے اہل سنت کی جانب سے مظہر اعلیٰ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ تھے۔ اور دوسری جانب سے علمائے دیوبند۔ حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب نے فرمایا کہ جناب رشید احمد گنگوہی کی مذکورہ عبارت حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں صریح گستاخی ہے اس لیے کہ مٹی میں ملنے کا مطلب یہی ہوا یا یہی ہوتا ہے ''اپنے وجود کو کھودینا'' اس پر علمائے دیوبند کی جانب سے ان کے مناظر نے عبارت کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے بتایا کہ یہاں پر ''میں'' بہ معنیٰ ''سے'' ہے اس لیے جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کی عبارت کا وہ مطلب نہیں ہوا جو آپ نے فرمایا۔ بات یہاں آکر کافی الجھ گئی علمائے اہل سنت کا کہنا تھا کہ یہاں تشریح وتوضیح کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ رشید احمد گنگوہی صاحب کی عبارت واضح ہے مگر علمائے دیوبند بضد تھے کہ نہیں یہاں ''میں'' بہ معنیٰ ''سے'' ہی ہے۔ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ نے ہر طرح سے علمائے دیوبند کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ ہر جواب کے جواب میں یہی کہتے کہ مولانا یہاں ''میں'' بہ معنیٰ ''سے'' ہی ہے۔ انتظامیہ اور عوام بھی اس ''میں'' اور ''سے'' کی گفتگو سے عاجز آچکی تھی مجمع سے آواز آئی آپ حضرات کام کی بات کیجیے اور اس ''میں'' اور ''سے'' کی گفتگو کو چھوڑیے وقت نہ برباد کیجیے۔ مناظر اہل سنت علامہ حشمت علی خاں علیہ الرحمہ نے جب دیکھا کہ اس طرح بات نہیں بننے والی ہے اور یہ ضدی علمائے دیوبند حق کو اتنی آسانی سے قبول کرنے والے نہیں تو وہ انتظامیہ اور مجمع سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو میں ابھی ابھی اس مناظرے کا فیصلہ کر دوں سب نے بیک زبان ہو کر کہا کہ مولانا جلدی کیجیے۔ مناظر اہل سنت نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں اس سے بات بخوبی آپ لوگوں کی سمجھ میں آجائے گی۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کی مذکورہ عبارت ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں صریح گستاخی ہے۔ لیکن علمائے دیوبند اس کی توضیح ''لفظ'' ''سے'' سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذکورہ عبارت میں کوئی گستاخی کا پہلو نہیں ہے تو میں ایک مثال دیتا ہوں اور آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ بتایئے اس قول میں آپ گستاخی کا

پہلو مانتے ہیں کہ نہیں اور پھر فکر رضا سے کام لیتے ہوئے اسی مثال کو اختیار فرمایا جس کا ذکر تکملہ میں ہے۔

فرمایا کہ حضرات! علمائے دیوبند کا کہنا ہے کہ جناب رشید احمد گنگوہی صاحب کی عبارت میں ''میں'' بہ معنی ''سے'' ہے اور ہمارا یہ کہنا کہ رشید احمد گنگوہی کی عبارت کی توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ کفریہ عبارت ہے۔ اور پھر فرمایا کہ آپ لوگ رشید احمد صاحب کی عبارت کا مفہوم اس مثال کے ذریعے سمجھیں۔ یہ دیکھئے میرے ہاتھ میں کیا ہے پہلے مجمع سے پوچھا اور پھر علمائے دیوبند سے سب نے بیک زبان ہو کر کہا آپ کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ حضرات! اگر میں اس لاٹھی کو مناظر دیوبند کے پاس امانت رکھ دوں اور بالفرض مناظر دیوبند سے میری یہ لاٹھی کہیں گم ہو جائے تو آپ لوگ کیا کہیں گے سب نے بلند آواز میں یک زبان ہو کر کہا کہ یہی کہا جائے گا کہ مولانا حشمت علی خاں صاحب کی لاٹھی مناظر دیوبند سے کہیں گم ہو گئی۔ اس کے بعد پھر آپ نے فرمایا کہ نہیں حضرات! اگر میں اس عبارت کی توضیح کر کے اس طرح کہوں کہ میری لاٹھی مولانا سے گم نہیں بلکہ مولانا میں گم ہو گئی تو آپ لوگ کیا سمجھیں گے اس پر مجمع نے قہقہہ لگایا اور مناظر دیوبند نے کہا حضرات! دیکھئے مناظر اہل سنت ہم کو گالی دے رہے ہیں۔ اس پر شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمہ نے تڑپ کر گرجتے ہوئے فرمایا کہ حضرات جس چیز کو یہ اپنے لیے گالی مان رہے ہیں ہم اُسی بات کا احساس دلا رہے ہیں کہ رشید احمد گنگوہی کی مذکورہ عبارت ہمارے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہے اس بات کو وہ کسی بھی طرح ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے اور اس کی تشریح و توضیح کر رہے تھے۔ آپ لوگ خود فیصلہ فرمائیں کہ مذکورہ عبارت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و عصمت سے بڑھ کر علمائے دیوبند کی عزت و عصمت ہے۔ سارے مجمع نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں تڑپ کر فرمایا ہرگز نہیں اور حق و باطل کا فیصلہ ہو گیا۔

میری فہم و فراست میں عالم اسلام کے لیے حضرت رضاؔ بریلوی کا ایک ایک قول لمحہ فکریہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ کی پیش کی ہوئی ایک مثال یا قول سے مناظرے کو فتح کیا جا سکتا ہے تو اگر ان کے سیکڑوں یا ہزاروں اقوال جو ان کی کتابوں میں جلوہ افروز ہیں اگر آج ہم ان کو اپنا لیں پھر تو اسلام کا بول بالا ہو جائے اور اس کی عروج و ارتقاء کے ایسے ایسے راستے ہموار ہو جائیں کہ جن کو ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے بالخصوص حضرت رضاؔ بریلوی کی سیاسی اور اقتصادی افکار کو اپنا کر بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت گوئی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا رہبر بنایا اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی شاعرانہ صلاحیت کو نہ صرف یہ کہ اپنے آقا و مولیٰ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت سرائی اور ان کے شمائل و فضائل کے بیان و ابلاغ میں بروئے کار لائے بلکہ جب بھی اور جہاں کہیں بھی موقع ملا آپ نے دشمنان رسول اور شاتمان حبیب خدا کی بدگویوں اور گستاخیوں کا مجاہدانہ شان سے رد کیا اور شاندار اور پُر شکوہ انداز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت و توقیر اور

عصمت وعظمت کے دفاع کا فریضہ ادا کر کے اللہ جل جلالہ کے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دعا کی برکتوں سے بھی مستفیض ہوئے جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں کی تھی کہ:

اے میرے رب تو روح القدس سے حسان کی مدد فرما اس لیے کہ یہ میرے دشمنوں اور بدگویوں سے میرا دفاع کرتا ہے''

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے '' گستاخان رسول'' کو ''سب سے مضرتر'' قرار دے کر اہل ایمان کو متنبہ کیا ہے۔ ان کا یہ شعر قیامت تک دشمنانِ رسول کے لیے للکار بن کر ہوش وخرد پر شب خوں مارتا رہے گا۔

کلک رضاؔ ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

کتابیات:

۱۔ انتخاب حدائق بخشش ۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، سرہند پبلی کیشنز، کراچی صفحہ ۲۸۱
۲۔ انتخاب حدائق بخشش ۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، سرہند پبلی کیشنز، کراچی صفحہ ۲۹۳
۳۔ مجلہ اوج نعت نمبر جلد اوّل ۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۴۳۰
۳۔ مجلہ اوج نعت نمبر جلد اوّل ۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۴۳۰
۴۔ مجلہ اوج نعت نمبر جلد اوّل ۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۵۵
۵۔ مجلہ اوج نعت نمبر جلد اوّل ۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۸۰
۶۔ مجلہ اوج نعت نمبر جلد اوّل ۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، شاہدرہ کالج، لاہور ۲۳۰
۷۔ نعتیہ روایت کا عروج و ارتقا ۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری، رضوی کتاب گھر، دہلی ۵۳ / ۵۴
۸۔ عربی میں نعتیہ کلام ۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، مکتبہ اسلام گوئن روڈ، لکھنو صفحہ ۷۷
۹۔ مدارج النبوۃ جلد (دوم) اردو ترجمہ ۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ادبی دنیا، دہلی صفحہ ۱۰۰۸
۱۰۔ اردو میں نعت گوئی ۔ ڈاکٹر ریاض مجید، اقبال اکادمی، لاہور صفحہ ۱۲ / ۱۳
۱۱۔ الاستمداد ۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۲۸
۱۲۔ انوار رضا ۔ تحفۂ حنفیہ، لاہور صفحہ ۶۰۲ (ضیاء القرآن پبلی کیشن، لاہور صفحہ ۶۳۶
۱۳۔ جہان رضا شمارہ جون جولائی ۱۹۹۷ء ۔ اقبال احمد فاروقی، مرکزی مجلس رضا، لاہور صفحہ ۳۸ / ۳۹
۱۴۔ الا ۱۴ ۔ الاستمداد ۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۲۹
۱۵۔ ا ۔ الاستمداد ۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۳۰
۱۶۔ الاستم ۔ الاستمداد ۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۳۷
۱۷۔ الاستمداد ۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۳۸
۱۸۔ نقوش رسول نمبر جلد دہم، ادارہ فروغ اردو، ؛اہور

صفحہ ۴۸
۱۹۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۳۹
۲۰۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۳۹
۲۱۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۴۰
۲۲۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۴۳
۲۳۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۴۴
۲۴۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۴۸
۲۵۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۱
۲۶۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۱
۲۷۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۳
۲۸۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۴
۲۹۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۷
۳۰۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۵۸
۳۱۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۶۰
۳۲۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۶۱
۳۳۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۶۲
۳۴۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۶۵
۳۵۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قاقدری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۶۹
۳۶۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۷۶
۳۷۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۷۷
۳۸۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۷۹
۳۹۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۸۱
۴۰۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۸۴
۴۱۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۸۵
۴۲۔ الاستمداد۔ امام احمد رضا خان بریلوی، قادری بک ڈپو، بریلی صفحہ ۱۶۱
۴۳۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری، سندھ اردو اکیڈمی، کراچی صفحہ ۳۸۰

☆☆☆

شمیم احمد بریلوی

مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا فنی ولسانی تجزیہ

مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا دور انیسویں صدی کے نصف آخر سے بیسویں صدی کے ربع آخر تک ہے۔ ان سے قبل میر کی ندرت، سودا کا فن، غالب کی بلند پروازی کا بول بالا تھا۔ کچھ برسوں کے بعد داغ دہلوی کی لالہ کاری اور اقبال کی انفرادیت مقبول رہی۔ ان شعرا کا موضوع سخن مائل بہ غزل تھا اس لئے ان کے کلام میں عشق مجازی کی کثرت ہے۔ اس کے بعد رضا نے نعتیہ شاعری کے میدان کا انتخاب کیا اور عشق حقیقی کی جانب ملتفت رہے۔ ان کے ایک ایک شعر سے عشق حقیقی کی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔ حالانکہ میر وسودا، غالب اور داغ دہلوی نے بھی نعتیں لکھیں ہیں مگر اس فن کو مشکل سمجھ کر صنف غزل کی جانب راغب ہو گئے۔

شاعری کرنا ہر کس و نا کس کے بس کی بات نہیں کیوں کہ شاعری کا فن کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ حالانکہ شاعری کے حسن کو دو بالا کرنے میں زبان وادب اور فن کا اہم کا کردار ہوتا ہے مگر ان کے ذریعے شاعری کرنا آجائے محال ہے۔ نسبتا حمد و غزل لکھنا آسان ہے کیوں کہ غزل میں من چاہے مضامین قلم بند کر سکتے ہیں۔ حمد میں خدائے تعالیٰ کی تعریف میں جو کچھ کہا جائے کوئی دقت نہیں۔ مگر نعت گوئی پل صراط سے گزرنے کے مترادف ہے کیوں کہ جو الفاظ یا القاب خدا کے لیے خاص ہیں وہ کہیں نبی کی ذات سے منسلک نہ ہو جائیں اور جو الفاظ نبی کی ذات کے لیے خاص ہیں کہیں وہ ذات باری تعالیٰ سے منسلک نہ ہو جائیں گو یا دونوں کی سرحدوں میں غایت ومغیا کا سا معاملہ ہے۔

ہماری اس بات کو مزید تقویت ملی ماہنامہ قاری دہلی سے ''نعت گوئی معبود اور عبد کے فرق کا لحاظ رکھنا ہے رسول کی خواہ کتنی ہی تعریف وتوصیف کی جائے لیکن اس کا مقام مقام عبدیت ہی ہے رسول اکرم کی عظمت کا راز یہ ہے کہ وہ عبدیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں''

اس بارے میں مولانا احمد رضا کہتے ہیں:

''حقیقتا نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت پابندی ہے''

رضا نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق مصطفی ﷺ

کے لیے وقف کر دیا تھا یہی نہیں بلکہ جان اور دل سب کچھ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان کر دیا۔

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو تیرے قدموں پہ قربان گیا

اس شعر پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک لفظ دل ہے جس کو اس شعر سے الگ کرنے پر 'دل' لفظ میں کوئی سُر ظاہر نہیں ہوگا اور جب دل کو دوسرے لفظوں سے منسلک کر دیا جائے تو اس میں سُر پیدا ہو جائے گا یعنی دل ہے وہ دل جو اس سر میں طویل سلسلہ دل ل ل ل کا پیدا ہو جائے گا اس کے بعد تیری یاد سے معمور رہا جوڑنے سے ہم آہنگی پیدا ہوگی اس طرح سے ایک لفظ دوسرے لفظ کے آہنگ کی تکمیل کرتا ہے۔

رضا نے اپنے کلام میں طویل مصوتوں اور انفیائی مصوتوں کا استعمال اس کثرت سے کیا ہے کہ کلام کا آہنگ بلند سے بلند تر ہو گیا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ طویل مصوتہ گہرے اور سنجیدہ جذبات واحساسات، حزنیہ کیفیات اور غم واندوہ کے مفہوم کی ترجمانی کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ کلام کو مترنم اور شیریں بنانے کے لیے بھی طویل مصوتوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

ہم نے رضا کی تین نعتوں کا تجزیہ طویل مصوتوں کے استعمال سے متعلق کیا جس کا نتیجہ درج ذیل ہے۔

نعت ۱۔

وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں، شرح والشّمس الضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح وثنا کرتے ہیں، جن کو محمود کہا کرتے ہیں

نعت ۲۔

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دل بے کس کا اس آفت میں آقا تو ہی والی ہے

نعت ۳۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

نعت	تعداد	طویل مصوتے	اوسط
۱	۱۷	۳۵۵	۲۰/۸
۲	۸	۱۶۴	۲۰/۵
۳	۱۵	۳۱۸	۲۱/۵

اس تجزیے سے رضا کے کلام میں طویل مصوتوں کا اوسط ۲۰/۵ سے اوپر کا ہے جبکہ میر، غالب اور اقبال کا اوسط بقول گوپی چند نارنگ کے درج ذیل ہیں۔

''اب ان تینوں شاعروں کے یہاں طویل مصوتوں کے استعمال کی جو تصویر مرتب ہوتی ہے وہ یوں ہے۔''

میر ۱۶ طویل مصوتے فی شعر
غالب ۱۱ '' '' ''
اقبال ۱۶ '' '' ''

میر اور اقبال طویل مصوتوں کے استعمال میں مساوی ہیں جب کہ غالب کا اوسط 11/ کا ہے جو کہ سب سے کم ہے۔ ان سب سے زیادہ امام احمد رضا کا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رضا کے کلام میں کس قدر نغمگی موجود ہے۔ رضا نے ''حدائق بخشش'' میں مصوتہ واؤ کا استعمال فراخ دلی سے کیا ہے حالانکہ واؤ دو لفظوں کے جوڑنے کا بھی کام کرتا ہے اور مصوتے کی صورت میں شعر کے آہنگ کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اس کی مثالیں اس طرح ہیں۔

ع خوار و بیمار و خطاوار و گنہگار ہوں میں

ع رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

ع بحر و بر شہر و قریٰ سہل و حزن دشت چمن

ع دندان و لب و زلف و شہہ رخ کے فدائی

ع رؤف ورحیم علیم وعلی ہے

ماہرین اسلوبیات کے نزدیک کلام میں نغمگی ،ترنم اور موسیقیانہ آہنگ ہوگا تو یقینا اس کلام میں انفی مصمتوں اور انفیائے گئے مصوتوں کا استعمال کثرت سے ہوگا۔ چونکہ ناک کے راستے سے گزرنے والی آوازیں ترنم، گونج، گنگناہٹ اور جھنکار پیدا کرتی ہے رضا بریلوی کے یہاں انفی اصوات کی بہتات ہے جیسے

چنیں و چناں تمہارے لیے بنے دوجہاں تمہارے لیے
زمیں و زماں تمہارے لیے مکین و مکاں تمہارے لیے

دراصل اس نعت پاک میں الفاظ زمین وزماں ،مکین و مکاں ،چنین و چناں ،دوجہاں ،زماں ،یہاں ،وہاں ،عیاں ،زباں ،نشاں ،نہاں ،مکاں ،جناں ،سماں ،مہاں ،شہاں ،رواں، بداں ،کشاں، اماں ،حساں ،کہاں ،فرشتے خدم ، رسول حشم ،تمام امم ،غلام کرم ،وجود وعدم ،حدوث وقدم ،کلیم و نجی ،مسیح وصفی ،خلیل ورضی ،رسول و نبی ،عتیق و وصی ،غنی وعلی ، اصالت کل ،امامت کل ،سیادت کل ،امارت کل ،حکومت کل ، ولایت کل ،تمہاری چمک ،دمک ،جھلک ،مہک ،زمین وفلک ، سماک وسمک ،شمس وقمر ،شام وسحر ،برگ وشجر ،باغ وثمر ،تیغ و سپر ،تاج وکمر ،فیض دیے ،جود کیے ،نام لیے ،زمانہ جیے ،جہاں نے لیے ،تمہارے لیے ،سحاب کرم ،آب نعم ،رکھتے تھے ہم ، ارب ،کرب ،عجب ،طلب ،رحمت رب کس کے سبب ،ذنوب فنا ،عیوب ہبا ،قلوب صفا ،خطوط روا ، یہ خوب عطا کروب زوا ،جن و بشر ،آٹھوں پہر ،ملائکہ دربستہ کمر ،جبہ وسر ،قلب وجگر ، روح امیں ،عرش بریں ،لوح مبیں ،کوئی بھی نہیں ،یہ بے خبری ،خلق پھری ،بندھا ،اٹھا ،جھکا ،سماں ،یہ مرحمتیں ،لتیں ، گتیں ،کریں ،پھریں ،بدرت ،ببرت ،وجہت ،سرت مرکزیت ،صفت ،چلے ،پھلے ،بھلے ،تلے ،کھلے وغیرہ۔

مطلع کے بعد مقطع کا شعر ملاحظہ کریں:

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہو بھلے
لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضا کی زباں تمہارے لیے

اس نعت میں ہم قافیہ اور انفائی الفاظ اور ہم آہنگ آواز اور لفظوں کا یکساں بالترتیب ہونا اور باتکرار ہونا ہی اس کے آہنگ کو متاثر کر رہا ہے۔ یہ نعت ۲۵ ر اشعار پر مشتمل ہے جس میں معکوسی آوازیں نہیں ہیں تھپکدار آوازیں صرف ایک مرتبہ آئی ہے (نہ چھوڑی لتیں) ہکاری آوازیں ۶۲ ر ہیں پہلوئی آوازیں ۲۸ ر اور تعاشی آوازیں ۱۱۳ ر ہیں صفیری آوازیں ۲۲۲ ر ہیں ان میں کثیر الاستعمال انفی اصوات ۲۹۱ ر ہیں یہ نعت نغمگی ،ترنم اور موسیقیت کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں ۔کلام کے حسن وزیبائش ،ترنم اور نغمگی کو دوبالا کرنے کے لیے ردیف وقافیہ کا تناسب اہم ہوتا ہے مذکورہ بالا نعت میں قوافی کی بھرمار ہے وہ بھی مترنم قوافی ۔ ایک ایک شعر میں ۳، ۴، ۵، ۶ اور ۷ قوافی قلم بند کئے گئے ہیں ردیف و قافیہ کے درمیان بہترین تناسب ہے۔ الفاظ کی روانی سے پروئے ہوئے موتی کا گمان ہوتا ہے۔

یہ نعت بحر وافر سالم مثمن کی ہے جس کا وزن ہے (مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن) یہ بحر عربی زبان میں رائج تھی اردو میں نہیں۔ اردو اور فارسی شاعری میں اس بحر کو مشکل جان کر ترک کر دیا گیا تھا۔ چونکہ اس بحر میں کلام لکھنا آسان نہیں تھا اور اردو شعرا کی بے رغبتی اس کی سنگلاخ زمین ہی ہے اس صنعت کو نئی زندگی بلکہ حیات جاوید عطا کرنا رضا کا ہی کام ہے۔ اگر آپ اس بحر میں طبع آزمائی نہ کرتے تو یہ بہت پہلے ہی داعی اجل کو لبیک کہہ دیتی لیکن رضا نے اس بحر میں نعت لکھ کر آنے والے شعرا کے لیے راہ آسان کر دی۔

رضا نے سنگلاخ زمین کے ساتھ ساتھ چھوٹی بحروں میں بھی نعتیں لکھیں ہیں۔ ہمارے اس قول کو تقویت ان کے اشعار سے ملی ہے بحر رمل مسدس سالم مخبون مخدوف مسکن جس کا وزن ہے۔

(فاعلاتن فعلاتن فعلن) اس بحر میں رضا نے ۸۹ر اشعار پر مبنی پانچ نعتیں قلم بند کی ہیں۔ ان نعتوں کے صرف مطلعے ملاحظہ کریں۔

مطلع ۱۔ آنکھیں رو رو کے سجانے والے
جانے والے نہیں آنے والے

مطلع ۲ر کیا مہکتے ہیں مہکنے والے
بو پہ چلتے ہیں بھٹکنے والے

مطلع ۳ر راہ پر خار ہے کیا ہونا ہے
پاؤں اِفگار ہے کیا ہونا ہے

مطلع ۴ر ذرے جھڑ کر تیری پیزاروں کے
تاجِ سر بنتے ہیں سیاروں کے

مطلع ۵ر انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

مذکورہ بحر سے بھی چھوٹی بحر میں نعت ملاحظہ کریں۔ اس بحر کا نام ہے بحر رمل مربع سالم جس کا وزن ہے (فاعلاتن فاعلاتن) اس بحر میں رضا نے ۴۵ر اشعار پر مشتمل دو نعتیں لکھی ہیں۔ دونوں کے مطلع ملاحظہ کریں۔

مطلع ۱ر مصطفی خیر الوریٰ ہو
سرورِ ہر دوسرا ہو

مطلع ۲ر ملکِ خاص کی کبریا ہو
مالکِ ہر ماسوا ہو

رضا کی نعتیہ شاعری میں جس کثرت سے بحر اور ان کے اوزان کا استعمال ہوا وہ دیگر شعرا سے کہیں زیادہ ہے۔ رضا کے اوزان و بحور کے متعلق ڈاکٹر صابر سنبھلی ادبیات رضا میں رقمطراز ہیں:

''رضا نے ۱۱ر گیارہ بحروں کے ۲۹ر اوزان میں طبع آزمائی کی ہے۔ یہ تعداد کم نہیں ہے''

آگے پروفیسر عنوان چشتی کے حوالے سے غالب کے اوزان و بحور کا ذکر کرتے ہیں غالب دہلوی نے جن کا کام شاعری کرنا ہی تھا کہ مطابق ۸ بحروں کے ۱۹ر اوزان میں ہی شاعری کے جوہر دکھائیں ہیں''

آگے میر تقی میر نے ۱۰ر بحروں کے صرف ۲۴ر اوزان کو برتا ہے۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا کہ رضا اوزان و بحور کے استعمال میں اپنے معاصر شعرا پر سبقت رکھتے ہیں، اس کی

وجہ یہ ہے کہ ان کو علم عروض پر مکمل دسترس تھی۔

رضا نے دوسروں کی زمین میں بھی نعت لکھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔ انہوں نے مشکل سے مشکل زمینوں میں طبع آزمائی ہے اور دوسروں کی زمینوں میں بھی۔ کیوں کہ کسی کی بھی زمین میں نعت لکھی جاسکتی ہے اس میں کوئی پابندی نہیں ہے اگر وہ عار محسوس کرتے تو غالب کی زمین میں ہرگز طبع آزمائی نہ کرتے۔ رضا نے غالب کی زمین میں ایک نہیں دو نہیں بلکہ تین نعتیں قلم بند کی ہیں۔ غالب کے 'کہ یوں' والی ردیف ''غنچہ نا شگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں'' اس پر شعرا لاکھ کوششوں کے بعد بھی کلام نہ لکھ سکے غالب اور رضا کے اشعار ملاحظہ کریں۔

غالب: غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

رضا: پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفی کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

غالب: جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کرہو رشک فارسی ؟
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کہ یوں

رضا: جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیشِ جلوہ زمزمہ رضا کہ یوں

غالب کی ایک اور غزل کی زمین پر رضا نے بہترین نعت قلم بند کی ہے۔ غالب کی غزل کے اور رضا کی نعت کے چند اشعار پیش ہیں:

غالب:

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

رضا:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

غالب:

دیر نہیں ، حرم نہیں ،در نہیں ، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں

رضا:

رخصتِ قافلہ کا شورغش سے ہمیں اٹھائے کیوں
سوتے ہیں ان کے سائے میں کوئی ہمیں جگائے کیوں

غالب:

قید حیات و بند غم،اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے، آدمی غم سے نجات پائے کیوں

رضا:

یادِ حضور کی قسم غفلت عِیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

غالب:

ہاں وہ نہیں خداپرست ، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز، اس کی گلی میں جائے کیوں

رضا:

جان ہے عشقِ مصطفی روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

رضا نے قافیہ بدل کر ایک اور نعت لکھی ہے۔ جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

رضا کا مطلع:

یادِ وطن ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بد نصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں

رضا کی نعتوں میں غزل کا رنگ ہے ان کی زیادہ تر نعتیں غزلیہ اسلوب میں ہیں۔ غالب کا مصرع ہے:

جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

رضا کا مصرع ہے:

دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

مذکورہ مصرعوں میں لفظ 'میں' کو 'سے' سے بدل کر رضا نے غزل کا رنگ بھر دیا ہے۔ انہوں نے نعتیہ شاعری غزل کے رنگ میں کی ایک شعر میں خود فرماتے ہیں:

آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاقِ طبع لذتِ سوزِ جگر کی ہے

ان کی غزلیہ شاعری کے متعلق کالی داس گپتا رضا رقمطراز ہیں:

''ان کی نعتیہ غزلیں مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی۔ عاشقانہ رنگ کے اشعار اکر دیے جائیں تو بقیہ اشعار ایک بہترین غزل کی شان کی حامل ہوں گے۔''

رضا صوت و آہنگ۔ ردیف و قافیہ کی موسیقیت سے اچھی طرح واقف تھے اسی لیے انہوں نے مصوتوں پر ختم ہونے والی قافیہ کا زیادہ استعمال کیا ہے۔ مصوت قافیہ یا ردیف کے اختتام پر ہو تو کلام کا صوتی آہنگ بڑھ جاتا ہے۔ ردیف کی تکرار اور پابندی سے کلام میں لطف و تاثیر اور موسیقیت بڑھ جاتی ہے۔ رضا نے بڑی کامیابی کے ساتھ ان کو اپنے کلام میں برتا ہے۔

صوتیاتی نقطہ نظر سے رضا کے کلام کا آہنگ بلند و بالا ہے۔ انفیائے آواز حروف و الفاظ کی تکرار، قافیہ و ردیف کی تکرار اور قوافی کے آخر میں مصوتوں کا استعمال انہیں انفرادیت عطا کرتا ہے۔

کلام رضا میں فارسی اضافت ''زیر'' کا استعمال اس چابک دستی سے ہوا ہے کہ کلام کی روانی برقرار اور کلام میں تناسب ہے، تنافر کا نام بھی نہیں ہے۔

مثال کے طور پر یہ مصرع ملاحظہ کریں:

ع فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
ع ابن زہرہ کو مبارک ہو عروسِ قدرت
ع بڑھا یہ سلسلہ رحمت کا دورِ زلف والا میں
ع حضرتِ آلِ رسولِ مقتدا کے واسطے
ع پیشِ ذراتِ مزارِ بیدلان سوختہ

اردو شاعری میں بعض لفظوں کی تکرار سے معنی میں فرق پیدا کیا جا سکتا ہے جیسے اسم عام کی تکرار سے ایک ایک اور ہر ایک کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ رضا نے اپنے کلام میں مذکورہ اسلوب کو خوب استعمال کیا ہے۔ اس سے ان کے کلام کی معنوی وسعت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ ان کے کلام میں افعال کی تکرار کم اور اسما کی تکرار زیادہ ہے جیسے گلی گلی یعنی ہر گلی میں، قدم قدم یعنی ہر قدم پر، گونج گونج، چمن چمن، بوند بوند، ہری ہری، بھری بھری، مرمر، مکرمکر، بچہ بچہ، شاخ شاخ، داغ داغ، باغ باغ، وغیرہ مذکورہ بالا لفظوں کی تکرار کی جھلک کلام رضا سے ملاحظہ کریں۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

واروں قدم قدم پہ کہ ہر دم ہے جانِ نو
یہ راہ جاں فزاں میرے مولیٰ کے در کی ہے

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

رضا نے افعال کی تکرار سے کثرت اور تواتر کا مفہوم پیدا کیا ہے جیسے دے دے، جھک جھک، ڈوبا ڈوبا، بڑھتے بڑھتے، مٹتے مٹتے، ابھی ابھی، گلے گلے، ہاں ہاں، لے لے، وغیرہ ان کی مثال میں اشعار ملاحظہ کریں۔

قسمیں دے دے کر کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے
پیارا اللہ تیرا چاہنے والا تیرا

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

اب تو لائی ہے شفاعت عفو پر
بڑھتے بڑھتے عام ہو ہی جائے گا

رضا کے کلام میں اردو، عربی، فارسی، زبانوں کے علاوہ ہندی، سنسکرت، علاقائی اور مقامی بولیوں کے بے شمار الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مختلف زبانوں کے الفاظ جو معنوی اعتبار سے ادب میں جگہ پانے کے حقدار تھے مگر ارباب سخن کی عدم توجہی کی بنیاد پر ادب میں جگہ پانے میں ناکام رہے۔ رضا نے اپنے کلام میں ان متروک الفاظ و دیگر زبانوں کے الفاظ اور علاقائی بولیوں کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ شعر کی روانی، تسلسل، تناسب، فصاحت و بلاغت میں دیگر زبان ہونے یا متروک الفاظ ہونے یا علاقائی بولی ہونے کی بدولت کوئی نقص عائد نہیں ہوا۔ بلکہ ان کے اشعار کے حسن میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ آج یہ الفاظ اردو کے بہترین سرمایہ بن گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اردو کے ہی ہو گئے ہیں متروک الفاظ کے متعلق ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اپنے مقالہ ''اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی'' میں تحریر کرتے ہیں:

''سہرا نور کا، توڑا نور کا، اہلا نور کا، اعلیٰ نور کا، یہ وہ الفاظ ہیں جو اردو میں متروک ہو جاتے اگر امام احمد رضا نے ان کو اپنی نعتوں میں استعمال نہ کیا ہوتا''

اب عربی، فارسی، ہندی سنسکرت اور اردو زبان کے الفاظ اس نعت میں ملاحظہ کریں۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

لک بدر فی الوجه الاجمل خط ہالہ مہ زلف ابرِ کرم
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

انا فی عطش وسخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

یاقافلتی زیدی اجلک رحمے بر حسرتِ تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

یہ صنعت مطلع کی ہے حالانکہ صنعت مطلع میں صرف دو زبانوں کا استعمال ہوتا ہے مگر رضا نے اس سے آگے بڑھ کر چار زبانوں پر مشتمل ۹ر اشعار قلم بند کیے ہیں۔ پوری اردو

شاعری میں اس طرح کا کلام کہیں نہیں ملتا ہے جو چار زبانوں پر مشتمل ہو۔عموما دو زبانوں کے اشعار گاہ بگاہ مل جاتے ہیں مگر چار زبانوں میں اشعار کسی بھی شاعر کے یہاں نہیں ملتے ۔ اس نعت کو مضمون آفرینی، عشق ومحبت کا جذبہ الفت کی وارفتگی ، زبان کی چاشنی ،عربی ،فارسی ، ہندی، سنسکرت زبانوں کے الفاظ اور تراکیب وترتیب نے نہ صرف نعتیہ شاعری بلکہ اردو شاعری کا شاہکار بنادیا ہے۔ چندن چندر پر وکنڈل سنسکرت کی ترکیب ہے۔ جیرالرجے پوربی زبان کے الفاظ ہیں ،تن ،دھن ، پت، بپت، ہندی زبان کے الفاظ ہیں ۔بھر ہندی رواج سے متعلق لفظ ہے مصوتوں کا بکثرت استعمال مسلسل اور صفیری آوازوں کی بہتات ،ردیف و قافیہ کا صوتی اجتماع ،آوازوں کے جوڑے رم جھم رم جھم ،راج تاج وغیرہ الفاظ نے موسیقیت کا سماں باندھ دیا ہے۔

اردو ،عربی ، فارسی ، ہندی، سنسکرت اور بھوجپوری وغیرہ زبانوں کے الفاظ درج ذیل منقبت میں ملاحظہ کریں۔

تورے دیکھن کوترسے جیرا یا عبد القادرجیلانی
کا ہو بد سو ہے سپنے میں درس دکھایا عبدالقادر جیلانی
تن من دھن سب وارت ہوں اب ساروں سہاگ اوتارت ہوں
شیاء للہ کی جپوں مالا یا عبد القادرجیلانی

۱۳ اشعار پر مشتمل اس منقبت میں اردو ، ہندی ،عربی ، فارسی، سنسکرت ،بھوجپوری زبانوں کے الفاظ رضا کی لسانی خصوصیات کی گواہی دیتے ہیں۔

نعت میں ضمائر کا استعمال غایت درجہ سلیقے کا متقاضی ہوتا ہے اس لیے ضمیر کے استعمال کے وقت یہ بات زیر غور رہنی چاہیے کہ کون سی ضمیر کس ذات کے لیے مناسب ہے لہذا ضمیر کے انتخاب میں سلیقے سے کام کیا جاتا ہے ورنہ معانی و مفاہیم کہیں کا کہیں پہونچ جائیں گے۔ رضا کے کلام میں ضمائر کا استعمال کثرت سے ہوا ہے لیکن ضمیر کے استعمال میں جس حسن وخوبی ،سلیقہ اور خوش اسلوبی درکارتھی سب کو مدنظر رکھ کر کیا ہے۔

ضمیر شخصی:

خدا تیرا خدا ہے تو خدا کا پاک بندہ ہے
خدا تو تو نہیں نورِ خدا ظلِ خدا تو ہے
تیری تعریف میں جتنا بڑھیں سب تجھ کو شایاں ہے
فقط اک ناروا یہ ہے کہ یوں کہیے خدا تو ہے
تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تیرے خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالقِ حسنِ ادا کی قسم
تیرا مسند ناز ہے عرش بریں تیرا محرم راز ہے روح امیں

ضمیر اشارہ:

رخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
یہ وہی ہیں جو بخش دیتے ہیں
کون ان جرموں پہ سزا نہ کرے

ضمیر موصولہ:

جان ہے عشقِ مصطفی روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں
جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خار پھرتے ہیں

ضمیر تنکیر:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتّے ہزار پھرتے ہیں

مصرعوں یا جملوں میں لفظی تکرار سے ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔ یہ صفت ضمیر، فعل، حرف وغیرہ کی ہو سکتی ہے، اس تکرار میں دونوں مصرعوں میں ایک ہی لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے اس سے کلام میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال ملاحظہ کریں۔

ضمیر کی تکرار:

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماویٰ ہے ہمارا
خاکی وہ آدم جد ِ اعلیٰ ہے ہمارا

فعل کی تکرار:

لحد میں عشق ِ رخ ِ شہہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

حرف عطف:

عرضِ احوال کی پیا سوں میں کہاں تاب مگر
آنکھیں اے ابر کرم تکتی ہیں رستہ تیرا

تمیز کی تکرار:

جس کو للکار دے آتا ہو تو الٹا پھر جائے
جس کو چمکار لے پر پھر کے وہ تیرا تیرا

حرف کی تکرار:

مجبور ہیں ہم تو فکر کیا ہے
تم کو تو ہے اختیار آقا

رضا کی نعتیہ شاعری میں اسمیت کا پلہ بھاری ہے فعل کا ہلکا ہے ۔جن اسما کا ذکر رضا کے ہاں ملتا ہے وہ ہیں عزت و اعتلائے محمد، عرش حق، زیر پائے، مکاں، فلک، فرش، فلک، خادمان، خدا، دو عالم، عجب رحم، فرما، خدائے محمد، جناب، الٰہی، عطر محبوبِ کبریا، عبد وصل وغیرہ۔

رضا نے اپنے کلام میں فارسی تراکیب کا کثرت سے استعمال کیا ہے یہ ایسی ترکیبیں ہیں جس کا استعمال رضا سے پہلے کم تھا۔

نئی نئی تراکیب ان کے کلام کا مخصوص حصہ ہیں یہ تراکیب دو لفظی بھی ہیں سہ لفظی اور چار لفظی بھی ہیں:

ع اشک برساؤں چلے کوچۂ جاناں سے نسیم
ع دل شدوں کا یہ ہوا دامن اطہر پہ ہجوم
ع بیدل آباد ہوا نام دیار دامن
ع عشق مولیٰ میں ہو خو بار کنار ِ دامن
ع تجھ سے اے گل میں ستم دیدۂ دشتِ حرماں
ع عکس افگن ہے بلالِ لبِ شہِ حبیب نہیں

رضا کی نعتیہ شاعری میں نحویاتی نقطہ نظر سے پانچ قسم کے اشعار ملتے ہیں پہلی قسم کے وہ اشعار ہیں جن میں ہر مصرع اپنی جگہ ایک جملہ ہے۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
غم ہوگئے بے شمار آقا
بندہ تیرے نثار آقا

دوسری قسم کے وہ اشعار ہیں کہ جن میں ایک جملہ ایک سے زائد اشعار میں مکمل ہوتا ہے:

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک

حسنِ سبطین ان کے جاموں میں ہے نیا نور کا
صاف شکلِ پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خط ِ تو ام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

تیسری قسم کے وہ اشعار ہیں جن میں پورا جملہ ایک شعر میں مکمل ہوتا ہے۔مثال درج ذیل ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود
دل کرو ٹھنڈا میرا وہ کف ِ پا چاند سا
سینے پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروروں درود

چوتھی قسم کے وہ اشعار ہیں جن میں ایک مصرعہ میں دو فقرے مل کر ایک جملہ مکمل کرتے ہیں۔

زمین و زماں تمہارے لیےمکین و مکاں تمہارے لیے
چنین و چناں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے
نظراک چمن سے دوچار ہے نہ چمن چمن بھی نثار ہے
عجب اس کے گل کی بہار ہے کہ بہار بلبلِ زار ہے

پانچویں قسم کے وہ اشعار ہیں جہاں ایک مصرع میں چار چار فقرے نظر آتے ہیں:

ع فرشتے خدم رسولِ حشم تمام اِمم غلام کرم
ع تمہاری چمک تمہاری دمک تمہاری جھلک تمہاری مہک
ع یہ فیض دیے وہ جود کیے کہ نام لیے زمانہ جیے
ع نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی کہیں

چوتھی اور پانچویں قسم کے مصرعوں میں قافیہ کی صفت پائی جاتی ہے رضا کے اشعار کے جملوں وفقروں کی ترتیب نحوی قواعد سے وابستہ ہے۔قوافی کی کثرت کے بعد بھی مصرع یا شعر میں کہیں کوئی جھول یا سکتہ نظر نہیں آتا۔

رضا نے اپنے کلام میں عربی وفارسی کے فقروں کا استعمال اس طرح سے کیا ہے کہ اب یہ فقرے اردو ہی کے معلوم ہوتے ہیں۔ان کو اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا اور نہ ہی ان کی جگہ دوسرے فقرے لائے جا سکتے ہیں۔ان کے کلام سے عربی وفارسی کے فقرے ملاحظہ کریں۔

ع ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
ع کیا کفایت اس کو اقرا ربک الاکرم نہیں
ع لاورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
ع نہ لطف اُدْنُ یا احمدُ نصیب لَنْ ترانی ہے
ع اے رضا چیست غم از جملہ جہاں دشمن تست
ع سایۂ دیوار وخاکِ در ہو یارب اور رضا
ع آتش گلہائے طیبہ کے جلانے کے لیے
ع شش جہت سمتِ مقابل شب وروز ایک ہی حال

رضا کے کلام میں ایک یہ بھی لسانی خصوصیت ہے کہ وہ فقروں کی تکرار سے پورا مصرع مکمل کرتے ہیں۔

ع کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں
ع تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
ع صرف ان کی رسائی ہے صرف ان کی رسائی ہے

رضا کی نعتیہ شاعری میں غزل کا رنگ بھرا ہوا ہے ان کی نعتوں میں جذبے کی شدت و پاکیزگی اور عشق کے جلوے نظر آتے ہیں ان کی نعتیہ شاعری کی داد داغ دہلوی بھی دی ہے ان کی نعت کا یہ مطلع۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

داغ دہلوی نے سنا تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ ''مولوی ہوکر ایسا اچھا شعر کہتا ہے''

(معارف رضا شمارہ ۱۹۸۲ کراچی کے حوالے سے۔ مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری ایک تحقیقی مطالعہ)

رضا کے کلام میں شیریں و مترنم آوازوں، الفاظ کی تکرار انفی مصوتوں اور مصمتوں کا برمحل استعمال، ہم قافیہ الفاظ کی بہتات، مترنم و سنگلاخ اوزان و بحور کا استعمال مصوتوں پر ختم ہونے والے قوافی، حرف کی تکرار، واؤ اور فارسی اضافت کا بر محل استعمال، ضمائر کا کثرت استعمال، افعال کی تکرار، متروک الفاظ کی تجدید، معاشرتی رسم و رواج والے الفاظ، عربی، فارسی، ہندی اور اردو زبانوں میں نعت، اسما کی تکرار مختلف ترتیب میں نعت، فارسی تراکیب، فقروں اور جملوں کا برمحل استعمال ان کے کلام کو بلند تر بنا دیتے ہیں۔

حواشی: احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا لسانی تجزیہ

نمبر	صفحہ نمبر	کتاب کا نام	مصنف کا نام	شائع کردہ	سنہ
۱	۴۴۴	ماہنامہ قاری	المیزان کا امام احمد رضا نمبر	ٹیا محل، دہلی	۱۹۸۹
۲	۴۴/۴۵	الملفوظ	امام احمد رضا بریلوی	مطبوعہ کانپور	۱۹۸۹
۳	۳۳	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی، ممبئی	۹۹۷
۴	۴۷	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی، ممبئی	۱۹۹۷
۵	۱۱۹	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی، ممبئی	۱۹۹۷
۶	۱۲۱	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی، ممبئی	۹۹۷
۷	۵۱	ادبی تنقید اور اسلوبیات	گوپی چند نارنگ	ایجوکیشنل پبلیشنگ	۱۹۸۹
۸	۹	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۹۹۷
۹	۹	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۰	۱۲	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۱	۵۱	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۲	۱۲۳	حدائق بخشش (اول)	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۳	۲۴۴	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۴	۲۴۷	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۵	۱۰۷	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۶	۱۰۸	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۷	۱۰۹	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۸	۲۵۲	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۱۹	۲۵۸	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۲۰	۲۳۷	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۲۱	۲۳۹	حدائق بخشش حصہ دوم	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۲۲	۱۳۳	ادبیات رضا ایک جائزہ	ڈاکٹر صابر سنبھلی	اشرفی کتاب گھر سنبھل	۱۹۹۷
۲۳	۱۳۳	ادبیات رضا ایک جائزہ	ڈاکٹر صابر سنبھلی	اشرفی کتاب گھر سنبھل	۱۹۹۷
۲۴	۱۳۳	ادبیات رضا ایک جائزہ	ڈاکٹر صابر سنبھلی	اشرفی کتاب گھر سنبھل	۱۹۹۷
۲۵	۱۱۱	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی	۲۰۰۳
۲۶	۱۶۰	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی، ممبئی	۱۹۹۷
۲۷	۱۱۲	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی	۲۰۰۳
۲۸	۶۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی، ممبئی	۹۹۷
۲۹	۱۱۰	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۰۰۳
۳۰	۶۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی، ممبئی	۱۹۹۷
۳۱	۱۱۰	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۲۰۰۳
۳۲	۶۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۳۳	۱۱۱	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۲۰۰۳
۳۴	۶۲	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۳۵	۱۱۱	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۲۰۰۳
۳۶	۶۲	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۳۷	۶۳	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۳۸	۱۱۱	دیوان غالب	مرزا اسد اللہ غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۰۰۳
۳۹	۶۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۰	۱۴۲	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۱	۴۷۴	ماہنامہ المیزان		امام احمد رضا نمبر ممبئی	
۴۲	۷	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۳	۱۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۴	۲۳	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۵	۱۰۰	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۶	۹۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۷	۲۴	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۸	۶۰	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۴۹	۶۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۵۰	۱۴۴	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷

۵۱	۱۱۶	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۵۲	۱۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۵۳	۲۶	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۵۴	۲۶	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	رضا اکادمی ممبئی	۱۹۹۷
۵۵	۴۸۰	اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۵۶	۲۷	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۵۷	۲۷	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۵۸	۲۷	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۵۹	۲۷	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۶۰	۲۸	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۶۱	۷۰	حدائق بخشش سوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۶۲	۷۱	حدائق بخشش سوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۶۳	۸۴	حدائق بخشش سوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۶۴	۸۴	حدائق بخشش سوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۶۵	۵۳	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۶۶	۷۳	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۶۷	۱۶	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۶۸	۶۲	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۶۹	۶۵	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۷۰	۶۶	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۷۱	۲۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۷۲	۲۵۷	حدائق بخشش دوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۷۳	۱۲	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۷۴	۱۱۰	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۷۵	۲۰	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۷۶	۲۲	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۷۷	۵۷	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۷۸	۵۷	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۷۹	۵۷	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۸۰	۵۷	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۸۱	۵۸	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۸۲	۵۸	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۸۳	۶۵	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۸۴	۲۲	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۸۵	۱۷۴	حدائق بخشش دوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۸۶	۱۸۲	حدائق بخشش دوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۸۷	۱۸۳	حدائق بخشش دوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۸۸	۲۴۴	حدائق بخشش دوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۸۹	۲۴۷	حدائق بخشش دوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۹۰	۲۴۴	حدائق بخشش دوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۹۱	۲۴۵	حدائق بخشش دوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۹۲	۲۴۵	حدائق بخشش دوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۹۳	۲۴۶	حدائق بخشش دوم	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۹۴	۱۸	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۹۵	۷۰	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۹۶	۱۰۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۹۷	۱۲۴	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۹۸	۱۲۴	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۹۹	۲۰	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۱۰۰	۷۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۱۰۱	۹۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۱۰۲	۱۰۳	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۱۰۳	۷۱	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۱۰۴	۱۰۶	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۱۰۵	۱۲۸	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۱۰۶	۶۵	حدائق بخشش اول	امام احمد رضا بریلوی	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل	۲۰۰۸
۱۰۷	۱۵۵	معارف رضا		کراچی پاکستان	۱۹۸۲

☆☆☆

حضرت مولانا انیس عالم سیوانی، لکھنؤ

ردّ بد مذہباں حدائق بخشش کی روشنی میں

اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی (۱۲۷۲ / ۱۳۴۰ھ) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، ادھر چالیس پچاس سالوں میں امام احمد رضا پہ جتنا لکھا گیا، شاید ہی کسی مذہبی شخص پہ اتنا لکھا گیا ہو، امام احمد رضا کی شخصیت کا تنوع اور آپ کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کا احاطہ بہت مشکل ہے، چونکہ امام موصوف کے مواہب وکمالات اکتسابی نہیں بلکہ عطائی وموہوبی تھے، اپنی محنت اور مطالعہ سے آدمی اس مقام تک رسائی نہیں حاصل کرسکتا۔

جس جہت اور زاویہ سے دیکھیں فاضل بریلوی یکتا وتنہا نظر آتے ہیں، اسی لئے علمائے عصر اور فقہائے دہر نے انہیں اپنا امام اور پیشوا تسلیم کیا، بہت سے وہ حضرات جو بظاہر کوئی نسبت نہیں رکھتے مثلاً نہ وہ تلامذہ میں سے تھے نہ اساتذہ کی جماعت سے نہ سلسلۂ بیعت کے اعتبار سے کوئی تعلق پھر بھی علمی اور تحقیقی لحاظ سے امام موصوف کے مدّاح اور ثنا خوان ہیں، بالخصوص فقہ وافتا اور ردّ وہابیہ میں تو زمانہ بھر کے اہل علم ان کے خوان فضل وکمال سے امیدوار، فقہ وفتاویٰ کے جزئیات اور اصول کے بحر ناپیدا کنار، علمائے عصر کی کیا وقعت، اگلوں میں نمایاں حیثیت کے حامل، جس حکم شرعی کے اثبات وانکار پر قلم اٹھایا، دلائل کے انبار لگادیئے، جزئیات کا خزانہ لٹادیا، اس فن کے ماہرین دست بستہ نظر آئے، آپ کی ذات ستودہ صفات میں یوں تو بیشمار اوصاف حمیدہ اور محاسن جمیلہ پائے جاتے ہیں لیکن وہ اوصاف جن کی پہچان امام بن گئے یا جن کی بنا پر امام احمد رضا پہچانے گئے ان میں سے ایک آپ کا عشق رسول ہے، دوسرا نمایاں وصف احقاق حق وابطال باطل اور تیسرا کمال تفقہ دینی ہے، فاضل بریلوی کی حیات مبارکہ ان تین اوصاف کے محور پر گردش کرتی ہے، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ دار اور احقاق حق وابطال باطل میں فاروقی تیور سے آراستہ اور فقہ وافتا تو جیسے ان کا آبائی ورثہ تھا، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسا عشق کہ جان ومال سب ان کے نام پر نثار، وہ فرماتے ہیں

کروں تیرے نام پر جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

اسی لئے ہر وہ شخص اعلیٰ حضرت کو محبوب تھا اور ہر وہ شئ پیاری تھی جس کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور اسی طرح جس کسی کو محبوب خدا کی بارگاہ کا ادنیٰ

گستاخ پایا اس سے جانی دشمن سے زیادہ عداوت فرمایا اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ہمارے آقا علیہ السلام کا فرمان والا شان اظہر واوضح طریقے پر مذکور ہے، الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

اسی نبیاد پر علمائے زمانہ نے آپ کو مجدد کے لقب سے یاد کیا اور بالکل یہ آپ کا حق تھا، اس لئے کہ ابطال باطل کے لئے جس سرفروشانہ انداز میں آپ میدان میں اترے وہ آپ ہی کا حصہ تھا، گالیاں دی گئیں، مطعون کیا گیا، نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی لیکن آپ کے قدم پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ ہر لمحہ للکارتے رہے اور کہتے رہے

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعدا سے کہدو خیر منائیں نہ شر کریں

آپ کے گوہر آبدار قلم کی برکتیں ہزارہا صفحات پر بکھری ہوئی ہیں۔سیکڑوں کتب ورسائل، تصنیف وتالیف اور حواشی وافادات کی شکل میں منصہ شہود پر آچکے ہیں،

جس صفحہ پر نظر ڈالئے ایک طرف محبوب کی بارگاہ میں والہانہ اور غلامانہ انداز وہیں دوسری طرف آقا کے غدّاروں، دین کے نام پر یہود وہنود کے آلۂ کاروں کے خلاف شمشیر برہنہ نظر آتے ہیں، خدا اور سول کے دشمنوں کے لئے امام موصوف قہرالٰہی اور برق آسمانی بن جاتے ہیں، خدا کے محبوب کی بارگاہ میں اہانت کرنے والوں کو امام احمد رضا نے ایسا کرارہ جواب دیا، ایسی ضرب لگائی کہ دنیا بھر کی وہابیت اس درد کا احساس قیامت تک کرتی رہے گی، امام احمد رضا فرماتے ہیں:

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

دنیا بھر کے وہابیوں، نجدیوں، قادیانیوں، دیوبندیوں، شمع نیازیوں، رافضیوں، تبّرائیوں اور صلح کلیوں کی جماعت میں اگر تہلکہ مچتا ہے، بھگدڑ ہوتی ہے، ان کی شیطانی سلطنت کا پایہ لرزتا ہے تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے۔

اس لئے کہ آپ محبوب کے گستاخوں کو مارتے ہیں، پانی نہیں دیتے، انہیں ایک لمحہ کی مہلت نہیں دیتے، مرتد جماعتوں اور ان کے بہی خاہوں پر آپ ترس نہیں کھاتے، چوطرفہ حملہ کرتے ہیں اور ان کی بد اعتقادی وبدمذہبی کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکتے ہیں، دنیائے کفر وارتداد کل بھی امام احمد رضا کے نام سے گھبراتی تھی اور آج بھی ہراساں ہے، امام کا ہر فتویٰ، ہر تصنیف، ہر تحریر، ہر سطر ردّ وہابیہ ودیابنہ سے مملو ہے، یہاں تک کہ آپ نے حمد ونعت کہی وہاں بھی دشمنوں کو موقع نہ دیا، آپ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' کو شروع سے اخیر تک پڑھ جائیے شاید ہی کوئی کلام ہو جس میں آپ نے اہل سنت کے معتقدات کا اثبات، نجدیوں وہابیوں اور شیعوں کی تردید ومذمت نہ کی ہو، آپ کی اور کوئی کتاب آدمی نہ پڑھے صرف حدائق بخشش ہی پڑھ لے تو ضرور وہ پکار اٹھے گا

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

آج کل اہل سنت کے مدارس کے بہت سے فارغین اور مفاد پرست مولوی یہ کہتے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ کیا ضروری ہے کہ ہم بار بار وہابیوں دیوبندیوں کو بُرا کہیں اور ان کی تردید ومذمت کریں، یہ نظریہ اہل سنت کے لئے کتنا مضر

ہے، حق بیں نظروں سے پوشید نہیں، درحقیقت یہ فکر صلحکلیت کے بطن سے پیدا ہوئی ہے، لیکن اہل سنت کے امام نے آج سے سوسال پہلے ہی صلحکلی مولویوں کا جنازہ نکال دیا تھا، اس نظریہ کو امام عشق ومحبت نے یکسر مسترد فرما کر اہل حق، اہل ایمان کو یہ پیغام دیا کہ

ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں
چھیڑنا شیطان کا عادت کیجئے

اس شعر کا یہی مفہوم ہے کہ باطل فرقوں کا ردّ ہمیشہ کرتے رہیں، ان کی بد اعتقادی کے پردے چاک کرتے رہیں، بد مذہبوں سے یارانہ، ان کے ساتھ میٹنگ اور جلسہ، ان کی نگرانی میں مدرسہ یا اسکول کھولنا سنیت کی خدمت نہیں بلکہ اہل سنت کیساتھ دھوکہ اور فریب ہے،

اعلیٰ حضرت نبی کی نعت پڑھتے ہیں، وہاں بھی نبی کے دشمنوں کی توہین آمیز تحریروں اور عقائد کا ردّ کرتے ہیں فرماتے ہیں

گلہ نہیں ہے مرید رشید شیطاں سے
کہ اس کی وسعتِ علمی کا لاغ لے کے چلے
ہر ایک اپنے بڑے کی بڑائی کرتا ہے
ہر ایک مغبچہ مغ کا ایاغ لے کے چلے

یہاں مرید رشید شیطاں سے مرادا مولوی رشید احمق گنگوہی ہے جس نے اپنی ناپاک کتاب البراہین القاطعہ میں حضورا قدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو شیطان کے علم سے کمتر بتایا ہے

وہابیوں کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کے مالک ومختار نہیں جیسا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی بدنام زمانہ فسادی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھا ہے اس کا ردّ فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں

تیرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے عرّانے والے

وہابیوں کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے اور بعض دریدہ دہنوں نے اس جرم کی صفائی دیتے دیتے یہاں تک کہہ دیا کہ امکان کذب باری تعالیٰ مسلّمات اہل سنت سے ہے معاذ اللہ رب العالمین وہابی مولویوں کی لادینیت کو سمجھنے کے لئے پڑھیں، رسالہ یک روزی مصنفہ اسمٰعیل دہلوی، فتاویٰ رشیدیہ از مولوی رشید احمد گنگوہی، الجہد المقل فی المعز والمذل مؤلفہ محمود حسن دیوبندی، اعلیٰ حضرت نے ان ظالموں کی خوب خبر لی، فرماتے ہیں:

مگر خدا پہ جو دھبّہ دروغ کا تھوپا
یہ کس لعیں کی غلامی کا داغ لے کے چلے
وقوع کذب کے معنی درست اور قدّوس
ہئے کی پھوٹے عجب سبز باغ لے کے چلے
جہاں میں کوئی بھی کافر سا کافر ایسا ہے
کہ اپنے رب پہ سفاہت کا داغ لے کے چلے

فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے زاغ معروفہ (کالا کوّا) کھانے والے کو ثواب ملے گا

اعلیٰ حضرت خبر لیتے ہیں اور فرماتے ہیں

پڑی ہے اندھے کو عادت کے شوربے ہی سے کھائے
بٹیر ہاتھ نہ آئی تو زاغ لے کے چلے

خبیث بہر خبیثہ خبیثہ بہر خبیث
کہ ساتھ جنس کو باز وکلاغ لے کے چلے
جو دین کوؤں کو دے بیٹھے ان کو یکساں ہے
کلاغ لے کے چلے یا الاغ لے کے چلے

اعلیٰ حضرت نے اگر ایک طرف اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و برتری بیان فرمائی ہے، اپنے نظریات کے اثبات میں دلائل پیش کیے ہیں وہیں دشمنان خدا ورسول کی خوب خوب دھجیاں اڑائی ہیں

بعض نادان یہ کہکر جاہلوں سے داد و تحسین حاصل کرتے ہیں کہ وہابی نجدی کہکہ ہم اپنی زبان کیوں خراب کریں، ردّ کریں لیکن نام نہ لیں تاکہ سب خوش رہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم

اعلیٰ حضرت پر اعتماد رکھنے والوں کے لئے یہ بہانہ زہر ہلاہل ہے، افسوس جو لوگ اپنے کو مناظر اور نہ جانے کن کن القابات کے حامل سمجھتے ہیں وہ اگر یہ کہیں کہ ہر بات میں ردّ وابطال یا اہل باطل کا نام لیکر تردید کرنا ضروری نہیں انہیں اعلیٰ حضرت کا نام لینے کا یا تو حق نہیں یا پھر وہ حضرات اعلیٰ حضرت کی تعلیمات سے غافل ہیں، اور اگر یہ دونوں وجہیں نہیں ہیں تو پھر ضرور ضرور ایسے لوگ لالچی، ضمیر فروش اور مذہب ومسلک کے سوداگر ہیں، آدمی پیر سے لنگڑا ہو یہ بہت بڑا عیب نہیں، عیب تو یہ ہے کہ آدمی کا ذہن و دماغ لنگڑا ہو جائے، صحیح العقیدہ سنیوں سنو! اعلیٰ حضرت کیا کہتے ہیں اور کس طرح نام لے لے کر ردّ وابطال فرما رہے ہیں

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا
دل تھا ساجد نجدیا پھر تجھ کو کیا
ان کے نام پاک پر دل جان ومال
نجدیا سب تج دیا پھر تجھ کو کیا
دیو کے بندوں سے کب ہے یہ خطاب
تو نہ ان کا ہے نہ تھا پھر تجھ کو کیا
نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی
یہ ہمارا دین تھا پھر تجھ کو کیا
دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض
ہم ہیں عبد المصطفیٰ پھر تجھ کو کیا
تیری دوزخ سے تو کچھ چھینا نہیں
خلد میں پہنچا رضا پھر تجھ کو کیا

ان تمام اشعار میں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخ وہابیہ کو نجدی، نجدیا، دیو کے بندوں کہکر مخاطب کیا ہے، ایک جگہ اس طرح فرماتے ہیں:

ستم کوری وہابی رافضی کی
کہ ہندو تک تر اقائل ہے یا غوث
وہ کیا جانے گا فضل مرتضیٰ کو
جو تیرے فضل کا جاہل ہے یا غوث

درج بالا اشعار میں امام اہل سنت نے وہابی اور شیعہ فرقہ کا نام لیکر مذمت کی، فرمایا کہ وہابیوں اور رافضیوں کی بے وفائی ہے کہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل وکمال کے منکر ہیں حالانکہ کافر ومشرک ہندو بھی غوث اعظم کی قدرت وکرامت کے قائل ہیں،

وہابی اولیاء اللہ کے دشمن تو ہیں ہی، رافضی حضرت

غوث اعظم کے دشمن ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں حضرت علی کی محبت کا، حالانکہ جو غوث اعظم کے فضل سے بے بہرہ ہے وہ مولیٰ علی کے مقام کو کیا سمجھ پائے گا۔

بد ہیں مگر انہیں کے ہیں باغی نہیں ہیں ہم
نجدی نہ آئے اس کو یہ منزل خطر کی ہے
تف نجدیت نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف
کافر ادھر کی ہے نہ اُدھر کی اَدھر کی ہے

نجدی اپنی بد اعتقادی کے سبب مسلمان نہیں اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، حالانکہ یہ بیچ میں اٹکے ہوئے ہیں۔

اخیر میں اعلیٰ حضرت کے فارسی کلام سے تردید بد مذہب کی چند مثالوں کیساتھ اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں ملاحظہ ہو

بلا بارید حُبّ شیخ نجدی بر وہابیہ
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا
وہابی گرچہ اخفا میں کند بغض نبی لیکن
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا
توہب گاہ ملک ہند اقامت را نمی شاید
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جو لوگ کلمہ پڑھنے کا دعویٰ کرتے ہیں دوسری طرف خدا و خدا کے محبوبوں کی شان میں نازیبا الفاظ لکھتے اور بولتے ہیں، باوجود تنبیہ و ہدایت کے اپنی فاش غلطیوں پر نادم ہوکر رجوع وتوبہ کرنے کی بجائے حیلہ بہانہ کرتے ہیں ایسے لوگوں کے غلط افکار ونظریات کا ردّ نام لیکر کرنا جرم نہیں بلکہ ایمان اور محبت کی دلیل ہے۔

ہاں! جو مولوی، مقرر، شاعر، مدرس اور نام نہاد دانشور بد مذہب جماعتوں کے ذکر وردّ سے منع کرتے ہیں اور اُن خبیث وبدباطن لوگوں کے لئے نرم رویہ اختیار کرتے ہیں وہ صلحکلی ہیں ان سے اہل سنت کے افراد کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر سراج احمد قادری

مولانا احمد رضاؔ بریلوی اور مولانا حسنؔ رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کا ایک موازناتی مطالعہ

موازنہ لغت میں ہم وزن ہونا۔ دو چیزوں کا باہم وزن ہونا کہتے ہیں۔ اردو ادب میں موازنہ کی روش بہت قدیم ہے۔ جب ہم طالب علم تھے تو اکثر ہم سے امتحانات میں ایک ہی موضوع پر دو ہم عصر شاعروں یا نثر نگاروں کی تخلیقات کے حوالے سے انکی شاعرانہ خوبیوں یا نثر نگاری کی عظمت کے بارے میں موازناتی سوالات کئے جاتے تھے۔ اور ہم انکے اشعار یا نثری تخلیقات کا باہم موازنہ کر کے انکے مقام و مرتبے کا تعین کرتے تھے کہ اس شاعر یا نثر نگار کی فکری پرواز اس مقام پر گامزن ہے۔

موازنے کا مقصد و مطلب صرف اور صرف اس صنف میں شاعر یا نثر نگار کے مقام و مرتبے کا تعین یا اسکی فکری سر بلندی کی زیبایش کو نمایاں کرنا ہے، نہ کہ کسی کی تضحیک یا کسی کو کم تر ثابت کرنا۔ موازنے میں ایک دوسرے کی شخصیت لازم و ملزوم کا درجہ رکھتی ہے۔ جسکو ایک مثال کے ذریعے بایں طور سمجھا جا سکتا ہے۔ جیسے علم الاعداد میں ایک اور دو کا ہندسہ۔ علم الاعداد میں ایک اور دو الگ الگ ہندسے ہیں۔ اور دونوں کا الگ الگ مقام و مرتبہ اور معنیٰ و مفہوم ہے۔ مگر بغیر ایک دوسرے کے، ایک دوسرے کو سمجھنا ممکن نہیں۔ ماہرین علم الہندسہ نے ایک کے (عدد) کی تعریف۔ احدالاثنین سے کی ہے۔ یعنی دو کا ادھا ایک۔ جسکا واضح مفہوم یہی ہوگا کہ بغیر دو کے ایک کا تصور ممکن ہی نہیں اور دو کا وجود بغیر ایک کے ممکن نہیں۔ گویا کہ ایک اور دو عدد ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اگر کسی شاعر یا نثر نگار کو کسی مقام پر اپنے ہم فکر شاعر یا نثر نگار پر اوّلیت کا شرف حاصل ہے تو اسکے ثانی کی وجہ سے ہے نہ کہ بذات خود۔ گویا کہ ثانی کی منظوم یا منثور تخلیقات نے اسکو اوّلیت کا شرف عطا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

جب ہم اس موضوع پر اردو ادب میں تحریر کی جانے والی کتابوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں علامہ شبلی نعمانی کی ''موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ'' انفرادی طور پر نظر آتی ہے۔ علامہ نے اس کتاب میں بڑی چابکدستی سے میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مرثیوں کا موازنہ کیا ہے۔ مگر کہیں کہیں انکے ہاتھ سے اعتدال کا دامن چھوٹتا ہوا نظر آتا ہے، وہ موازنے کے بجائے کڑی تنقید کی راہ پر چل پڑتے ہیں۔ کہیں تو وہ مرزا دبیر پر کڑی چوٹ کرتے ہوئے انکی شاعری میں جملہ خوبیوں کے منکر نظر آتے ہیں اور کہیں انکی شاعری میں بلاغت کے معترف

ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل اقتباسات کے مطالعے سے قارین کرام پر خود ہی واضح ہو جائیگا۔ اس طرح انکی اس کتاب میں تناقض کی غمازی بھی نظر آتی ہے۔ ممکن ہے یہ میری کورفہمی یا کم فہمی ہو مگر جس چیز کو میں نے محسوس کیا ہے اسکا اظہار میں نے کر دیا۔ اس سے اگر چہ حقیقت کا اظہار مقصود ہے مگر اپنی اصلاح بھی مطمح نظر ہے۔ چنانچہ وہ میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنے میں فرماتے ہیں۔

''شاعری کس چیز کا نام ہے کسی چیز' کسی واقعہ' کسی حالت' کسی کیفیت کا' اس طرح بیان کیا جائے کہ اسکی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ دریا کی روانی' جنگل کی ویرانی' باغ کی شادابی' سبزہ کی لہک' پھولوں کی مہک' خوشبو کی لپٹ' نسیم کے جھونکے' دھوپ کی سختی' گرمی کی تپش' جاڑوں کی ٹھنڈ' صبح کی شگفتگی' شام کی دل آویزی' یا رنج وغم' غیظ وغضب' جوش ومحبت' افسوس وحسرت' عیش وطرب' استعجاب و حیرت' ان چیزوں کا اس طرح بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلوں پر چھا جائے' اسی کا نام شاعری ہے۔

اس کے ساتھ الفاظ میں فصاحت' سلاست' روانی' بندش میں چستی' اور چستی کے ساتھ بے تکلفی' دل آویزی اور برجستگی' لطیف اور نازک تشبیہات اور استعارات' اصول بلاغت کے مراعات ان تمام اوصاف میں سے کون سی چیز مرزا دبیر میں پائی جاتی ہے۔ فصاحت انکے کلام کو چھو نہیں گئی۔ بندش میں تعقید اور اغلاق' تشبیہات اور استعارات' اکثر دور از کار' بلاغت نام کو نہیں' کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہیں' خیال آفرینی اور مضمون بندی البتہ ہے' لیکن اکثر جگہ اسکو سنبھال نہیں سکے۔ ۱؎

اور دوسری جگہ پر تحریر فرماتے ہیں۔

''یہ وہ چیز ہے جہاں انیسؔ اور دبیرؔ کی شاعری کی سرحدیں' بالکل الگ ہو جاتی ہیں' مرزا صاحب کی شاعری میں بالفرض گو اور تمام اوصاف پائے جاتے ہیں' لیکن بلاغت کا شایبہ نہیں پایا جاتا۔'' ۲؎

اور آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

''میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے موازنے میں عموماً میر انیسؔ کی ترجیح ثابت ہوگی لیکن ہر کلیے میں مستثنا ہوتا ہے۔ بعض موقعوں پر مرزا دبیرؔ صاحب نے جس بلاغت سے مضمون کو ادا کیا ہے' میر انیسؔ سے نہیں ہوسکا۔'' ۳؎

درحقیقت فصاحت وبلاغت زبان وبیان کی وہ خوبی ہے جو سبکو عطا نہیں ہوتی اور شاعری کی روح فصاحت وبلاغت ہی ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے سب کے منھ میں زبان دی ہے۔ مگر زبان وبیان کا سلیقہ سبکو میسر نہیں۔ زبان وبیان میں وہ خوبی ہو تی ہے کہ وہ اپنے سامنے والے انسان کو اپنی گرفت میں ایسے ہی لے لیتی ہے جیسے کہ لوگ ''زلفوں کے اسیر ہو جایا کرتے ہیں'' یا ''اک نگہ میں غلام ہو جایا کرتے ہیں''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اسی لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا وزیر بنانے کیلیے دعاء کی تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زبان پر قدرت عطا فرمائی تھی۔ جس سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اپنی قوم تک اچھی طرح پہنچا سکیں

۔شاید مرزا غالبؔ دہلوی نے اسی لیے اپنے بارے میں فرمایا تھا۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا حسن رضا خاں بریلوی دونوں حقیقی بھائی ہیں اور دونوں اپنے وقت کے مستند نعت گو شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔اس بات پر دانشوروں کا اتفاق ہے کہ انکی نعت گوئی مکمل طور پر میزان شریعت پر پوری اترتی ہے۔ یہ دونوں ایسے نعت گو شاعر ہیں جنکا کلام افراط وتفریط سے پاک ومنزہ ہے اور مابعد کے نعت گو شعرا کے لیے مشعل راہ بھی ہے۔

مولانا احمد رضاؔ خاں رضا بریلوی شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء بزشنبہ بوقت ظہر شہر بریلی میں پیدا ہوئے اور ۲۵؍صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو شہر بریلی ہی میں محلہ سوداگران میں وصال فرمایا۔اور مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی ۲۲؍ربیع الاوّل ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۱۸۵۹ء کو محلہ سوداگران' بریلی میں پیدا ہوئے' اور ۳؍شوال المکرم ۱۳۲۶ھ کو محلہ سوداگراں میں ہی وصال فرمایا۔

مولانا احمد رضا خاں رضاؔ بریلوی کی شاعری کا جب ہم غایر نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں انکی شاعری میں عشق مصطفی ﷺ کی ایسی جلوہ سامانیاں نظر آتی ہیں کہ عقل انگشت بدنداں نظر آتی ہے۔انکی شاعری مدحت مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا خزینہ ہے کہ جسکی نظیر اردو شاعری پیش کرنے سے قاصر ہے۔مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے ایسے جید عالم دین تھے کہ جنکی راسخ العلمی کا اعتراف اپنے اور غیر سبھی نے کیا ہے۔ وہ مصطفی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے کسی شاعر کو اپنا استاذ بنانا گوارہ ہی نہیں کیا، انہوں نے صاف صاف اعلان فرمایا کہ نعت گوئی میں اگر کسی کو اپنا استاذ بنایا جا سکتا ہے تو صرف اور صرف حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، اس لیے کہ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ ذات ہے کہ جنکی پزیرائی کے لیے اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف میں ممبر بچھایا انکی ستایش فرمائی۔اور دعاؤں سے نوازا کہ حسّان جب تک تم میری مدح وثنا میں لگے رہو گے حضرت جبریل تمھاری مدد میں لگے رہیں گے، اسی لیے تو فخر و انبساط کے ساتھ فرماتے ہیں۔

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرتِ حساں بس ہے

نیز فرماتے ہیں کہ نعت گوئی کے آداب قران سے بہتر کون بتا سکتا ہے جو جان شریعت ہے۔قران نعت گوئی کی رہ نمائی کے لیے کافی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

قران سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

استاز زمن مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی کی شخصیت وشاعری کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ فصیح الملک بلبل ہند مرزا داغؔ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے شعر گوئی کا آغاز اولاً غزل گوئی سے کیا۔لیکن جب

انکے بڑے بھائی مولانا احمد رضؔا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے انکو اسکی بے ثباتی کا احساس دلایا تو وہ غزل گوئی سے منحرف ہوکر نعت گوئی کی جانب متوجہ ہوگئے اور پھر (۴) آخری دم تک مصطفی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں رطب اللسان رہے۔

غزل گوئی کے زمانے میں انہوں نے فصیح الملک، بلبل ہند مرزا داغؔ دہلوی کے سامنے زانوے ادب تہ کیا۔اس لیے کہ انکو اردو ادب کی محبوب ترین صنف، صنف غزل سے گہرا شغف تھا۔وہ اس صنف میں مقام پیدا کرنا چاہتے تھے۔جس گھڑی انہوں نے آغاز سخن فرمایا اس وقت مرزا داغؔ دہلوی کی سخن وری کا شہرہ عام تھا۔داغؔ کی شعریت کی دھوم پورے ہندوستان میں مچی ہوئی تھی۔اسی لیے انہوں نے بھی وقت کی نزاکتوں کا احساس کرتے ہوئے مرزا داغؔ دہلوی سے ہی مشورۂ سخن لینا بہتر سمجھا اور پھر داغؔ کی شاگردی اختیار کر لی۔ کچھ ہی دنوں کی مشق ومزاولت کے بعد استاذ داغؔ دہلوی کے رنگ میں غزلیں کہنا شروع کر دیں اور سخن وری میں اس مقام پر پہونچ گئے کہ انکی بعض غزلوں کو دیکھ کر یا پڑھکر داغؔ دہلوی کی غزل کا گمان ہونے لگتا ہے۔مگر افسوس اس بات کا ہے کہ اردو ادب کی تاریخ کے مرتبین نے انکے ساتھ انصاف نہیں کیا۔اور ادب میں انکو جو مقام ومرتبہ ملنا چاہیے تھا وہ آج تک نہیں مل سکا۔ایسا لوگوں نے کیوں کیا؟ بات سمجھ میں نہیں آتی۔اور اگر کچھ مصنفین نے انکا ذکر کیا بھی ہے تو بس ایسے ہی سرسری طور پر جس کا کوئی خاص مطلب نہیں نکلتا، جیسا کہ مشہور مورّخ مولانا عبد السلام ندوی صاحب نے اپنی کتاب ''شعر الہند'' جلد اوّل' دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ ایڈیشن ۲۰۰۹ء کے صفحہ ۳۲۶ تا ۳۳۲ پر کیا ہے۔مگر یہ ذکر صرف انکے منتخب اشعار پر ہی مبنی ہے اور اپنی اسی تصنیف ''شعر الہند'' جلد اول کے صفحہ ۳۲۰ر پر ہی بڑے سلیقے سے معذرت کے ساتھ رقم طراز ہیں۔

''نواب مرزا داغؔ کے تلامذہ میں بیخودؔ بدایونی، بیخودؔ دہلوی، نسیمؔ بھرت پوری، نوحؔ ناروی، سائلؔ دہلوی حسنؔ بریلوی، آغا شاعر دہلوی، بیباکؔ، حیرتؔ آزادؔ، رساؔ، فیروزؔ شاہ رامپوری، احسن مارہ روی اور اشک وغیرہ مشہور ہیں۔اور ان میں بعض صاحب دیوان بھی ہیں۔لیکن افسوس ہے کہ میرؔ وجلالؔ کے تلامذہ کی طرح ہم کو ان کے دواوین دستیاب نہ ہو سکے کہ ہم ان کے متعلق تفصیلی رائے قائم کر سکتے۔''۴

اگر مولانا محترم نے قدرے کوشش کر کے انکے احوال وآثار پر بھی روشنی ڈالی ہوتی تو جب کوئی ادب کا طالب علم انکی اس کتاب کا مطالعہ کرتا تو اسے انکے حولے سے مایوسی کا احساس نہیں ہوتا۔منتخب اشعار کے مطالعے سے انکی شعر گوئی کا پہلو تو نمایاں ہو جاتا ہے، مگر انکی شخصیت کا پہلو تشنہ رہ جاتا ہے۔میں مولانا محترم کے اس تذکرے کو آدھا ادھورا تذکرہ ہی مانتا ہوں اس لیے کہ جس سے کسی کی ذات کا کوئی پہلو مخفی رہ جائے تو وہ اس کا جامع اور مکمل تذکرہ نہیں ہوسکتا۔جامع اور مکمل تذکرہ تو جبھی ہوسکتا ہے کہ جب اسکی شخصیت کے جمیع پہلوؤں کا احاطہ ہوجائے کوئی بھی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔اور جب کوئی مطالعہ کرنے والا یا ادب کا طالب علم اسکا مطالعہ کرے تو وہ مکمل طور پر مطمئن ہو جائے کسی طرح کی اسے تشنگی نہ محسوس ہو۔

حضرت مولانا احمد رضؔا خاں بریلوی اور استاذ زمن علامہ

حسنؔ رضا خان بریلوی علیہم الرحمہ کی نعتیہ شاعری کے موازنے پر کئی بار میں نے قلم اٹھانے کی کوشش کی مگر ہر بار میں یہ سوچ کر قلم رکھ دیتا تھا کہ کہیں میری یہ فکر اور میرا یہ عمل انکے معتقدین کی نظر میں کسی جرم کا (۵) ارتکاب نہ قرار پا جائے اور میں ان کے عتاب کی نذر نہ ہوجاؤں۔ جبکہ میری نیت صاف ہے میں خود انکے معتقدین میں سے ہوں لیکن میں بار بار اس خوف وحراس کی منزل سے گزرا ہوں، میرا ماننا ہے کہ ادب کی ہر اس صنف یا علم وفن کے ہر اس زاوے سے انکی شخصیتوں کو پرکھا جانا چاہے جس پہلو یا گوشے پر بھی انکی شخصیت کو اہل علم کے سامنے بہ سے بہتر انداز میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

جس وقت میں ''مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی نعتیہ شاعری'' پر کانپور یونیورسٹی، کان پور سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ قلم بند کر رہا تھا تو ایک بار دوران گفتگو میرے نگراں محترم پروفیسر سید ابوالحسنات حقّی صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ پر انکے معتقدین سے زیادہ کسی نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا وہ کیسے تو انہوں نے فرمایا کہ انکے معتقدین نے ان کی علمی وادبی شخصیت کو صرف نظر کر کے صرف انکی کرامتوں کی تشہیر کی، جس سے انکی علمی وادبی حیثیت دب کر رہ گی، جبکہ کرامتیں تو علم کا پرتو ہیں۔

اس وقت مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' حصہّ اوّل دوم طبع شدہ رضا اکیڈمی، بمبئی ۲۵ رصفر المظفر ۱۴۱۸ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۹۷ء اور استاز زمن علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی ''کلیّات حسن''، جس میں انکے نعتیہ مجموعہ ''ذوق نعت'' کے علاوہ درج ذیل مجموعہ کلام ''وسایل بخشش''، ''صمصام حسن''، ''قند فارسی'' ''قطعات واشعار حسن'' بھی شامل اشاعت ہیں۔ پیش نظر ہے۔ ''کلیات حسن'' بھی رضا اکیڈمی، ممبئی ہی سے ۲۰۱۲ء میں طبع شدہ ہے۔

مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' حصہّ اوّل کی شروعات حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی درج ذیل نعت پاک سے ہوتی ہے جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالہ تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا
فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
میں تو مالک ہی کہونگا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا (۶)
دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا
ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سولاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا
تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

کس کا منھ تکیے کہاں جائیے کس سے کہیے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا
تیری سرکا میں لاتا ہے رضؔا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا ۵

علامہ حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی علیہ الرحمہ کے نعتیہ مجموعہ ''ذوق نعت'' کا آغاز دو حمد پاک سے ہوا ہے۔ دونوں حمد پاک کے کچھ منتخب اشعار درج کیئے جارہے ہیں۔جس کے مطالعے سے آپکو محسوس ہوگا کہ انکی حمدوں کا معیار کیا ہے؟ میرے اپنے خیال میں آج تک اردو ادب میں اس سے بہتر انداز میں کوئی حمد نہیں کہی جاسکی۔اگر چہ آج تک لوگ حمد پاک لکھ رہے ہیں اور خوب لکھ رہے ہیں۔

مگر عبد و معبود کے مابین جو رشتہ عظیم ہے اسکی نازکی اور عظمت پر سبکی نظر نہیں۔ انکے یہاں یہ پیرایہ بے مثل نظر آتا ہے۔فصاحت و بلاغت کا یہ عالم ہے کہ جو لفظ جس جگہ پر ہے وہیں نگینے کی طرح جڑا ہوا ہے۔ بندش وچستی ، خیال کی پاکیزگی ، ندرت تخیل وغیرہ اوصاف انتہائی عروج پر نظر آتے ہیں۔اور اس حمد پاک کی سب سے بڑی خوبی جو ہے وہ یہ کہ عبد و معبود کی سچی تصویر اس میں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے، ملاحظہ ہو پہلی حمد پاک کے کچھ اشعار۔

ہے پاک رتبہ فکر سے اس بے نیاز کا
کچھ دخل عقل کا ہے نہ کام امتیاز کا
شہ رگ سے کیوں وصال ہے آنکھوں سے کیوں حجاب
کیا کام اس جگہ خرد ہرزہ تاز کا
افلاک و ارض سب ترے فرماں پزیر ہیں
حاکم ہے تو جہاں کے نشیب و فراز کا
اس بے کسی میں دل کو مرے ٹیک لگ گئی

(۷)

شہرہ سنا جو رحمتِ بے کس نو از کا
تو بے حساب بخش کہ ہیں بے حساب جرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجاز کا
بندہ پہ تیرے نفس لعیں ہو گیا محیط
اللہ کر علاج مری حرص و آز کا
کیوں کر نہ میرے کام بنیں غیب سے حسنؔ
بندہ بھی ہوں تو کیسے بڑے کارساز کا ۶ ؎

اور دوسری حمد پاک کے اشعار اس طرح ہیں

فکر اسفل ہے مری مرتبہ اعلیٰ تیرا
وصف کیا خاک لکھے خاک کا پتلا تیر
طور پر ہی نہیں موقوف اجالا تیرا
کون سے گھر میں نہیں جلوۂ زیبا تیرا
ہر جگہ ذکر ہے اے واحد و یکتا تیرا
کون سی بزم میں روشن نہیں اکّا تیرا
پھر نمایاں جو سرِ طور ہو جلوہ تیرا
آگ لینے کو چلے عاشق شیدا تیرا
خیرہ کرتا ہے نگاہوں کو اجالا تیرا
کیجیے کون سی آنکھوں سے نظارہ تیرا
نئے انداز کی خلوت ہے یہ اے پردہ نشیں
آنکھیں مشتاق رہیں دل میں ہو جلوہ تیرا

سات پردوں میں نظر اور نظر میں عالم
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ معمّا تیرا
وحشی عشق سے کھلتا ہے تو اے پردہ ٔ یار

(۸)

کچھ نہ کچھ چاک گریباں سے ہے رشتہ تیرا
سچ ہے انسان کو کچھ کھو کے ملا کرتا ہے
آپ کو کھو کے تجھے پاے گا جویا تیرا
ہیں ترے نام سے آبادی و صحرا آباد
شہر میں ذکر ترا ، دشت میں چرچا تیرا
آمدِ حشر سے اک عید ہے مشتاقوں کی
اسی پردے میں تو ہے جلوہ ٔ زیبا تیرا
طور پر جلوہ دکھا یا ہے تمنائی کو
کون کہتا ہے کہ اپنوں سے ہے پردہ تیرا
کا م دیتی ہیں یہاں دیکھے ٔکس کی آنکھیں
دیکھنے کو تو ہے مشتاق زمانہ تیرا
مے کدہ میں ہے ترانہ تو اذاں مسجد میں
وصف ہوتا ہے نئے رنگ سے ہر جا تیرا
چاک ہو جائیں گے دل جیب و گریباں کس کے
دے نہ چھپنے کی جگہ راز کو پردہ تیرا
بے نوا مفلس و محتاج و گدا کون کہ میں
صاحب جود و کرم ، وصف ہے کس کا تیرا
آفریں اہلِ محبت کے دلوں کو اے دوست
ایک کوزے میں لیے بیٹھے ہیں دریا تیرا
اتنی نسبت بھی مجھے دونوں جہاں میں بس ہے
تو مرا مالک و مولیٰ ہے، میں بندہ تیرا
انگلیاں کانوں میں دے دے کے سنا کرتے ہیں

(۹)

خلوتِ دل میں عجب شور ہے برپا تیرا
اب جماتا ہے حسنؔ اسکی گلی میں بستر
خوب رویوں کا جو محبوب ہے پیارا تیرا ے

یوں تو اردو شاعری کا آغاز ہی حمد و مناجات سے ہوا ہے اور تقریباً اردو کے تمامی شعرائے کرام نے اپنی توفیق و بساط کے مطابق اپنی بندگی کا ثبوت اپنے رب کریم جلّ وعلیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا ہے مگر علامہ حسنؔ رضا بریلوی کی مندرجہ بالا حمد کا یہ شعر ے

انگلیاں کانوں میں دے دے کے سنا کرتے ہیں
خلوتِ دل میں عجب شور ہے برپا تیرا

اپنی نوعیت کا منفرد المثال شعر ہے جو ایک احساس کا پیغام ہے۔جسکی معنویت کا اندازہ علامہ اقبالؔ کے اس شعر کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے،فرماتے ہیں ے

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے

''یقیناً عشق کے دردمند کا طرز کلام یہی ہے'' کہ جس کے پڑھنے کے بعد طبعیت پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔بندۂ مومن ایک لمحے کے لیے ربّ کریم جلّ مجدہ کو اس قدر اپنی رگ جاں سے قریب تر محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس قربت کو اگر وہ الفاظ میں بیان کرنا چاہے تو بیان نہیں کر سکتا ہے، اس لیے کہ الفاظ ایسی تعبیر بیان کرنے سے قاصر ہیں صرف محسوس کیا جا سکتا ہے اور احساس دلایا جا سکتا ہے۔

جب ہم موازنے کی نظر سے مولانا احمد رضا خاں رضاؔ بریلوی کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' اور علامہ حسنؔ رضا بریلوی'' کے نعتیہ دیوان'' ذوق نعت'' پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ وقت کے اتنے بڑے عالم و امام ہوتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اردو زبان و ادب میں حمد باری تعالیٰ کے موضوع پر ایک بھی حمد پاک نہیں تحریر فرمائی جبکہ انکے چھوٹے بھائی علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے نعتیہ مجموعہ'' ذوق نعت'' میں دو حمدیں تحریر فرمائی ہیں۔آج بھی یہ سوال بار بار میرے دل و دماغ کو کریدتا رہتا ہے کہ آخر وہ کون سے عوامل تھے جسکی وجہ سے انہوں نے اردو زبان میں کوئی حمد نہیں تحریر فرمائی؟

علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی دونوں حمد پاک کے بعد ایک نعت پاک اپنے بڑے بھائی مولانا احمد رضا خاں رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ کی ہی طرز و آہنگ میں تحریر فرمائی ہے جسکا مطلع ہے ۔

جن و انساں و ملک کو ہے بھروسا تیرا
سرورا مرجع کل ہے در والا تیرا

اس نعت پاک کے کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں

واہ اے عطر خدا ساز مہکنا تیرا
خوب رو ملتے ہیں کپڑوں میں پسینہ تیرا
لا مکاں میں نظر آتا ہے اجالا تیرا
دور پہنچایا ترے حسن نے شہرہ تیرا
یہ نہیں ہے کہ فقط ہے یہ مدینہ تیرا
تو ہے مختار، دو عالم پہ ہے قبضہ تیرا
کیا کہے وصف کوئی دشتِ مدینہ تیرا
پھول کی جان نزاکت میں ہے کانٹا تیرا
کس کے دامن میں چھپے کس کے قدم پر لوٹے
تیرا سگ جائے کہاں چھوڑ کے ٹکڑا تیرا
پاؤں مجروح ہیں منزل ہے کڑی بوجھ بہت
آہ اگر ایسے میں پایا نہ سہارا تیرا
نیک اچھے ہیں کہ اعمال ہیں انکے اچھے
ہم بدوں کے لیے کافی ہے بھروسہ تیرا
خارِ صحرائے نبی پاؤں سے کیا کام تجھے
آ مری جان میرے دل میں ہے رستہ تیرا
کیوں نہ ہو ناز مجھے اپنے مقدر پہ کہ ہوں
سگ ترا، بندہ ترا، مانگنے والا تیرا
سوزنِ گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا ۸

جب ہم دونوں حضرات کی مذکورہ نعتوں پر موازنے کی نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں دونوں حضرات کی مذکورہ نعتوں میں فصاحت و بلاغت، مضامین کی سربلندی، اعلیٰ تخیلات کی ایسی جلوہ باریاں نظر آتی ہیں کہ عقل حیرت میں پڑ جاتی ہے اور فرق اعتباری کا بھی فرق اٹھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔اس لئے کہ الفاظ کی بندش و چستی کو جس چابک دستی کے ساتھ دونوں حضرات نے باندھا ہے نعتیہ ادب میں وہ انہیں کو میسر ہے۔جسکو میں تمثیلاً عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر دونوں حضرات کی ان دونوں نعتوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا جائے اور کسی ماہر فن یا ادب شناس (۱۲) سے یہ کہا جائے کہ وہ دونوں حضرات کی نعتوں کو

الگ الگ کر دیجیے تو شاید کہ کوئی بھی ماہر فن یا سخن شناس دونوں حضرات کی نعتوں کو الگ الگ نہ کر سکے اس لیے کہ دونوں حضرات کے یہاں طرز ادا کی نیرنگی بالکل ایک جیسی ہے۔

مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ اور علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت گوئی میں تقریباً ایک ہی روش اختیار کی ہے۔ دونوں کی فکری تب وتاب اور ہم آہنگی کا یہ عالم ہے کہ نقش دوئی کے پردے مفقود نظر آتے ہیں۔ جب ہم دونوں حضرات کے نعتیہ دواوین کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح طور پر پاتے ہیں کہ اگر مولانا احمد رضاؔ بریلوی علیہ الرحمہ نے نعت پاک کے بعد تین منقبتیں حضور سیّدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تحریر فرمائی ہیں تو علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی نعت پاک کے بعد ایک منقبت حضرت سیّدنا خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ کی شان میں تحریر فرمائی ہیں۔

اگر مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ اپنی نعت کے مقطع میں تحریر فرماتے ہیں۔

تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اسکو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

تو علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ بھی اپنی نعت کے مقطے میں تحریر فرماتے ہیں۔

اب حسنؔ منقبتِ خواجۂ اجمیر سنا
طبع پُر جوش ہے رکتا نہیں خامہ تیرا

اگر چہ دونوں حضرات نے اور بھی منقبتیں تحریر فرمائی ہیں، مگر ایک نعت پاک کے بعد مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا حضور سیّدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علامہ حسنؔ رضا بریلوی علیہ الرحمہ کا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں منقبت کا تحریر فرمانا عموماً دواوین اور مجموعہ کلام کی ترتیب وتہذیب کی روش کے خلاف ہے۔ جب ہم دیگر شعرائے کرام کے نعتیہ دواوین اور مجموعہ کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اولاً حمد اس کے بعد نعت اور پھر منقبت کا ذکر ملتا ہے۔ مگر ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے نعتیہ مجموعہ کلام کی ترتیب وتہذیب عمومی طور پر مرتب ہونے والے نعتیہ مجموعوں کی روش سے ہٹ کر کی ہے۔ اس نئی روش یا جدّت کا کیا مطلب ہے؟ اگر بالفرض یہ کہا جائے کہ ان دونوں حضرات کو اپنے اپنے ممدوحین سے غایت درجہ الفت ومحبت تھی، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان حضرات نے نعت کے بعد منقبتیں کیوں تحریر فرمائیں؟ اس جدّت اور نئی روش کا مقصد کیا ہے؟

مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اس دوسری منقبت کا عنوان رکھا ہے ''وصل دوم در منقبت آقائے اکرم حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' اس کا مطلع ہے۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا (۱۲)
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

اور کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں۔

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا
کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتّا تیرا

مصطفیٰ کے تنِ بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا مری جاں جلوۂ زیبا تیرا
جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا
تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھکو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگان بغداد
ھند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا
تیری عزّت کے نثار اے مرے غیرت والے
آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو برِوا تیرا
بد سہی، چور سہی ،مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ، ہے تو کریما تیرا
مجھکو رسوا بھی اگر کوئی کہے گا تو یونہی
کہ وہی نا ،وہ رضاؔ بندہ رسوا تیرا
فخر آقا میں رضاؔ اور بھی اک نظم رفیع
چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرا تیرا ۹ ؎

اور تیسری منقبت کا عنوان ہے'' وصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' جسکا مطلع ہے

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا (۱۳)
تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیسا تیرا
اور کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں ؎
سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف
کعبہ کرتا ہے طوافِ درِ والا تیرا
اور پروانے ہیں جو ہوتے ہیں کعبہ پہ نثار
شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا
ڈالیاں جھومتی ہیں رقصِ خوشی جوش پہ ہے
بلبلیں جھولتی ہیں گاتی ہیں سہرا تیرا
مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
دلِ اعدا کو رضاؔ تیز نمک کی دُھن ہے
اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا ۱۰ ؎

اور چوتھی منقبت کا عنوان ہے'' وصل چہارم در منافحت اعداُ واستعانت از آقا رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' ؎

الاماں قہر ہے اے غوث وہ تیکھا تیرا
مر کے بھی چین سے سوتا نہیں مارا تیرا
اس پہ یہ قہر کہ اب چند مخالف تیرے
چاہتے ہیں کہ گھٹا دیں کہیں پایہ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں ، اسے منظور بڑھانا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے (۱۴)
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
نزع میں، گور میں، میزاں پہ، سرِ پل پہ کہیں

نہ چھٹے ہاتھ سے دامان معلیٰ تیرا
دھوپ محشر کی وہ جاں سوز قیامت ہے مگر
مطمئن ہوں کہ مرے سر پہ ہے پلاّ تیرا
اے رضاؔ چیست غم از جملہ جہاں دشمن تست
کردہ ام مامنِ خود قبلہ ٔ حاجاتے را ۱۱ ؎

علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جو منقبت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تحریر فرمائی ہے اس کا مطلع ہے ۔

خواجہ ٔ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا
مے سر جوش در آغوش ہے شیشہ تیرا
بے خودی چھائے نہ کیوں پی کے پیالہ تیرا
کیا مہک ہے کہ معطر ہے دماغِ عالم
تختۂ گلشنِ فردوس ہے روضہ تیرا
پھر مجھے اپنا درِ پاک دکھا دے پیارے
آنکھیں پر نور ہوں پھر دیکھ کے جلوہ تیرا
ظلِ حق غوث پہ، ہے غوث کا سایہ تجھ پر
سایہ گستر سر، خدّام پہ سایہ تیرا
تجھ کو بغداد سے حاصل ہوئی وہ شانِ رفیع
دنگ رہ جاتے ہیں سب دیکھ کے رتبہ تیرا
جب سے تو نے قدمِ غوث لیا ہے سر پر (۱۵)
اولیا سر پہ قدم لیتے ہیں شاہا تیرا
محیِ دیں غوث ہیں اور خواجہ معین الدیں ہے
اے حسنؔ کیوں نہ ہو محفوظ عقیدہ تیرا ۱۲ ؎

اگر دونوں حضرات کی منقبت نگاری پر ایک نظر ڈالی جائے تو بخوبی واضح ہوگا کہ ان حضرات نے اپنے ممدوحین کی مدح سرائی میں مناقب کے پہلو کو کتنے احتیاط اور سلیقے سے اپنایا ہے کہ کوئی بھی شعر حمد یا نعت کی حدود میں داخل نہیں ہوا ہے ۔ درحقیقت یہ حضرات فن کی نزاتوں اور اسکے اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھے ۔ اسی لیے اس منزل سے بڑی چابک دستی کے ساتھ بے جھجھک گزر گئے ہیں ۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور علامہ حسن رضا خاں بریلوی علیہم الرحمہ نے حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شان میں جو منقبتیں تحریر فرمائی ہیں جہاں یہ منقبت نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں وہیں انہوں نے اس طرح کی منقبتیں تحریر فرما کر اپنے بعد کے شعرائے کرام کو ایک ذہن اور ایک آئڈیا دیا ہے کہ بزرگان دین کی شان میں منقبتیں لکھتے وقت کن کن پہلوؤں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے اور انکے شایان شان کس طرح کی فکر اور کس طرح کے الفاظ کا استعمال کیا جانا چاہے کہ منقبت اپنے حدود اور دائرے سے باہر نکلنے نہ پائے ۔ اسکے بعد دونوں حضرات نے نعتیں تحریر فرمائی ہیں ۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جو نعت تحریر فرمائی ہے اسکا مطلع ہے ۔

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا

مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اس نعت پاک میں لفظ ’’خاک‘‘ سے ایسے ایسے معانی و مفاہیم پیدا کئے

ہیں کہ جن کو پڑھ کر طبعیت وجد میں آجاتی ہے، اس سے انکی جودت طبع کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر پر معنیٰ الفاظ کے استعمال پر قدرت رکھتے تھے۔

۲۰۰۰ء میں میں نے ایک مضمون ''حضرت رضاؔ بریلوی کی مضمون آفرینی'' کے عنوان سے قلم بند کیا تھا۔ جو اس وقت سہ ماہی ''افکار رضا''۔ شمارہ اپریل تا جون ۲۰۰۰ء ڈممٹکر روڈ، ممبئی میں اشاعت پزیر ہوا تھا، جس میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی مذکورہ نعت پاک اور شاعر مشرق علامہ اقبال کی فارسی نعت پاک۔

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

کا موازنہ پیش کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی اپنی سی کوشش کی تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور شاعر مشرق علامہ اقبالؔ دونوں

حضرات شہنشاہ سخن تھے۔ اور دونوں حضرات نے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نعتیں تحریر فرمائی ہیں اور خوب خوب (۱۶)

اپنے فکر وفن کا مظاہرہ کیا ہے۔ جیسے مندرجہ بالا مطالع کہ دونوں حضرات نے ایک ایک لفظ ''لفظ خاک'' اور ''لفظ عبدہٗ'' سے خوب خوب مضمون آفرینی کی ہے۔

مولانا احمد رضاؔ خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی مذکورہ نعت پاک کے چند منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں
یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا
جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم
اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا
خم ہوگئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمار
اے مدّعیو! خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفوں شہِ بطحا ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزار شہِ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا
ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا ۱۳۔

اور علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جو نعت تحریر فرمائی ہے اس کا مطلع ہے۔

آسماں گر ترے تلوؤں کا نظارہ کرتا
روز اک چاند تصدق میں اتارا کرتا

اس نعت پاک کے کچھ منتخب اشعار اس طرح ہیں۔

چھپ گیا چاند نہ آئی ترے دیدار کی تاب
اور اگر سامنے رہتا بھی تو سجدہ کرتا
یہ وہی ہیں کہ گرو آپ اور ان پر مچلو
الٹی باتوں پہ کہو کون نہ سیدھا کرتا
آہ کیا خوب تھا گر حاضرِ در ہوتا میں (۱۷)
اُن کے سایہ کے تلے چین سے سویا کرتا
شوق وآداب بہم گرم کشا کش رہتے
عشقِ گم کردہ تواں عقل سے الجھا کرتا
بے خودانہ کبھی سجدہ میں سوئے در گرِتا

جانبِ قبلہ کبھی چونک کے پلٹا کرتا
کبھی کہتا کہ یہ کیا بزم ہے کیسی ہے بہار
کبھی اندازِ تجاہل سے میں توبہ کرتا
کبھی کہتا کہ یہ کیا جوشِ جنوں ہے ظالم
کبھی پھر گر کے تڑپنے کی تمنّا کرتا
ستھری ستھری وہ فضا دیکھ کے میں غرقِ گناہ
اپنی آنکھوں میں خود اُس بزم میں کھٹکا کرتا
کبھی رحمت کے تصور میں ہنسی آجاتی
پاسِ آداب کبھی ہونٹوں کو بخیہ کرتا
دل اگر رنج معاصی سے بگڑنے لگتا
عفو کا ذکر سنا کر میں سنبھالا کرتا
یہ مزے خوبیِ قسمت سے جو پائے ہوتے
سخت دیوانہ تھا گر خلد کی پروا کرتا
موت اس دن کو جو پھر نام وطن کا لیتا
خاک اس سر پہ جو اس در سے کنارہ کرتا
اے حسنؔ قصدِ مدینہ نہیں رونا ہے یہی
اور میں آپ سے کس بات کا شکوہ کرتا [۱۴]

اس پوری نعت پاک میں علامہ حسنؔ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن جہاں تاب، انکی کرم فرمایاں، انکے رخ زیبا، انکے در دولت پر حاضری کے وقت کی کیفیت، در اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاک روبی، مدینہ طیبہ کی معطر و صاف ستھری فضا، اور در اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے واپسی کے دن کو موت اور اس در سے کنارہ کشی کے لمحے کو (۱۸) تباہی و بربادی کے مثل فرمایا ہے اور آخر میں اپنے آپکو خود ہی مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اے حسنؔ جب آپکا خود ہی مدینہ طیبہ کا قصد نہیں ہے تو پھر کس بات کا گلہ وشکوہ؟ آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوازشیں تو ہمیشہ دامن پھیلائے ہوئے ہیں۔

یہاں پر میں موازناتی حیثیت سے ایک نعت پاک آپکے بڑے بھائی حسّان الہند حضرت امام احمد رضاؔ خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس میں کچھ اسی ناز و ادا سے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نوازشوں اور کرم فرمائیوں کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو۔

کس کے جلوہ کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہرطرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے
مانگ من مانتی منھ مانگی مُرادیں لے گا
نہ یہاں ''نا'' ہے نہ منگتا سے یہ کہنا ''کیا ہے''
پند کڑوی لگے ناصح سے ترش ہوائے نفس
زہرِ عصیاں میں ستمگر تجھے میٹھا کیا ہے
ہم ہیں انکے، وہ ہیں تیرے، تو ہوئے ہم تیرے
اس سے بڑھ کر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے
انکی امّت میں بنایا انھیں رحمت بھیجا
یوں نہ فرما کہ ترا رحم میں دعویٰ کیا ہے
صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے مجھ سے حساب
بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے
زاہد انکا میں گنہگار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے
بے بسی ہو جو مجھے پرسش اعمال کے وقت

دوستو ! کیا کہوں اُس وقت تمنّا کیا ہے
کاش فریاد مری سن کے یہ فرمائیں حضور
ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے غوغا کیا ہے
کون آفت زدہ ہے کس پہ بلا ٹوٹی ہے (۱۹)
کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے
کس سے کہتا ہے کہ للہ خبر لیجیے مری
کیوں ہے بیتاب یہ بے چینی کا رونا کیا ہے
اسکی بے چینی سے ہے خاطرِ اقدس پہ ملال
بے کسی کیسی ہے پوچھو کوئی گزرا کیا ہے
یوں ملائک کریں معروض کہ اِک مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا، کیا کیا ہے
سامنا قہر کا ہے دفترِ اعمال ہیں پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے
آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہِ رسل
بندہ بیکس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے
اب کوئی دم میں گرفتار بلا ہوتا ہوں
آپ آجائیں تو کیا خوف ہے کھٹکا کیا ہے
سن کے یہ عرض مری بحرِ کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو، ارشاد ٹھرنا کیا ہے
کس کو تم موردِ آفات کیا چاہتے ہو
ہم بھی تو آکے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے
انکی آواز پہ کر اُٹھّوں میں بے ساختہ شور
اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پَروا کیا ہے
لو وہ آیا مِرا حامی مِرا غم خوار آیا
آ گئی جاں تنِ بے جاں میں یہ آنا کیا ہے
پھر مجھے دامنِ اقدس میں چھپا لیں سرور
اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے
بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے دَر کا (۲۰)
کیسا لیتے ہو حساب اس پہ تمھارا کیا ہے
چھوڑ کر مجھکو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم
حکم والا کی نہ تعمیل ہو زہرہ کیا ہے
یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ
چشمِ بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے
صدقے اس رحم کے اس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے
اے رضؔا جانِ عنادل ترے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے ۱۵؎

اس نعت پاک کا آغاز مصطفی جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ تابانیوں سے کیا گیا ہے۔ ایسی روشنی یا ایسا اجالا جو تحیّر آمیز بھی ہے اور دل و نگاہ کو سرور عطا فرمانے والا بھی، وہ روشنی یا نور کوئی اور نہیں بلکہ آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ آگے وہ فرماتے ہیں کہ ان کی ذات پاک سے جو بھی مانگنا ہے مانگ لو ، یہ وہ ذات پاک ہے کہ تم جو بھی مانگو گے یہ تمھیں اس قدر عطا فرمایں گے کہ تمہارا دامن ہی بھر جاے گا اور یہاں کسی تکلف کی ضرورت نہیں یہاں تو مانگنے والے کو منھ مانگی مرادیں ملتی ہیں، یہی وہ دربار ہے جہاں نہ تو ''نا'' ہے اور نہ ہی ''کیا ہے'' اور چوتھے شعر میں ربّ کریم کی بارگاہ میں وہ کس طرح اپنے

آپکو پیش کرتے ہیں کہ طبعیت رشک کرنے لگتی ہے جبکہ وہ اسی بات کو براہ راست بھی عرض کر سکتے تھے کہ میرے کریم میں تیرا بندہ ہوں۔مگر براہ راست نہ فرما کر آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ عدلیہ وسلم کی نسبت سے فرماتے ہیں۔

ہم ہیں انکے وہ ہیں تیرے تو ہوئے ہم تیرے
اس سے بڑھ کر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے

درحقیقت اس نعت پاک میں امام احمد رضاؔ خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ایک انوکھے انداز میں آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرئی کی ہے۔ اس نعت پاک میں انہوں نے ایک امتی کی حیثیت سے میدان محشر میں پیش آنے والے حالات کی جو منظر کشی کی ہے اس سے ہر امتی کے دل میں یہ حسرت ہوتی ہے کہ کل میدان محشر میں اس کے ساتھ بھی کاش ایسا ہی ہو۔

میں یہاں یہ عرض کرنا چاہونگا کہ ان دونوں حضرات نے نعت گوئی میں جو تفنن پیدا کیا ہے اور آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت پاک کی رقم طرازی میں جو زور کمال دکھایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔اگر علامہ حسنؔ رضا بریلوی کے یہاں جوش ووارفتگی اور سرمستی ہے تو حضرت امام احمد رضاؔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے یہاں عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، زبان کا چٹخارہ پن اور ندرت بیان بھی کم نہیں ہے۔(۲۱)

حوالہ جات:

۱۔ موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ۔علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ صفحہ ۲۴۷
۲۔ موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ۔علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ صفحہ ۲۷۰
۳۔ موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ۔علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ صفحہ ۲۹۱
۴۔ شعر الہند (حصہ اوّل) مولانا عبد السلام ندوی، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ صفحہ ۳۲۰
۵۔ حدائق بخشش۔مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفحہ ۱/۴
۶۔ کلیات حسن۔استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفحہ ۲۲/۲۳
۷۔ کلیات حسن۔استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفحہ ۲۴/۲۷
۸۔ کلیات حسن۔استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفحہ ۲۸/۳۰
۹۔ حدائق بخشش۔مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفح ۴/۷
۱۰۔ حدائق بخشش۔مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفح ۸/۱۱
۱۰۔ حدائق بخشش۔مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفح ۸/۱۱
۱۱۔ حدائق بخشش۔مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفح ۱۱/۱۴
۱۲۔ کلیات حسن۔استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفحہ ۳۲/۳۳
۱۳۔ حدائق بخشش۔مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفح ۱۵
۱۴۔ کلیات حسن۔استاذ زمن علامہ حسن رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفحہ ۳۴/۳۵
۱۵۔ حدائق بخشش۔مولانا احمد رضا خاں بریلوی، رضا اکیڈمی بمبئی صفح ۱۰۵/۱۰۷

☆☆☆

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

امام احمد رضا کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات

ادب کی دنیا میں شاعری کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے ......اور اگر یہ بات کہی جائے تو کوئی غلط بات نہ ہوگی کہ زبان و ادب کے فروغ وارتقاء میں جس قدر حصہ شاعری کا رہا ہے...... نثری ادب اس کے مقابلہ میں نہیں آتا ......ایسا نہیں ہے کہ زبان و ادب کے فروغ میں نثری ادب کا کوئی رول نہیں ہے...... اس کا بھی رول رہا ہے اور یقیناً رہا ہے مگر شاعری ادب کے مقابلہ میں بہت کم رہا ہے...... میں نے یہ بات یوں ہی نہیں کہی ہے بلکہ تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں کہی ہے ......دور حاضر علمی ،فنی انحطاط کا دور ہے...... زوال پذیر تہذیب کا دور ہے......قدریں مٹ چکی ہیں اور آئے دن علمی اقدار گھٹتے جارہے ہیں باوجود اس کے اس دور میں بھی شاعری کی محفل خوب جمتی ہے ......شعراء حضرات بھی اپنی شاعری کے پیش کرنے میں کسی سے کم نہیں دکھائی دیتے......اور سننے والے بھی اپنے ذوق وشوق کا خوب خوب مظاہرہ کررہے ہیں ......اس کے مقابلہ میں سیمیناروں کی جو اہمیت ہے کسی سے پوشیدہ نہیں ......کون ہے؟ اور کتنے ہیں؟ جو سیمیناروں میں آتے ہیں اور جو آتے ہیں وہ کتنے غور سے مقالہ جات کو سنتے ہیں اور ان کی پذیرائی کے بارے میں کون کیا کہتا ہے؟ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں......مقالہ نگار کسی مقالہ کی تیاری میں کتنی محنت کرتے ہیں؟ اور کہاں کہاں سے اس کے لئے مواد کی فراہمی کرتے ہیں؟ کانٹوں پر چلنا آسان ہوتا ہے......تپتی ہوئی زمین پر قدم رکھنا بھی کوئی زیادہ مشکل نہیں ہوتا ہے اور مواد کو اس طرح چنا جاتا ہے جیسے کوئی پلکوں سے دانہ چن رہا ہو......اس کے باوجود عوام کی تو کوئی بات ہی نہ کیجئے خواص کی بے رخی بھی مقالہ نگار کے لئے کسی قیامت سے کم نہیں......عوام میں شاعری کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ لوگ شاعروں کو ہر طرح سے نوازتے ہیں......داد وتحسین سے......انعام واکرام سے اور اگر یہ بات کہی جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ شاعری کی چوٹ براہ راست دلوں پر پڑتی ہے اس کے علاوہ ذہن و فکر پر بھی اس کے اثرات پائے جاتے ہیں ......نثری ادب میں اس طرح کی باتیں نہیں پائی جاتی ہیں اس کی اہمیت و افادیت سے کسی کو انکار نہیں باوجود اس کے شاعری ادب ایک دوسری چیز ہے اسی لئے اس کی زیادہ اہمیت ہے......

شاعری کیا ہوتی ہے؟ اور ادب کی دنیا میں اسے کس حیثیت سے برتا جاتا ہے؟...... یہ بات سب کو معلوم ہے ایسا کوئی نہیں ملتا جو یہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا اسے تو جاننا ہی

ہے.....کیا اسے جانے بغیر کچھ آسکتا نہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں ؟......شاعری کے دو اہم پہلو ہوا کرتے ہیں ...... پہلے والے پہلو کو ''خارجیت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسرے پہلو کو ''داخلیت'' کا نام دیا گیا ہے ......خارجیت ...... سے مراد وہ امور لئے جاتے ہیں جو اپنے وجود میں کسی نہ کسی مادہ کا ضرور انتظار کرتے ہیں ...... برسات کا موسم ......لالہ زاروں کا خوبصورت منظر...... باغ و بہار......سبزہ زار......سبز و شادابی کا خوشگوار ماحول......نسیم سحر کے آغوش میں پرورش پانے والے غنچے اور کلیاں وغیرہ......اسی خارجیت کے مقابلہ میں داخلیت کا تصور ابھر کر سامنے آتا ہے...... داخلیت خارجیت سے کم نہیں ہوتی یہ سیر ہے تو وہ سوا سیر ہے ......خارجیت میں اگر کشادگی پائی جاتی ہے تو داخلیت میں اس سے کہیں زیادہ وسعت پائی جاتی ہے ......خارجیت اس وقت کامیاب ہوتی ہے جب اس کا رشتہ داخلیت سے جڑ جاتا ہے...... جوں جوں یہ رشتہ کمزور ہوتا جاتا ہے توں، توں خارجیت بے اثر ہوتی جاتی ہے......مگر داخلیت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے......

داخلیت ایک پر جوش سمندر کا نام ہے......اس کی گہرائی کا یہ عالم؟ کہ آج تک اسے کسی نے جانا نہیں ......اور اگر اس کی پہنائیوں کا کوئی ذکر کیا جائے تو اس بارے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ ایسا وہ کون ہے؟ جو اس بارے میں کچھ جانتا ہے؟ ظاہر ہے ایسا کوئی نہیں ہے...... اگر داخلیت کے تعلق سے کچھ کہا جا سکتا ہے تو صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ اس میں بے پناہ جذبے، بے پناہ کیفیات اور ان گنت ولولے اور حوصلے پائے جاتے ہیں اور اس بارے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے عشق و محبت ...... پیار و وفا......خلوص وللٰہیت اور بے لوث جذبوں کا وہ سنگم ہے ......داخلیت ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے کیفیات اور واردات کے دریا جاری ہوتے ہیں اور جب جاری ہو جاتے ہیں تو رکنے کا نام نہیں لیتے ......داخلیت کا محل دل ہوا کرتا ہے......دل گوشت و پوست کا ایک چھوٹا سا لتھڑا ہوا کرتا ہے اور اس کی معنویت کا یہ حال ہے کہ کسی نے اس کے بارے میں جس طرح جاننے کا حق ہے اب تک جانا ہی نہیں ......حیات و زیست اسی سے جاری ہوا کرتے ہیں ......دل زندہ ہے تو سب کچھ زندہ ہے اور اگر دل مر جاتا ہے تو کچھ بھی زندہ نہیں رہ سکتا ہے سب کچھ مر جاتا ہے......اسی لئے کہا جاتا ہے ''زندگی زندہ دلی کا نام ہے'' دل ہے تو سارا جہاں اپنا ہے اور دل ہی نہیں ہے تو سارے جہاں پر اپنی حکومت جمانے کی بات تو بہت دور کی بات ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو اپنا ہے وہ بھی اپنا نہیں ہے......روح کا تعلق بھی دل سے ہوتا ہے عقل اور نفس بھی اسی قلب کا محتاج ہوا کرتا ہے ......اسی لئے قلب کی حفاظت و صیانت امور ضرور یہ میں سے ایک امر ضروری ہے ......قلب و روح اور نفس و عقل یہ چاروں کے چاروں داخلیت کے دائرہ میں آیا کرتے ہیں......اور جب ہم فن تصوف کی بات کرتے ہیں تو ہمارے صوفیائے کرام نے انہیں چاروں کو اپنایا ہے اور صرف اپنایا ہی نہیں ہے بلکہ چاروں سے انہوں نے وہ کام لیا ہے جو ان سے لینا چاہتے تھے......ان سے کیا کام لیا ہے اور کیا نہیں لیا ہے ان تمام امور کا تعلق فن تصوف سے ہے جو میرے موضوع سے الگ ہے ...... مجھے اس مقام پر صرف یہ دیکھنا ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات کس حد تک پائے جاتے ہیں؟ اس بات کو آپ اپنے ذہن میں یقینا پیوست کر لیں کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی اس عظیم اور عالی مرتبت شخصیت کا نام ہے جو نثری ادب میں بھی بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور شاعری میں بھی آپ کی حیثیت کسی بڑے سلطاں سے کم نہیں ہے......خود فرماتے ہیں:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

فارسی شاعری امکانات ورجحانات

دور حاضر میں خاص طور سے ہندوستان میں اگر چہ فارسی شاعری میں انجمادی کیفیت پائی جاتی ہے بہت ہی کم ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو فارسی زبان و ادب میں شاعری کرتے ہوں اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس دور میں اب کوئی فارسی میں شاعری کرنے والا موجود نہیں ہے ......مگر درس وتدریس کے اعتبار سے آج بھی مدارس اسلامیہ میں فارسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ......نثر کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں اور شاعری کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں ......مثلاً حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی کتاب ''گلستاں'' اور ''بوستاں'' پڑھائی جاتی ہے کتاب ''گلستاں'' نثری ادب سے تعلق رکھتی ہے اور ''بوستاں'' شعری ادب میں ہے اس کے علاوہ بھی فارسی کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں......فارسی زبان و ادب خواہ نثری ادب ہو یا شعری ادب ہو اس کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے......اس کی وجہ یہ ہے کہ فارسی ادب انواع واقسام کی لازوال دولتوں سے مالا مال ہے ......الفاظ کے ذخیروں کی اس میں کمی نہیں ہے اس کی وسعت وکشادگی کا یہ عالم ہے کہ جس مضمون اور جس جذبے کے الفاظ چاہیئے اس میں بآسانی مل جاتے ہیں......قدیم جملے اور نئے جملے بنانے کی پوری صلاحیت اس میں بدرجہ اتم ہے......صرف یہی نہیں بلکہ اس میں شعری کیفیات کے سارے لوازم بھی تلاش کرنے سے مل جاتے ہیں......فصیح وبلیغ الفاظ اور جملوں کی فراوانی جس انداز میں فارسی زبان میں پائی جاتی ہے کسی اور زبان میں نہیں پائی جاتی ہیں......اسی طرح فارسی زبان و ادب کے ماہرین نے شاعری کے تمام اصناف پر نہایت ہی کامیابی کے ساتھ طبع آزمائی کی ہے......کسی بھی صنف کو اس زبان کے شاعروں نے کامیاب تجربے کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے......اس زبان میں کیسے کیسے شاعر ہوئے ہیں اگر اس پر نظر ڈالی جائے تو گفتگو بہت زیادہ طویل ہوسکتی ہے......ایران کی مادری زبان فارسی ہے اور ایران ہندوستان سے زیادہ دور نہیں ہے اسی لئے وہاں کی زبان و ادب اور شعروسخن کے اثرات ہندوستان میں پائے جاتے ہیں......ایران سے دانشوروں کا آنا جانا بھی رہا ہے اسی وجہ سے ہندوستان میں فارسی زبان کے اثرات نہایت ہی گہرے ہیں ......بلکہ بہت سے شاعروں نے فارسی میں شاعری کرکے اس زبان کو فروغ دینے میں زبردست کوششیں کی ہیں ......اور برسہا برس ہمارے ملک کی سرکاری زبان فارسی رہی ہے ......ہمارے اکابر اور مشائخ نے فارسی میں کتابیں لکھی ہیں اور شاعری بھی کی ہے ......حضرت امیر خسرو کی فارسی شاعری نہایت ہی باکمال رہی ہے انہوں نے اس زبان میں غزلیں بھی کہی ہیں

......قصائد تصنیف کئے ہیں، مثنویاں اور رباعیات بھی تحریر کی ہیں......غالب کا فارسی کلام کیا کسی سے کم ہے اور اس میں وہ کون سی خوبی ہے جو اس میں نہیں پائی جاتی ہے......اقبال نے بھی اس راہ میں قدم رکھا اور کامیاب تجربے کئے ہیں ان کی فارسی شاعری ہی ان کی عظیم شخصیت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور ان کی اردو شاعری اس پر زیادہ ہے......مشائخ نے بھی فارسی زبان میں فن تصوف پر کتابیں لکھی ہیں ......ہمارے بدایوں میں حضرت ضیاء الدین نخشبی نام سے ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا عہد آٹھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے یوں تو آپ نے فارسی میں شاعری بھی کیا کرتے تھے اور نثری ادب میں کتابیں بھی لکھا کرتے تھے......فارسی زبان میں جو قطعات پائے جاتے ہیں بہت خوب ہیں اور مطالعہ کرنے سے تعلق رکھتے ہیں ......اعلی حضرت فاضل بریلوی نے فارسی زبان میں شاعری کی ہے......ان کے اشعار لاجواب اور باکمال ہوا کرتے ہیں ......حدائق بخشش کی دونوں جلدوں میں جہاں اردو کے اشعار پائے جاتے ہیں وہیں ان کے فارسی کلام بھی پیش کئے جاتے ہیں ان کا یہ کلام بھی مطالعہ کرنے سے تعلق رکھتا ہے......اگر کوئی نظر انداز کرنا چاہے جب بھی نظر انداز نہیں کرسکتا ہے......کیوں کہ اس میں جذب وکشش کا ایک جہان تازہ آباد ہے......ایک ایسا گلشن ہرا بھرا ہے جس کی خوشبوئیں بہت دور سے محسوس ہوا کرتی ہیں اور مشام جاں کو معطر کر جاتی ہیں......

شاعری اور صوفیائے کرام

جو لوگ تصوف کے بارے میں جانتے ہیں: کم جانتے ہیں یا زیادہ جانتے ہیں بحث اس جاننے اور نہیں جاننے سے نہیں ہے بلکہ میرا مقصد صرف تصوف جاننے سے ہے غرض یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں جو جانتا ہے اور جو کچھ بھی جانتا ہے تو وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ تصوف کے فن میں داخلیت اور باطن کا ہی کرشمہ پایا جاتا ہے کیوں کہ عشق اس کے یہاں بھی محترم ہے ......محبت پر اس نے بھی زور دیا ہے......اور بے لوث جذبوں کے تعلق سے کیا کہا جائے؟ یہ تو فن تصوف کی جان ہے......علم و معرفت اور سوز و گداز تو اس کا جوہر لطیف ہے......جب تصوف میں یہ ساری چیزیں پائی جاتی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تصوف داخلیت کا پیکر اور امور داخلیت کا نمائندہ ہے......اس اعتبار سے دیکھا جائے تو شاعری تصوف سے بہت ہی قریب ہے اور تصوف شاعری سے قریب ہے اسی لئے تو شاعری اور تصوف میں طبعی اور فطری مناسبت پائی جاتی ہے ......اسی مناسبت کا نتیجہ ہے کہ صوفیائے کرام اپنے مافی الضمیر کے اظہار و ترسیل کے لئے شاعری کے آہنگ کا استعمال کرتے ہیں اور اسی رنگ میں اپنے رنگ کو پیش کرتے ہیں ......ایسا قطعی نہیں ہے کہ صوفیائے کرام نے صرف شاعری ہی کو اپنے اظہار ذریعہ بنایا ہے بلکہ ایسا دیکھا گیا ہے کہ شاعری کے ساتھ ساتھ اس نے نثری ادب کو بھی اظہار کا ذریعہ قرار دیا ہے......ہمارے مشائخ نے اپنے مکتوبات اپنے ملفوظات جو فارسی زبان میں پائے جاتے ہیں ان میں بھی تصوف کے مسائل اور اس کے مضامین تحریر کئے ہیں ...... یہاں تک کہ ان بزرگوں نے تصوف کو فن کی حیثیت سے دیکھا ہے اور اس کے اسرار و رموز سے اپنے مریدین، معتقدین اور پیروکاروں

کو ان سے آشنا کیا ہے......فن تصوف بزبان فارسی میں کوئی ایک کتاب نہیں بلکہ بہت ساری کتابیں پائی جاتی ہیں ......ہندوستان میں بھی لکھی گئی ہیں اور ہندوستان سے باہر بھی ......''سلک السلوک'' فن تصوف کی مایہ ناز کتاب ہے جو حضرت ضیاء الدین نخشبی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے اس کتاب میں فن تصوف پر بحیثیت فن بحث کی گئی ہے......اسی طرح ''سبع سنابل شریف'' بھی فن تصوف کی معرکۃ الآرا کتاب ہے جو ہم اہل سنت و جماعت کے علماء میں مقبول اور مستند ہے یہ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی کی تصنیف ہے ......بہر حال اس بات سے انکار نہیں کیا جاتا کہ شاعری اور تصوف کے مزاجوں میں کافی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے آپ الگ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے......

تصوف کے اثرات

تصوف کیا ہے اور اس کے اثرات کیا ہیں؟ تصوف کا تعارف مختلف صوفیائے کرام نے مختلف انداز میں کیا ہے! کسی نے کچھ کہا ہے اور کسی نے اس بارے میں اپنا نظریہ کچھ اور بتایا ہے......کس نے کیا کہا ہے؟ یہاں اس کی تفصیلات پیش کرنے کی ضرورت نہیں ...... ہاں! اس مقام پر بس یہ سمجھ لیا جائے کہ اصول شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کا نام تصوف ہے......اگر کوئی اپنے آپ کو صوفی بتاتا ہے......کوئی اپنے آپ کو صوفیانہ لباس میں پیش کرتا ہے ...... یا زبردستی صوفی بننے کی کوشش کرتا ہے تو آپ اس کے قول و عمل پر نہ جائیے......کہ انسانوں کے اس بھیڑ میں نہ جانیں اس طرح کے بہت لوگ مل جائیں گے...... ہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر اس کا قدم شریعت کے دائرہ میں اٹھتا ہے تو وہ صوفی ہے اور اگر شریعت کے دائرہ سے اس کا کوئی قدم باہر نکلتا ہے تو وہ کسی قیمت پر صوفی نہیں......صوفی کبھی شیشہ میں بند ہو کر نہیں رہتا ہے اور جو شیشہ میں بند ہو کر اپنی زندگی بسر کرتا ہے وہ صوفی نہیں ہوسکتا ہے......کیونکہ صوفی اس ''مشک و عنبر'' کا نام ہے جس کا پتہ کسی سے نہیں پوچھا جاسکتا ہے بلکہ اس کی شخصیت سے نکلنے والی خوشبوئیں بتادیتی ہیں کہ صوفی کہاں جلوہ بار ہے؟ حضرت سیدنا غریب نواز رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ دوران سفر آپ جہاں بھی ٹھہرتے تو آپ کی شخصیت کی خوشبو ہر چہار جانب پھیل جاتی اور زبان حال سے بتادیتی کہ ہمارا منبع و سرچشمہ کہاں ہے؟......تصوف کی بنیاد پر کسی کی ذات و شخصیت اور اس کے عمل و کردار و نیز اس کے سماج و معاشرہ پر کیا کیا اثرات مرتب ہوا کرتے ہیں؟ ذیل میں انہیں اثرات کی وضاحت کی جارہی ہے

پہلا اثر ......تصوف کے حامل افراد کی زندگی پر سب سے پہلے یہ اثر ہوا کرتا ہے کہ اس کی زندگی اسلاف کی یادگار اور اخلاف کے لئے نمونہ عمل بن جاتی ہے......شریعت اور اس کے اصول و نظریات پر کاربند ہونے کے سبب اس کی حیات کا ایک ایک لمحہ ابدی سعادتوں اور فیروز بختیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے......نہ کبھی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور نہ ہی واجبات و سنن کو کبھی ترک کرتا ہے اور جب کہیں تبلیغ دین کی بات آتی ہے تو اس کے لئے کسی کا انتظار نہیں کرتا ہے اور تن تنہا میدان عمل میں اتر جاتا ہے......ہندوستان میں دین اسلام کی

تبلیغ کے لئے ایک نہیں ہزاروں بزرگان دین تشریف لائے ......ان کے ساتھ کون تھا؟ اور کس نے ان کا ساتھ دیا؟ اور اگر کسی نے ان کا ساتھ دیا تو وہ بھی انہیں کی مانند تھا اس لئے اس نے ان کا ساتھ دیا......

دوسرا اثر......تصوف کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی تصوف کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا ہے تو اس کا باطن آئینہ کی مثل صاف اور شفاف ہو جاتا ہے اس میں کہیں بھی اور کسی طرح کی کدورت نہیں پائی جاتی ہے......اس کا جذبہ بے لوث ہو جاتا ہے......ایسا انسان خود کسی سے نہیں ڈرتا ہے...... ہاں اتنا انقلاب ضرور نمایاں ہو جاتا ہے...... وہ صرف اور صرف اپنے خدا سے ڈرتا ہے کیا مجال کہ کوئی آئے اور اسے آنکھ دکھا جائے ......اور جو خدا سے نہیں ڈرتا یہ حقیقت ہے کہ وہ سب سے ڈرتا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اس میں نہ خوف کا مادہ ہوتا ہے اور نہ ہی شرم وحیا کا جذبہ پایا جاتا ہے اسی لئے اعلی حضرت فاضل بریلوی ارشاد فرماتے ہیں

دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

تیسرا اثر......تصوف کسی بھی انسان کو کسی مقام پر ٹھہرنے نہیں دیتا ہے بلکہ ہمیشہ آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے......ہاں کسی کا کسی مقام پر ٹھہرنا اسی حد تک ہوتا ہے جس حد تک کوئی چیز اپنی دو متضاد حرکتوں کے بیچ ساکن ہوا کرتی ہے......سلوک میں سو مقامات ہوا کرتے ہیں۔ سالک ایک مقام کے بعد دوسرے مقام کی جانب سفر کرتا ہے اور پھر تیسرے مقام کی جانب روانہ ہو جاتا ہے پھر چوتھے اور پانچویں مقام تک" وغیر ذالک من المقامات الأخر "ان مقامات میں سے کسی ایک مقام پر وقفہ اس کے آداب ولوازمات کے سیکھنے تک ہی محدود رہا کرتا ہے......اس سے زیادہ نہیں ......اور کرامت سلسلہ مقامات میں سترہواں مقام رکھتی ہے اسی لئے سالک کو حکم دیا جاتا ہے اس مقام پر زیادہ ٹھہر کر کسی کو کرامت دکھانے کی ضرورت نہیں ہاں جہاں ضرورت ہو......وہاں ضرورت کی حد تک دکھانے کی اجازت ہے......مگر آج کیا ہو رہا ہے کہیں زبردستی کرامت دکھائی جاتی ہے اور کہیں گڑھی ہوئی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں......کرامت بیان کرنے والے صاحب کرامت کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں کہ وہ کرامت بیان کر کے لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میرا پیر یا وہ جس کی کرامت بیان کی جا رہی ہے ناقص ہے......اس لئے سالک کے لئے سفر ہی بہتر ہے......اقبال نے بڑی اچھی بات کہی ہے اور میں کہتا ہوں اقبال نے نظریاتی طور پر تصوف کو تلاش وجستجو سے موسوم کیا ہے......

منزل سے آگے بڑھ کر منزل تلاش کر
مل جائے تجھ کو دریا تو سمندر تلاش کر
ہر شیشہ ٹوٹ جاتا ہے پتھر کی چوٹ سے
پتھر ہی ٹوٹ جائے وہ شیشہ تلاش کر

ان اشعار پر غور کریں ان سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے تصوف نام ہے تلاش کا...... جستجو کا......اور ہمہ وقت آگے کی طرف پیش قدمی کرنے کا ......اور صحیح معنوں میں تصوف کا مزاج بھی یہی ہے......ایک منزل سے دوسری منزل کی جانب رواں ہونے کو سفر اور سیر سے تعبیر کیا جاتا ہے سفر ایک طرح کا

نہیں ہوتا ہے اس کی مختلف قسمیں ہوا کرتی ہیں ذیل میں اس کی توضیح کی جارہی ہے......تصوف ایک ایسا لطیف شیشہ ہوا کرتا ہے جس سے متأثر ہو کر پتھر بھی ٹوٹ جاتا ہے ......ہزاروں پتھر دل انسانوں کو تاریخ نے ایک صوفی اور فقیر کے قدموں پر جبہ سائی کرتے ہوئے دیکھا ہے......یہ بات کسی پرانے زمانہ کی نہیں ہے بلکہ سائنس کے اس نئے دور میں بھی نہ جانے کتنے کبر ونخوت کے پرستاروں کو دیکھا گیا ہے جو اپنی جھوٹی شان وشوکت کو چھوڑ کر اللہ والوں کے قدموں میں بچوں کی طرح روتے اور بلکتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ جو خدا سے ڈرتا ہے سارا زمانہ ان سے ڈرتا ہے......یہ بھی تصوف کے اثرات میں سے ایک عظیم الشان اثر ہے جو دلوں پر پڑتا ہے اور ذہن وفکر کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے ......تصوف کی دنیا میں کسی کو قرار نہیں ملتا ہے وہ چلتا ہے تو پھر چلتا ہی رہتا ہے اور جدھر کو اس کی معرفت کے اسرار ورموز ہوا کرتے ہیں تصوف کی راہ چلنے والے اُدھر ہی کو مائل بہ سفر ہوجاتے ہیں......

سفر کی تشریح اور اس کے اقسام چہ جائیکہ اس بارے میں ،میں اپنی طرف سے کچھ کہوں......کیا یہ مناسب نہیں کہ میں اس تعلق سے علامہ شریف جرجانی نے جو بات کہی ہے اسی بات کو پیش کردوں؟ یہ مناسب ہی نہیں بلکہ انسب ہے......لفظ سفر کی لغوی اور اصطلاحی تشریح کرتے ہوئے علامہ موصوف تحریر کرتے ہیں

۷۸۳...السفر فی اللغة قطع المسافة وشرعاً فھو الخروج علیٰ قصد سیر ثلٰثة ایام ولیالیھا فما فوقھا بسیر الابل ومشی الاقدام ...والسفر عند الحقیقة عبارة عن سیر القلب عند اخذہ فی التوجہ الی الحق با الذکر...والاسفار اربعة

السفر الاول ...ھو رفع حجب الکثرة عن وجہ الوحدة وھو السیر الی اللّٰہ من منازل النفس بازالة التعشق من المظاہر والاغیار الیٰ ان یصل الیٰ الافق المبین وھو نہایہ مقام القلب

والسفر الثانی ...وھو رفع حجاب الوحدة عن وجوہ الکثرة العلمیة الباطنیة وھو السیر فی اللّٰہ بالاتصاف بصفاتہ والتحقق باسمائہ وھو السیر فی الحق بالحق الی الافق الاعلی وھو نہایة حضرة الواحدیة

والسفر الثالث ...وھو زوال التقیید بالضدین الظاہر الباطن بالحصول فی احدیة عین الجمع وھو الترقی الی عین الجمع والحضریة الاحدیة وھو مقام قاب قوسین وما بقیت الاثنیية فاذا ارتفعت فھو مقام اوادنی وھو نہایة الولایة

ولسفر الرابع ...عند الرجوع من الحق الیٰ الخلق فی مقام الاستقامة وھو احدیة الجمع والفرق بشھود اندراج الحق فی

الخلق واضمحلال الخلق فی الحق حتی یری عین الوحدۃ فی صورۃ الکثرۃ وصورۃ الکثرۃ فی عین الوحدۃ وھو السیر با اللّٰہ عن اللّٰہ للتکمیل وھو مقام البقاء بعد الفنا ء والفرق بعد الجمع (التعریفات ص ۱۵ پی ڈی ایف فائل)

ترجمہ......لغت میں مسافت کے طے کرنے کو ''سفر'' کہا جاتا ہے۔اور شریعت میں تین دن اور تین رات کی مسافت طے کرنے کے ارادہ سے نکلنے کو ''سفر'' کہا جاتا ہے اونٹ پر سوار ہو کر چلے یا پیدل چلے......اور فن حقیقت میں ''سیر قلبی '' کا نام ''سفر'' ہے اور اس کی شروعات اس وقت ہوتی ہے جب کوئی ذکر و اذکار کے ذریعہ حق کی جانب متوجہ ہوتا ہے ......سفر کی چار قسمیں ہیں

سفر اول......وحدت سے حجاب کثرت کو اُٹھا دینے کا نام ہے اسی کو ''سیر الی اللہ'' کہا جاتا ہے جو منازل نفس سے شروع ہوتا ہے اس سفر میں مظاہر کائنات اور اغیار سے اظہار عشق کو زائل کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ بندہ اس سفر میں ''افق مبین'' تک پہنچ جاتا ہے اور ''افق مبین'' مقام قلب کا آخری درجہ ہے

سفر دوم......اس سفر میں ''کثرت علمیہ اور باطنیہ'' کے چہرہ سے حجاب وحدت کو اٹھانا پڑتا ہے اسی سفر کو ''سیر فی اللہ'' کا نام دیا جاتا ہے اس کی شروعات صفات الٰہی سے متصف اور اسمائے الٰہی سے متحقق ہونے کے بعد سے شروعات ہوتی ہے اس میں بندہ حق میں سیر کرتا ہے اور حق کے ذریعہ کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ''افق اعلی'' تک پہونچ جاتا ہے جو حضرت واحدیت کی نہایت ہے

سفر سوم......اس سفر میں بندہ ظاہر و باطن کے تضاد میں پڑنے سے آزاد ہو جاتا ہے اور عین جمع کے حصول میں مشغول ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ عین جمع اور حضرت الٰہی تک جا پہونچتا ہے اور یہی ''مقام قاب قوسین'' ہے اس مقام پر دوئی کا تصور باقی نہیں بلکہ ختم ہو جاتا ہے اسی کو مقام قاب قوسین اور ادنی کہا جاتا ہے......جو ولایت کی آخری منزل ہے

سفر چہارم......اس سفر میں بندہ ولایت کی آخری منزل سے مخلوق کی جانب رجوع کرتا ہے اور مخلوق کے مابین آ کر مقام استقامت پر فائز ہو جاتا ہے۔اس مقام پر ''جمع اور فرق '' کے دمیان فرق مٹ جاتا ہے......اس مقام پر فائز ہونے کے بعد عالم خلق میں ''حق'' دکھائی دیتا ہے اور مخلوق کا یہ حال ہوتا کہ وہ حصول الہ میں اپنے آپ کو مضمحل کر دیتا ہے اور پھر کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت دکھائی دیتی ہے ......اسی کو ''سیر باللہ عن اللہ برائے تکمیل کہا جاتا ہے اور یہی مقام بقا ہے فنا کے بعد الخ

میں نے علامہ شریف جرجانی کے حوالے سے جو بات کہی ہے گو کہ ہماری اور آپ کی سمجھ سے باہر ہے مگر اس مقام پر بتانا یہ ہے کہ تصوف میں سیر ہی سیر اور تلاش ہی تلاش ہے ......تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے اہل اللہ معرفت الٰہی کے حصول میں آبادی سے باہر نکل گئے اور صحراؤں کو اپنا مسکن بنا لیا......تا زندگی وہیں رہے اور وہیں رہکر انہیں جو حاصل کرنا تھا انہوں نے حاصل کیا ......علامہ جرجانی نے فن تصوف کی کچھ

اصطلاحوں کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً جمع۔فرق۔افق مبین اور افق اعلی اسی طرح قاب قوسین او ادنی کا بھی ذکر کیا ہے...... یہ وہ اصطلاحیں ہیں جن کی تشریح تو کی جا سکتی ہے مگر انہیں کما حقہ ہم بیان نہیں کر سکتے کہ وہ کیا ہیں ہاں صرف اتنا بتا سکتے ہیں......صوفیائے کرام کو صرف چلنا ہوتا ہے اور وہ پوری زندگی چلتے رہتے ہیں......تصوف کا یہ وہ اثر و نتیجہ ہے جو مسلسل برقرار رہتا ہے کسی بھی منزل پر پہونچنے کے بعد اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا ہے......

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور فن تصوف

سیدی اعلیٰ حضرت کو ہم نے صرف ان کی عالمانہ حیثیت سے دیکھا ہے اور ان کی تحقیقات یا ان کی تدقیقات یا ان کی تنقیدات کے تناظر میں انہیں جاننے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے......ان کا دل کیسا تھا ؟ ان کے قلب مبارک میں کیا کیا جذبات تھے ؟ اور ان جذبات میں کیا کیا موجیں اٹھتی تھیں ؟ اس تعلق سے ہم نے انہیں دیکھنے کی کوشش نہیں کی......اور صحیح بات یہ ہے کہ اعلی حضرت فن تصوف کے بھی امام تھے ......سلوک کے مقامات کو انہوں نے کس حد تک طے کیا ہے ؟ کبھی اس بارے میں کسی نے نہیں سوچا ہے......ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ مخلوق کے مابین جلوہ فرما تھے ......انہوں نے جس طرح مخلوق کی خدمات انجام دیا ہے ؟ یہ سب پر روشن ہے انہوں نے اپنے فرمودات اور ارشادات کے ذریعہ ''سیر الی اللہ'' میں مشغول بندوں کے لئے راہ ہموار فرمائی اور انہیں معرفت ربانی کے اسرار و رموز بتا دیئے ......آپ مقام استقامت پر فائز تھے اور کوئی اسی وقت مقام استقامت پر فائز ہوتا ہے جب نہایت ہی کامیابی کے ساتھ سفر کی پہلی تین قسموں کو پورا کر دیتا ہے......اور چوتھے سفر میں اللہ کی جانب سے مخلوق کی طرف رجوع کرتا ہے اور ان کی حیات و زیست کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے...... یہ وہ آئینہ ہے جس میں ہم اور آپ اعلی حضرت کی زندگی کو دیکھ سکتے ہیں ......پھر بھی آپ کو کہیں شک و تردد ہو تو اس واقعہ کو دیکھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں......

سر زمینِ ہند میں اور بھی صاحب علم و فن ،اربابِ فکر و دانش پیدا ہوئے ایک سے بڑھکر ایک دانشور نمود پزیر ہوا امام احمد رضا سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔۔۔۔مگر امام احمد رضا جیسا کوئی نہ ہوا۔۔یہ انفرادیت، یہ امتیاز اور شانِ زیبائی یقینی طور پر کرشمۂ قدرت ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک انوکھا معجزہ ہے امام احمد رضا کی اس قبولیتِ عامہ اور دوامی شہرت کو عقل و خرد کی کسوٹی پر کسا نہیں جا سکتا ہے جن افراد نے اسے کسوٹی پر کسنے کی کوشش کی وہ بلا وجہ بغض و عناد کے اندھیروں میں جا گرے اور کدورتوں کو اپنے سینوں میں پناہ دیدی کہ۔۔۔عجب بندوں کے دل میں غل ہے یا غوث۔۔۔۔۔یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جسے وہ بڑھاتا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں گھٹا سکتی ہے اور جسے وہ ترقی کی راہ دکھاتا ہے اسے کوئی بھی زوال پذیر نہیں کر سکتا ہے کہ یہ قدرت کا انوکھا فیصلہ ہے کاش اگر اس طرح کا فیصلہ بندوں کے ہاتھ میں ہوتا تو کسی کو بھی عزت کے ساتھ وہ جینے نہیں دیتا جس طرح یہاں کے نوابوں اور راجاؤں نے اپنے علاقوں کو تعلیم و تربیت سے نا آشنا رکھا ہے یہی کچھ حال یہاں بھی ہوتا۔۔امام احمد رضا نہ صرف عالم دین اور مفکر ملت تھے بلکہ ان کا دل صاف

شفاف آئینہ تھا اور اپنے مبارک سینہ میں معرفت ربانی اور نور یزدانی بھی رکھتے تھے اور عشق وولا اور محبت رسول میں ہمہ وقت محو رہا کرتے تھے استغراق وانہماک کا یہ عالم تھا کہ جب آنکھیں بند کرتے تو عالم بالا کی سیر کرتے اور اسرار ورموز کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہوتے اور جب آنکھیں وا ہوتیں تو ان میں شگفتہ تفکرات کی لکیریں ابھری ہوتیں اور جبین ناز سے نور کی کرنیں پھوٹتی ہوئی محسوس ہوتیں ۔۔۔۔ یہ تمام خوبیاں آپ کی ذات میں اس لئے پائی جاتی تھیں کہ آپ صحیح معنی میں غوثِ پاک کے سچے غلام تھے ۔امام احمد رضا نے خود اسے بیان فرمایا آپ تحریر کرتے ہیں

''ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ والد ماجد کے ساتھ ایک بہت نفیس اور اونچی سواری ہے،،، حضرت والد ماجد نے کمر پکڑ کر مجھے سوار کیا اور فرمایا گیارہ درجہ تک تو ہم نے پہونچادیا آگے،،،، اللہ مالک ہے میرے خیال میں اس سے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی مراد ہے۔۔

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی نے اپنے اس خواب کا بیان،، الملفوظ حصہ سوم،، میں کیا ہے اسے خواب تصور کر کے نظر انداز نہ کیا جائے کہ یہ خواب کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کا نہیں ہے یہ امام احمد رضا کا خواب ہے ایک عالم دین اور فقیہ اعظم کا خواب ہے ایک مومن اور صاحبِ دل کا خواب ہے ایسوں کا خواب حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور اس سے صداقت کا اظہار ہوتا ہے اسی لئے میں اس خواب کو حقیقت پر مبنی تصور کرتا ہوں خود امام احمد رضا نے اس خواب کی حقیقت کا اعتراف کیا اور فرمایا،، میرے خیال میں اس سے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی مراد ہے،، اس خواب کو بیان کرتے ہوئے اس کے تناظر میں مولانا بدرالدین احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ درج تبصرہ کرتے ہیں کہ :

اللہ جل مجدہ نے اپنے برگزیدہ بندہ احمد رضا کو مقدس دین اسلام کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں ولایت کاملہ کا منصب عظیم عطا فرمایا تھا اور سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی نے اعلیحضرت کو قطبیت کا تاج کرامت بخشا تھا چنانچہ اگر ایک طرف آپ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ کے نائب ہیں تو دوسری طرف سیدنا غوث اعظم محی الدین عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مظہر بھی ہیں آپ نے جس شان سے احیائے دین وتجدید ملت کے فرائض منصبی کو انجام دیا وہ شاہد عدل ہے کہ آپ کی ذات گرامی حضور غوث اعظم شہنشاہ بغداد کی تجلی گاہ تھی۔

(حیات اعلیٰ حضرت)

میں اپنے قارئین سے گزارش کروں گا،، الملفوظ،، کی اس عبارت اور مولانا بدرالدین صاحب علیہ الرحمۃ کے اس تبصرہ کو اپنے پیش نظر رکھئیں اور پھر غور کریں ۔۔۔ میرا اذعان بول رہا ہے کہ آپ بھی یہی محسوس کریں گے کہ '' گیارہویں درجہ تک رسائی'' سے مراد صرف اور صرف ''سرکار غوثیت کی غلامی'' ہی ہو سکتی ہے اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ؟،، الملفوظ،، کی اس عبارت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہیکہ اس غلامی کے حصول میں آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد

نقی علی علیہ الرحمۃ کی کوشش زیادہ تھی نیز اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خود آپ کے والد گرامی بھی اسی منزل پر فائز تھے کسی اور کو اس منزل پر فائز کرنے کی صلاحیت بھی آپ کی شخصیت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ذرا خود بھی اس بات پر سوچیئے کہ جو اس منزل پر خود فائز نہ ہو وہ کسی دوسرے کو اس پر کیسے فائز کر سکتا ہے؟ یہی وہ منزل ہے جس پر فائز ہونے سے سرکار غوثیت کے انوار و تجلیات کی بارش ہونے لگتی ہے اور شخصیتیں نکھرنے لگتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے اس منزل پر فائز ہونے کے بعد آپ تجلی گاہ سرکار غوثیت بن گئے اور شب و روز آپ کی شخصیت نکھرنے اور سنورنے لگی سرکار غوث نے اپنے اس غلام کو کیا دیا؟ اور کتنا دیا؟

یہ کون بتا سکتا ہے؟ لفظوں میں اس قدر طاقت و توانائی کہاں؟ جو اس کا احاطہ کر سکے حالانکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ الفاظ اور جملے ہی معانی و خیالات اور جذبات کے حامل ہوتے ہیں مگر غلام اور مولیٰ کے مابین جو فرطِ شوق اور ازدیادِ اشتیاق ہوتا ہے لفظوں کے پیکر میں اتنی توانائی کہاں ؟ جو اسے کشید کر سکے اور خود میں اسے جذب کر سکے۔۔ہاں صرف اس قدر بتایا جا سکتا ہے کہ سرکار غوث نے اپنے اس غلام کو جو دینا چاہا وہ دیا اور جو دینا چاہے گا وہ دے گا اس سے زیادہ کچھ اور کہنا بہت زیادہ مشکل ہے ارباب شوق اس بات سے غافل نہیں کہ اس خواب نے یہ ثابت کر دیا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا مبارک قلب مثل آئینہ صاف شفاف ہو گیا ۔امام احمد رضا فاضل بریلوی کو اس گیارہویں درجہ تک رسائی کے بعد والد گرامی حضرت مولانا نقی علی علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا،، آگے اللہ مالک ہے،، بہت ہی زیادہ معنی خیز اور لائق مطالعہ ہے کہ اس سے بہت سے اسرار و رموز منکشف ہوتے نظر آرہے ہیں۔۔

میں نے اعلی حضرت فاضل بریلوی کے بیان کردہ خواب اور اس میں جو اسرار و رموز پائے جاتے تھے بیان کر دیا ہے اس کو نظر میں رکھتے ہوئے اپنے دل سے فیصلہ کریں کہ فن تصوف کی رو سے آپ کی شخصیت میں نکھار کس انداز کا پایا جاتا ہے ہے ......اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی کا جب وصال ہوا تو حضور اشرفی میں علیہ الرحمۃ نے عالم بیداری میں دیکھا کہ فرشتے ان کے جنازے کو اپنے کاندھوں پر لئے ہوئے ہیں ......ایک شامی بزرگ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ کی نورانی مجلس میں کسی کے آنے کا انتظار ہو رہا ہے اس شامی بزرگ نے پوچھا سرکار کس ذات گرامی کا انتظار ہے؟ ارشاد ہوا! احمد رضا ہندی کا !اس کے علاوہ آپ کی شخصیت سے بہت سی کرامتوں کا ظہور بھی ہوا...... یہ تمام شواہد اس بات کو ثابت کرتے ہیں امام احمد رضا نہ صرف علوم شریعت ہی کے عالم و محقق تھے بلکہ علوم باطن میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ نہ صرف آپ علم باطن کے تعلق سے اصول و نظریات ہی رکھتے تھے بلکہ عملی طور پر مقامات سلوک کی سیر میں بھی رہا کرتے تھے......سیر کی کیا کیفیت ہوا کرتی ہے اس بارے میں کسی کو کیا معلوم؟ اس کا علم تو خود سرکار اعلی حضرت کو تھا یا پھر انہیں تھا جو امام احمد رضا فاضل بریلوی کو منازل کی سیر کرایا کرتے تھے......اعلیٰ حضرت کو غوثیت مآب سے کتنی اور کیسی محبت تھی اس کی تفہیم کے لئے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات سے رجوع ہونا از حد ضروری ہے ، ذیل میں

''حدائق بخشش''(۱۳۲۵ھ) سے کچھ اشعار ملاحظہ کریں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شاعری

اعلیٰ حضرت نے جہاں اپنے دل کے جذبات اور قلبی واردات کے اظہار کے لئے اردو شاعری کا انتخاب فرمایا وہیں آپ نے فارسی زبان میں بھی شاعری کی ہے گو کہ کلام فارسی بہت کم ہے باوجود اس کے جس قدر ہے بہت خوب ہے ......اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنی صفائے باطن اور تزکیہ نفس نیز والد مکرم رضی اللہ تعالی عنہ کی معیت میں بارگاہ غوثیت میں اذن باریابی حاصل کر لی تھی ......یہ سیر ''سیر قلبی'' تھی یا یہ کہا جائے کہ یہ سیر ''سیر روحی'' تھی اسی لئے عالم خواب میں یہ منازل طے ہوئے......اور سرکار غوث کے انتظام وانصرام کے تحت آپ اپنے پیر مرشد کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ......اور لوگ اس بارگاہ میں صاف دل لے کر نہیں آیا کرتے تھے اس لئے ان سے ریاضت کرائی جاتی تھی اور اعلی حضرت جس وقت پہونچے تو آپ کا دل نہایت ہی صاف شفاف تھا اور مثل آئینہ چمکتا تھا اسی لئے مرشد گرامی نے آپ سے ریاضت نہ کرائی...... بلکہ انہیں تو صرف نسبت کی ضرورت تھی اور بیعت وخلافت حاصل ہو جانے کے بعد یہ نسبت حاصل ہوگئی ......اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اپنے پیر و مرشد کے بارے میں جو فرمایا میں اسے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں......

یہ منظوم خراج عقیدت بڑی طویل ہے جس کا عنوان درج کیا جارہا ہے۔

''ترنم عندلیب قلم برشاخسار مدح اکرم حضور پیر مرشد برحق علیہ رضوان الحق''

ترجمہ......حضور پیر ومرشد برحق کی مدح وتوصیف کی بہت سی ڈالیوں پر عندلیب قلم کی نغمہ سرائی

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آل رسول
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول

وہ دل کس قدر اچھا ہے جسے آل رسول کی محبت نصیب ہو جائے
وہ کس قدر خوش نصیب ہے جو آل رسول پر فدا ہو جائے

گناہِ بندہ بخش اے خدائے آلِ رسول
برائے آل رسول از برائے آلِ رسول

اے آل رسول کے خدا اس بندہ کا گناہ بخش دے

ہزار درج سعادت برآرد از صدفے
بہائے ہر گوہر بے بہائے آلِ رسول

سعادت کی بہت سی موتیاں سیپ سے نکلتے ہیں
آلِ رسول کے ہر موتی کی قیمت بیش قیمت ہے

سیہ سپید نہ شد گر رشید مصرش داد
سیہ سپید کہ سازد عطائے آلِ رسول

کوئی سیاہ دل شفاف نہ ہوگا اگرچہ کوئی رشید مصر اس کی رہنمائی کرے
ہاں! آل رسول کی عطا اس سیاہ دل کو شفاف کر دیتی ہے

اذا رُؤا ذکراللّٰہ معائنہ بینی
من و خدائے من آنست ادائے آل رسول

تمہیں خدا یاد آجائے گا جب تم دیکھوگے
مجھے اور میرے آقا کو کہ آل رسول کی ادا ہی ایسی ہے

خبر دہدز تگِ لا اِلٰہ الا اللّٰہ
فنائے آل رسول و بقائے آلِ رسول

لاالٰہ الااللّٰہ کی ضرب اس بات کی خبر دیتی ہے

آل رسول کا فنا ہونا ہی آلِ رسول کی بقا ہے

ہزار مہر پرد در ہوائے اوچو ہبا
بروزنے کہ درخشد ضیائے آلِ رسول

ہزاروں سورج اڑتے ہیں ان کی فضا میں جس طرح ذرات
اس روشن دان میں جس میں آل رسول کی ضیا چمکتی ہے

نصیب پست نشیناں بلندیست ایں جا
تواضع ست درِ مرتقائے آلِ رسول

اس آستانہ پر گردن جھکائے بیٹھنے والوں کے لئے بلندی ہے

برآ بہ چرخِ برین وببیں ستانہ او
گراں بہ خاک وبیا برسمائے آلِ رسول

چرخ بریں سے باہر آ اور ان کے آستانے کو دیکھ
زمین پر بیش قیمت اور آ، آلِ رسول کے آسماں کی طرف

قبائے شہ بگلیمِ سیاہ خود نخرد
سیہ گلیم نہ باشد گدائے آلِ رسول

بادشاہی قبا گلیم سیاہ کے عوض وہ خود نہیں خریدتا
اور جو آل رسول کا گدا ہے وہ سیاہ گلیم والا نہیں ہوسکتا

یہ کل دس اشعار ہیں اور ہر شعر کے نیچے اس کا اردو ترجمہ لکھ دیا گیا ہے......اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان دسوں اشعار میں کہاں کہاں صوفیانہ اثرات پائے جاتے ہیں ویسے تو میرا ہر ایک قاری مجھ سے زیادہ جانتا ہے کہ اس فارسی کلام میں صوفیانہ اثرات میں سے کیا کیا اثر پایا جاتا ہے؟......اس حوالے سے ذیل میں کچھ باتیں بیان کی جارہی ہیں ......اگر کوئی بات پسند آجائے تو دعا دیجئے اور اگر کھٹک جائے تو دعا فرمائیں کہ وحدہ لاشریک میری اصلاح فرمادے......بس یہی آپ سے التجا ہے اور میرے دل کی آواز بھی ہے......

پہلی بات ......یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے ''قلم ناز'' کو بطور استعارہ ''عندلیب'' فرمایا ......اور ''سرکار آل رسول'' کی مدح سرائی مختلف شاخوں میں پھیلی ہوئی ہے اور انہیں شاخوں پر بیٹھ کر ''عندلیب قلم'' نغمہ وترنم میں مِنہمک ہے ......شاعری کی دنیا میں بلبل کو عشق ومحبت ......پیار وخلوص ......کرب واضطراب ......اور بے لوث جذبوں کی علامت تصور کی جاتی ہے......اعلی حصرت فاصل بریلوی نے اپنے پیرومرشد کی تعریف وتوصیف اور مدح سرائی کو ایک پھل دار درخت کے روپ میں دیکھا ہے...... یہ بھی ایک استعارہ ہے جو اسلوب بیان کو جمالیاتی بنا رہا ہے اور شگفتہ بیانی کو حسیں اور خوبصورت بنا رہا ہے......ایسی صورت میں ترنم ریزی کیا لطف ومزہ دے رہی ہے جو سننے سے نہیں بلکہ چکھنے سے تعلق رکھتی ہے......بلبل کا اس قدر قریب ہونا اور خود مدح سرائی کی شاخوں پر براجمان ہونا انتہائی درجہ کی قربت کو ثابت کررہا ہے......انتہائی قربت ''جمع'' کی علامت ہے اور قریب ہونا ''تفرقہ'' کی نشانی ہے......ارباب فکر سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ''جمع وتفرقہ'' تصوف کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے......اور اسی کو صوفیانہ اثر کہا جاتا ہے...... یہ کمال توصرف ''عنوان مدح سرائی'' میں پایا جاتا ہے......

دوسری بات ......یہ ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قریب ہوئے مگر کس کے قریب ہوئے: اس کے قریب ہوئے جو پیر بھی ہے اور مرشد برحق بھی ......اور وہ حق کی رضا بھی ہے......ایسی شان رکھنے والی ذات گرامی سے مخاطب

ہونا اور اس کے مقام قرب میں جگہ پا لینا بھی یوں ہی حاصل نہیں ہوتا...... بلکہ اس کا محرک اگر کچھ ہے تو سرکار اعلیٰ حضرت کی صفائے قلب ہے اور تزکیۂ نفس ہے...... جو خالص صوفیانہ اثر ہے اس سے یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ آپ اپنے دور میں صوفیانہ تجربات اور مشاہدات سے لبریز رہا کرتے تھے ......لہٰذا ثابت ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے کلام فارسی میں صوفیانہ اثرات پائے جاتے ہیں ......اور بہت گہرے اثرات پائے جاتے ہیں اور لوگ تو ہلکے پھلکے اثرات کے سبب ہی صوفی کہلائے جاتے ہیں......اور یہاں گہرے اثرات کے باوجود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے آپ کو صوفی کہتے ہیں اور نہ ہی ان کے چاہنے والوں نے انہیں ''صوفی'' کے نام ولقب سے موسوم کیا ہے ......آخر ایسا کیوں کیا گیا ؟اس کے پیچھے بھی بہت سارے راز چھپے ہوئے ہیں ......اس تعلق سے ہمارے قارئین خود ہی فکر کریں ...... گہرائی تک پہونچیں اور پھر فیصلہ کریں...... بات خود ہی سمجھ میں آ جائیگی......

تیسری بات ......حضور آل رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح و وصف نگاری کے لئے جو عنوان منتخب کیا گیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا اشعار میں جو عمومی فضا تیار ہوتی ہے اس میں قلبی کیفیات اور دل کی واردات پائی جاتی ہیں......اور اس کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر ان کے قدموں میں نثار ہوتا چلا جا رہا ہے اور اپنی شان طمطراق کو پیچھے چھوڑتا جا رہا ہے......انہیں تو بس ایک محبوب کی لازوال شخصیت ہی درکار ہے اور یہ شخصیت انہیں مل گئی ہے ......گزشتہ صدیوں میں پیر کی تلاش کے لئے نہ جانے کیا کیا کرنا پڑتا تھا ......ایک جگہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا ......مہینوں کی صحبت میں رہنا ......اور سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرنا پڑتا تھا......تاریخ کے اوراق میں ایسے بہت سے واقعات پائے جاتے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب کسی کے دل میں پیر و مرشد کی تلاش کرنے کا جذبہ ابھرتا تھا تو وہ اپنے سارے اثاثہ کو بیچ کر خدا کی راہ میں نکل جایا کرتے تھے خود سرکار خواجہ غریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باغ کو بیچ کر سفر پر روانہ ہو گئے تھے اور پھر ہر جگہ سے گھومتے ہوئے خواجہ عثمان ہارونی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے یہ سب کیا ہے؟ کہیں یہ سفر جسمانی طور پر پایا جاتا ہے اور کہیں روحانی طور پر......کہیں ذہنی سفر اختیار کیا گیا اور کہیں قلبی سفر سے کام لیا گیا اور امام احمد رضا فاضل بریلوی نے قلبی سفر سے کام لیا کہ آپ کا قلم عندلیب عشق ومحبت بن کر اپنے پیر کی صحبت میں رہا اور ہر طرح کے حرص و آز سے بے نیاز ہو کر اپنے پیر و مرشد کی نغمہ سرائی میں مشغول ہے کیا یہ صوفیانہ اثر نہیں ہے؟ ہاں ہاں صوفیانہ اثر ہے جو سرکار اعلیٰ حضرت کے کلام فارسی میں پایا جاتا ہے......

چوتھی بات...... یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں: وہ دل بھی کیا دل ہے جس میں آل رسول کی محبت پائی جاتی ہے اور وہ سر بھی کیا مبارک سر ہے جو ان کے قدموں پر نثار ہے......ان مذکورہ بالا کلمات سے جو جذبے ابھر کر سامنے آتے ہیں یہ بڑے ہی حسین اور خوبصورت جذبے ہیں جو کسی انسان کو ملا کرتے ہیں ہر ایک انسان میں یہ جذبے کہاں پائے جاتے ہیں اور میں تو یہاں تک کہا کرتا ہوں یہ جذبے اسی دل میں ابھر کر

سامنے آتے ہیں جو صوفیائے کرام کا دل ہوا کرتا ہے ......ارباب ہوش وخرد کیا جانیں ؟ کہ جذبے کیا ہوتے ہیں ؟اور جذبہ لطیف سے سرشار دل کی کیا حیثیت ہوا کرتی ہے ؟انہیں تو بس وہی بات پسند آتی ہے جوان کی سمجھ میں آتی ہے ۔یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر انسان کو ہر بات پسند آجائے ہر جگہ عقل کام میں نہیں آتی ہے بلکہ کچھ مقامات ایسے بھی ہوا کرتے ہیں جہاں ہوش وخرد کو چھوڑ نا پڑتا ہے جیسا کہ اقبال نے کہا ہے

بے خطر کود پڑا آتش ِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ا بھی

اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اپنے ان اشعار میں جو باتیں کہی ہیں وہ خالص عشق ومحبت کے جذبات ہیں بس ان کے انہیں جذبات نے ان کے کلام فارسی کو خالص صوفیانہ شاعری بنا دیا ہے اور اس میں سوز وگداز کی ہلکی ہلکی آنچ پیدا کردی ہے ......جو صوفی ازم نظریات کے حامل انسانوں کو''قرب یار'' کی لذتوں سے آشنا کرتی رہتی ہے ......سلامت رہیں ایسے لوگ جن کے سہارے زندگی کے ویران صحراؤں میں حیات نو کی چہل پہل برقرار رہتی ہے اگر یہ نہ ہوتے تو پھر کیا ہوتا ؟اور یہ جہاں والے کہاں رہتے ؟......اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ زمیں کے اوپر رہیں یا پھر زمین کے نیچے ......بہر حال وہ ہمارے درمیاں رہتے ہیں اوران کا یہ رہنا بھی کام کرتا ہے......اگر یہ کام کسی کونظر نہ آئے تواس میں ہم جیسے آنکھ والوں کا کیا قصور ہے؟ بلکہ یہ قصور ان کا ہے جوآنکھ رکھتے ہوئے بھی بے آنکھ دکھائی دیتا ہے......

پانچویں بات...... یہ بات حقیقت ہے کہ تواضع ،اور عجز و انکساری صوفیوں کے یہاں پسندیدہ مضامین ہیں ......اسی لئے صوفیائے کرام اپنی تعلیمات میں تواضع اختیار کرنے کی نصیحت کیا کرتے ہیں ......اسی تواضع کو اپنانے کے لئے نفس اور اس کی خواہشات کو ترک کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی ایک اچھوتے انداز میں تواضع ،فروتنی اور عجز وانکساری کا ذکر کیا ہے......جیسا کہ آپ کے کلام سے نمایاں ہوتا ہے کہ میرے پیر ومرشد کے دربار عالی میں تواضع اختیار کرنے والوں کے لئے بلندی ہی بلندی ہے اور جو عجز وانکساری سے کام لیتا ہے میرے پیر و مرشد اسی کو آگے بڑھاتے ہیں اور اسی کو ترقی دیا کرتے ہیں ......تواضع اور عجز و انکساری جیسی باتیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ سرکار اعلی حضرت فاضل بریلوی کی فارسی شاعری صوفیانہ اثرات سے لبریز ہے ......اور میں سمجھتا ہوں کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی کو جو بلندی عطا ہوئی ہے اس کے پیچھے ان کا تواضع ہی تو ہے کہ ان کی شخصیت نکھر کر ایسی ہوئی کہ ان کی جیسی شخصیت نہ ان کے دور میں پائی جاتی ہے اور نہ ہی ان کے بعد ایسی کوئی شخصیت ابتک نظر آتی ہے......

اعلی حضرت فاضل بریلوی نے یہ بھی فرمایا: میرے پیر و مرشد کا آستانہ زمین پر گراں قیمت ہے تو پھر ان کے آسماں اور بلندی کا کیا عالم ہوگا ......کوئی مصری طبیب حاذق کسی سیاہ کو سفید نہیں کرسکتا ہاں سیدی آل رسول وہ طبیب حاذق ہیں جو سیاہ دل کو بھی صاف وشفاف دل والا کر دیتا ہے جو انہیں چاہتا ہے کبھی وہ سیاہ پوش گلیم والا نہیں ہوسکتا ہے...... یہ وہ مضامین ہیں جن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے یہ معاملہ کسی عقل کا نہیں

......بلکہ دل کا معاملہ ہے اور جہاں دل کا معاملہ سامنے آجاتا ہے وہیں سے صوفیانہ اثرات کی شروعات ہوا کرتی ہے......لہٰذا اس بات میں کسی شک وتردد کی گنجائش نہیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے ہوش وخرد اور فلسفہ ومنطق کو پورے طور پر اپنے دل کے دائرہ میں لاتے ہوئے اس سے وہی کام لیا جو آپ کا دل کہا کرتا تھا......اسی کا دوسرا نام ''صوفیانہ اثرات'' ہے چاہے وہ اعلیٰ حضرت کی اردو شاعری ہو چاہے وہ فارسی شاعری ہو ہر جگہ دل کا ہی معاملہ ہے اس لئے ان کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات پائے جاتے ہیں اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ یہ اثرات سطحی اور سرسری طور پر نہیں پائے جاتے ہیں بلکہ ان میں گہرائی ہے اور زبردست گہرائی ہے......

تصوف کی دنیا میں فنا کا تصور عام طور پر پایا جاتا ہے اور فنا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی بڑی شخصیت کی ضیا پاشیوں میں اپنے آپ کو گم کر دینا ہے......ارباب طریقت کبھی اپنے آپ کو شیخ کی محبت میں فنا کر دیا کرتے ہیں اور کبھی غوث پاک کی محبت میں....../کوئی اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے اور پھر اس منزل سے ابھرنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیا پاشیوں میں فنا ہونے کی منزل آتی ہے اور جو اس منزل میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ فنا فی اللہ کی جانب روانہ ہو جاتا ہے......اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی اس منزل سے استفادہ کیا ہے...... جہاں تک اردو شاعری میں اس کیفیت کے پائے جانے بات ہے تو اعلیٰ پیمانہ پر پائی جاتی ہے اور جب فارسی شاعری کی بات آتی ہے تو اس میں یہ کیفیت بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے ......میں نے اعلیٰ حضرت کی فارسی شاعری میں سے جن دس اشعار کا انتخاب کیا ہے وہ ابتدائی اشعار ہیں جن میں صوفیانہ اثرات کی کمی نہیں ہے اسی سلسلہ کو دراز کرتے ہوئے کچھ اور اشعار پیش کرنا چاہتے ہیں......

دوائے تلخ مخور شہد نوش ومژدہ نیوش
بیا مریض بدار الشفائے آلِ رسول

کڑوی دوا نہ پی،شہد پی اور خوش خبری سن
اے مریضو! آل رسول کے''دار الشفاء'' میں آ

رسول داں شوی از نام او نمی بینی
دوحرف معرفہ در ابتدائے آلِ رسول

ان کے نام ہی سے رسول داں ہو جائے گا کیا تو نہیں دیکھتا؟
کہ ان کے نام کے دو حرف ہی رسول کی معرفت کرا دیتے ہیں

بخدمتش نخرد باج و تاج رنگ و فرنگ
سپید بخت سیاہ سرائے آلِ رسول

ان کی خدمت گار کو نہ ٹیکس چاہیئے نہ تاج اور نہ ہی فرنگی رنگ
آل رسول کی حویلی میں آنے سے سیاہ نصیب والا بھی سپید ہو جاتا ہے

اگر شب است وخطر سخت ورہ نمی دانی
ببند چشم وبیا بر قفائے آل رسول

اگر اندھیری رات ہے سخت خطرے اور راستہ نہیں جانتے ہو
تو آنکھیں بند کر واور آل رسول کے پیچھے چل دے

مرو بمیکدہ کانجا سیاہ کارانند
بیا بخانقہ نور زائے آل رسول

اس میکدہ میں ہرگز نہ جا جہاں سیاہ کار لوگ رہا کرتے ہیں

آل رسول کی اس خانقاہ میں آ جہاں نور ہی نور ہوا کرتا ہے

مر بمجلس فسق و فجور شیاداں
بیا بانجمن اتقائے آل رسول

فسق و فجور کی مجلس میں نہ جا جہاں مکر وفریب والے رہا کرتے ہیں۔

آنا ہی ہے تو آل رسول کی انجمن اتقاء میں آ

مرو بدامگہ ایں دروغ بافاں ہیچ
بیا بجلوہ گہِ دل کشائے آل رسول

جھوٹ گڑھنے والے کی بزم میں ہرگز نہ جا
بلکہ آل رسول کی دلکش جلوہ گاہ میں آ

ازاں بانجمنِ پاک سبز پوشاں رفت
کہ سبز بود دراں بزم جائے آل رسول

اسی انجمن سے بہت سے سبز پوش گزر چکے ہیں کہ اسی بزم میں آل رسول کی مسند سبز ہوا کرتی ہے

شکست شیشہ بھجر و پری بشیشہ ہنوز
زدل نمی رود جلوہ ہائے آلِ رسول

ہجر وفراق سے شیشہ دل ٹوٹ گیا اور پری اب تک شیشہ میں ہے کیونکہ دل سے آل رسول کا جلوہ جاتا ہی نہیں ہے

صبا سلام اسیران بستہ بال رساں
بطائران ہوا وفضائے آل رسول

اے صبا! شکستہ بال و پر اسیروں کا سلام پہونچا دے آل رسول کی فضا اور ہوا میں اڑنے والے پرندوں تک

مذکور بالا تمام شعروں میں کس بزرگ کا ذکر ہے؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے ......اور یہ ذکر بھی کسی ایک جہت سے نہیں بلکہ مختلف جہتوں سے کیا گیا ہے......اگر صرف ایک ہی جہت سے ذکر کیا جاتا تو اس بات کا شبہ ہوسکتا تھا کہ ہوسکتا ہے یہ ذکر غیر شعوری طور پر آ گیا ہو......مختلف جہتوں سے ذکر کئے جانے کے سبب یہ شبہ بھی جاتا رہا اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت آل رسول کا ذکر کسی غیر شعوری عمل کا نہیں بلکہ شعوری عمل کا نتیجہ ہے جس میں فطری جذبات اور قلبی وارادات کی دنیا آباد ہے......اور یہ ذکر بھی کوئی خشک ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں لطف بھی پایا جاتا ہے اور لذت شادکامی بھی......اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے کہیں اور کسی مقام پر اپنا کوئی ذکر نہیں کیا ہے......اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ عملی طور پر ''تصور شیخ اور فنا فی الشیخ'' کی منزل پر فائز تھے......اور آپ نے اپنی فارسی شاعری میں وہی کیا جو اس منزل کا تقاضا تھا اور اس کے آداب تھے...... اس سے بڑھ کر اور صوفیانہ اثرات کیا ہو سکتے ہیں......میں نے تصوف کی بہت سی کتابوں میں دیکھا ہے کہ اس میں ارباب تصوف کا ذکر بڑے مزے مزے سے کیا گیا ہے...... بدایوں کی تاریخ میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا حضرت خواجہ عزیز کوتوال سے ملنے کے لئے تشریف لائے اور جب ملاقات ہوئی تو حضرت خواجہ عزیز کوتول نے بزرگوں اور ان کے واقعات و حالات کا ذکر کیا......اسی طرح ''اخبار الاخیار'' اور'' تذکرۃ الاولیا'' میں کیا ہے بزرگوں کے حالات ان کے واقعات اور ان کی نصیحتیں پائی جاتی ہیں......ان کتابوں میں تصوف اور سلوک کے منازل کا کہیں ذکر نہیں ملتا ہے اور پھر بھی ان کتابوں کو تصوف کی کتابوں میں شامل کیا جاتا ہے......اعلی

حضرت فاضل بریلوی نے اپنے فارسی کلام میں بھی اپنے پیرو مرشد کا ذکر کیا ہے اور اسی ذکر سے ان کی فارسی شاعری میں صوفیانہ اثرات کے پائے جانے کا ثبوت ملتا ہے......اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ جب کسی فن کا تعارف کیا جاتا ہے تو اس فن کا پس منظر......موضوع اور اس کے مسائل بیان کئے جاتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی التزام رہتا ہے کہ اس فن کے ماہرین کا بھی تذکرہ کیا جائے......ماہریں کا ذکر کئے بغیر صحیح معنی میں فن کا تعارف نہیں ہو پاتا......پیران عظام اور مشائخ کرام ہی فن تصوف کے ماہرین ہوا کرتے ہیں......اس لئے ان کا تذکرہ فن تصوف کا تذکرہ ہوا کرتا ہے.

حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی رحمۃ اللہ علیہ کا دربار وہ عالی دربار ہے کہ جس کی نسبت اس دربار سے ہو جاتی ہے وہ بہت ہی بڑا بن جاتا ہے اور اس کی شخصیت کا تذکرہ ستاروں کی انجمن میں ہونے لگتا ہے خواہ وہ کیسا بھی ہو اور اس کی حیثیت کچھ بھی ہو لیکن اس دربار میں آنے کے بعد وہ عالی وقار اور عظیم شان وشوکت والا بن جاتا ہے اور وہ ایسا چمکتا ہے کہ اس کی چمک کے سامنے ماہ وخورشید کی چمک بھی ماند پڑ جاتی ہے اسی دربار عالی وقار کی نسبت پر سرکار اعلیٰ حضرت نے بھی فخر و ناز کا اظہار کیا ہے......ملاحظہ کریں......

تواضع شہ مسکیں نواز را نازم
کہ ہم چوں بندہ کند بوس پائے آل رسول

مسکیں کو نوازنے والے بادشاہ کے تواضع پر میں ناز کرتا ہوں

کہ ہم جیسے بے وقعت غلام کو حضرت آل رسول کے پاؤں کا بوسہ ملا

منم امیر جہانگیر کج کلہ یعنی
کمینہ بندہ مسکیں گدائے آل رسول

میں بھی کج کلاہ بادشاہ کا امیر ہوں یعنی
آل رسول کا گدا، مسکیں اور کمینہ غلام ہوں

اگر مثال خلافت دہد فقیرے را
عجب مدار زفیض و عطائے آل رسول

اگر کسی فقیر کی حیثیت کو خلافت سے مثال دی جائے
آل رسول کی عطا و فیض سے بعید نہ سمجھ

مگیر خردہ کہ آں کس نہ اہل ایں کا است
کہ داند اہل نمودن عطائے آل رسول

نکتہ چینوں پر نہ جا کہ وہ اس کام کا اہل نہیں
کہ آل رسول کی عطا دیکھنے والے اس بات کو جانتے ہیں

ببیں تفاوت رہ از۔ کجا تا بکجا
تبارک اللہ ما وثنائے آل رسول

راستہ کا فرق دیکھ کہ کہاں سے کہاں تک ہے
کہ تبارک اللہ! کہاں ہم اور کہاں ثنائے آل رسول؟

مرا ز نسبت ملک امید آنکہ بہ حشر
ندا کنند بیا رضائے آل رسول

مجھے ایک بادشاہ سے نسبت ہے اور امید کہ میدان حشر میں
پکارنے والے پکاریں اے آل رسول کی رضا آ ؤ۔آ ؤ

نسبت بڑی چیز ہوا کرتی ہے ......نسبت ہی سے انسانوں میں خوبی وکمال نمایاں ہوا کرتے ہیں......کمال نسبت کے بارے میں نہ صرف میں نے سنا ہے بلکہ پڑھا بھی ہے

اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے......ایک میں ہی نہیں بلکہ بہترے لوگوں نے دیکھا ہے اور اسے سمجھا بھی ہے ......تصوف میں اسی نسبت پر زور دیا جاتا ہے......اور اگر یوں کہا جائے کہ پورا فن تصوف اسی نسبت عالی پر قائم ہےتو کوئی غلط بات نہ ہوگی......مثال کے طور پر مجھے نسبت ہے سرکار مفتی اعظم ہند سے اور انہیں سرکار اعلی حضرت سے نسببت ہے اور اعلی حضرت کو حضور آل رسول سے نسبت حاصل ہے......اور انہیں سرکار اچھے میاں رضی اللہ تعالی عنہ سے......نسبت اور صاحب نسبت کا تذکرہ بھی صوفیائے کرام کے اثرات میں سے ہے اس بات کو نظر انداز نہ کیا جائے......اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اسی صوفیانہ اثر کا جا بجا تذکرہ فرمایا ہے اس بنیاد پر ان کی فارسی شاعری میں یہ اثرات بھی پائے جاتے ہیں......بات اسی پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کا سلسلہ اور زیادہ دراز ہوتا ہے......

حضرت سیدنا الشاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی رضی اللہ تعالی عنہ

سرکار اعلی حضرت فاضل بریلوی کے دادا پیر و مرشد ہیں......آپ ۲۸/ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ میں سرزمین مارہرہ شریف میں پیدا ہوئے اور سارے جہاں کو اپنی ضیا بار کرنوں سے منورو تاباں فرما کر ۱۷/ ربیع الاول شریف ۱۲۳۵ھ میں وصال فرما گئے......آپ کا مزار پاک مارہرہ شریف میں واقع ہے......آپ کی زندگی کے حالات۔ تعلیم و تربیت کے تعلق سے معلومات حاصل کرنے کے لئے مولانا عبد المجتبیٰ صاحب کی کتاب ''مشائخ قادریہ برکاتیہ رضویہ'' کا مطالعہ کریں اس کتاب سے آپ کی معلومات میں زبردست اضافہ ہوگا......یہاں کسی تعارف کی اجازت نہیں کہ مقالہ اس کا متحمل نہیں......سرکار اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فارسی شاعری میں جہاں اپنے پیر و مرشد کا نہایت ہی تفصیل سے ذکر کیا ہے وہیں آپ نے پیر و مرشد کے پیر و مرشد حضور اچھے میاں کا بھی ذکر کیا ہے......آپ نے ان کے بارے میں کیا کہا ہے یہاں اسی کو بیان کرنا میرا مقصد ہے......حضور اعلی حضرت فاضل بریلوی نے مارہرہ شریف کے دوسرے تمام بزرگوں کا بھی ذکر کیا ہے اور ان سے امداد کی التجائیں کی ہیں ......فارسی شاعری میں اس کا عنوان درج ذیل ہے

(سلسلہ سخن تا شاخ معلائی برکاتی رسیدن و بردرِ آقایان
خود برسم گدائی علی اللّٰہی کشیدن)

ترجمہ......سلسلہ سخن کو برکاتی بلند و بالا شاخوں تک پہونچنا اور اپنے آقاؤں کے دربار تک پہونچ جاؤں اور الہی گدا بن کر آگے بڑھوں

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے فارسی کلام میں سرکار اچھے میاں کے لئے کیا کہا......اور ان کے کن کمالات کا ذکر کیا ہے......اس بارے میں تو بعد میں گفتگو کی جائے گی مگر اس فارسی کلام کا چہرہ ہی بہت کچھ بتا رہا ہے......مارہرہ مقدسہ کی سرزمیں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے لئے کس قدر متبرک اور با برکت تھی؟ یہ بتانا بہت مشکل ہے لیکن یہ سوچ لیجئے کہ آپ مارہرہ کے ریلوے اسٹیشن سے خانقاہ تک ننگے پاؤں جایا کرتے تھے اور اس بات کا تصور فرمایا کرتے تھے کہ اس مقدس زمیں پر جوتی پہن کر چلنا یک نوع سوء بے ادبی ہے ...... یہ چہرہ ہی صوفیانہ شاعری کا نمائندہ اور ترجمان دکھائی دیتا ہے اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اعلی حضرت

فاضل بریلوی اپنے بزرگوں سے فیوض و برکات کے حصول کے لئے چلتے ہی رہے ہیں ......کہیں آپ رکے نہیں ۔اور تصوف کے فن میں اسی طرح کے چلنے کو کامیاب مانا جاتا ہے کسی ایک مقام پر ٹھہر جانے کو ناقص اور غیر کامل تصور کیا جاتا ہے جیسا کہ تصوف کے مزاج کو جاننے کے بعد اندازہ ہوتا ہے ......اب ہم فارسی کے ان اشعار کو اپنی توجہ کا مرکز بناتے ہیں جو حضور قبلہ اچھے میاں رضی اللہ تعالی اور بزرگان مارہرہ شریف کے تعلق سے کہے گئے ہیں......

شاہِ برکات اے ابو البرکات اے سلطان جود
بارک اللہ اے مبارک بادشاہ امداد کن
شاہ برکات اے ابوالبرکات اے بادشاہ کرم
بارک اللہ اے مبارک بادشاہ امداد کر
عشقی اے مقتول عشق اے خوں بہایت عین ذات
اے زجاں بگزشتہ جاناں واصلا امداد کن
اے عشقی تو مقتول عشق اور خون بہا عین ذات
اے جاں سے گزر کر جاناں تک واصل امداد کر
بے خودا و باخدا آل محمد مصطفیٰ
سیدا حق واجدا یا مقتدا امداد کن
اے بے خود اور خدا والے آل محمد مصطفیٰ
سردار ! حق رسا! اے مقتدا امداد کر
اے حریم طیبہ توحید را کوہِ اُحد
یا جبل یا حمزہ یا شیرِ خدا امداد کن
اے حریمِ پاک! توحید کے کوہِ اُحد
اے جبل ! اے حمزہ اے شیر خدا امداد کر

اے سراپا چشم گشتہ در شہود عین ہو
زاں سبب کردند نامت عینیا امداد کن
عین ذات کے شہود میں اے سراپا چشم!
اس لئے تیرا نام عینی ہے امداد کر
یا ابو الفضل آل احمد حضرت اچھے میاں
شاہ شمس الدیں ضیاء الاصفیاء امداد کن
اے ابو الفضل آلِ احمد حضرتِ اچھے میاں
شاہ شمس الدین اے اصفیاء کی ضیا مدد کر
وحی بر جدِ تو لا یاتل اولوا الفضل آمدہ است
بندۂ بے برگ را فضل و غنا امداد کن
تیرے جد پر وحی نازل ہوئی کہ فضل والے قسم نہیں کھاتے
اس بندۂ ناچیز کے فضل و غنا امداد کر
گو نہ ہجرت کردم از اثم وغیٰ ارزم بقرب
آخر ایں در رانیم مسکیں گدا امداد کن
اگر چہ میں گناہ و معصیت نہ چھوڑ سکا پھر بھی قرب پالیا
آخر اس در پر مسکیں وگدا بن کر آگیا امداد کر
اے کہ تو شمسی وکرامتہائے تو مثلِ نجوم
اے عجب ہم مہر و ہم انجم نما امداد کن
تو شمس ہے تیری کرامتیں ستاروں کی مثل
کیا عجب! مہرو انجم کے رہ نما امداد کر
من سرت کردم دمے دیگر زشرق خرق تاب
آفتابا در شبِ داجم بیا امداد کن
میں کچھ ہی چلا اور دوسرے مشرق سے چمکتا دمکتا
اے آفتاب ! میری سیاہ رات میں آ اور امداد کر

تاجدار حضرت مارہرہ یا آلِ رسول
اے خدا خواہ وجدا از ماعدا امداد کن
حضرت مارہرہ کے تاجدار اے آل رسول
اے خداوالے ماسوا سے جداوالے امداد کر
اے شہ والا عمیم آلا عظیم المرتبہ
اے پئے الا ذبیح تیغ لا امداد کن
اے شہ والا ،عام نعمت اور عظیم مرتبہ والے
اے الا کے پیرو کار اور شمشیر لا کے ذبیح امداد کر
نائل جوداز نمے زاں یم مرا سیراب ساز
نوگل جود از شمے جانم فزا امداد کن
اے کرم والے اسی سمند کی نمی سے مجھے سیراب کر
کرم کے نوخیز گل خوشبو سے جاں فزا امدادکر
اے عجب غیبے ترا مشہود از غیب شہود
دیدہ ازخود بستی ودیدی خدا امداد کن
کیا عجب؟ غیب شہود سے کوئی غیب مشہود ہوجائے
آنکھیں موند کراے خدابیں امداد کر

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی فارسی شاعری کے مندرجہ بالا اشعار نہایت ہی اہم ہیں اور بلند خیالات پر مبنی ہیں ......ان میں جو جذبات واحساسات اور سوز دروں بیان کی گئی ہے وہ صرف صوفیانہ اثرات ہی نہیں بلکہ ان میں کچھ ایسی فضائی کیفیات پائی جاتی ہیں جو واقعی طور پر صوفیانہ اثرات کے لئے سرچشمہ حیات ثابت ہوا کرتی ہیں......عملی طور پر جن لفظوں سے صوفیانہ اثرات نمایاں ہوتے ہیں ذیل میں درج کیا جارہے ہیں

عشقی.....مقتول عشق.....خوں بہایت عین ذات ......زجاں بگزشتہ ......جاناں واصلا ......بے خود ......باخدا ......حق واجدا ......سراپا چشم گشتہ......شہود عین ھو......حمزہ ......اچھے میاں ......ابوالفضل......ضیاء الاصفیاء ......بندۂ بے برگ ......ارزم بقرب ......کرامتہائے ......آل رسول ......خداخواہ......پئے الا......تیغ لا ......نائل جود......نمی زاں یم ......نوگل جود......شمے جانم فزا......مشہود......غیب شہود......وغیرہ

یہ وہ الفاظ ہیں جو دلوں کی ترجمانی کرتے ہیں اور اندرون قلب کی کیفیات کو بیان کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کے مفاہیم میں جو جمالیاتی کیفیات پائی جاتی ہیں وہ ہمارے بیاں سے باہر ہیں ان میں سوز بھی ہے اور ساز بھی ہے ......ان لفظوں میں تصوف کے بہت سے زاویئے بھی کھلتے ہیں ......اس قسم کے اثرات جہاں بھی بیان کئے جائیں......نثر میں یا نظم میں......ہم کیا کوئی اور بھی ایسے ''شعری ادب'' کو جس میں یہ اثرات پائے جائیں......اسے تصوف کی شاعری ہی کہے گا......اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس میں جمالیاتی تحریکات بھی ہیں اور اندرونی کرب و اضطراب بھی ہے ......امید و رجا بھی پائے جاتے ہیں......اور کہیں کہیں انتظار کی کیفیت بھی......واہ کیا شاعری ہے؟ جس سے روح کو تسکین ہوتی ہے اور ذہن کو سکوں ملتا ہے ایمان بھی تازہ ہوتا ہے اور اسی سے مضمحل دلوں کو قوت وطاقت بھی نصیب ہوا کرتی ہے ......میں نے بہت سے شاعروں کے کلام کو دیکھا ہے اور اسے پرکھا بھی ہے مگر جو بات اعلیٰ حضرت کی فارسی شاعری میں ہے جو لطف ومزے ملتے ہیں وہ کہیں دستیاب نہیں......اس طرح

کی اور بھی بہت سی منزلیں ہیں جہاں امام احمد رضا فن تصوف کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان کی شخصیت کا جلوۂ رنگیں لفظوں کے آئینے میں اس طرح نمایاں ہوا ہے کہ کوئی اگر وہاں سے اسے الگ کرنا چاہے جب بھی الگ نہیں کرسکتا ہے ......اس منزل کو عبور کرتے ہوئے ایک بلند و بالا منزل پر چلتے ہیں جہاں سب کچھ ہے......

میں نے فارسی شاعری کے جن اشعار کے تعلق سے گفتگو کی ہے اسی زمین اور اسی اسلوب میں پانچ اشعار ایسے ہیں جنہیں امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ''خلاصۂ فکر و عرض حال '' کا نام دیا ہے۔ان اشعار پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں پہلے یہ اشعار آپ کے گوش گزار کردوں

بندہ ام والامر امرک آنچہ دانی کن بمن
من نمی گویم مرا بگزار یا امداد کن

میں غلام ہوں اختیار آپ کو ہے جو چاہیں کریں
میں کچھ نہیں کہتا مجھے چھوڑ دیں یا میری امداد کریں

خانہ زادان کریماں گر بشدت می زیند
ایں من واینک سرم درنے مرا امداد کن

خاندانی کرم والے اگر شدت سے کام لیں
میں ہوں اور میرا سر ہے ورنہ میری امداد کریں

دست من بگرفتی وبر تست پاسش بعد ازیں
یا تو دانی یا ہماں دست تو یا امداد کن

تونے میرا ہاتھ تھام لیا ہے اس کا لحاظ فرمائیں
آپ جانیں یا پھر وہ دست پاک یا میری امداد کریں

گر بدوزخ می روم آخر ہمی گویند خلق
کاں رسولی می رود غیرت برا امداد کن

اگر میں دوزخ میں چلا تو میں لوگ یہی کہیں گے
دیکھو!وہ رسولی جارہا ہے اے غیرت والے آقا میری امداد کریں

عار باشد بر شبان دہ اگر ضائع شود
یک رسن در دشت یا حامی الحمیٰ امداد کن

چرواہوں کے لئے باعث عار ہوتا اگر ضائع ہو جائے
ایک رسی جنگل میں،اے چراہ گاہوں کے نگہباں میری امداد کریں۔

ان پانچ شعروں میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی فکر اور ان کے عرض حال کا خلاصہ ہے ......ان شعروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اپنے پیر اور اپنے مرشد کے حوالہ کردیا ہے ......واہ کیا انداز سپردگی ہے؟

میں غلام آپ آقا!ایک غلام کے حق میں حکم تو آپ ہی کا نافذ ہے......تو پھر میں کیوں کہوں؟ مجھے چھوڑ دے یا میری امداد کر......آپ کریم ہیں اور خاندانی کریم ہیں آپ ہم پر سختی کریں یا میری امداد کریں...... یہ سر بھی حاضر ہے اور یہ جاں بھی پیش خدمت ہے...... یہ تو آپ کا حق ہے......آپ کے دست پاک میں اپنا ہاتھ دیا ہے تو اس کا پاس ولحاظ بھی آپ ہی کریں گے تو آپ جانیں آپ کیا کریں گے۔بس میری تو یہ التجا ہے میری مدد کریں......اور اگر آپ کا یہ خانہ زاد غلام دوزخ میں چلا جائے تو لوگ کیا کہیں گے؟ ایک رسولی جارہا ہے تو یہ آپ کو گوارا نہ ہوگا کہ آپ تو غیرت مند آقا ہیں

آپ ضرور میری مدد کریں گے...... ہاں! مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ چرواہوں کے لئے یہ بات باعث شرم ضرور ہوتی ہے جب اس کی کوئی رسی جنگل میں گم ہوجاتی ہے تو پھر میرا دوزخ میں جانا کیوں کر پسند کریں گے ۔اے چراگاہوں کے نگہباں میری امداد کریں

اعلی حضرت فاضل بریلوی کی فارسی شاعری میں جن شعروں کا انتخاب کیا گیا ہے ان تمام شعروں کا تعلق بزرگان مارہرہ شریف سے ہے اور خاص طور سے حضرت سیدنا الشاہ آل رسول احمدی رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے ان تمام شعروں میں جس رشتہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ رشتہ ایک غلام اور ایک آقا کا ہوا کرتا ہے......ایک غلام کی حیثیت سراپا انتظار کی ہوا کرتی ہے اور آقا تو بہر حال آقا ہے وہ غلام کے جان و مال......فکر و شعور ......اور روح وجسم کا مالک ہوا کرتا ہے آقا ہونے کی حیثیت سے انہیں اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ جو چاہے سو کرے اس بارے میں کسی غلام کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے ......بس اسی جذبہ و احساس کا دوسرا نام ''صوفیانہ اثر'' ہے اور یہ اثر جس طرح اعلی حضرت فاضل بریلوی کی اردو شاعری میں پایا جاتا ہے اسی طرح ان کی فارسی شاعری میں بھی پایا جاتا ہے......

یہ بات کسی حدتک مشاہدہ میں آچکی ہے کہ عشق ومحبت ...... پیار و خلوص......والہانہ عقیدت ......عجز و انکساری ......اور دلوں کی گہرائی میں جس قدر بھی جذبات واحساسات پائے جاتے ہیں ان میں ارتقائی کیفیت پائی جاتی ہے مگر اس کی رفتار کا عالم وہی ہوتا ہے جو رفتار سمندر کی گہرائی میں پانی کی روکی ہوا کرتی ہے یعنی نہایت ہی سبک روی کے ساتھ پانی چلتا ہے اور خراماں خراماں چلا کرتا ہے بعینہ یہی صورت دل کی گہرائیوں میں پائے جانے والے جذبات واحساسات کے روکی ہوا کرتی ہے ......عشق ہو یا محبت ہو نہ اس میں طغیانی جیسی سرکشی پائی جاتی ہے اور نہ اس کی تلاطم خیزی کسی بربادی کی طرف لے جاتی ہے ......کہ کوئی محبت میں برباد نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی عشق کسی کے لئے بری خبر لے کر آتا ہے......اور جب کوئی عشق میں خانہ خراب ہوتا ہے یا اس کی زندگی کا سب کچھ لٹ جاتا ہے اور عشق کرنے والا کہیں کا نہیں رہتا ہے تو صحیح معنی میں یہ عشق نہیں ہوتا ہے نفس پرستی ہوا کرتی ہے ......اور ایسا بھی ممکن ہے کہ عشق کے تعلق سے بربادی کا واقع ہونا ...... یہ خیال ہمارے سماج کے کچھ افراد کا ہو......انہوں نے اپنے خیال کی تشکیل میں کہیں نہ کہیں کسی غلط سوچ اور غیر معیاری فکر سے کام لیا ہے انہیں اپنے خیال کی اصلاح کر لینی چاہیئے ......اس بارے میں دانشوروں کا خیال ہے جو بھی خانہ خراب ہو رہا ہے یا اس کی زندگی میں بربادی نے قدم رکھ دیا ہے تو اس کی وجہ عشق نہیں اور نہ ہی محبت ہے ......اس کی بربادی کا سبب اس کی اپنی نفسانیت ہے اور نفسانی خواہشات ہے......جس طرح کوئی چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ لیتا ہے اسی طرح ہمارے سماج کے کچھ افراد نے نفسانی خواہشات کو عشق ومحبت سمجھ رکھا ہے اور پھر بربادی کو عشق ومحبت کی جانب منسوب کر دیا ہے......جب کہ ایسا قطعی نہیں ہے تاریخ میں ایسے ہزاروں افراد ہیں جنہوں نے عشق کیا اور عشق ہی میں مر گئے تو ان کا نام آج بھی روشن ہے ان کے کردار ماہ وخورشید

کی مانند چمکتے ہیں اور پھولوں کی مانند خوشبو دیا کرتے ہیں ......حضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی عشق کیا ......عشق ہی سے کام لیا انہوں نے اپنے اکابر سے اپنے مشائخ سے اور اپنے سلسلہ کے بزرگوں سے عشق کیا ہے...... ان کا عشق نہایت ہی پاکیزہ عشق تھا ان کے عشق نے ارتقائی سفر کیا ......اپنے پیرو مرشد سے عشق کیا پھر حضور اچھے میاں سے عشق کیا حضرت شاہ برکات سے عشق کیا اسی طرح مرحلہ وار عشق کرتے ہوئے حضرت سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جناب میں حاضر ہوئے چونکہ ان کا قلب نازک نہایت درجہ تک صاف شفاف تھا......اسی شفافیت کا نتیجہ ہے کہ ان کے عشق کی تابنا کی دل کے حدود سے باہر نکلی اور چہرہ ومہرہ تک جا پہونچی اور وہاں سے منتقل ہو کر ان کے قلم میں ڈھل گئی اور پھر قلم پاک نے تحریروں میں تابنا کی پیدا کر دی ہے یہی سبب ہے کہ ان کی تحریر کا ایک ایک لفظ شب دیجور میں ستاروں کی مثل چمک رہا ہے......اسی لئے میں کہا کرتا ہوں انہوں نے بزرگوں کی شان میں جو کچھ بھی کہا ہے اس میں عشق کی روشنی پائی جاتی ہے اور خوشبوئیں رچی بسی ہیں ......ان کی شاعری سے کون کس قدر خوشبوؤں کو کشید کرتا ہے؟ یہ ان کی شخصیت اور اس کی صلاحیت پر موقوف ہے......جس نے اس راز کو سمجھا اس نے استفادۂ تام کیا اور جس نے نہیں سمجھا وہ استفادہ سے بھی نا سمجھ ہو گیا......اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فارسی شاعری میں سب سے زیادہ حضرت سیدنا غوث پاک کا ہی تذکرہ ملتا ہے ......آپ نے مختلف انداز میں اور مختلف جہتوں سے ان کا تذکرہ کیا ہے...... مجھے کیا بلکہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ان کے تذکرے کو کہاں سے شروع کیا جائے اور کہاں پر ختم کیا جائے؟ ان کا تذکرہ ہی اس طرح کا ہے کہ اس کی ابتدا بھی انتہا کی مانند ہے اور انتہا بھی ابتدا کی طرح تاباں اور درخشاں ہے ......بہر حال کہیں نہ کہیں سے تو شروع کرنا ہی پڑے گا......

امام احمد رضا اور وظیفہ قادریہ

اعلیٰ حضرت فاصل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۳۲۱ھ میں ''وظیفہ قادریہ'' کے نام سے ایک نظم تحریر کی ہے اس نظم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس نظم میں جن احساسات وجذبات اور افکار وخیالات کو پیش کیا ہے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی کے حوالے سے پیش کیا ہے براہ راست پیش نہیں کیا ہے......سب سے پہلے انہوں نے حضرت غوث پاک کے ایک شعر کو پیش کیا ہے پھر آپ نے فارسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے اس کے بعد اپنے پاکیزہ اور لطیف خیالات کو پیش کیا ہے......اس طریقہ پیش کش کو شاعری کی زبان میں ''تضمین'' کہا جاتا ہے ......تضمین کہنا آسان کام نہیں بلکہ اس کے لئے بہت سی دشوار اور مشکل ترین وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے اور جس کے کلام پر تضمین کی جارہی ہے اس کے ہم خیال اور ہم آہنگ ہونا بہت ضروری ہوا کرتا ہے......اس کے علاوہ ذہنی طور پر قربت بھی ضروری ہوا کرتی ہے بغیر اس ذہنی قربت کے کوئی تضمین کر ہی نہیں سکتا ہے ......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ''قصیدۂ غوثیہ اور اپنی تضمین'' کو ''وظیفہ قادریہ'' کا نام دیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک وہ اس قدر محترم اور محتشم بالشان ہے کہ اسے اپنے ورد میں رکھا اور اسے

حصول برکت کے طور پر استعمال کیا اس کے ورد میں جو ساعتیں صرف ہوں وہ کس قدر پاکیزہ ہونگیں اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے اور میرا اذعان بول رہا ہے اس کے لکھنے میں میری جو ساعتیں صرف ہو رہی ہیں ان میں بھی میرے غوث پاک کی نظر عنایت برابر میرے اوپر رہیں گی اور اس دولت سرمدی سے نہ صرف ہم مالا مال ہونگے بلکہ وہ بھی مالا مال ہوگا جو اس کا مطالعہ کرے گا......اسی جذبہ خلوص کے ساتھ اس کا ترجمہ اور تشریح ذیل میں ملاحظہ کریں۔

فارسی اشعار

سقانی الحب کأسات الوصالی
فقلت لخمرتی نحوی تعالی
داد عشقم جام وصلِ کبریا
پس بگفتم بادہ ام را سویم مرا
الصلا اے فضلہ خوران حضور
شاہ بر جود ست وصہبا در وفور
بخش کردن گر نہ عزمِ خسروی ست
آخر ایں نوشیدہ خواندن بہرِ چیست

اردو ترجمہ

عشق نے مجھے وصل کبریا کا جام دیا......میں نے شراب سے کہا میری طرف بھی آ......دعوت عام ہے اے حضور کے جھوٹا کھانے والوں کے لئے ......کہ شاہ بخشش پر ہے اور صہبا یعنی شراب جوش پر ......اگر بادشاہ کا ارادہ کسی کو عطا کرنے کا نہیں......تو پھر یہ کھلانا اور پلانا کس لئے ہے......

مطلب خیز تشریح......امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنے کلام میں لفظ ''الصلا'' کا استعمال کیا ہے لغت میں اس کے دو معانی آتے ہیں......اول معنی دعوت عام ہے اور دوسرا معنی اس لفظ کے ذریعہ کسی کو کھانے کے لئے بلایا جاتا ہے گویا امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یوں پکارا......قادری دسترخوان سے بچی کچھی کھانے والو! آؤ! کہ قادری شاہ دینے پر ہے اور یہاں صہبا بھی جوش پر ہے......اگر وہ دینے اور عطا کرنے پر نہ ہوتے تو پھر یہ انتظام وانصرام کس لئے ہے؟ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت دربار غوث میں ہمارے بھی نمائندے ہیں اور غوث پاک کی جانب سے قادریت کے ترجمان بھی ہیں......

فارسی اشعار

سعت و مشت لنحوی فی کؤس
شُد دواں درجامہا سویم رواں
والہ سکرم شدم در سروراں
شکر تو از ذکر و فکر اکبر بود
سکر کو چوں حکم خود بر می رود
سوُے مے بر بوئے مے مرداں رواں
بادہ خود سویت بپائے سر دواں

اردو ترجمہ......

شراب خود جاموں میں ہوکر میری جانب دوڑی ہوئی آئی......شراب محبت پی کر میں سرداروں کے درمیاں مدہوش ہوگیا......تیرا شکر تو اللہ تعالیٰ کے فکر و ذکر کے سبب ادا ہوا کرتا ہے......اور سکر کو جو حکم ملتا

ہے وہ بجا لاتا ہے......شراب کی جانب شراب کی بو
کے پیچھے لوگ دوڑتے آئے اور خود بادہ تیرے پاس
سر کے پاؤں سے بھاگتی ہوئی آئی......

تشریح......کیا خوب انتظام میکدہ ہے کہ بادہ از خود جام میں ہو ہو کر سرپٹ دوڑتا ہوا آرہا ہے......ایک شکر ہوتا ہے اور دوسرا سکر......شکر تو ذکر وفکر سے ادا ہوجاتا ہے اب رہی بات سکر کی تو اس کا یہ حال ہے کہ اسے جو حکم ملتا ہے وہی بجا لیتا ہے ......اور لوگ تو مے کی بو کو سونگھ کر اس کے پیچھے بھاگا کرتے ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ مے خود سر پر پاؤں رکھ کر دوڑتی ہوئی آتی ہے...... یہ بلند رتبہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا......

فارسی اشعار

فقلت لسائر الاقطاب لمو ا
بحالی وادخلواانتم رجالی

گفتم اے قطباں بعون شان من
جملہ آئیدتاں مردان من
جمع خواندی تا قوی دلہا شوند
ہم از عونِ حالِ خود دادی کمند
ورنہ تا بام حضور تو صعود
حاش للہ تاب و یارائے کہ بود

اردو ترجمے......

میں نے کہا: اے تمام جہاں کے
اقطاب! سب کے سب میری شان
بلندی کی حمایت میں آجاؤ کہ تم سب
کے سب میرے ہی افراد رجال ہو تم نے
تمام اقطاب جہاں کو اس لئے جمع کیا
تا کہ ان کے دل قوی ہوجائیں......اس
طرح آپ نے اپنی شان امداد کا کمند
سب لوگوں پر ڈال دیا......ورنہ تیرے
حضور کی چوکھٹ پر کون آسکتا ہے؟ نعوذ
باللہ کس میں ایسی طاقت وتوانائی ہے؟

تشریح......ویسے ان اشعار کا مطلب تو ظاہر ہے کہ حضرت سید غوث اعظم کی شان بلندی؟ کیا کہنا؟ اس بارے میں کون کیا کہہ سکتا ہے؟ انہوں نے سب کو اپنے اردگرد اس لئے بلایا تا کہ یہ سب کے سب قوی ہو جائیں ورنہ تیرے حضور کی چوکھٹ پہ قدم رکھنے کی کس میں جرأت وہمت ہے؟

فارسی اشعار

وھموا واشربوا انتم جنودی
فساقی القوم بالوافی فی ملال

ہمت آرید وخورید اے لشکرم
ساقیم دادہ لبالب ازکرم
شکر حق جامِ تو لبریز مے ست
ہر لبالب را چکیدن درپئے ست
تا بماہم آید انشاء العظیم
آں نصیب الارض من کأس الکریم

اردو ترجمے......

ہمت جٹاؤ اور پیواے میرے لشکروں......کہ ساقی نے مجھے کرم سے بھرا ہوا جام دیا ہے......حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ تیرا جام مے سے لبریز ہے......اور ہر بھرے ہوئے جام کو ایک

کے بعد ایک کو چکھنا ہے......اور مجھ تک بھی وہ جام آئے گا ان شاء العظیم...... کیونکہ وہ زمین کا حصہ ہے کریم کے کاسہ سے

تشریح ......حضرت غوث اعظم نے اپنے دور کے تمام اقطاب کو اپنے لشکروں میں شمار کرتے ہوئے فرمایا: ہمت کرو اور پیو کہ مجھے ساقی نے بھرا ہوا جام دیا ہے اس کے بعد اعلی حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کا شکر عظیم ہے کہ میرے غوث کو بھرا ہوا جام ملا ہے اور جب ایسی بات ہے تو وہ جام مجھ تک ضرور آئے گا کیونکہ کریم کے جام و مینا میں سوکھی ہوئی زمین کا بھی حصہ ہوا کرتا ہے......

مقام غور یہ ہے کہ اعلی حصرت فاضل بریلوی نے بارگاہ غوثیت سے یہ امید لگا رکھی ہے کہ جو جام محبت سرکار غوث کو ملا ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ نہ کچھ ضرور ملے کہ شاہوں کے جام میں سوکھی ہوئی زمین کا بھی حصہ ہوا کرتا ہے اپنے آپ کو سوکھی ہوئی زمین سے تعبیر کرنا کس قدر معنی خیز ہے؟ اسے کون بیان کرسکتا ہے بس یہی تعبیر انہیں اہل تصوف کی جماعت میں اعلی مقام عطا کرتی ہے اسی لئے میں نے اپنے ایک مقالے کا عنوان ہی ''مجدد قادریت'' کو قرار دیا ہے جو ''مسلک اعلی حضرت منظر پس منظر جلد اول'' میں شامل ہے......

شربتم فضلتی من بعد سکری
ولا نلتم علوی واتصالی
من شدم سرشار وسورم می چشید
رخت تا قرب وعلوم کے کشید
فضلہ خورانش شہاں و من گدائے
روئے آنم کو کہ خواہم قطرہ لائے
یللے جود شہم گفتہ ملائے
مے طلب لاتشنوی ایں جا نہ لائے

اردو ترجمے......

میں سرشار ہو گیا اور تم لوگوں نے
میرے جھوٹے کو چکھا......تیرا چہرہ میری
بلندی اور قرب کو کیسے پہونچ سکتا ہے
؟......ان کے جھوٹے پر گزر بسر کرنے
والے بادشاہ ہیں اور میں گدا......میرا یہ
نصیب کہاں کہ میں اس شراب کی تلچھٹ
کا کوئی قطرہ چاہوں ؟واہ کیا خوب
میرے شاہ کی بخشش ؟ کہا جائے کہ وہ
بھری پری ہے ......اسی لئے مے کا
طالب نہ لاسنتا ہے اور نہ ہی اسے تلچھٹ
دیا جاتا ہے بلکہ وہ دینے پر آتا ہے تو بھر
پور دیا کرتا ہے......

تشریح ......میرے غوث کی کیا شان زیبائی ہے؟ کہ جب وہ سرشار ہوا کرتا ہے تب کسی کو کچھ ملا کرتا ہے......جب یہ حالت ہے تو کوئی بھی ان کے قرب اور بلندی تک کیسے پہونچ سکتا ہے؟ جب ان کے جھوٹے کھانے والے بادشاہ ہوجاتے ہیں تو ہم جیسے گداؤں کا کیا ہوگا؟ مگر میرے شاہ کا کرم تو دیکھو! جب وہ کسیکو دینے پر آتا ہے تو نہ تلچھٹ دیتا ہے اور نہ ناکسی کو کہتا ہے......جب وہ نہ کسی کو نا کہتا ہے اور نہ کسی کو تلچھٹ دیتا ہے تو پھر مجھے بھی یقین ہے کہ وہ جب بھی دے گا تو بھرپور دے گا......

مقامکمالعلیٰ ولکن جمعا ولکن

مقامی فوقکم مازال عالی
جاے تاں بالا ولے جایم بود
فوق تاں از روز اول تا ابد
جات بالاتر زوہم جائہا
جائہا خود ہست بہر پائہا
پائہا چہ بود کہ سرہا زیر پات
پات ہم کے چوں فرود آئی زجات

اردو ترجمہ......

تم لوگوں کی جگہ بلند لیکن میری جگہ......ان سے بلند روز اول سے ابد تک......تیری جگہ ان کی جگہوں کے وہم سے بھی بلند تر......خود ان کی جگہ تیرے پاؤں میں ہے......پاؤں کی کیا بات؟ ان کے سر تیرے زیر پا ہیں......تیرے پاؤں کو بھی کیسے پہونچ سکتے جب تو اپنے منصب سے نیچے آئے......تو ظاہر سی بات ہے ان اقطاب جہاں کے سر نیاز بھی نیچے ہوتے چلیں گے اس لئے آپ کے پائے مبارک سے ان کے سروں کے مس ہونے کا کوئی مطلب نہیں ہوتا......ہاں حصول برکت کے لئے سارے جہاں کے اولیا اپنے سروں کو غوث پاک کے مبارک تلوؤں سے مس کر سکتے ہیں اور یہی قرین قیاس ہے جیسا کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی اپنی اردو شاعری میں ارشاد فرماتے ہیں......

واہ کیا مرتبہ ؟ اے غوث! ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلی تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

اس بند کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس میں صنعت اتصالی تربیعی سے کام لیا ہے

فارسی اشعار

انا فی حضرة التقريب وحدی
يصرفنی وحسبی ذوالجلال
یکہ در قربم خدا گردانِدم
حال و کافی آں جلیل واحدم
ایکہ می گرداندت آں یک نہ غیر
حال ما گرداں زشرہا سوئے خیر
تاج قربش شادماں برسر بنہ
شئ للہ قرب خود مارا بدہ

اردو ترجمہ......

خدا کے قرب میں، میں ایک ہوں......جو میرے حال کو پھیر رہا ہے وہ جلیل واحد میرے لئے کافی ہے......وہ جو تجھے پھیر رہا ہے ایک ہے اس کے سوا کوئی غیر نہیں......میرے حال کو بھی پھیر دے برائیوں سے خیر کی جانب......تاج قربت واہ واہ اپنے سر پاک پر رکھ لے اللہ کے لئے اپنے قرب میں سے کچھ مجھے بھی عطا کر دے

تشریح......اس مجلس قرب میں تنہا غوث اعظم ہیں ان کے سوا کوئی غیر نہیں وہی ان کے احوال زندگی اور مقامات کو ترقی دیتا ہے میرے غوث پاک کو اللہ تعالی کے سوا کسی اہل دنیا کی حاجت نہیں......سرکار اعلی حضرت فاضل بریلوی بارگاہ غوثیت میں یہ التجا پیش کی ہے اس قرب میں سے مجھے بھی کچھ عطا کر دے......میرا اذعان بول رہا ہے کہ غوث پاک نے اس قرب میں سے عطا کر دیا ہے اسی لئے پوری دنیا میں ان کی ذات اور ان

کے شرعی نظریات ورجحانات حق وباطل کے مابین امتیازی شان رکھتی ہیں......یہ فیض وبرکت ہے سیدنا غوث اعظم کی......

فارسی اشعار

انا البازی اشهب کل شیخ
ومن ذا فی الرجال أعطی مثالی
باز اشہب ما وشیخاں چوں حمام
کیست در مرداں کہ چوں من یافت کام
حبذا شہباز طیر ستان قدس
اے شکار پنجہ ات مرغان قدس
شادماں بر قمری کو تر بزن
گہ نگہ برخستہ چغدے ہم فگن

اردو ترجمے

ہمارے شیخ طاقت ور باز ہیں اور حضرات شیوخ مثل کبوتر......کون ہے؟ مردوں میں جو میری مانند مراد کو پالے......مبارک ہو اے قدسی پرندوں کے شہباز......اے شکار تیرا پنجہ مرغان قدس تک پہونچا ہوا ہے......خوشیاں ہوں قمری کے لئے کہ وہ خوش آواز ہے......اس زخمی کمترین پر بھی ایک نظر ہو۔

تشریح......اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اپنے آپ کو زخمی کہا ہے اور کمترین سے بھی تعبیر کیا ہے اس کے بعد بارگاہ غوثیت سے نگاہ کرم کی درخواست کی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اپنے آپ کو غوث پاک کی محبت میں خود کو فنا کردیا ہے اس کے ساتھ ہی آپ نے قمری جیسے خوش نغمہ سنج کے لئے جذبہ مسرت کا اظہار فرمایا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے دل میں کسی قسم کا حسد کا مادہ نہیں ایک صوفی کا مزاج بھی اسی طرح کا ہوا کرتا ہے یہ بند خالص صوفیانہ جذبہ کی حامل ہے......

یہ نظم بڑی طویل نظم ہے......اس کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا غوث اعظم نے اپنے ہندی نژاد غلام کے لئے فیض وبرکت کا دریا جاری کردیا ہے......اور امام احمد رضا فاضل بریلوی اس سے سیراب ہورہے ہیں اور انوار و تجلیات سے نہال ہورہے ہیں......طبیعت چاہ رہی تھی کے اس پوری نظم پر گفتگو کروں مگر صفحات کی تنگی کے سبب ایسا نہ کرسکا......میں نے اب تک جس قدر لکھ دیا ہے اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے فارسی کلام میں تصوف کے اثرات کس حد تک پائے جاتے ہیں اور یہ اثرات کس قدر گہرے ہیں ؟ سیدی اعلی حضرت فاضل بریلوی کے فارسی کلام اور بھی ہیں......مثنوی رد امثالیہ بھی ہے......یہ مثنوی زبیان و بیان......فصاحت و بلاغت اور حسن بیان میں اپنی مثال آپ ہے اس میں بھی انفرادیت پائی جاتی ہے اب تک کسی بھی زبان و ادب کی مثنویوں کی جو روایت رہی ہے اعلی حضرت فاضل بریلوی نے اس روایت سے ہٹ کر اپنی مثنوی رد امثالیہ تصنیف کی ہے اس کا رنگ و آہنگ اور زبان و بیان میں اسی طرح اس کے اسلوب میں ندرت و بانکپن پایا جاتا ہے......انشاء اللہ جب کبھی موقع ملے گا اس پر لکھنے کی کوشش کی جائیگی......

محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی
صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں
۱۹ر ستمبر ۲۰۱۹ھ

باب ہفتم

تعاقبات

حضرت مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی

مسئلۂ رویت ہلال: پس منظر و پیش منظر

ہم جس دور میں اپنی زندگی کی سانس لے رہے ہیں اگر اسے مادی ترقیات کا نقطۂ عروج کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔ آپ سوچیں اور الہ دین کے چراغ والے جن کی طرح آپ کی ضروریات کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ نت نئی ایجادات نے سہولتوں کی نہ جانے کتنی شاہ راہیں کھول دی ہیں۔ آسانیوں کے ساتھ نت نئی مشکلات کے بھی بہت سے ابواب کھل چکے ہیں اور کھل رہے ہیں۔ سماجی زندگی میں قدم قدم پر ہمیں نئے نئے مسائل درپیش ہیں۔ سوشل میڈیا جو ایک آفت بن کر نئی نسلوں کی اخلاقی باختگی کا سامان فراہم کررہا ہے۔ آج یہ آفت خود ایجاد پسند طبیعتوں کے لیے دردسر بنی ہوئی ہے۔ درپیش مسائل سے نجات حاصل کرنے کے لیے طرح طرح کے نسخے آزمائے جارہے ہیں اور یہی کہنا پڑرہا ہے کہ ؎

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں

نت نئی ایجادات کی زد میں عید کا چاند بھی آکر گہن آلود ہورہا ہے۔ اب ۲۹ تاریخ کو مسلمان آسمان پر چاند تلاش کرنے کی کوشش میں کم مصروف رہتے ہیں سوشل میڈیا پر زیادہ مصروف نظر آتے ہیں۔ ابھی مغرب کی نماز مکمل بھی نہیں ہوئی کہ سیل فون پر دستک شروع ہوجاتی ہے۔ علمائے کرام، ائمۂ عظام اور مفتیان ذو الاحترام کے لیے بالخصوص ۲۹ رمضان المبارک کی شب سخت امتحان و آزمائش کی ہوتی ہے۔ مشکلات اور بھی بڑھ جاتی ہیں جب کہیں سے رویت ہلال کے حوالے سے کوئی اعلان منظر نامے پر نمایاں ہوتا ہے۔

اس طرف تقریباً دس پندرہ سالوں سے ایک غلط ذہن کی پرورش ہو رہی ہے کہ سعودی عرب میں جس دن رمضان شریف کا آغاز ہو یا جس دن عید منائی جائے۔ ہندوستان میں اس کے ایک دن بعد رمضان المبارک کا آغاز یا عید کی نماز ادا کی جائے گی۔ فکر کے اس دائرے میں رہ کر رویت ہلال کے سلسلے میں کوشش و کاوش کا چراغ جلایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس سال ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنے والوں نے دیکھا بھی تو بے دلی کے ساتھ الا ماشاء اللہ کہ آج تو سعودی عرب میں رمضان شریف کا آغاز ہی نہیں ہوا تو ہمارے یہاں چاند کیوں کر نظر آئے گا۔ گویا چاند کا وجودی و عدمی خاکہ اولاً ذہن و دماغ میں ہوتا ہے پھر اس کے بعد آسمان پر اسی خاکے کے تحت چاند تلاش کیا جاتا ہے۔ آپ غور فرما سکتے ہیں کہ نتائج کس قدر مثبت ہوں گے۔

پہلی بات تو یہ کہ ایسا کوئی شرعی اصول اور مذہبی ضابطہ نہیں۔ بلکہ شریعت کی روشنی میں تو اختلاف مطالع کا اعتبار ہی نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی معروف کتاب درمختار میں ہے: **اختلاف المطالع غیر معتبر علی المذھب وعلیه الفتویٰ فیلزم اھل المشرق برویة اھل المغرب اذا ثبت عندھم رویة اولئک بطریق موجب۔**

خرابی کی دوسری بڑی وجہ جو مجھے سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ ہم نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو تہوار کی شکل دے دی ہے۔ جب کہ اسلامی تعلیمات سے معمولی واقفیت رکھنے والے شخص پر یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس میں تہوار کے لیے کہیں کوئی گنجائش نہیں۔ رمضان المبارک سے عید الفطر تک، عید الاضحیٰ سے لے کر محرم تک، عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لے کر شب برأت تک تمام اہم یادگاری دنوں کا جائزہ لے لیجیے آپ پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس سلسلے میں جو اسلامی تصور دیا ہے وہ عبادت اور فقط عبادت کا ہے۔ عید الفطر، عید الاضحیٰ کوئی تہوار نہیں بلکہ عبادت اور خالص عبادت ہیں لہٰذا ان کی تعمیل و تکمیل اور ادائیگی کے لیے ہمیں خالص اسلامی تصور و خیال کا قدم بقدم لحاظ و پاس رکھنا ضروری ہے۔ عبادات کے لیے قیود و شرائط بھی محض اسی تعمیل احکام ہی کے پیش نظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات وارشادات کی تعمیل کا نام ہے عبادت۔ یہاں انسانی رائے کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اللہ ورسول نے اس سلسلے میں جو خطوط قائم فرمائے ہیں انہیں اپنے لیے مشعل راہ مقرر کر کے منزل کی جانب قدم بڑھانے کا نام عبادت ہے ورنہ نماز مقررہ اوقات، رکعتوں کی تعداد و ترکیب ہر چیز کے تعلق سے انسانی ذہن وفکر میں سوال پیدا ہو سکتے ہیں۔ ظہر کے وقت دو رکعات اور فجر کے وقت بیس رکعات ادا کر لی جائیں تو کیا مضائقہ ہے۔ اسی طرح روزہ بھی ہے۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کی قید کیوں، ۲۹/۳۰ دنوں کی پابندی کس لیے۔ ۳۱/ دنوں تک رکھ لیے جائیں تو کیا حرج ہے۔ ماہ رمضان کی قید کیوں؟ ان تمام سوالات کے جوابات میں صرف اور صرف ایک ہی جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا اور یہی حکم صادر فرمایا۔ ہم عبادت کی ادائیگی میں کسی اور کے نہیں نقش قدم رسول ہاشمی علیہ التحیة والثناء کے پابند ہیں۔ آپ کی اتباع و پیروی کا نام ہی عبادت ہے۔ انسانی رائے کے عمل دخل کے بعد عبادت عبادت نہیں رہ جاتی۔

۲۹/ تاریخ کو چاند ہونے یا نہ ہونے کا قضیہ سامنے آئے اور آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ بھی محض بشری رائے سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا طریقۂ کار بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات وتصریحات کی روشنی میں ڈھونڈنا ہوگا۔ چاند اور سورج اور ان کا طلوع وغروب ہماری عبادتوں کے محور نہیں بلکہ عبادت کا تمام تر دارومدار اللہ ورسول کے فرمودات پر ہے۔ ورنہ اگر محض عقلی طور پر دیکھا جائے تو صبح صادق کے ایک منٹ بعد سحری یا غروب آفتاب سے چند سکنڈ قبل افطار کر لینا دین بھر کی محنت پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالتا۔ لیکن چوں کہ یہ اللہ ورسول کے احکام کی

صریح خلاف ورزی ہے اور ان کے احکام کی خلاف ورزی ارتکاب جرم ہے۔ لہٰذا اس جرم کی پاداش میں اس طرح کے تمام روزے کالعدم قرار پائیں گے بلکہ بعض صورتوں میں تو مرتکب پر بطور جرمانہ کفارہ لازم ہوجائے گا۔

جب یہ امر واضح ہوگیا کہ ۲۹ رتاریخ کو چاند ہونے یا نہ ہونے اور اسے تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ کسی تہوار یا قومی تقریب کی تعیین کے لیے نہیں بلکہ ایک عبادت کے مکمل اور دوسری کے شروع ہونے کا ہے تو اس خالص مسئلۂ عبادت کو اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں کیا خطوط متعین فرمائے ہیں اور آپ کی احادیث طیبہ کی روشنی میں فقہائے کرام نے کیا احکام بیان فرمائے ہیں، چنانچہ بخاری شریف میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **لا تصوموا حتیٰ ترو الهلال و لا تفطروا حتیٰ تروه فان غم عليكم فاقدروا له۔** (بخاری جلد ا ص: ۲۵۶)

ترجمہ: روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو اور افطار یعنی تکمیل روزہ اس وقت تک نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھ لو اگر اندابرآلود ہوجائے تو حساب لگالو (یعنی ۳۰ دن مکمل کرلو)

ایک دوسری روایت میں اس تعلق سے آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الشهر تسع وعشرون ليلة فلا تصوموا حتىٰ تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلثين۔ (بخاری جلد ا، ص: ۵۶)

ترجمہ: مہینہ ۲۹ رراتوں کا ہے لہٰذا روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو تو اگر چاند پوشیدہ ہوجائے تو مہینے کی گنتی تیس دنوں سے مکمل کرلو۔

فاكملوا العدة ثلثين کے تحت حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **فلا تصوموا حتىٰ تروا الهلال اى حتىٰ يثبت عندكم روية هلال رمضان بشهادة عدلين او اكثر ويثبت بعدل واحد عند ابى حنيفة اذا كان فى السمآء غيم ولا تفطروا حتىٰ تروه اى هلال شوال قال ابن مالک حتىٰ تثبت روية بشهادة عدلين لا باقل بالاتفاق لان ا لاصل بقاء الشهور فلا ينتقل الا بدليل۔** (مرقات ج:۴، ص: ۲۴۱)

ترجمہ: روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو یعنی رویت ہلال کی شہادت دو یا اس سے زائد عادل مردوں سے ثابت ہوجائے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایک عادل مرد کی گواہی سے بھی چاند کا ثبوت ہوجائے گا جب کہ آسمان ابرآلود ہو۔ اور افطار نہ کرو (روزہ مکمل) یہاں تک کہ شوال کا چاند نہ دیکھ لو۔ حضرت ابن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ ہلال عید کی شہادت کم ازکم دو عادل مردوں سے ثابت ہو اس سے کم کی گواہی بالاتفاق غیر معتبر ہے۔ اصل بات مہینوں کا باقی رہنا ہے تو کسی دلیل شرعی کے بغیر مہینہ نہ بدلے گا۔

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی راہنمائی کا فریضہ انجام دینے والوں کا نظریاتی اور فکری اعتبار سے دو طبقہ

ہے۔ ایک طبقہ تو وہ ہے جس کے نزدیک شہادت کے باب میں بے پناہ وسعت و پھیلاؤ ہے۔ یہاں تک کہ شہادت وخبر کے درمیان شرعی اصطلاح کی روشنی میں جو فرق ہے اسے بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ موبائیل، ٹیلیفون۔ واٹس ایپ ودیگر ذرائع ابلاغ سے آنے والی خبروں کو بھی اپنے مفروضہ پیمانے کے مطابق درجۂ شہادت دینے میں دریغ نہیں کرتا۔ جب کہ صداقت یہ ہے کہ شہادت اور خبر کے درمیان جو تکنیکی شرعی فرق ہے اس پر نظر کی جائے تو ان خبروں کو شہادت کا درجہ دینے کا کائی منطقی جواز نہیں بنتا۔ دنیاوی معاملات میں بھی جہاں تک خبروں کا تعلق ہے تو یقینا اس میں بے پناہ پھیلاؤ اور بہت وسعت ہے۔ لیکن جب معاملہ شہادت اور گواہی کا آتا ہے تو یہاں بھی دائرہ تنگ نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ شریعت کے احکام میں قدم قدم پر بے پناہ احتیاط کا تقاضا ہے۔ جب دنیاوی معاملات میں وسعت اور پھیلاؤ کی گنجائش اس ترقی یافتہ دور میں نہیں نکالی جاسکی اور شہادت وخبر کے درمیان جو فرق ہے اسے صرف نظر نہیں کیا جا سکا تو پھر دینی ومذہبی معاملات میں شہادت وخبر کے درمیان پائے جانے والے فرق کو مٹانے کے لیے ہم پہ کیوں جبر ودباؤ ڈالا جاتا ہے؟

دوسرا طبقہ وہ ہے جسے شدت پسند سے تعبیر کرتے ہیں جو شرعی مسائل میں حالات کے سامنے سپر انداز ہونا نہیں جانتا جسے اہل سنت وجماعت عرف عام میں بریلوی کہتے ہیں۔ مسلکی اعتبار سے جس کی اکثریت حنفی ہے، اس طبقے کے نزدیک ثبوت رویت ہلال کے باب میں سات طریقوں کی صراحت ملتی ہے جو احادیث طیبہ، فقہا ومحدثین کی تصریحات سے مستفاد ہے۔ رویت، شہادت، شہادۃ علی الشہادۃ، کتاب القاضی الی القاضی، استفاضہ اس طرف کچھ دنوں سے یہ شدت پسند طبقہ بھی دو خانوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ ایک طبقہ تو شدت کے ساتھ اسلاف کرام کے قائم کردہ خطوط پر عمل پیرا ہو کر شرعی احکام بیان کر رہا ہے اور دوسرا گروہ عوامی دباؤ، سیاسی بہاؤ اور نمائشی ہاؤ بھاؤ کے پیش نظر رویت ہلال کے باب میں کچھ لچک پیدا کرنے کے نظریے پر رائے عامہ ہموار کر رہا ہے اس میں جو لبرل اور نرم رویہ اختیار کرنے والا طبقہ ہے وہ حالات کی سنگینی محسوس کرتے ہوئے کچھ فیصلے ایسے صادر کر رہا ہے جو اس شدت پسند طبقے کے خیالات ونظریات سے قطعی میل نہیں کھاتے اور اصول ونظریات سے اس کی تائید وحمایت نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ سالِ رواں عید کے موقع پر ۲۹ر رمضان المبارک کو ایک ایسا ہی اعلان اسی شدت پسند طبقے کی شاندار قیادت کرنے والے ایک ادارے کی جانب سے سوشل میڈیا پر وائرل ہوا۔ ادارۂ شرعیہ بہار کے لیٹر پیڈ اور اس کے ذمہ دار مفتی کے قلم اور دستخط ومہر کے ساتھ مزین ہو کر وائرل ہونے والے اس اعلان کا متن یہ ہے:

’’مفتی حسن رضا مطلع کرتے ہیں کہ پٹنہ اور اس کے مضافات میں چاند نظر نہیں آیا مگر ادارۂ شرعیہ پورنیہ کمشنری کے قاضی شریعت مفتی زبیر صاحب نے علماء اور اپنے طلبہ کے ساتھ چاند دیکھا اور کٹیہار میں بھی عام طریقے سے چاند نظر آیا اس لیے ۲۹ر کی رویت کا اعتبار کرتے ہوئے ۵ر جون ۲۰۱۹ء بروز بدھ عید الفطر کی نماز ادا کی جائے گی۔‘‘

اس اعلان کے بعد مذہبی حلقوں میں مسلم آبادیوں میں رنگ تبدیل ہو گیا۔ ملک کے مختلف حصوں میں علماء اور ائمہ حضرات کی نقل وحرکت میں اضافہ ہو گیا۔ بھاگ دوڑ کا ایک ماحول بن گیا۔شدت پسند طبقے نے وائرل ہونے والے اس اعلان کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور ۵/ جون کو نماز عید الفطر کی ادائیگی کے فیصلے کے لیے جواز کی راہ نہ پائی اور جن لوگوں نے ۵/ جون کو عید الفطر کا اعلان بھی کیا تو عام رویت کی بنیاد پر یا شہادت شرعیہ، شہادۃ علی الشہادۃ کی بنا پر جب کہ لبرل اور آزاد پسند طبع نے وائرل ہونے والے اس بیان کو ہی نماز عید الفطر کی ادائیگی کے لیے کافی ووافی مان کر اعلان کے جواز کی راہ تلاش کر لی۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادارۂ شرعیہ سے ہونے والے اس اعلان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اسے کسی ذمہ دار ادارے کے حساس اور بیدار مغز مفتی کے قلم سے صادر ہونے والا فیصلہ قرار دیا جائے یا کوئی اخباری بیان؟ کیا علمائے اہل سنت وجماعت (بریلوی) کے نزدیک اس طرح کے اعلان کا کوئی شرعی جواز بنتا ہے؟

میری یہ حیثیت تو نہیں کہ میں ایک مذہبی ادارے کے مفتی کے قلم سے صادر ہونے والی تحریر کے خلاف کوئی بیان دے کر اپنی عاقبت خراب کروں یا پھر ان کی اس تحریر کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اپنی جانب سے کوئی فیصلہ صادر کرنے کی حماقت کروں۔اس لیے میں نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی کم مائیگی کا اظہار یہ پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ حقیقت پسند قارئین اور صاحب نظر حضرات ادارۂ شرعیہ کے حالیہ اعلان بسلسلۂ رویت ہلال کا جائزہ جو مفتیان کرام نے پیش فرمایا ہے اس کے تمام پہلو پر غور وفکر فرمائیں اور اس اعلان کی قرار واقعی حیثیت متعین فرمانے میں فقہائے کرام نے جو شرعی دلائل پیش کیے ہیں ان کا ایک ناقدانہ جائزہ لیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں ۲۱/ شوال المکرم مطابق ۲۵/ جون کو ایک استفتاء راقم الحروف نے اہل سنت وجماعت کے مرکز بریلی شریف کے مختلف دار الافتاء میں حضرت مولانا صوفی عبد الصمد کی معرفت پیش کیا۔جس کا متن درج ذیل ہے:

۹۲/۸۶ء

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام وفقہائے ذوی الاحترام مسئلہ ذیل میں کہ زید سنی حنفی عالم ومفتی ہے۔اس نے اپنے اور اپنے ادارے کے نام سے ایک اعلان بایں الفاظ واٹس ایپ کے ذریعے عام کیا کہ ”ہمارے شہر اور اس کے مضافات میں چاند کہیں نظر نہیں آیا، ہمارے ادارہ سے متعلق پورنیہ کمشنری کے فلاں عالم اور ان کے مدرسہ کے طلبہ نے چاند دیکھا لہٰذا ۲۹/ رمضان ۱۴۴۰ھ کی رویت ہلال کا اعتبار کرتے ہوئے ۵/ جون ۲۰۱۹ء کو عید ہوگی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ اعلان پٹنہ کے ایک عالم صاحب نے کیا۔ان کا یہ اعلان تقریباً ۸/ بجے شب کو عام ہوا۔ پٹنہ اور پورنیہ کی مسافت اتنی ہے کہ پورنیہ سے پٹنہ شہادت کے ارسال وترسیل میں کم وبیش ۷۔۸ گھنٹے درکار ہیں۔ایسی صورت میں مغرب کے چند منٹوں کے بعد پٹنہ کے عالم صاحب کا اعلان شرعاً معتبر ہے؟ ان کے اعلان پر عید کرنا جائز ہے؟ جن لوگوں نے نماز عید ادا کر لی ان کے بارے میں

حکم شرع کیا ہے؟ ایسا اعلان کرنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟ اگر پٹنہ، دلی، لکھنؤ سے کوئی عالم اعلان کرتا ہے تو اس کا اعلان کہاں تک قابل عمل ہے؟ کیا کسی صوبے کی راجدھانی سے ہونے والا اعلان پورے صوبے کے مسلمانوں کے لیے کافی ہے؟ اگر شرعاً ایسا ہے تو پھر بریلی شریف، اجمیر شریف وغیرہ کے اعلان پر پورے ملک کے مسلمانوں کے روزے رکھنے یا عید کرنے میں کیا کوئی شرعی حرج ہے؟

امید ہے کہ مرکز اہل سنت بریلی شریف کے ذمہ دار فقہاء، علماء جن کی گردنوں پر شریعت کا بار ہے اور جن کے دست کرم میں امت کے ایمان وعمل کی اصلاح وترغیب کی ڈور ہے وہ ضرور ضرور اپنی ذمہ داری اور ملی اتحاد کا پاس ولحاظ فرماتے ہوئے قرآن وسنت اور فتاویٰ اعلیٰ حضرت ومفتی اعظم ہند وعلمائے حق کی روشنی سے ہم کوتاہ نظروں کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیں گے۔ اطمینان وتصدیق کے لیے پٹنہ والے اعلان کی فوٹو کاپی ساتھ میں منسلک ہے۔

المستفتی محمد ملک الظفر سہسرامی

مہتمم دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام بہار

اس سوال کے جواب میں مرکزی دارالافتاء بریلی شریف کے صدر مفتی حضرت علامہ مفتی محمد افضال رضوی کے قلم سے جو شرعی فتویٰ صادر ہوا ہے جس کی تائید وتصدیق جانشین تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ مفتی عسجد رضا خان قادری بریلوی نے فرمائی ہے۔ اس فتوے میں اولاً حضرت مفتی صاحب نے رویت ہلال کے تعلق سے حکم شرع شریف بیان فرمایا، اس کے بعد آلات جدیدہ کی شرعی حیثیت واضح فرمائی اور آخر میں پٹنہ سے ہونے والے حالیہ اعلان رویت ہلال عید الفطر کی قرار واقعی حیثیت واضح فرما کر اس غیر شرعی اعلان پر عمل کرنے والوں اور اعلان کرنے والوں پر شریعت کا حکم بیان فرمایا۔ آپ بھی جواب کا متن ملاحظہ فرمائیں:

الجواب: روزہ رکھنے اور عید کرنے کی بابت شریعت کا بنیادی حکم یہ ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی عید کرو اور ۲۹ رکو چاند نہ دکھے تو حساب پورا کرو، بخاری شریف میں ہے: لا تصوموا حتیٰ تروا الہلال ولا تفطر واحتیٰ تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ، لہٰذا روزہ رکھنے یا عید کرنے کا دارومدار رویت ہلال پر یا شہادت شرعیہ پر ہے فی زمانہ آلات جدیدہ مثلاً موبائل ٹیلی فون فیکس وغیرہ کے ذریعہ چاند کی خبر غیر معتبر ہے۔ سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں تار محض بے اعتباریوں ہی ٹیلی فون اگر خبر دہندہ پیش نظر نہ ہو، دوسری جگہ رقم طراز ہیں: ٹیلی فون دینے والا اگر سننے والے کے پیش نظر نہ ہو تو امور شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ آواز پہچانی جائے، کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے اگر وہ کوئی شہادت دے تو معتبر نہ ہوگی اگر وہ کسی بات کا اقرار کرے تو سننے والے کو اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں۔ ہاں اگر وہ اس کے پیش نظر ہے جسے دوبدو آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو اور ٹیلی

فون کا واسطہ صرف بوجہ آسانی آواز رسانی کے لیے ہو کہ اتنی دور سے آواز پہنچنا دشوار تھا۔

(فتاویٰ رضویہ، ج: ۴، ص: ۵۲۸/۲۹)

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اخبار یا ٹیلی فون یا ریڈیو وغیرہ کا کچھ اعتبار نہیں۔ (فتاویٰ امجدیہ، ج: ۱، ص: ۳۹۳)

حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: تار خط، ٹیلی فون وغیرہ کی خبر سے چاند ثابت نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ بحر العلوم۔ ص: ۲۵۶)

شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف میں بھی یہی فیصلہ ہوا کہ رویت ہلال کے وہ اعلان جو ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون کے ذریعہ ہوا گرچہ ایک شہر کے لیے ہو وہ نامعتبر ہے، لہٰذا جب پٹنہ میں چاند ۲۹ رکو نظر نہیں آیا تو عالم صاحب کا اعلان شرعاً غیر معتبر وخلاف شرع ہے ایسے اعلان پر عید کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اعلان کرنے والے اور اس کے اعلان پر عید کرنے والوں پر علانیہ توبہ کرنا ضروری ہے اگر کوئی عالم پٹنہ، دہلی، یا لکھنؤ سے چاند کا اعلان مطابق شرع کرے گا تو اس کا دائرہ وہی شہر اور حوالی شہر ہوگا جس شہر سے اعلان ہوگا دوسرے شہر کے لیے غیر معتبر ہوگا۔ لہٰذا راجدھانی سے کیا گیا اعلان راجدھانی شہر اور اس کے مضافات کے لیے ہی معتبر ہوگا دوسرے شہر کے لیے نہیں۔

کتبہ محمد افضال رضوی۔
مرکزی دار الافتاء ۸۲
سوداگران بریلی شریف

۲۳ رشوال المکرم ۱۴۴۰ھ ۲۷ جون ۲۰۱۹ء

جامعۃ الرضا کے شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد صالح قادری بریلوی اپنے محتاط قلم سے مذکورہ فتوے پر تائیدی وتصدیقی کلمات تحریر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

سائل کی بیان کردہ صورت حال مظہر ہے کہ عالم پٹنہ کا اعلان مذکور ثبوتِ ہلال کے طرق شرعیہ (مذکورہ فی الرضویہ وغیرھا من المعتمدات) کے برخلاف ہوا کیوں کہ ان کے حضور کوئی شہادت شرعیہ بر رویت ہلال نہیں آئی نہ شہادت پر شہادت شرعیہ پہنچی۔ لگتا ہے وہ اس نظریے کے پیرو ہیں کہ یہ جدید ذرائع ابلاغ کی خبر شرعاً معتبر ہے اسی لیے انہوں نے اپنے فیصلہ کی بنیاد عالم پورنیہ کی طرف سے آئے ہوئے فون کی خبر پر رکھی اور اسی کو کافی وافی مان لیا جس کا انہیں کوئی حق واختیار نہیں تھا۔ بالجملہ ان سے اس (فیصلہ لینے اور اعلان کرنے) میں کھلی ہوئی خطا ہوئی ہے بے شک ان کا یہ اعلان غلط تھا شریعت کی موافقت میں ہرگز نہیں ہوا اس قسم کی روش ونظر کو کتابوں کی روشنی میں ضرور یہی کہنا ماننا پڑے گا کہ وہ اتباع شرع ہرگز نہیں بلکہ اتباع ہویٰ ہے۔ والجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر محمد صالح قادری غفرلہ
۲۴ رشوال ۱۴۴۰ھ
۲۸۔۰۶۔۲۰۱۹

بریلی شریف کے ایک ذمہ دار ادارہ مدرسہ منظر اسلام کے دارالافتاء کا قلمدان روشن کرنے والے علامہ مفتی سید کفیل ہاشمی نے اس فتوے کی تائید وتصدیق فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا:

۷۸۶/۹۲

سائل نے جو سوالات میں ذکر کیا ہے اگر وہ حق وصحیح ہے تو یہ بہت افسوس کا مقام ہے کہ جس طرح عوام میں یہ بلا تیزی سے سرایت کر چکی ہے کہ وہ بھی سعودیہ بلکہ دہلی لکھنؤ وغیرہ دیگر شہروں میں چاند ہو جانا اور ٹی وی واٹس اپ کے ذریعہ اس کا اعلان سن لینا اپنے زعم میں بڑا ثبوت سمجھتے ہیں اور چاند ہو گیا ہو گیا کا شور مچانے لگتے ہیں مگر یہ تو عوام ہیں ان کے محض شور مچانے سے کیا شرعی ثبوت کا حکم دے دیا جائے گا۔ دور حاضر میں چند ایسے مولوی بھی پیدا ہو چکے ہیں جن کا ذہن ان ہی عوام کے مثل ہو گیا ہے اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا دینی رہنما تصور کرنے لگے ہیں اور اسی زعم میں غیر شرعی اعلانات کر رہے ہیں ہندوستان میں تو یہ بلا عام ہوتی جا رہی ہے مگر افسوس اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب کسی ذمہ دار دارالافتاء یا دارالعلوم کے مفتی کی طرف سے ایسا اعلان ہوتا ہے اور وہ ببانگ دہل یہ اعلان کرتا ہے کہ فلاں شہر میں جو سیکڑوں کیلومیٹر کی دوری پر ہے وہاں چاند ہو گیا فون سے موبائل سے خبر مل گئی ہے کہ فلاں روز عید ہے شریعت اسلامیہ کے قوانین کو اپنی طبیعت کے سامنے مردہ کرنا ہے حالانکہ انہیں بھی معلوم ہے وہ بھی علم رکھتے ہیں کہ یہ مذہب کے سراسر خلاف ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے بہر حال پٹنہ کے عالم صاحب کا وہ اعلان ہرگز ہرگز درست نہیں اور جب اعلان درست وشرعی نہیں تو پھر اس پر عید کی نماز کیونکر درست ہو سکتی ہے اس کا وبال انہیں کے سر ہے۔ والجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فقیر قادری سید کفیل احمد غفرلہ

خادم الافتاء والتدریس منظر اسلام بریلی شریف

۲۹ رشوال المکرم ۱۴۴۰ھ

دارُ العلوم مینائیہ، گونڈہ کے دارُ الافتاء کا قلمدان سنبھالنے والے مفتی حضرت مفتی امان الرب صدیقی بریلی شریف کے اس شرعی فیصلے پر اپنی تائید وتصدیق کی مہر ثبت کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:

پٹنہ کے عالم کا پورنیہ کے عالم کی محض موبائیلی خبر کو موجب شرعی کی حیثیت دینا بہت بڑی جرأت ہے دین میں نئی شریعت گڑھنے کے مترادف ہے۔ حضرت مفتی افضال صاحب کا فتویٰ حضرت بقیۃ السلف مفتی صالح اور ان کی تصدیق مع التوضیح۔ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں مشمولہ رسولہ طرق اثبات الہلال کے عین مطابق ہے جس پر چلنا راہ صواب ذریعۂ نجات ہے طرق اثبات ہلال جو سات ہیں اس سے ہٹ کر کوئی خود ساختہ طریقہ ایجاد کرنا بدعت سیہ ناجائز وگناہ ہے۔ قاضی القضاۃ فی الہند مفتی عسجد رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی کا تائیدی دستخط دیکھ کر تاج الشریعہ کی مسلکی استقامت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

الجواب صحیح والمجیب نجیح

امان الرب صدیقی قادری

۲۷ رشوال المکرم ۱۴۴۰ھ

مطابق ۰۱-۰۷-۲۰۱۹

جامعہ مظہر اسلام اور رضوی دار الافتاء کے مفتی حضرت مفتی عبید الرحمن صاحب اس فتوے پر تائید وتصدیق فرماتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:

الجواب: کٹیہار وغیرہ میں عام طریقے سے چاند نظر آیا تو کیا پٹنہ کے عالم صاحب کے نزدیک اس کا ثبوت شرعی طریقے سے ہوا اگر شرعی طریقہ سے اس کا ثبوت ان کے نزدیک نہ ہوا تو پھر غیر شرعی طریقہ سے رویت کا اعلان چہ معنیٰ دارد۔ کیا ان کے نزدیک درمختار کی یہ عبارت: یلزم اہل المشرق برویۃ اہل المغرب اذا ثبت عندہم رویۃ اولئک بطریق موجب، موجود نہیں۔ کیا ان کی نظر اس عبارت پر نہیں ہے بے شک ہے ضرور ہے ان سے یہ پوشیدہ نہیں پھر انہوں نے غیر شرعی طریقہ کیوں اختیار کیا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ فون وغیرہ کی خبروں میں نہ صرف آڑ بلکہ کوسوں کا فاصلہ ہوتا ہے۔ ان پر کیوں احکام شرعیہ کی بناء ہوسکتی ہے۔ لہٰذا پٹنہ لکھنؤ، بریلی شریف وغیرہ کہیں بھی کسی مقام پر چاند ہوجائے تو پھر دوسری جگہ ان جگہوں کا اعتبار اسی وقت ہوگا جب کہ ان کے نزدیک شرعی طریقوں میں کسی بھی طریقہ سے چاند کا ثبوت ہوجائے۔ اگر دوسری جگہ چاند کا شرعی ثبوت قاضی شرع کے نزدیک ہوجائے اور وہ اعلان کردے تو اس کا یہ اعلان اس کی حدود ولایت تک ہی معتبر ہوگا اس کی حدود ولایت سے باہر اس اعلان پر عمل درست نہ ہوگا کہ ہر قاضی اپنی حدود ولایت میں قاضی ہے اور اپنی حدود ولایت سے باہر عوام کا ایک فرد یعنی ہر قاضی کی قضا اس کی حدود ولایت تک محدود ومحصور رہے گی اور اس کی حدود ولایت سے باہر نافذ نہ ہوگی نہ اس کی حدود ولایت سے باہر اس کے حکم پر عمل واجب ہوگا ایک قاضی دوسرے شہر یا دوسرے صوبہ کے قاضی کو خود واٹس ایپ وغیرہ کے ذریعہ خبر دے تو اس پر عمل جائز نہیں کیوں کہ کسی قاضی کی خبر اس کی حدود ولایت سے باہر شرعاً حجت نہیں ہاں اس کا خط شرائط مخصوصہ کے ساتھ مقبول اور معتبر ہوگا۔ الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس فتوے پر مزید تائیدی وتصدیقی دستخط فرمانے والے چند مفتیان کرام وعلمائے دین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت علامہ مفتی وصی احمد وسیم صدیقی سابق وائس پرنسپل جامعہ اسلامیہ، روناہی

حضرت علامہ مفتی محمد حامد القادری، مدرسہ سرکار نمازی مظفر پور۔

حضرت علامہ ڈاکٹر سید اقبال حسنی ناظم اعلیٰ جامعہ برکات منصور، گیا

حضرت علامہ مفتی انیس عالم سیوانی، سکریٹری امام احمد رضا فاؤنڈیشن، لکھنؤ

مذکورہ استفتاء کی روشنی میں تقریباً یہی سوال الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سٹی کے ناظم اعلیٰ الحاج سید ولی الدین رضوی نے مختلف دار الافتاء کو روانہ فرمائے ان میں سے کچھ کے جوابات

آئے کچھ کا انتظار ہے۔ آنے والے فتاوے میں اہم فتویٰ حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمن رضوی مظفر پوری رضوی دارالافتاء جامعۃ الخضراء مرون مظفرپور کا ہے۔ آپ سوال کے تمام پہلوؤں کا بہت دقت نظری کے ساتھ جائزہ لے کر اپنے محتاط اور ذمہ دار قلم سے شریعت کا حکم بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

الجواب بعون الملک الوہاب

دوسرے شہر سے بذریعہ خط خبر شہادت دینا صرف قاضی شرع سے خاص ہے جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات پر والی کیا ہے یہاں تک حکم کا خط بھی مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی) وھو نقل الشھادۃ حقیقۃ (ولا یقبل من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام) ائمہ تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذات خود آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں، ہرگز نہ سنیں گے کہ اجماع تو صرف دربارۂ خط منعقد ہوا ہے لہٰذا پیام ایلچی اور خود بیان قاضی بھی اس سے جدا ہے فتح القدیر ص:۲۹۱ میں ہے: **الفرق بین رسول القاضی وبین کتابہ حیث یقبل کتابہ ولا یقبل رسولہ۔** اور قاضی شرع کا نامہ بھی صرف اسی وقت مقبول۔ جب دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عادل دارالقضاء سے یہاں آکر شہادت شرعیہ دیں کہ یہ خط بالیقین اسی قاضی کا ہے اور اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے ورنہ ہرگز مقبول نہیں اگرچہ ہم اس قاضی کا خط بھی پہچانتے ہوں اور اس کی مہر بھی لگی ہو اور اس نے خاص اپنے آدمی کے ساتھ بھیجا بھی ہو ہدایہ میں ہے:

لا یقبل الکتاب الا بشھادۃ رجلین او رجل وامراتین لان الکتاب یشبہ الکتاب۔ چنانچہ مجدد دین وملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے پیلی بھیت والوں کے لیے اپنی مہر شدہ تحریر کی بابت فرمایا۔ ’’وہ پرچے دوسرے بلاد میں نہ بھیجے گئے تقسیم کرنے والوں نے اسٹیشن پر بھی دیئے ان میں سے کوئی لے گیا ہوگا بعض لوگوں نے پیلی بھیت کے واسطے چاہا اور ان کو جواب دیا گیا کہ جب تک دو شاہد عادل لے کر نہ جائیں پرچہ کافی نہ ہوگا بلاد بعیدہ کو کیونکر بھیجے جاتے؟‘‘

تصریحات مذکورہ کی روشنی میں اس اعلان پر روزہ چھوڑ نا عید منانا ہرگز جائز نہیں تھا کہ وہ نہ شہادت رویت ہے نہ شہادت علی الشہادۃ نہ شہادت علی الحکم والقضا۔ نہ کتاب القاضی الی القاضی نہ استفاضہ بس اڑتی ہوئی خبر ہے زبانی طیور کی پھر یہ اعلان تو خود پٹنہ میں کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتا چہ جائیکہ دیگر بلاد و مواضعات کے لیے اس میں پٹنہ ومضافات میں چاند نہ دکھنے کی بات کہی گئی ہے تو رویت نہ ہونے پر شہادت درکار اور پورنیہ وکٹیہار میں اگرچہ رویت ہوئی اس کی یہاں نہ شہادت گزری نہ ہی اعلان میں شہادت کا کوئی ذکر اگر شہادت بھی گزرتی تو اعلان مذکورہ پر عمل درست نہیں ہوتا پھر ۲۹ر کی رویت کا اعتبار کیا؟ یہ اعلان جس میں اخباری زبان استعمال کی گئی ہے کہ ’’مفتی صاحب مطلع کرتے ہیں‘‘ خود بتا رہا ہے کہ یہ مفتی صاحب مذکور کی طرف سے نہیں بلکہ کسی اخباری نمائندہ کی جانب سے اعلان ہوا اگرچہ اخیر میں خود مفتی صاحب نے دستخط اور مہر سے اس اعلان پر طغیان کو مزین فرمایا ہے ولاحول

ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کیا نہ گزرا کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے شہر میں جو اعلان کرایا اس میں بھی یہ تحریر کیا کہ ”میرے سامنے شہادتیں گزریں، پھر بھی اپنی دستخطی ومہری تحریر کو ایک گھنٹے کی مسافت والے پیلی بھیت کے لیے ناکافی بتایا اس کے لیے دو شاہد عادل کی شرط لگائی اور یہاں تو پرچہ نہیں چرچا جو دین و دیانت کا پرخچہ اڑا رہا ہے کہ روزہ وعید سب برباد کرے بھلا وہ کس طرح درست ہوسکتا ہے یہیں سے نماز روزہ چھوڑنے والوں پر اپنی اور اس کا خلاف شرع حکم دینے والوں پر اپنے علاوہ دوسرے کا وبال بھی ہے پھر ۳۰؍رمضان کو یکم شوال ماننا دوسرا گناہ اور اس میں عید پڑھنا تیسرا گناہ جس سے سب پر توبہ لازم اور ۲۹؍رمضان کے چاند کا ثبوت شرعی نہ ہو تو روزہ کی قضا واجب کہ اس صورت میں اکمال عدت کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔

رجسٹریشن۔ اس کا مطلب کسی ادارے یا تنظیم کی موجودگی کا گورنمنٹ کے دفتر معلومات میں (ریکارڈ) میں اندراج کرانا ہے تاکہ قانونی تحفظ مل جائے۔ یہ سند علم ہے نہ وثیقۂ فضیلت اور محض سند خواہ وہ کسی جامعہ کی ہو وہ بھی کافی نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ سند کوئی چیز نہیں بہتیرے سند یافتہ محض بے بہرہ ہوتے ہیں اور جنہوں نے سند نہ لی ان کی شاگردی کی لیاقت بھی ان سند یافتوں میں نہیں ہوتی۔ علم ہونا چاہیے اور علم الفتویٰ پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو، فتاویٰ رضویہ ص:۱۳۱؍جلد ۹؍ اور فرماتے ہیں: ”آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں داخل نہیں ہوتا نہ کہ واعظ جسے سوائے طلاقت لسانی کوئی لیاقت درکار نہیں۔ خصوصاً جب کہ خاص مسائل رویت ہلال میں جمیع ائمہ سے تفرد ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۴؍ص:۵۶۵؍اسی کے ۵۷۲؍میں فرماتے ہیں: علم دین فقہ وحدیث ہے۔ منطق وفلسفہ کے جاننے والے علماء نہیں یہ امور متعلق بہ فقہ ہیں تو جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالم دین ہے۔ اگرچہ حدیث وتفسیر سے زیادہ اشتغال رکھتا ہے پھر بھی عالم دین نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی عالم دین بھی ہوا ادارہ رجسٹرڈ بھی ہو اور اس کا اعلان تصریحات فقہاء کے خلاف ہو تو ہرگز لائق عمل نہیں چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم، ص:۵۸۳؍میں ہے۔ ”تو یہ اعلان کہ فلاں شہر میں چاند ہوا یا فلاں فلاں نے دیکھا یا فلاں روز سے روزہ رکھا مجرد حکایت ہے جس پر اصلاً التفات نہیں بلکہ یا تو اپنے معائنہ کی شہادت ہو یا شہادت پر شہادت ہو یا قضا پر شہادت یا شرعی شہرت مسئلہ بہت ضروری الحفظ ہے۔ صرف عوام بلکہ آج کل کے بہت مدعیان علم بلکہ بعض ذی علم بھی ناواقف پائے“

رہا دائرۂ اثر تو گزر چکا کہ اعلیٰ حضرت کا قلمی پرچہ پیلی بھیت کے لیے حجت نہیں تو ماوشما کا واٹس ایپ اعلان پورے ملک کے لیے کیا بلکہ دیگر بلاد وامصار کے لیے بھی بلکہ خود اس عالم کے شہر کے لیے بھی لائق التفات نہیں کہ شرعی اعلان بھی اسی کے شہر کے لیے لائق عمل ہے اور دوسرے کے لیے وہی شرعی طریقہ ہے جو صدر جواب میں گزرا۔ یہ اگر کافی ہوتا تو دارالقضا کی شاخیں کیوں جب ایک شہر کا قاضی اعلان کرے اور پورے ملک میں اس پر عمل ہو تو شاخوں کی ضرورت ہی کیا رہی؟ یہی حکم بریلی شریف اور دوسرے شہروں کے لیے بھی ہے۔

مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں تو کمال عدت یعنی تیس ۳۰؍ کی گنتی پوری کرنے کا حکم ہے: ”**فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلثین**“ مگر پورنیہ کٹیہار، دلی، کلکتہ، بنگلور، پھلواری، پٹنہ خواہ کہیں سے چاند تلاش کرنے کا حکم اور ایک ہی دن پوری دنیا یا پورے ملک وصوبہ یا کم از کم صوبے کے اکثر اضلاع میں عید منانے کا جزیہ کہاں ہے؟ موبائیل، واٹس ایپ، فیس بک، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعے گھر گھر چاند پہنچانے کا وجوب یا کم از کم استحباب ہی کہاں؟ یہ محض العوام کالانعام اور ارباب اقتدار کی نظر میں اپنی یا ادارے کی حیثیت عرفی منوانے کا غیر شرعی ذریعہ اور اپنی شہرت ومقبولیت، با اثری ومرجعیت میں سبقت حاصل کرنے کا سیاسی حربہ ہے۔ **قال علیه السلام: اذا وسد الامر الی غیر اھلهٖ فانتظر الساعة**۔ مولیٰ تعالیٰ قبول حق کی توفیق رفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹؍ رمضان المبارک کو رویت ہلال کے تعلق سے ہونے والے اعلان پر جن مفتیان کرام کے شرعی فیصلے نقل کیے گئے وہ تمام حضرات ذمہ دار دارالافتاء کا قلمدان سنبھالنے والے صاحب فقہ وفتاویٰ ہیں جماعت میں ان کے فتوے قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ تقریباً تمام مفتیان کرام نے اس اعلان کو غیر شرعی فرمایا، علمائے متقدمین وفقہ حنفی کی تصریحات سے اس اعلان کی تائید وتوثیق نہیں ہوتی یہ بھی وضاحت فرمائی۔

راقم الحروف مفتیان کرام وفقہائے عظام کی بارگاہ میں عرض گزار ہے کہ اگر شرعی قوانین کی حفاظت وصیانت ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اسلاف کرام بالخصوص اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا، سرکار مفتی اعظم ہند، حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصریحات وفتاوے کی روشنی میں رویت ہلال کا پیچیدہ ترین مسئلہ ان کے ناخن تدبیر سے حل ہوجاتا ہے تو علمائے کرام وائمۂ عظام کے لیے ہر سال کی دردسری سے نجات دلا دے گا اور امت مسلمہ باہمی تفریق وانتشار کی راہ پر جانے سے محفوظ ہوجائے گی۔ وقت کا یہ ایسا جبری مسئلہ ہے کہ اس کا حل نکالنا بے حد اہم وضروری ہے۔

جو قوم تین سو ساٹھ دن علمائے کرام کی دست بوسی کرتے نہیں تھکتی ان کا خطبہ پڑھنا اپنا وظیفۂ حیات گردانتی ہے، ان کی جوتیاں سیدھی کرنا باعث فخر ونجات سمجھتی ہے، ان کے چشم ابرو کے اشاروں کی منتظر رہتی ہے، لب ہلے نہیں کہ عقیدت مند ونیاز مند تکمیل کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے مضطرب وبے چین نظر آتے ہیں۔ لیکن ۲۹؍ رمضان کی تاریخ ایسی ہوتی ہے کہ قوم اس موڑ پہ آ کے دیدہ بدل دیتی ہے، عقیدت مندی ونیاز مندی کی تمام زنجیریں توڑ کر آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے، غلامی کا طوق گردن سے نکال پھینکتی ہے اور عملاً باغیانہ ذہن وفکر کا مظاہرہ ہونے لگتا ہے۔ لہٰذا اس نازک وحساس ترین مسئلے پہ مفتیان کرام سر جوڑ کر بیٹھیں اور کوئی حل تجویز فرمائیں تاکہ جماعت میں پھیلے ہوئے انتشار واختلاف کی آگ سرد ہوسکے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ کسی نجی مجلس میں جماعت کے ایک صاحب نظر مفتی نے فرمایا تھا کہ سیدی اعلیٰ حضرت کی تصریحات کی روشنی میں مسئلۂ رویت ہلال کا حل ان کی نظر میں ہے ان سے بھی گزارش ہے کہ وہ اپنی تحقیق انیق سے یہ پیچیدہ گتھی سلجھا دیں۔

باب ہشتم تنقیدات

تبصرہ

حضور مجاہد ملت: حیات، خدمات اور اعترافات

نام کتاب: حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات
مؤلف: مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی
صفحات: ۲۸۸
قیمت: ۲۵۰
ناشر: رضا دار المطالعہ پوکھریرا، سیتامڑھی، بہار
مبصر: مولانا ملک الظفر سہسرامی

حضور مجاہد ملت حضرت مولانا مفتی شاہ محمد حبیب الرحمن عباسی قادری قدس سرہ الہادی جو اپنے مجاہدانہ کارناموں کی بنیاد پر طبقہ عوام وخواص میں نام سے کم اور مجاہد ملت سے زیادہ جانے پہنچانے جاتے ہیں، آپ کی ذات و شخصیت کا تصور جہاں ہوتا ہے تو خود بخود توکل، استغنا، حق گوئی و بے باکی، عزیمت، قربانی، جہد مسلسل، انہی کے ساتھ ساتھ زہد تقویٰ، پرہیز گاری جیسی صفات مومنانہ پس منظر سے ابھرا بھر کر سامنے آتی ہیں۔

آپ کی حیات وخدمات کے منظر نامے پر جن حضرات کی نظر ہے یقیناً ان پہ یہ امر مخفی و پوشیدہ نہیں کہ پروردگار عالم نے دین و ملت کے درد سے بھرا ہوا سینہ آپ کو عطا فرمایا تھا، یوں تو آپ کی ولادت باسعادت ایک امیر ترین گھرانے میں ہوئی، رئیسانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ آپ کی پرورش و پرداخت ہوئی، گھر کا پورا ماحول امیرانہ شان وشوکت کی عکاسی کر رہا تھا لیکن شعور کی آنکھ کھلی تو آپ کے مزاج نے امارت و ریاست کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، رؤفیہ اسٹیٹ کے آپ تنہا مالک و وارث تھے جو اسٹیٹ سالانہ انچاس ہزار روپے برٹش گورنمنٹ کو ٹیکس ادا کرتا تھا، لیکن دنیا سے بے رغبتی اور استغنا کا جو مزاج تھا اس نے امارت سے رشتہ بحال رکھنا قبول نہ کیا اور پھر ریاست سے رشتہ توڑ کر درویشی وفقیری آپ کا اوڑھنا بچھونا ہوگئی، ہم عصر علما میں آپ کو توکل، استغنا، فقر، بے نیازی، دنیا سے بے رغبتی، جرأت و بے باکی، حق گوئی و پامردی جیسی صفات عالیہ کی بنیاد پر نشان امتیاز حاصل تھا، بھیڑ میں بھی یکہ وتنہا دکھائی پڑتے تھے۔

کیا حسن ہے، جمال ہے، کیا رنگ و روپ ہے
وہ بھیڑ میں بھی جائے تو تنہا دکھائی دے

حضور مجاہد ملت اپنے اوصاف حمیدہ کے سبب علما وصلحا کی بھیڑ میں بھی امتیازی شان کے مالک نظر آئے، ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑنے میں آپ کا نام سرفہرست

آتا ہے، سیاسی شعبدہ بازوں نے سیاست کے میدان میں جو ڈرامائی شکل اختیار کر رکھی تھی آپ اس سے سخت برہمی و بیزاری کا اظہار فرماتے، آپ کی سیاست میں مصلحت بھی تھی، دوراندیشی بھی، مسلک کی سالمیت بھی تھی، حقوق انسانی کی بحالی بھی، وہ ملک کی سالمیت بحال دیکھنا چاہتے تھے، عوام الناس کی خوش حالی، عدل وانصاف کی بحالی، امن وامان اور خیر سگالی کا ماحول دیکھنا چاہتے تھے، اپنا مطالبہ جب احتجاج کی شکل میں پیش فرماتے تو حکومت کے کان کھڑے ہو جاتے اور عوامی مطالبات کو بے باکی سے پیش کرنے والے اس مرد قلندر کو قید وبندگی کی صعوبتوں سے بھی دو چار کیا جاتا ہے، چنانچہ حق گوئی و بے باکی کی پاداش میں آپ کو ملک و بیرون ملک آٹھ مرتبہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالا گیا، ۱۳۵۳ھ ۱۹۴۳ء میں عامۃ الناس پہ بے جا ٹیکس نافذ کئے جانے کے خلاف جب آپ میدان عمل میں ایک احتجاجی تحریک کی شکل میں سامنے آئے تو حکومت وقت نے اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے ہوئے آپ کو گرفتار کر لیا، اس طرح یہ گرفتاری اور مرد مجاہد کے عملی جہاد کا ابتدائیہ ہے، قید و بند کی صعوبتیں، جیل کی سلاخیں اور بیڑیاں آپ کی جرأت و بے باکی کا گراف مزید بلند کرتی رہیں، آپ اپنی تقریروں اور حق بات میں جس جرأت و بے باکی کے ساتھ حکومت وقت کو تنقید کا نشانہ بناتے وہ آپ کے جذبۂ خود اعتمادی و خدا اعتمادی کا اعلانیہ اور اشاریہ ہے، ڈاکٹر اقبال نے ایسے ہی مرد قلندر کے تعلق سے کہا ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیر وں کو آتی نہیں رو باہی

حضور مجاہد ملت کی جرأت و بے باکی کی یہی وہ ادا تھی جس کی بنیاد پر الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جج نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں اس شخص سے ملنا چاہتا ہوں جو بر سر عام عوامی اسٹیج سے ایسے شخص کو اپنی کھلی تنقید کا نشانہ بناتا ہے جسے ہندوستان میں لوگ قابل پرستش مقام پر بٹھاتے ہیں۔

عزیز گرامی مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کو سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی ذات سے حد درجہ عقیدت حاصل ہے، وہ اپنی عقیدت مندی و نیازمندی کا اظہار نعروں کی گونج سے نہیں کرتے بلکہ خموش انداز میں تعمیری طرز فکر اختیار کر کے باغ رضویات میں گل بوٹے کھلاتے رہتے ہیں، اسباب ووسائل کے اعتبار سے بظاہر تہی دامن ہونے کے باوصف سال میں اس حوالے سے دو چار کتابیں منظر عام پر آجاتی ہیں، مولانا موصوف کے دل و دماغ پر اعلیٰ حضرت کی عقیدت ومحبت کا اس قدر گہرا اثر ہے کہ جو حضرات مسلک اعلیٰ حضرت یعنی افکار وخیالات اعلیٰ حضرت کی ترجمانی میں سر فہرست رہے ان کے افکار وخیالات کی خوشبوؤں سے قوم وملت کی نسلوں کو متعارف کرانے میں سرگرم عمل رہتے ہیں اور ان کی حیات وخدمات اور زریں کارناموں کا تاج محل تعمیر کرنے میں خود کو مصروف رکھتے ہیں، زیر تبصرہ کتاب ''حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات'' انہی پاکیزہ جذبات کی ترجمانی وعکاسی کرنے والی قابل قدر کتاب ہے۔

حضور مجاہد ملت لاریب پہلو دار شخصیت کے مالک تھے، دن کے اجالوں میں اگر معقولات ومنقولات کی خیرات تقسیم فرماتے ہوئے نظر آتے تو رات کی تاریکیوں میں عابد شب زندہ دار بھی، پہاڑ سے زیادہ مضبوط حزم واستقلال آپ کی

طبیعت کو حاصل تھا، جہاں مضبوط سے مضبوط اعصاب کے مالک کو پسینے چھوٹ جائیں، وہاں آپ جرأت و بے باکی اور بے پناہ پامردی کے ساتھ سینہ سپر ہو کر حالات کا مقابلہ فرماتے۔

کتاب کا خاص حصہ حضور مجاہد ملت کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے جو مولانا صدیقی کے خامۂ زرنگار سے تحریر ہو کر تقدیم کے تحت شامل کتاب ہوا ہے، دراصل یہی کتاب کی روح اور اس کی اساس و دبنیاد ہے، اس میں مولانا نے بہت سلیقے سے حضور مجاہد ملت کی حیات و خدمات کا اجمالی اور کہیں کہیں تفصیلی ذکر کیا ہے، کچھ مقامات پر ان کا دردو کرب کاغذی، پیرھن اختیار کر کے متشکل ہوتا ہے تو حساس دل رکھنے والے کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی اپنے سینے میں حساس دل پالتے ہیں، اس لیے جماعتی بے حسی، غیر حکیمانہ طرز ادا، اور نظم وضبط سے عاری جمیعت و تنظیم پہ دکھی دل کی صدائیں دردو کرب کا اشاریہ بن کر سامنے آجاتی ہیں۔

حضور مجاہد ملت کی ذات وشخصیت بہت تہ دار تھی، وہ اپنے آپ میں ایک انجمن تھے، اکیلے تھے مگر قدرت نے ویرانے آباد کرنے کی صلاحیتوں سے سرفراز فرما رکھا تھا، وہ مست بادۂ الست اور اسیر عشق مصطفی علیہ التحیۃ والثناء تھے، ان کے عزم وارادے کا تاج محل یقین محکم سے تیار ہوا تھا، ان کے عہد میں مذہب ومسلک کے نام پر فتنہ گروں کی جو فتنہ سامانیاں تھیں وہ اپنی جگہ پر! سیاسی محاذ پر بھی مسلمان نشانے پر تھے، حکومت کا رویہ غیر منصفانہ اور نہایت جارحانہ تھا، اس طرح کے ماحول میں آپ نے اپنی عمر کے پچاس سال دینی، ملی، مذہبی اور سیاسی محاذ پر مسلمانوں کی مخلصانہ قیادت کا بھر پور اور مکمل حق ادا فرما کر للّٰہیت، راست بازی اور جرأت و بے باکی کی تاریخ رقم فرمائی، آپ کے ان اوصاف جلیلہ کی علمائے کرام قسمیں کھاتے ہیں، آپ کو اپنے معاصر علما میں اپنی اوصاف کی بنا پر شان امتیاز حاصل تھی، آپ روفیہ اسٹیٹ اڑیسا کے مالک تھے جو اس زمانے میں برٹش گورنمنٹ کو انچاس ہزار روپے سالانہ ٹیکس ادا کرتا تھا، اس کے باوصف آپ کی زندگی میں فقیرانہ مزاج پایا جاتا تھا، آپ کی کتاب حیات کا پیش لفظ، مقدمہ اور افتتاحیہ سب کچھ مذہبی درد اور ملی کرب سے عبارت تھا، اگر حضور مجاہد کا تعارف ایک جملے میں تحریر کیا جائے تو یہی ہے کہ وہ مذہبی دردو کرب کی تصویر تھے، اس دور میں ملی دردو کرب کو مجسم ومتشکل دیکھنا ہو تو حضور مجاہد ملت کو دیکھا جائے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ سیدی اعلیٰ حضرت کا انتخاب تھے، ایک مذہبی قائد کی حیثیت سے آپ کے مزاج میں عدل وانصاف کے عناصر شامل تھے، اسی کے ساتھ یہ بھی تھا کہ سیاست کے میدان میں جب آپ کی آواز احتجاج کی شکل اختیار کرتی تو اس میں آپ کی جرأت و بے باکی، حق گوئی وحق طلبی کے ساتھ امن پسند مزاج کی جھلک بھی صاف طور پر محسوس کی جاتی، آپ پورے ملک میں امن وامان اور سکون و قرار کی پر بہار فضا دیکھنا پسند فرماتے تھے، ایک ایسی فضا دیکھنے کے خواہاں تھے جس میں ظلم و ناانصافی کی کثافتوں کی آلودگی نہ ہو، بلاتفریق مذہب وملت وہ ظلم وستم، جورو جفا اور ناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں اپنی مثال آپ تھے، ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کا تسلسل اس قدر

آپ کو فکر مند کر دیتا کہ راتوں کی نیند اڑ جاتی، انسداد فساد کے تعلق سے آپ نے حکومت کے سامنے پانچ نکاتی فارمولہ پیش فرمایا، مخالف جماعت کے سرکردہ افراد سے بھی اس سلسلے میں آپ کی مراسلت ہوئی اور اپنی حق پسند آواز سے آواز ملانے کی ان سے بھی اپیل کی۔

لاریب حضور مجاہد ملت دینی درد و کرب کا استعارہ تھے ،مسلمانوں کے حقوق اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کو یقینی بنائے جانے کے لیے حکومت وقت کے سامنے بہت بے باکی کے ساتھ اپنے مطالبات رکھے، ان کا نقطۂ نظر بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے کر چلنے کا تھا، مسلمانوں کو دین اور صاحب دین سے جوڑنا چاہتے تھے، سیاسی محاذ پہ بھی مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کے لئے وہ تادم واپسی جنگ لڑتے رہے، صدر جمہوریہ سے لے کر وزیر اعظم تک سے اس سلسلے میں آپ نے مراسلت کا سلسلہ جاری رکھا، آپ کی زندگی کا مطالعہ ہمیں دعوت فکر و عمل دیتا ہے، اسلام کے ایک جاں فروش سپاہی کی حیثیت سے اپنی زندگی گزاری، اخلاقیات میں آپ کا آشیانہ بہت بلندی پہ تھا، انسانی درد و کرب آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ملک میں جمہوریت کی بقا اور اس کے استحکام کے لیے آپ نے جو تحریریں پیش کی ہیں وہ ملک کی سالمیت، قومی یک جہتی اور فروغ امن و امان کی راہ میں موثر رول ادا کرنے والی ہیں نیز آج جمہوریت کے نام نہاد دعویدار وں کے فکر و عمل کو مہمیز کرنے والی ہیں۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی میں بے پناہ پھیلاؤ نظر آتا ہے، مذہب و ملت کے حوالے سے وہ کونسا گوشہ ہے جہاں اس مرد مجاہد کی آواز کی بازگشت آج بھی سنائی نہ دیتی ہو، اسی سبب سے آپ محبوب خلائق تھے، آپ سے کرامتوں کا ظہور بھی ہوا ہے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپ کا پورا وجود ہی کرامت تھا، آپ ناخن اقدس سے تا موئے سر کرامت تھے، آپ سے وابستہ کرامتوں کو اگر سنجیدگی سے سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیا ہو سکتی ہے، آپ اکابر علمائے اہلسنت کی نظر میں وحید عصر تھے، آپ حقیقی معنوں میں ملت کے بے باک مجاہد تھے، آپ عہد آفریں اور انقلابی شخصیت کے مالک تھے ،سیدی اعلیٰ حضرت کا روحانی فیضان حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی شاہ حامد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ الباری کے توسط سے آپ پر جھوم جھوم کر برسا، میدان عمل میں قدم رکھنے کے بعد آپ قید و بند کی صعوبتوں سے بھی دو چار ہوئے، مگر بیڑیاں، زنجیریں اور جیل کی سلاخیں آپ کے عزائم کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر خود ہمت ہار بیٹھیں، مگر اس مرد آہن کے عزم و استقلال میں ذرہ برابر لچک محسوس نہیں کی گئی ،"تحریک خاکساران حق" کے نام سے ایک نیم عسکری تنظیم بھی آپ نے تشکیل دی جو ملک میں امن و امان کی بحالی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور باہمی اتحاد کی فضائے نگار بنانے میں موثر رول ادا کرتی۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی کے یہ حاشیے اور بین السطور ہیں ،اگر آپ حضور مجاہد ملت کی کتاب حیات کی تفصیلات جاننا چاہتے ہیں تو "حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات" کا مطالعہ کریں، کتاب میں حضور مجاہد ملت کی حیات کے بہت سارے خفیہ نقوش ابھارے گئے ہیں، صاحب کتاب

نے اعترافات کے باب میں جماعت اہلسنت کی بڑی بڑی شخصیات کے تاثرات کو جگہ دی ہے، جنہوں نے شخصیت شناسی کا کھل کر اعتراف و اقرار کیا ہے، اس انجمن میں چند اسمائے گرامی تو ایسے ہیں کہ ان کی زبان سے ادا ہونے والے کلمات یقیناً قدر شناسی کا مکمل عکس و آئینہ ہیں، مثلاً حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی، حضور مفتی اعظم ہند حضرت علا مہ محمد مصطفی رضا خاں قادری بریلوی، صدر الا فاضل حضرت علا مہ مفتی سید شاہ نعیم الدین مراد آبادی، شیخ الا سلام حضرت علا مہ مفتی عبد المقتدر بدایونی، امین شریعت حضرت علا مہ مفتی رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور، شمس العلماء حضرت علامہ مفتی شمس الدین احمد رضوی جونپوری، قطب مدینہ حضرت علا مہ مفتی محمد ضیاء الدین مہاجر مدنی، حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مبارکپوری، حضرت علامہ سید شاہ قتیل دانا پوری، سرکار کلاں حضرت سید شاہ مختار اشرف اشرفی جیلانی قدست اسرارہم، ان اساطین امت اور اکابر ین ملت کے علاوہ اور بھی اہم شخصیات ہیں جن کی قیمتی تحریریں حضور مجاہد ملت کی شخصیت شناسی میں نئی نسل کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہی ہیں، کتاب کا آخری حصہ مناقب پر مشتمل ہے، جس میں جماعت اہلسنت کے چند نامور شعرائے کرام کے قلم سے تحریر کردہ مناقب شامل کر کے کتاب کی زیب وزینت دو چند کر دی گئی ہے۔

حضور مجاہد ملت کے دینی، ملی اور علمی کارناموں کی فہرست اس قدر طویل ہے کہ ان کے قرار واقعی تعارف کے لیے ٹیم ورک کی ضرورت ہے، جو کام بھی ہو رہا ہے اس میں نظم وضبط کا جو ہر نظر نہیں آرہا ہے، نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ کام ہو کے بھی کامیابی کی صبح طلوع نہیں ہو پا رہی ہے، ہم نے قدر شناسی اور شخصیت شناسی کا جو خود ساختہ پیمانہ مقرر کر رکھا ہے اس سے باہر نکل کر کام کرنا نہیں چاہتے، نعروں کی گونج میں تقاریر ہو گئیں، اعراس کی دھوم دھام، چادر گاگر، گنبد و روضہ کی آرائش وزیبائش کو قدر شناسی کا معیار بنا لیا گیا ہے، اس خود ساختہ خول سے ان عبقری شخصیات کو باہر نکالنے کی ضرورت ہے۔

حضور مجاہد ملت کی ذات ان شخصیات میں ہے جو اپنے اندر تاریخ کا رخ موڑ دینے کی اہلیت وصلاحیت رکھتی ہیں، جو وقت اور حالات کے رخ پہ نہیں چلتی بلکہ وقت اور حالات کو صحیح سمت پہ لگا دیتی ہیں، اگر یہ جو ہر گرانمایہ دوسری قوم کی زنبیل میں ہوتا تو اس کی چمک دمک سے اقوام عالم کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں، اس تعلق سے مولانا محمد رحمت اللہ صدیقی کا درد و کرب لفظوں کی قبا زیب تن کرتا ہے تو خاکہ یہ سامنے آتا ہے۔

> ''اگر آپ کسی دوسری قوم میں پیدا ہوئے ہوتے تو آپ کی زندگی سے وابستہ ہر سانس کو قرینے سے محفوظ کیا جاتا اور آپ کو عالمی شخصیات میں نمایاں مقام دیا جاتا مگر ہم نے ان کی ذات کو صرف عرس اور نذر و نیاز تک محدود کر دیا ہے، سال میں صرف ایک بار ان کے آبائی گاؤں میں ان کا عرس منایا جاتا ہے، لنگر لٹائے جاتے ہیں اور پورے ملک میں خاموشی ہوتی ہے، جبکہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں ان کے نام اور کام پہ محافل ومجالس، ذکر و اذکار اور تحریر وتقریر کا اہتمام ہو نا چاہیے، ان کی شخصیت سے جڑے ہوئے وصف کو

بڑے پیمانے پرا جاگر کیا جانا چاہیے، اس طرح نسل نو
ان سے قریب ہوتی اور اس کے اندر ملک وملت کے
لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا۔''

حضور مجاہد ملت نے مسلک کی سالمیت، امن وامان کی بحالی اور فرقہ ورانہ ہم آہنگی کے لیے ''تحریک خاکساران حق'' کا خاکہ ترتیب دیا اور اس کا مضبوط دستور العمل مرتب فرما کر اسے زمینی حقیقت عطا کی، اگر اس تحریک کو بال و پر فراہم کیا گیا ہوتا اور آپ کے ملی کرب اور قومی درد کو طبقۂ خواص کی زبان مل گئی ہوتی تو آج ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا بہت حد تک بحال ہوگئی ہوتی، اقلیتوں کے حقوق کی بحالی کی ممکن راہیں ہموار ہوتیں، لیکن افسوس کہ اس تنظیم کو حضور مجاہد ملت کا جذبۂ اخلاص تو ملا مگر قدر ناشاسوں کے ہجوم میں اخلاص وللّٰہیت کے جذبے سے سرشار یہ نعرہ نقار خانے میں طوطی کی گونج بن گیا۔

حضور مجاہد ملت نے دین کی سرفرازی اور مسلمانوں کی ترقی وخوش حالی کے لیے ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کا مضبوط پلیٹ فارم تشکیل دیا، اس تحریک کے پس پردہ آپ کا جذب دروں یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع روشن کر کے ان کی شیرازہ بندی کر دی جائے اور بھٹکی ہوئے آہوں کو سوئے حرم لے کر چلا جائے، نیز معاشی، اقتصادی اور سیاسی میدان میں ان کی زبوں حالی دور کرنے کی کوشش کی جائے، وہ ہندوستان میں مسلمانوں کو تعلیم یافتہ اور امن وامان کے سائبان میں زندگی گزارتے ہوئے دیکھنا چاہتے تھے، لیکن اس خواب کی تعبیر کے لیے اور اس مجوزہ خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے ملت کے سرکردہ افراد کا جو تعاون مطلوب تھا نہ مل سکا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خاکہ بھی رنگ بھرنے والوں کی راہ تکتا رہ گیا، آپ کے وصال کے بعد تو کچھ اور ہی نقشہ بن گیا، اس تعلق سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری کا تیور دیکھئے۔

''اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ مجاہد ملت کون ہیں؟ تو چند جملوں میں میرا جواب ہوگا کہ مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے اپنے دور میں اعلیٰ حضرت کی تحریک تحفظ ناموس رسالت کو مرنے نہ دیا بلکہ اپنی علمی شان اور عملی آن بان سے اس کے تن نازنین میں نئی جان ڈال دی، مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے حضور حجۃ الاسلام کی اجازت وخلافت کا نہ صرف بھرم رکھا بلکہ دنیا کے سامنے اپنے کردار وعمل سے رضوی خلافت کا اصلی مقام اس سوز وگداز سے پیش فرمایا کہ دنیا عش عش کر اٹھی، مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے اپنے شخصی طنطنہ اور بے تکلفانہ دوستی کے باوصف حضور مفتی اعظم ہند سے نیاز مندانہ ملنے میں اپنی سعادت سمجھی، مجاہد ملت وہ ہیں جن کی تخیلاتی سروں کی شاخ طوبیٰ پر بریلی کی یادوں کا عندلیب بے تکان چہکتا ہی رہا، مجاہد ملت وہ ہیں جنھوں نے اپنے مجاہدانہ کردار سے قوم وملت کی زلف برہم سنوارنے میں زندگی گزار دی۔'' (حضور مجاہد ملت حیات، خدمات اور اعترافات)

حضور مجاہد ملت یوں تو سلسلہ نقشبندیہ میں رئیس الاولیاء حضرت علامہ شاہ محمد عبد الکافی قدس سرہ کے دست حق پرست

پر شرف بیعت اورارادت وخلافت رکھتے تھے لیکن حجۃ الاسلا م حضرت علامہ مفتی شاہ حامد رضا خاں قادری بریلوی سے اجا زت کے بعد سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں عام طریقے پر لوگوں کو بیعت وارادت سے نوازتے رہے، بعض خواص کی خواہش پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت وارادت سے سرفراز کرنے کی روایت بھی ہے، وہ اعلیٰ حضرت کے نادیدہ نیاز مند وعقیدت مند تھے، اعلیٰ حضرت کی وفا کشیوں کی اولین فہرست کا بہت نمایاں نام تھے، مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت میں سرگرم رہنے والا یہ مجاہد اپنی خدمات کے پس منظر میں اپنے عقیدت کیشوں اور نیاز مندوں سے بطور خراج انہی جذبوں کا مطالبہ کررہا ہے، مجاہد ملت جہاں ترجمان مسلک اعلیٰ حضرت بن کر رہے، مسلک اعلیٰ حضرت کی نقابت وترجمانی آپ کا بہترین تعارف نامہ ہے، اس تعلق سے مولانا رحمت اللہ صدیقی نے بہت درست تبصرہ کیا ہے۔

حضور مجاہد ملت اور مسلک اعلیٰ حضرت یہ عنوان حضور مجاہد ملت کی زندگی کا سرنامہ بھی ہے اور شناخت نامہ بھی، حضور مجاہد ملت کو آپ جتنے خانوں میں تقسیم کریں گے، ہر خانے کا رشتہ اسی عنوان سے آکر ملتا ہے بلکہ آپ کی پوری زندگی اسی عنوان پر گردش کرتی نظر آتی ہے اور بدعقیدگی کے طوفان بد تمیزی سے قوم وملت کے افراد کو بچانے کے لیے حضور مجاہد ملت ودیگر اکابرین امت نے جس اخلاص اور پامردی کے ساتھ محاذ کو سنبھالا اور صلح کلیت کے خلاف نعرۂ حقانیت بلند کیا ،حیف آج جماعت میں ان کے نام پہ نعرے لگانے والے تو ملیں گے، ان کا خطبہ پڑھ کرواہ واہی لوٹنے والے تو نظر آئیں گے مگر جو درد ان حضرات کے سینوں میں تھا وہ درد اور تڑپ رکھنے والے خال خال نظر آئیں گے کاش! مجاہد ملت ودیگر اکابر امت کے نام پر روٹی سینکنے والوں کو ان کے اخلاص للّٰہیت اور راست بازی سے بھی کچھ حصہ مل گیا ہوتا تو آج جماعت اس دور آزمائش سے نہیں گزر رہی ہوتی ،اس تعلق سے مولانا رحمت اللہ صدیقی جماعتی دکھ درد کی تصویر پیش کر تے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضور مجاہد ملت کے سینے میں جو ملی درد تھا، جو تڑپ تھی اور حق کا جو آتش فشاں تھا آج اس درد، تڑپ اور آتش فشاں کو، کوئی قبول کرنے کے لیے آمادہ وتیار نہیں ہوتا، ان کے عشق کی تپش اور ان کی زندگی کا پاکیزہ حسن نقلی مجنوؤں کے ہجوم میں چھپتا جا رہا ہے ،ان کے عشق اور ان کی حیات کے تابندہ نقوش کو وقت کے نقلی مجنوؤں سے بچانے کی اشد ضرورت ہے ،حضور مجاہد ملت نے بے راہ روی ، بدعقیدگی اور صلح کلیت کی نسوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا، آج ان کی تعمیر کردہ چہار دیواری میں صلح کلیت کا اژدھا ٹہلتا دکھائی دیتا ہے ،انھوں نے مسلک اعلیٰ حضرت کا جو حصار باندھا تھا آج لوگ اس حصار کو توڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں ،انہوں نے اپنے خون جگر سے خوش عقیدگی ، جرأت وبے با کی اورصدق وصفا کے جو چراغ روشن کئے ہیں ان چراغوں کی روشنی کو تیز سے تیز کرنے کی ضرورت ہے ،تاکہ آزاد خیالی ،فکری آوارگی اور مسلک بیزار عناصر کے منصوبے خاک

میں مل جائیں ،انہوں نے جماعتی وقار کو جس حوصلے سے اعتبار بخشا ہے،اس حوصلے کے فروغ میں اگر کوئی طاقت مزاحم ہوتی ہے تو اس طاقت کو شدت سے کچل دینے کی ضرورت ہے،ان کی کتاب حیات میں ہمارا تابناک مستقبل محفوظ ہے۔

مولانا رحمت اللہ صدیقی کی تحریر کا ہر اقتباس جماعتی درد وکرب کی تصویر ہے،اس کتاب میں جا بجا ملی کرب اور بے چینی کا ظہار ملے گا،کہیں کہیں اس اظہار میں لہجے کی کاٹ تیز ہوگئی ہے،لیکن عمل جراحی سے گزرتے ہوئے فاسد مادوں کو نکالنے کے لیے سینے پہ پتھر رکھنا پڑتا ہے،میں سمجھتا ہوں کہ مولانا رحمت اللہ صدیقی کا یہ اخلاص ہے کہ جماعت کی زبوں حالی پہ درد وکرب بھرا مرثیہ لکھ کر قوم کے حساس اور بیدار مغز حضرات کے روبرو کردیا۔

مولانا رحمت اللہ صدیقی کی تحریر کی پختگی اور شعور کی بالیدگی دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہوگئی ،مجھے بے پناہ مسرت و شادمانی کا احساس ہے کہ یہ کتاب حضور مجاہد ملت کی وسیع حیات وخدمات کا ایک اجمالی اشاریہ بن کر منظر عام پر آئی ہے ،اب اس پہ مزید تاج محل کی تعمیر کا تقاضا ہے،اس سلسلے میں حضور مجاہد ملت کی زندگی کے پھیلے ہوئے گوشوں میں سے بعض اہم گوشوں کی جانب انہوں نے جماعت کے حساس، بیدار مغز صاحب صلاحیت افراد کی علمی وفکری توجہ کا مطالبہ رکھا ہے ،کاش چند صاحبان دل اس جانب توجہ فرمالیں تو حضور مجاہد ملت کی قرار واقعی خدمات سے دنیا کو بخوبی آگاہی ہوسکے ،کتاب اپنی پیش کش کے اعتبار سے بہتر ہے،کاغذ عمدہ اور طباعت معیاری ہے،رب کی رحمت اور مولانا کے خلوص سے امید ہے کہ کتاب اہل علم ،اہل عقیدت اور اہل ذوق میں قبولیت حاصل کرے گی۔

مکتبہ رحمانیہ رضویہ،محلہ سوداگران ،بریلی شریف سے کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

تبصرہ

حرا کا چاند

نام کتاب: حرا کا چاند
شاعر: مولانا عبدالرزاق راہی ضیائی
صفحات: ۶۴
ہدیہ: ۷۰ روپے
ناشر: ضیاء پبلی کیشنز، دارُ العلوم ضیاء الحبیب، مرولیا، پرولیا، مغربی بنگال
ملنے کے پتے: نشاط بکڈ پو، بمقابل فائر اسٹیشن، آسنسول، مدرسہ اہل سنت مخدوم العلوم شری پور بازار بردوان۔

تبصرہ: مولانا ملک الظفر سہسرامی، دارُ العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام (بہار)

اسلامی نقطۂ نظر سے نفس شاعری قابل تحسین نہیں رہی بلکہ شعراء کی آزاد خیالی اور فکری بے راہ روی کے سبب اسلام کے نزدیک شاعری قابل مذمت ہی سمجھی گئی۔ چنانچہ جب شعراء کی مذمت میں آیت قرآنیہ کا نزول ہوا تو اسلام کے دامن سے وابستگان کی نیند حرام ہوگئی اور روتے روتے ان کا حال خراب ہوگیا۔ لیکن اسی اسلام نے جب شعر وسخن کا قبلہ درست کیا، آزاد خیالی اور فکری بے راہ روی کو پابند سلاسل کیا، بھٹکے ہوئے آہو کو حرم کا رستہ دکھا کر ان کے افکار وخیالات کی تطہیر فرمائی تو حضرت حسان بن ثابت انصاری، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران جیسے دوسرے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے شعر وسخن سے بھی گلشن اسلام کی آبیاری اور حسن کاری کی قابل قدر زریں خدمات انجام دیں اور آج تک ان کی اتباع وپیروی میں شعراء حضرات فن شاعری کا استعمال حمد باری تعالیٰ، نعت پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء میں کرتے چلے آرہے ہیں۔ جس طرح دشمنان اسلام اور شاتمان رسول علیہ التحیۃ والثناء کی گوشمالی اور ان کی ہجو قرن اول کے پاک طینت اصحاب کی خصوصیت تھی آج بھی ان کی اقتدا وپیروی میں شعرائے اسلام اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔ اس قبیل کے شعراء کو آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے **اللھم ایدہ بروح القدس**، جیسی پاکیزہ دعاؤں سے نواز کر دولت بے بہا عطا فرمادی۔ میرے خیال میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ مبارک دعا قیامت تک کے ان تمام مسلم شعرائے عظام کے حق میں ہے جنہوں نے اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اقتدا و پیروی میں شعر وسخن کی بیاض روشن کی۔

نعتیہ شاعری ہر دور میں مسلمانوں کے بے قرار جذبوں

کی تسکین کا سامان بنتی رہی اور اس گلستاں میں عقیدت ومحبت کے گل ولالہ کی کاشت ہر دور کے خوش بخت مسلمانوں کا ایمانی شیوہ رہا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں آراء کے ذکر جمیل سے اپنے فن کو جلا بخشنے کی سعادتیں حاصل کی جاتی رہیں۔ ان کے اوصاف حمیدہ کی بوقلمونیوں کا احاطہ شاعری میں کیا گیا لیکن حق یہ ہے کہ نعتیہ شاعری کا حق کسی سے ادا نہ ہوسکا اور نہ ادا ہوسکتا ہے۔ کیونکہ آپ کے اوصاف حمیدہ کا بیان انسانی دسترس سے باہر ہے۔

لایمکن الثناء کماکان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

ان کی تعریف وستائش میں ہر بیان ناقص اور ادھورا محسوس ہوتا ہے۔ خدا کے بعد انہیں سب کچھ کہا جاسکتا ہے۔

خدا کے بعد انہیں سب کہو خدا نہ کہو۔ اصغر گونڈوی کی زبان میں کہا جائے تو

اگر خموش رہوں میں، تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہوگیا محدود

اس بارگاہ ناز میں ہر بیان عجز بیان کا نمونہ بن کر سامنے آتا ہے جب ہی تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعتیہ شاعری کی شاہ راہ سے گزرتے ہوئے اپنی اسی بے بسی کا اظہار فرماتے ہیں:

ماان مدحت محمدًا بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

غالب جیسے استاذ اور قادر الکلام شاعر نے نعتیہ شاعری کے میدان میں قدم رکھے تو یہ بھاری پتھر ان سے نہ اٹھ سکا اور اپنے فکر وفن کی سلامتی اسی میں محسوس کی۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد یست

اوصاف محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء کے بیان میں قادر الکلام شاعر نعت سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ اسی عجز بیان کو اپنی نعتیہ شاعری کا دیباچہ واختتامیہ بناتے ہوئے گویا نظر آتے ہیں۔

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کردیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

عاجزی ودرماندگی کے تمام تر اقرار وعتراف کے باوصف ہر دور میں مخلص ارباب فکر نے بے قرار جذبوں کی تسکین کے لیے نعت کی بیاض سجائی سنواری۔ حضرت راہی ضیائی بھی انہی مخلص ارباب فکر وخیال کی ایک کڑی ہیں جنہوں نے نام ونمود سے دور رہ کر ایوان نعت کو اپنے اشعار سے سجانے سنوارنے کی کوشش کی۔ آپ کا تعلق شعرائے کرام کی اس نسل سے ہے جو لفظوں کی شیشہ گری سے زیادہ معانی کے لعل وگہر تلاش کرنے میں رہتی ہے۔ زیر تبصرہ مجموعہ نعت ''حرا کا چاند'' موصوف کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہےجس ۱۹۷۳ء سے

۱۸۹۱ تک تحریر کئے جانے والے نعتیہ کلام شامل کیے گئے ہیں۔اس مجموعہ ؟ کلام میں حضرت راہی ضیائی نے اپنا کوئی تعارف نامہ شامل کرنے سے قصداً گریز فرمایا ہے میرے خیال میں وہ اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ۔

میں غلام رسول اکرم ہوں
یہ تعارف بڑا تعارف ہے

(منیر قصوری)

یقیناً ان کا یہ مختصر لیکن باوزن مجموعۂ نعتیہ شاعری سرکار دوعالم ﷺ کی غلامی کا اظہار یہ بن کر سامنے آیا ہے اور ایک دیندار مسلمان کا اس سے بہتر کوئی دوسرا تعارف نامہ تحریر نہیں کیا جا سکتا۔

''حرا کا چاند'' عقیدت و نیاز مندی کی بیاض ہے تو عقائد ونظریات کا غیر مبہم اشاریہ بھی۔سرکار دوعالم ﷺ کی بوقلموں صفات کا عکس وآئینہ ہے تو وہیں اس میں عشق رسول کونین ﷺ کی بہار جاں فزا بھی عقائد باطلہ فاسدہ کے ردوتردید کی جولانیاں ہیں تو استدلال کا زور بیان بھی،فکر ونظر کی پاکیزگی ہے تو تخیلات کی بلندیاں بھی۔

سرکار دوعالم ﷺ کے بیان حسن وجمال پہ ہر صاحب فکر کا تخیل دست بستہ نظر آتا ہے کوئی قلم ایسا نہیں جو آپ کے بے کراں حسن وجمال کا عکس وآئینہ بنا سکے،کوئی بیاض ایسی تیار نہیں ہوئی جس میں آپ کے جمال جہاں آراء کا کماحقہٗ بیان آسکا ہو۔سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے حسن وجمال کا خاکہ مرتب فرمایا تو یہی کہا۔

واجمل منک لم ترقط عینی
واحسن منک لم تلد النساء

خلقت مبرأ من کل عیب
کانک قد خلقت کماتشاء

حضرت منیر قصوری نے آپ کی اتباع وپیروی فرمائی تو یہ قطعہ اردوداں طبقے کے سامنے بطور ترجمہ پیش فرمایا۔

حضور آپ سے بڑھ کر کوئی حسین وجمیل
نہ میری آنکھ نے دیکھا، نہ عورتوں نے جنا

حضور آپ تو ہر عیب سے مبرا ہیں
کہ جیسا آپ نے چاہا خدا نے خلق کیا

فکر وخیال کی تمام تر بوقلمونیوں کے باوصف نعت کے میدان میں عجز بیانی ہر بلند فکر وخیال شاعر کا اعتراف نامہ بنا۔

شان ان کی سوچیے، اور سوچ میں کھوجایئے
نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہوجایئے

قلم خوشبو کا ہو اور اس سے دل پہ روشنی لکھوں
مجھے توفیق دے یارب کہ میں نعت نبی لکھوں

نعتیہ شاعری اگر جذبات واحساسات کی ترجمان رہی ہے تو وہیں عقائد ونظریات کا اظہاریہ واشاریہ بھی،اگر دردِ دل کی تڑپ کا احساس اس میں نمایاں ہوتا ہے تو وہیں وہ امت شکستہ حال کا شہر آشوب بھی اور بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء میں

استغاثہ اور فریاد بھی ہے۔ حضرت راہی ضیائی بھی اس چارہ ساز بے کساں، والی امت کے حضور استغاثے کی زبان بن کر فریادی نظر آتے ہیں۔

ذلیل وخوار، پریشاں کی داستان سنیے
غموں کے مارے مسلماں کی داستاں سنیے

شکستہ حال یہ امت سلام کہتی ہے
حضور! میری عقیدت سلام کہتی ہے

خدا نے آپ کو بخشا ہے اختیار جہاں
مٹایئے مرے ماتھے سے کلفتوں کے نشاں

ہر ایک ساعت کلفت سلام کہتی ہے
حضور! میری عقیدت سلام کہتی ہے

لاریب دارین کی تمام بہاریں آقائے کونین ﷺ کے دم قدم سے ہیں۔ عزت وسرخ روئی کا دیباچہ ان کے مقدس قدموں سے لپٹ کر، خاک پائے ناز چوم کر تحریر ہوتا ہے۔ زندگی وبندگی کے تمام اوراق پر انہی کے نقش قدم سے روشنی وتابانی ہے، اجالوں کی تمام کرنیں انہی کے عارض منور سے خیرات لے کر طلوع ہو رہی ہیں، ان کے نقش قدم سے الگ ہٹ کر نہ زندگی، زندگی ہے اور نہ ہی بندگی، بندگی۔ یقیناً اس بابرکت ذات سے۔۔۔۔ع

سب　حروف　روشن　ہیں
سب　ورق　سنہرے　ہیں
زیست　کی　کتابوں　کے

یقیناً دین ودنیا کی تمام بہاریں آپ کی ذات اقدس کا صدقہ وخیرات ہیں۔ آپ کے نقش قدم پہ مر مٹنے والے دارین میں تاجدار بنے نظر آتے ہیں۔

اے زہے قسمت اگر دشت جہاں میں آپ کے
نقش پا پر چلتے، چلتے نقش پا ہوجایئے

یہی اظہار خیال حضرت راہی ضیائی کی شاعری کا بھی حصہ بنتا نظر آرہا ہے۔

شعور زندگی ٹھہرا، فراز بندگی ٹھہرا
وہ رستہ جو نبی کے پائے اطہر کے نشاں تک ہے

وہ راستہ جو ہے منسوب ان کے قدموں سے
وہی تو خلد کا رستہ دکھائی دیتا ہے

دکھلاتا ہے جو منزل مقصود کا رستہ
وہ سرور عالم کے کف پا کا نشاں ہے

نعتیہ شاعری ہر دور میں مسلمانوں کے بے قرار جذبوں کی تسکین کا سامان بنتی رہی اور اس گلستان عقیدت ومحبت میں گل ولالہ کی کاشت ہر دور کے خوش بخت مسلمانوں کا ایمانی شیوہ رہا۔ نعت پاک کی ابتدا کے سلسلے میں دانشوروں کے مختلف خیالات اور الگ الگ آراء ہیں۔ لیکن اعتراف حقیقت یہ ہے کہ اس کی جڑیں بہت گہری اور اس کی شاخیں بے پناہ پھیلی ہوئی ہیں، پیش لفظ کے تحت ڈاکٹر سید محمد اکمل اجملی رقمطراز ہیں۔

''نعت کی تاریخ عظیم ہی نہیں اس کی جڑیں کافی دور

تک اپنا پھیلاؤ رکھتی ہیں، قرآن وحدیث کے مطابق جو نعت گوئی کے لیے اصل سرچشمہ اور آپس میں اجمال وتفصیل کی حیثیت رکھتے ہیں نعت کی ابتداء خدائے پاک کی خلقت اول سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی قرآن کریم کی آیات لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ وَ اَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ یا اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یا یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا یا یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ یونہی حروف مقطعات مثلاً طٰہٰ، یٰسٓ، المص، یہ سب نعت محمدی کی واضح وروشن دلیلیں اور تاریخ نعت کی اہم کڑیاں ہیں، یہ تو چند مثالیں ہیں جو میں نے دی ہیں ورنہ پورا قرآن کریم نعت محمدی سے پر ہے۔ اور پھر پروردگار عالم جل جلالہٗ کے حکم سے نہ صرف اس کے مقدس فرشتوں نے سیدنا آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوکر نور محمدی کو تعظیم دی اور عملی طور پر خود کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مداحوں میں شریک وثابت کیا بلکہ خدائے پاک کی تمام مخلوقات میں ان کی صفات کے گن گائے اور ان کی خوبیوں کو بیان کیا، بالخصوص انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانے میں ان کے اوصاف وکمالات بیان کیے اور ان کی آمد کی پیشگوئی فرمائی، ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام نے ان کے اوصاف بیان کیے اور انہیں اپنا وسیلہ بنایا، جناب شیث علیہ السلام نے انکا ذکر کیا، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی صفات گنائیں، سیدنا ادریس علیہ السلام نے ان کی تعریف کی، ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بعثت کے لیے دعاء کی اور ان کے علم وحکمت کے گیت گائے اور حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنے کردار وعمل سے ان کے صبر واستقامت کو خراج پیش کیا۔

غرضیکہ رسول عربی کا نور پاک جس جس کی پیشانی میں چمکا ان سبھوں نے آپ کی انفرادیت اور کمال یکتائی کے گیت گائے، اس لیے کہ یہی نور پاک سب کی نجات کا باعث تھا، اسی نور کی بدولت سارے لوگ مامون ومحفوظ تھے۔

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ، نہ نوح از غرق نجینا

رفعت مقام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے تعلق سے بعض کج فہم حضرات کا یہ اعتراض ہے کہ ہم مداحان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعت نگاری کے مرحلے سے گذرتے ہوئے مبالغے سے کام لیتے ہیں بلکہ بعض تو یہاں تک کہہ گذرے ہیں کہ ثنائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہم غلو کی حد سے گذر جاتے ہیں، اولاً ایسا کوئی خوش عقیدہ شاعر پیش نہیں کیا جاسکتا جس نے عبد ومعبود کا فرق ملحوظ نظر رکھے بغیر نعت گوئی کی ہو۔ دوم یہ کہ حد سے گذرنے کا دعویٰ اس وقت قابل قبول ہوگا جب مقام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی حد مقرر کردی جائے۔ رفعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیمانہ مقرر کردیا جائے، ورفعنا لک ذکرک، اے محبوب ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند فرمایا‘‘

میرے خیال میں آج تک ایسا کوئی پیمانہ مقرر نہیں ہوسکا جو مقام رفعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی حد مقرر کرسکے

یہاں تو بس اگر کوئی حد ہے تو یہی ہے۔ ع

خدا کے بعد انہیں سب کہو خدا نہ ہو

اور اسی اسلامی فکر کے زیر اثر شعرائے کرام بیاض نعت میں سرکار دو جہاں فخر موجودات، رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کی تصویر کشی و منظر نگاری کرتے ہیں نیز ان کی بوقلموں صفات کے بیان سے نعتیہ شاعری کو تب و تاب دیتے نظر آتے ہیں۔ حضرت راہی ضیائی بھی اسی لئے میں لئے ملاتے ہوئے نعتیہ شاعری کا سفر تدریجاً طے کرتے نظر آتے ہیں۔

انہوں نے اپنی نعتیہ شاعری کو اپنے عقائد و نظریات کا ترجمان بنا کر پیش کیا ہے۔ سلف سے خلف تک جمہور مسلمین کا جن عقائد و نظریات پہ اتفاق تھا آج ان کے خلاف منصوبہ بند انداز میں محاذ آرائی کی جا رہی ہے، اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمان واسلام کو ہی قرآن مقدس نے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے معیار مقرر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ''فان آمنوا بمثل ماآمنتم به فقد اهتدوا''

جن عقائد و نظریات کے خلاف آج شرک و بدعت کے نعرے لگائے جا رہے ہیں وہ قرن اول کے مقدس مسلمانوں کا نشان امتیاز رہا ہے۔ حضرت راہی ضیائی کا یہ مجموعۂ نعت ''حرا کا چاند'' بھی انہی اسلامی عقائد و نظریات کا ترجمان بن کر ابھرتا ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار میں اگر تعلق باللہ کا اظہار ہے تو وہیں رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ غلامی مضبوط کرنے پہ بھی زور صرف کیا گیا ہے۔

سرزمین نجد سے اہانت رسول کی ایک مہم کا آغاز ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ کے غیر اسلامی افکار و نظریات کے فروغ میں محمد بن عبدالوہاب نجدی نے نام نہاد توحید خالص کا علم بلند کیا اور توحید کے پرستاروں کو ایک نئی راہ پہ لگا دیا۔ نئے عقائد و نظریات کی داغ بیل ڈالی جس کا تانا بانا اسلام اور دین سے قطعی نہیں ملتا۔ رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ پر حملے کیے گئے، ان کے علم و فضل پہ نکتہ چینیاں کی گئیں، علم غیب عطائی کا نہ صرف انکار کیا گیا بلکہ تمسخر و استہزاء کے انداز میں گفتگو کی گئی، اختیارات مصطفیٰ کا انکار کیا گیا۔ ان باطل افکار و نظریات کے رد و ابطال میں علمائے اہل سنت ہمیشہ نثر و نظم کے ذریعے سرگرم عمل رہے۔

حضرت راہی ضیائی بھی انہی حق پسند، حق گو علماء کے شانہ بشانہ نظر آتے ہیں اور اشعار میں انہوں نے ان باطل عقائد و نظریات کا سنجیدگی کے ساتھ بھرپور رد فرمایا ہے۔ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے بھائی کا رشتہ قائم کرنے کی ناپاک جسارت کرنے والے کور چشموں سے تخاطب فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

بعد میں کیجئے دعوی مثلیت
پہلے قوسین تک تو گذر جایئے

لاریب تمام رفعت افلاک جس کی گرد راہ ہو، جو مقام ''قاب قوسین او ادنیٰ'' سے گذر رہا ہو اس سے مثلیت اور ہمسری کا دعویٰ فکری و نظریاتی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے۔ اس مقام پہ تو ایک مومن کامل کا عقیدہ حضرت راہی کی زبان میں

یہی بول رہا ہے۔

منزل قاب قوسین ان کو ملی
اپنے جیسا انہیں کس طرح ہم کہیں

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں۔ ایسے گستاخ اور دریدہ دہنوں کو مکمل استدلالی قوت کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔

اے کج نگاہ! دیکھ صداقت کی آنکھ سے
اعجاز واختیار جو شق القمر میں ہے

اس شعر میں ''صداقت کی آنکھ سے'' کا استعمال بھی بہت معنیٰ خیز محسوس ہوتا ہے۔ ایک مفہوم تو بالکل ظاہر ہے۔ لیکن دوسرا معنیٰ یہ بھی نکلتا ہے کہ معجزۂ شق القمر کو حضرت سیدنا صدیق اکبر و دیگر جاں نثار اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو سراپا ابھرتا ہے وہ ایک مجبور کا نہیں بلکہ مختار کل کا۔ لیکن اختیار کی یہ تمام بہاریں دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ اسے نظر آئیں گی جسے صداقت کی نظر نصیب ہوئی ہے۔ منافقت کی نگاہ سے یہ تجلیات نہیں دیکھی جاسکتیں۔

آنکھ والے تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر؟ کیا دیکھے

منکرین اختیار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشاہدات کے اجالے میں اختیار مصطفیٰ کی بہاریں دکھاتے ہوئے حضرت راہی فرماتے ہیں:

اللہ رے مختار دوعالم کا تصرف
یارائے سخن پائے حجر دیکھ رے ہیں

ادب واحترام بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء کا درس تو ہمیں اصحاب کرام سے ملا قرآن مقدس کے روشن صفحات میں بارگاہ نبوی کے تعلق سے ادب واحترام کی شمع قدم بقدم تابناک نظر آتی ہے۔ حضرت راہی اس بارگاہ ناز میں پلکوں سے چلنا بھی بے ادبی تصور کرتے ہیں اور بے ادبوں کو ایمان کی مکمل حرارت کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔

جلیں تو جلتے رہیں دشمنان دین و خرد
جنہیں ہے پاس ادب وہ قیام کرتے ہیں

عقیدے کے اس شعر میں کس قدر برجستگی ہے، کیا حسین پیرایۂ بیان ہے ''جلیں تو جلتے رہیں'' اور پھر ''دشمنان دین وخرد'' کی ترکیب بھی بہت بلند اور معنیٰ خیز ہے یعنی آداب بارگاہ نبوی میں ادب واحترام کی تصویر بن جانے والے عقیدت مند مسلمانوں پر جو لوگ چیں بجبیں ہو رہے ہیں وہ دشمنان دین ہی نہیں عقل وخرد سے بھی پیدل ہیں۔

ہر شاعر کی فکر اور اس کا تخیل رفعت وعظمت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے بیان میں عجز بیان کا شکار نظر آتا ہے اور مقام مصطفی کے بیان میں اپنی بلندی فکر اور پرواز تخیل کی بے بسی کا اسے قدم بقدم احساس ہوتا ہے۔

یہاں تو ہر بیان عجز بیان کا نمونہ بن جاتا ہے پرواز تخیل میں حضرت راہی ضیائی بھی اسی بے بسی اور عجز بیانی کا ظہار

کرتے ہیں۔

زمیں سے آسماں تک یا مکاں سے لامکاں تک ہے
خدا جانے مرے سرکار کی عظمت کہاں تک ہے

سرکار دوعالم کے حسن سراپا اور جمال جہاں آرا کے بیاں میں ہر عقیدت مند و نیاز مند نے نجوم و کہکشاں کی بارات سجائی ہے لیکن حضرت ام معبد نے رسول کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن وجمال کی جو تصویر کشی کی ہے اور جو خاکہ مرتب فرمایا ہے اس کے سامنے تو ہر بیان پھیکا پھیکا سا لگتا ہے، تاہم عقیدت مانتی کب ہے؟ حضرت راہی ضیائی نے بھی اس راہ میں عقیدت و نیاز مندی کے چراغ جلائے ہیں اور اجمال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوقلموں حسن وجمال کی تصویر کشی خوبصورت انداز میں کر کے گذر جاتے ہیں۔

جس پہ قربان ہے کائنات جمال
وہ حسیں داستاں یا نبی آپ ہیں

تیور بدلتے ہیں اور لب و لہجے کو نیا رنگ و آہنگ دیتے ہیں تو پھر اس طرح کا مضمون نظم ہوتا ہے۔

تعالیٰ اللہ حسن پائے ناز احمد مرسل
کہ اس کی ضوفشانی منزل ہفت آسماں تک ہے

''چراغ حرا'' سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں آراء کا بیان بھی ہے اختیارات و معجزات کا دیباچہ بھی اور شکست حال امت کا استغاثہ بھی

ہے روح پریشاں امت کی
ہر سمت گھٹا ہے ظلمت کی

اے نور خدا اے نورِ مبیں
اے عظمت کعبہ آجاؤ

شکستہ حال ہیں اب خیر امت کے لقب والے
خدا را کیجئے بندہ نوازی یارسول اللہ

نہ کردے مجھ کو خائف کفر کی یہ تیز وتند آندھی
اغثنی یارسول اللہ اغثنی یارسول اللہ

یوں تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے اسیر تمام مسلمان نظر آتے ہیں لیکن محبت کے اس دعوے پہ مالک کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مہر تصدیق ثبت فرمادی اور اسے اپنی غلامی میں قبول فرمالینے کے شرف سے نواز دیا تو یقیناً اس مومن کی غلامی کی معراج ہے اسی آرزو وتمنا کا اظہار حضرت راہی ضیائی بھی کرتے ہیں۔

کبھی راہی ضیائی کاش کہہ دیں سرورِ عالم
کہ ترے درد کا رشتہ ہمارے آستاں تک ہے

حضرت راہی ضیائی کی تڑپ، اضطراب اور بے چینی کا یہ تیور ملاحظہ کیجئے جس میں تمنا اور آرزوئیں مچل رہی ہیں۔

بس اک تبسم جاں بخش سے مرے آقا
نواز دیجئے راہی کو جانکنی کے قریب

یہ شعر بھی اضطراب کے اسی تیور میں ملاحظہ کیجئے۔

میں ڈوبتی سانسوں کو جاں بخش بنالوں گا

کونین کے آقا کا اے کاش نظارا ہو

''ڈوبتی سانسوں کو جاں بخش بنا لینے'' میں جو خوبصورت استعارہ ہے حضرت راہی کی نعتیہ شاعری کا خاص تیور اور انوکھا انداز ہے۔

یقیناً یہ مجموعۂ نعت اس دور کی نعتیہ شاعری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے کی اہلیت اپنے اندر رکھتی ہے۔ کہیں کہیں کاتب کا تصرف بے جا کھٹکتا ہے ایک مقام پہ ہے۔

ہم مانگ وہ لائیں گے انوار مدینے سے
یہ ربط مسلسل ہے ایمان و عقیدے کا

حضرت راہی ضیائی کی زبان و بیان کی لطافت اور لب و لہجے کی جو پاکیزگی ہے اس سے یہ شعر میل نہیں کھاتا۔

والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ کی روشنی میں حضرت راہی ضیائی کا تخیل اور ان کی فکر بہت عمدہ اور نفیس مضمون بندی کے مرحلے سے گذرتی ہے۔

ضیائے چہرۂ زیبا سے ہے جمال سحر
کمال شمع شبستاں ہے گیسوؤں کا اثر

لیکن اس بے پناہ بلند فکر کے حامل خوبصورت شعر میں چہرۂ زیبا کی ترکیب گراں ہو جا رہی ہے جب کہ یہاں اس امر کی بخوبی گنجائش تھی کہ۔

ضیائے روئے منور سے ہے جمال سحر
کمال شمع شبستاں ہے گیسوؤں کا اثر

''چراغ حرا'' یقیناً اپنے متن و مافیہ کے اعتبار سے نعتیہ شاعری کے گلشن میں ایک خوشگوار ہوا کا جھونکا محسوس ہوتا ہے۔ جس کے لمس سے ذہن و فکر اور قلب و روح میں ایک تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔

☆☆☆

باب نہم شعریات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا — ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا — تجھے حمد ہے خدایا

تمہیں حاکم برایا تمہیں قاسمِ عطایا — تمہیں دافع بلایا تمہیں شافع خطایا — کوئی تم سا کون آیا

وہ کنواری پاک مریم و نفختُ فیہ کا دم — ہے عجب نشانِ اعظم مگر آمنہ کا جایا — وہی سب سے افضل آیا

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے — سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا — تجھے یک نے یک بنایا

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یہ ملا ہے تم کو منصب — جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقتِ بخشش آیا — کرو قسمتِ عطایا

وَاِلٰی الْاِلٰہِ فَارْغَبْ کرو عرض سب کے مطلب — کہ تمہیں کو تکتے ہیں سب کرو ان پر اپنا سایا — بنو شافعِ خطایا

ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈو — میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا — نہ کوئی گیا نہ آیا

ہمیں اے رضاؔ ترے دل کا پتہ چلا بمشکل — درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا — یہ نہ پوچھ کیسا پایا

کبھی خندہ زیرلب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے — کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا — نہ اسی نے کچھ بتایا

کبھی خاک پر پڑا ہے سرِ چرخ زیر پا ہے — کبھی پیشِ در کھڑا ہے سرِ بندگی جھکایا — تو قدم میں عرش پایا

کبھی وہ تپک کہ آتش کبھی وہ ٹپک کہ بارش — کبھی وہ ہجومِ نالش کوئی جانے ابر چھایا — بڑی جوششوں سے آیا

کبھی وہ چہک کہ بلبل کبھی وہ مہک کہ خود گل — کبھی وہ لہک کہ بالکل چمنِ جناں کھلایا — گل قدس لہلہایا

کبھی زندگی کے ارماں کبھی مرگِ نو کا خواہاں — وہ جیا کہ مرگِ قرباں وہ موا کہ زیست لایا — کہے روح ہاں جلایا

کبھی گم کبھی عیاں ہے کبھی سرد گہ تپاں ہے — کبھی زیرِ لب فغاں ہے کبھی چپ کہ دم نہ تھایا — رخ کام جاں دکھایا

یہ تصورات باطل تیرے آگے کیا ہیں مشکل — تیری قدرتیں ہیں کامل انہیں راست کر خدایا — میں انہیں شفیع لایا

سید اولادِ رسول قدسیؔ

شریعت کے روحِ رواں اعلیٰ حضرت

شریعت کے روحِ رواں اعلیٰ حضرت
فقاہت کے ہیں آسماں اعلیٰ حضرت
ہے دم کس میں اتنا مٹا پائے ان کو
ہیں دل میں ہمارے نہاں اعلیٰ حضرت
گریں بجلیاں باطلوں کے دلوں پر
لیا نام ان کا جہاں اعلیٰ حضرت
بتاؤ ہمیں ڈھونڈ کر ہر طرف تم
جہاں میں کوئی ہے کہاں اعلیٰ حضرت
نہیں ملتے مدحت کے الفاظ موزوں
ہیں ایسے بلیغ البیاں اعلیٰ حضرت
سر اپنا پٹکتے رہیں گے مخالف
رہیں گے یونہی ضوفشاں اعلیٰ حضرت
انہیں دیکھ کر فن کی آنکھیں ہیں خیرہ
سخن کے ہیں روشن سماں اعلیٰ حضرت
ہے حقانیت ان پہ سرشار وقرباں
ہیں ایمان کی قلب وجاں اعلیٰ حضرت

شریعت، طریقت، حقیقت کے باوصف
درِ معرفت کے نشاں اعلیٰ حضرت

گلستانِ تجدید کے ہیں گلِ تر
ہیں خوشبوئے عزمِ جواں اعلیٰ حضرت

اٹھا ہی نہیں سکتا حاسد کبھی سر
ہیں عظمت کے کوہِ گراں اعلیٰ حضرت

یہ ممکن نہیں ہم کو بہکادے کوئی
ہمارے ہیں جب پاسباں اعلیٰ حضرت

ہے اندازِ عشق نبی ان کا شاہد
ہیں حقدارِ باغ جناں اعلیٰ حضرت

بسا کر دلوں میں نبی کی محبت
ہمیں کر گئے شادماں اعلیٰ حضرت

زمانہ ہے مداح آج ان کا قدسیؔ
نبی کے ہیں یوں مدح خواں اعلیٰ حضرت

حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی

{ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کی ایک جھلک }

یہ بات یقیناً حقیقت پر مبنی ہے کہ عالم اپنے عہد اور ماحول کا ترجمان ہوتا ہے......جس فکر سے قوم وملت کی دینی، ملی، مسلکی رگوں کو چوٹ لگتی ہے اس کا احساس عالم ہی کو ہوتا ہے اور وہی اس فکر کو کچلنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے......حضرت مولانا مفتی محمد شمشاد حسین رضوی بدایونی کا شمار ایسے ہی دردمندان ملت میں ہوتا ہے......انہیں باطل کے مقابلے میں کبھی خوف زدہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا......اس کا اظہار ان کی قلمی لسانی نگارشات سے ہوتا ہے......انہوں نے جس موضوع پہ قلم اٹھایا ہے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے......ان کی کتابوں سے ان کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے......ان کی تحریرات میں پیچیدگی ہوتی ہے......ژولیدگی نہیں ہوتی..........وہ اپنے قاری کو ریاضت کی دعوت دیتے ہیں......ان کا قلمی میدان اعلی حضرت، مسلک اعلی حضرت، اور اسلاف شناسی ہے......ذیل میں ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کی فہرست ملاحظہ کریں اور اگر مطالعہ کا شوق بیدار ہو تو ان سے رابطہ کر کے ان کی کتب حاصل کریں ......ویسے عرس اعلی حضرت میں ،،مکتبہ ترجمان مسلک اعلی حضرت'' کے نام سے ان کا مکتبہ لگتا ہے......

مطبوعہ کتابیں

(۱)......خنجر حق......(خلیل بدایونی گروپ کی ''کتاب اظہار حق'' کا جواب)

(۲)......حقیقت یا صرف افسانہ (''نعت کا شرعی محاسبہ'' کا بہترین جواب)

(۳)......سلک السلوک (حضرت بخشی علیہ الرحمۃ کی فارسی کتاب ''سلک السلوک'' کا اردو ترجمہ)

(۴)......آفتاب و ماہتاب (بدایوں شریف کے چھوٹے بڑے سرکار کے تذکروں پر مشتمل ہے)

(۵)......دعوت اسلامی کا تجزیاتی مطالعہ......

(۶)......مسلک اعلی حضرت منظر پس منظر

(۷)......مسلک اعلی حضرت تعارف حقیقت اور اختلافات......

(۸)......مسلک اعلی حضرت تعریفات وخصوصیات

(۹)......مذہب ومسلک کا حقیقی عرفان

غیر مطبوعہ کتابیں

(۱)......مفتی اعظم ہند اپنے عشق وعرفاں کے تناظر میں

(۲)......شخصیات شناسی

(۳)......حضور شمس العلماء حیات وخدمات

(۴)......تذکرہ محمد سلیمان صاحب بھاگل پوری

(۵)......کنز الایمان پہ بعض تحقیقات کا منصفانہ جائزہ

(۶)......امام احمد رضا اور ان کے نوادرات

ماہنامہ نور مصطفےٰ پٹنہ کی تاریخی پیشکش امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر ہم دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں

نوادرات کوثر

سیوان کی سرزمین مذہب پرستی، مسلک نوازی اور اسلاف شناسی میں ممتاز ہے۔ زمین اپنے پیڑ پودوں، گل بوٹوں اور سبزی و شادابی سے پہچانی جاتی ہے۔ ماضی قریب میں سیوان کی زمین نے دانش ورعلما کی اچھی فصل تیار کی ہے انہیں دانشور علما میں حضرت مولانا کوثر امام قادری رضوی کا شمار ہوتا ہے۔ مولانا موصوف کی علوم فنون کی مختلف شاخوں پر گہری نظر ہے۔ ان علوم وفنون میں فن حدیث واصول حدیث سے ان کی گہری وابستگی ہے۔ انہوں نے اپنی حدیث دانی سے اپنے ہم عصر علما ومشائخ کو متاثر کیا ہے۔ زبان وقلم میں بھی ان کو خاص عبور حاصل ہے۔ ان کی حدیث دانی وروایت بیانی کے تناظر میں اگر انہیں محدث عصر کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ مولانا موصوف ہمیشہ ملک وملت، دین شریعت اور اصول طریقت کی مشاغلی میں مصروف رہتے ہیں ان میں بصیرت بھی ہے اور بصارت بھی۔ ان کی زبان وقلم سے نکلے ہوئے جواہر ریزے بڑی تعداد میں کتابی شکل میں منظر عام پر آکر اپنے عصر کو متاثر کیا ہے۔ ذیل میں ان کی چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب ورسائل کی ایک فہرست اس نیت سے دی جارہی ہے کہ اہل ذوق ان کی مطبوعہ کتب ورسائل سے استفادے کی راہ تلاش کریں اور اپنی روحانی آسودگی کا سامان کریں۔

مطبوعہ

* تنویر السنن (عربی)
* بستان الحدیث
* میں کیا پڑھوں؟
* صلاۃ النبی
* فیض العزیزی فی شرح ترمذی (اول)
* عظمت شب برأت ایک تحقیقی مطالعہ
* اولین علوی
* منظوم اصول حدیث
* ایک ہاتھ سے مصافحہ کی حدیثیں ایک جائزہ
* جلسہ وجلوس احادیث کی روشنی میں
* اسلام اور فلسفۂ نکاح
* انقلابی تقریریں
* سیرت فخر الاولیاء

غیر مطبوعہ

* شیخ البانی افکار ونظریات
* مجمع الاخبار من المسانید والآثار (عربی)
* کلمات بدیعہ فی تراجم حنفیہ (عربی)
* الفیض السماوی فی احادیث البیضاوی (عربی)
* ازالۃ الغواشی عن احادیث اصول الشاشی (عربی)
* ہندوستان میں فروغ حدیث
* فروغ حدیث میں عورتوں کا کردار
* غوث وخواجہ کی انقلابی تحریکات
* کس کی جائے ولادت ہے بیتِ حرم؟
* تاج شریعت
* میزان الحدیث
* مشکل الحدیث
* مسند علی ایک مطالعہ
* صحیفۂ علی ایک تحقیقی جائزہ
* تدفین رسول میں تاخیر کیوں؟
* قرآن اور عصر جدید
* صدقۂ فطر کا نصاب
* نقاب وحجاب
* اسرار الحدیث
* شعیب الحدیث
* فرقۂ شمع نیازیہ
* مسئلۂ بیعت وخلافت
* انوارِ تصوف
* مساجد میں عورتوں کی نماز
* تاریخ رسالت کویز

ملنے کا پتہ: امام احمد رضا اکیڈمی، صالح پور، بریلی شریف، یوپی

حضرت علامہ الحاج محمد فرخند علی نقش بندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے دینی جذبوں کا عکس جمیل
علامہ کامل سہسرامی علیہ الرحمہ کی تمناؤں کا مرکز اور صوبۂ بہار میں مسلک اعلیٰ حضرت کا قدیم ترجمان

دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام

زیر سرپرستی: حضرت علامہ مفتی محمد ملک الظفر صاحب سہسرامی

دارالعلوم کی پرشوکت عمارتیں

جس کی بہترین تعلیم و تربیت کا ایک زمانہ معترف ہے جس کی آغوش تربیت میں پروان چڑھ کر نہ جانے کتنے افراد آج ملک و بیرون ملک دین اسلام کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔
اس کی معیاری تعلیم کے پیش نظر بہار اسٹیٹ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ نے یہاں سے جاری ہونے والی سند فضیلت و عالمیت کو ملحق مدارس میں بحالی کے لیے تسلیم کیا ہے نیز ہمدرد یونیورسیٹی، دہلی، مولانا آزاد نیشنل یونیورسیٹی نے اپنے یہاں داخلے کے لیے منظوری دی ہے۔
شاہ راہ علم پہ اپنا سفر جاری رکھنے کے لیے مخلص و دیندار حضرات کے تعاون کی قدم بقدم ضرورت ہے۔
دارالعلوم میں اعدادیہ سے لے کر دورۂ حدیث تک اور حفظ و قرأت کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام ہے۔ محنتی اور باصلاحیت اساتذہ کی ایک بڑی جماعت دن رات نونہالان اسلام کی آفاقی تربیت میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اس کے سالانہ اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے اہل خیر حضرات سے مالی، اخلاقی اور فکری تعاون کی اپیل ہے۔ ''ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ'' سنی صحافت کا ایک معیاری نام ہے۔
ہم ''نور مصطفیٰ'' کے ''امام اہل سنت نمبر'' کی تاریخی پیش کش پہ نور مصطفیٰ کے بانی و رفقا کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اپیل کنندہ: مولانا قاری رضوان الہدیٰ و مجلس منتظمہ دارالعلوم خیریہ نظامیہ، بارہ دری سہسرام، پن ۸۲۱۱۱۵

اعلیٰ حضرت مجدد، دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات ستودہ صفات عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ انہوں نے دینی قدروں کے فروغ میں قائدانہ رول ادا کیا ہے۔ ان کی حیات کا سرنامہ پیش لفظ اور نشان امتیاز عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا خود فرماتے ہیں:

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

اعلیٰ حضرت کی دینی، ملی اور علمی خدمات میں بڑی وسعت ہے ان کی تعلیمات، پیغامات اور ارشادات میں دین اسلام کی ساری پاکیزہ تصویریں متن میں دیکھی جا سکتی ہیں اسی لیے ان کی ذات نشان منزل ونشان امتیاز ہے۔ ان کا نام لیتے ہی باطل کا پسینہ چھوٹ جاتا ہے۔ ان کے نام میں اتنی برکت ہے کہ اگر گھر کے دروازے پہ ان کا نام لکھ دیا جائے تو برکتیں اترنے لگتی ہیں اور بلائیں واپس ہو جاتی ہیں۔ ہم ادارہ ''نور مصطفیٰ پٹنہ'' کی اس عظیم پیش کش امام اہلسنت نمبر کی اشاعت پہ جناب سید محمد ولی الدین رضوی، حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی، حضرت مولانا رحمت اللہ صدیقی اور حضرت مولانا انیس عالم سیوانی کو بہت بہت مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

خلیفۂ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی حافظ محمد اشرف صاحب رضوی بانی وسربراہ ادارہ ہٰذا، پوربندر، گجرات

صوبہ جھارکھنڈ ضلع لاتیہار میں مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب وترجمان

الثقافۃ الحنفیہ فاونڈیشن للبنات

زیر سرپرستی: شہزادۂ حضور حافظ ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔

صدارت: حضرت علامہ مفتی محمد ملک الظفر صاحب دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام

ناظم اعلیٰ: حضرت مولانا مشتاق احمد ضیائی

مسلم بچیوں کی مذہبی تعلیم وتربیت کا شاندار مرکز جس میں مقامی و بیرونی بچیوں کی تعلیم وتربیت کا تمام تر تحفظات کے ساتھ بہترین انتظام ہے۔

زکوٰۃ، صدقات اور دوسری عطیات سے ادارے کا تعاون کریں۔ چونکہ دینی ادارے ذہن وفکر کی تطہیر اور شخصیت کی تعمیر کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور بچے اور بچیاں قوم وملت کا مستقبل ہوتی ہیں۔

الجامعۃ الرضویہ پٹنہ فکر رضا کا ترجمان ادارہ ہے اس کے قیام کے مقاصد میں بنیادی مقصد مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج وتشہیر ہے۔ اس کی روشن مثال ''ماہنامہ نور مصطفیٰ'' کا زیر نظر ''امام اہل سنت نمبر'' ہے۔ الثقافۃ الحنفیہ کے اراکین ورفقا اس تاریخ ساز پیش رفت پر الجامعۃ الرضویہ کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ مبارک باد اور ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور اس کی قبولیت کے لیے دعا گو ہیں۔

وادی رضا کی ہے کوہ ہمالہ رضا کا ہے — جس سمت دیکھیے وہ علاقہ رضا کا ہے

اوروں نے بھی لکھا ہے بہت علم دین پر — جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے

ترسیل زر کا پتہ: الثقافۃ الحنفیہ فاؤنڈیشن۔ دیپا ٹولی، مہواڈانڑ، ضلع لاتیہار جھارکھنڈ

ASSAQAFATUL HANFIA FAOUNDATION

PH:9430328211/9546113479

خانقاہ غیاثیہ شریفیہ، سہسرام

حضرت علامہ سید غیاث الدین حسن رضوی شریفی

ملک العلما حضرت علامہ سید شاہ ظفر الدین بہاری رضوی برکاتی قدس سرہٗ کے رفیق وہم درس، مدرسہ منظر اسلام کے پروردہ اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے تلمیذ، مرید اور خلیفہ جنہیں آپ نے بذریعہ ڈاک خلافت سے سرفراز فرمایا۔

چشتی مشرب سے وابستگی کے تحت آپ نے جواز سماع پہ ایک رسالہ تحریر فرمایا لیکن اعلیٰ حضرت کی مرضی نہ پا کر اسے شائع کرنے کا قصد وارادہ ترک فرمادیا۔ آج بھی وہ یادگار مخطوطے کی شکل میں محفوظ ہے۔ رشد وہدایت اشاعت وتبلیغ آپ کی ترجیحات میں تھی۔ صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ تصوف پہ ''غیاث الطالبین'' خطبات کا مجموعہ ''غیاث الخطیب'' زیور طبع سے آراستہ ہیں۔

ہم اراکین خانقاہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی علمی، فکری ادبی وشعری خدمات پہ پانچ سو صفحات پہ مشتمل ''نور مصطفیٰ'' کے معیاری و باوقار خصوصی شمارہ ''امام اہل سنت نمبر'' کی گراں قدر اشاعت پہ دل کی گہرائی سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر سید محمد اختر نواب — ڈاکٹر سید معراج الاسلام

خانقاہ غیاثیہ شریفیہ۔ دائرہ، سہسرام، بہار، پن ۸۲۱۱۱۵

ممبئ عظمیٰ میں مسلک اعلیٰ حضرت کا ترجمان

مدرسہ مدینۃ الاسلام وکرولی (ایسٹ) ممبئ

زیر اہتمام: سنی رحیمی مسجد (ٹرسٹ)
زیر سرپرستی: خلیفۂ حضور کمیل اشرف الحاج ریاض احمد اشرفی
زیر صدارت: حضرت علامہ مفتی محمد ملک الظفر صاحب دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام
ناظم اعلیٰ: حضرت مولانا قاری محبوب اصدق

وکرولی، ممبئ میں حفظ وقرأت کی تعلیم ودینی تربیت کا بہترین مرکز، جس میں مقامی وبیرونی بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کا معقول وبہترین انتظام ہے آپ کی عنایتوں کے لیے چشم براہ ہے۔ اہل خیر حضرات زکوٰۃ، صدقات، فطرات اور دوسرے عطیات سے ادارے کا تعاون کریں۔
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا عالم اسلام کی عبقری شخصیات میں شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے دین اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کا تعاقب کیا۔ اور ان کے فتنوں سے مسلمانوں کو بچایا۔ انہوں نے محبت رسول ﷺ کے نور سے مسلمانوں کے دلوں کو روشن کیا۔ ان کی ذات ستودہ صفات اہل حق کی علامت اور معیار سنیت ہے۔ ہم ''ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ'' کے ''امام اہل سنت نمبر'' کی اشاعت کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی قبولیت و شہرت کی دعا کرتے ہیں۔

جو مسلک رضا سے رکھے بیر قلب میں　　　اس شخص سے شدید ہمیں اختلاف ہے۔

رابطہ: دارالعلوم مدینۃ الاسلام، گروپ نمبر ۸ بی، ٹیگور نگر، وکرولی (ایسٹ) ممبئ ۸۳
Mob:9702622935/7977147242/8169094141

اہل سنت وجماعت کا قدیم ادارہ

مدرسہ حسنیہ سہسرام

شیر شاہ سوری کے والد حسن خاں سوری کے مقبرے کے احاطے میں واقع قدیم سنی درس گاہ جو طوطیٔ ہند حافظ حدیث حضرت علامہ الحاج قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت علامہ حکیم حسن علی علیہ الرحمہ کی علمی یادگار ہے۔ برسوں سے اس میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ بند تھا۔ کمیٹی کے حساس وزندہ ضمیر حضرات نے نئے عزم وحوصلے کے ساتھ اس کی نشاۃ ثانیہ فرمائی ہے اور بچوں کی مذہبی تعلیم وتربیت کے لیے اس کا آغاز کر دیا ہے رب قدیر ان کے عزم وارادے کو قوت پرواز کی دولت عطا فرمائے۔ اہل خیر حضرات زکوٰۃ، صدقات، فطرات اور دوسرے عطیات سے ادارے کا تعاون کریں۔
مدرسہ حسنیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے افکار وخیالات کا داعی وپیامی ہے۔ ادارہ اپنے ابتدائی دنوں ہی سے اس فکر کی شدت سے مخالفت کرتا رہا ہے جو فکر اعلیٰ حضرت سے متصادم رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت ہماری جماعتی شناخت اور پہچان ہیں۔ آج ہمارے دلوں میں عشق مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا جو چراغ روشن ہے یہ اس مجدد وقت کی سعی پیہم اور جہد مسلسل کا نتیجہ ہے۔ ہم ''ماہنامہ نور مصطفیٰ پٹنہ'' کے ''امام اہل سنت نمبر'' کی اشاعت پر رفقائے ادارہ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ رب کائنات اس تاریخی، تعمیری اور دستاویزی نمبر کو قبول عام بنائے۔

سب ان سے جلنے والوں کے گل ہو گئے چراغ　　　احمد رضا کی شمع فروزاں ہے آج بھی

زیر اہتمام: مقبرہ حسن خاں سوری مسجد کمیٹی، سہسرام روہتاس، پن، 821115
Ph:8709896667/8084829663

جامعہ اہلسنّت صادق العلوم

شاہی مسجد ناسک مہاراشٹر (انڈیا)

بیادگار قطب ناسک حضرت پیر سیّد صادق شاہ حسینی مدنی رضی اللہ عنہ

الحمدُللہ! فیضانِ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت حضور مفتیٔ اعظم ہند حضور سیّدنا محدث اعظم حضرت مفتیٔ ناناپارہ علیہم الرحمہ کے طفیل اس جامعہ میں اعدادیہ تا دورِ حدیث، وشعبۂ حفظ وقرأت، ناظرہ، انگلش، کتابت، کمپیوٹر کی عمدہ تعلیم وتربیت کا نظم ہے مقامی طلبہ کے علاوہ دیگر صوبہ جات مثلاً مہاراشٹر، یوپی، ایم پی، بہار، بنگال، آسام، نیپال، وغیرہ کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔ ہاسٹل میں مقیم ۱۲۵/طلبہ کے لئے کھانا، ناشتہ علاج ومعالجہ وغیرہ ادارہ کی طرف سے مفت ہے۔

۱۱/محرک اراکین کے ساتھ ۱۶/مخلص مدرسین اور ۵/ملازمین مصروف کار ہیں۔ اس ادارے سے اب تک سینکڑوں عالم، حافظ، قاری کی ڈگری لیکر تبلیغ واشاعتِ اسلام ومسلک اعلیٰ حضرت میں مشغول ہیں۔ اسلامی کتابوں اور لٹریچر کے ذریعے قوم کو عقائدِ حقّہ اور دینی معلومات فراہم کرنے کے لئے شعبۂ نشر واشاعت اور رضا لائبریری نیز مسائل کے حل کے لئے حسینی دارالافتا کا بہترین نظم ہے۔

اراکین ادارہ کا خواب ہے کہ مختلف شعبہ جات کے لئے الگ الگ ہال اور کمرے ہوں ادارہ شایانِ شان ہو اس لئے مخیرِ قوم وبرادران اہلسنّت سے اپیل ہے کہ اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے مالی تعاون دے کر دارین کی سعادتوں سے مالا مال ہوں۔

اگر دنیا میں جینا ہو تو اچھے کام کر جاؤ

خدا توفیق دے تو خدمت اسلام کر جاؤ

ماہنامہ نور مصطفےٰ پٹنہ کی تاریخی پیشکش امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں

حاجی محمد یونس رضوی (سکریٹری وناظم تعلیمات)

وجملہ اراکین جامعہ اہلسنّت صادق العلوم شاہی مسجد ناسک مہاراشٹر (انڈیا)

فون نمبر 0253-2508682

الجامعۃ الرضویہ
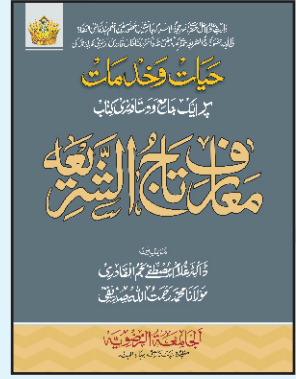
مغلپورہ، پٹنہ سیٹی، بہار، الہند
کی
اسلاف شناسی کی اشاعتی جھلکیاں
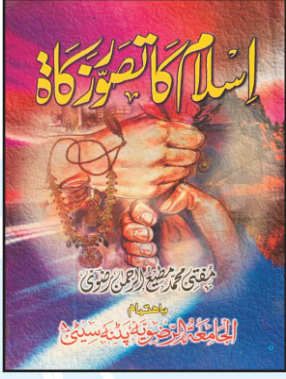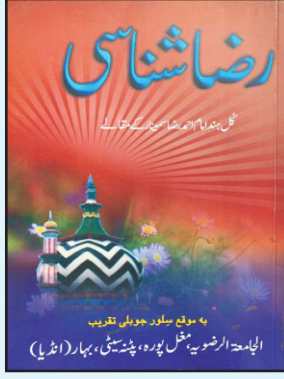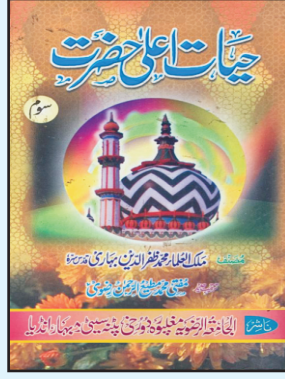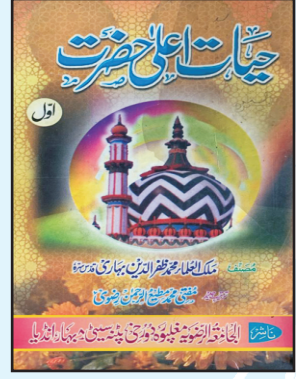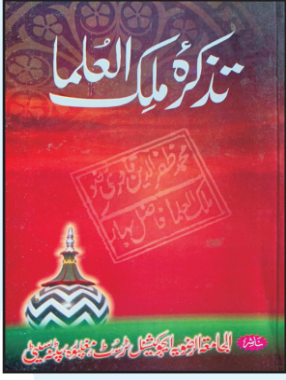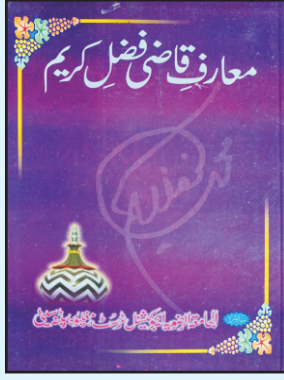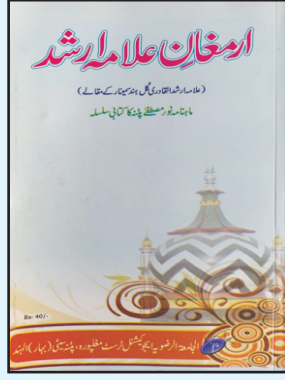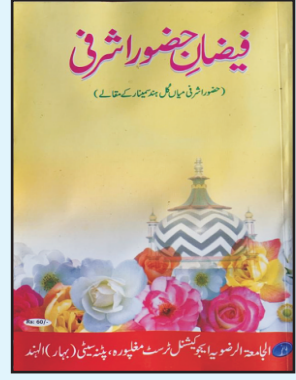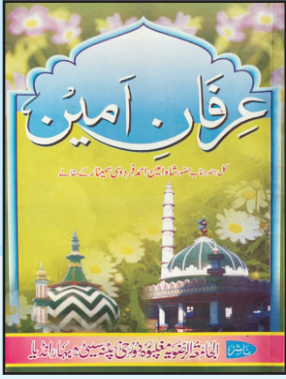
حضرت علامہ شاہ قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر نور مصطفیٰ پٹنہ کا ایک نامکمل خاکہ		
قاضی عبدالوحید فردوسی: حیات وخدمات	قاضی عبدالوحید فردوسی: کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	قاضی عبدالوحید فردوسی: کی اشاعتی خدمات
قاضی عبدالوحید فردوسی: کا خاندانی پس منظر	قاضی عبدالوحید فردوسی: کا احقاق حق	قاضی عبدالوحید فردوسی: اور ملک العلما ایک مطالعہ
قاضی عبدالوحید فردوسی: بحیثیت ناشر مسلک اعلیٰ حضرت	قاضی عبدالوحید فردوسی: کا پیر خانہ	مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت میں
قاضی عبدالوحید فردوسی: کی دینی وملی خدمات	قاضی عبدالوحید فردوسی: اور امام احمد رضا بریلوی	قاضی عبدالوحید فردوسی کا کردار
قاضی عبدالوحید فردوسی: کا تصلب فی الدین	قاضی عبدالوحید فردوسی: کا دعوتی وتبلیغی مشن	قاضی عبدالوحید فردوسی، قاضی عبدالودود کی نظر میں

اہل زبان وقلم سے قلمی تعاون کی اپیل ہے۔

خانوادۂ برکاتیہ کا ایک نادر عمل

درود شریف : حضور سیدی و مرشدی تاج العلما اولادِ رسول سید شاہ محمد میاں صاحب قبلہ مارہروی قدس سرہٗ العزیز کے مقدس ارشاد کے بموجب خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے عملیات میں درج ذیل عمل ایک نادر و موثر وظیفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

فتوح ظاہری و باطنی اور وسعت رزق و حصول مال حلال کے لیے اس درود شریف کو روزانہ کوئی مناسب وقت مقرر کر کے کم از کم چالیس یوم ورنہ اکیس یوم یہ درود انچاس بار اس طرح پڑھے کہ سات سات مرتبہ قبلہ کی طرف منھ کر کے، سات مرتبہ پیٹھ کے پیچھے، سات بار داہنی، سات بار بائیں، سات مرتبہ آسمان، سات مرتبہ زمین کی طرف اور سات مرتبہ سامنے خود اپنے اوپر پڑھ کر دم کرے مذکورہ تمام مقاصد میں ان شاء اللہ تعالیٰ خوب خوب فائدہ حاصل ہو۔ درود شریف یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ اَنْوَاعِ الرِّزْقِ وَالْفُتُوْحَاتِ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ وَیَا بَاسِطُ الَّذِیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اُبْسُطْ عَلَیَّ رِزْقًا وَّاسِعًا مُتَسَّعًا بِلَا مِحْنَةٍ وَّ بِغَیْرِ مِنَّةِ خَلْقٍ بِحَقِّ یَا بَاسِطُ

الٰہ العالمین! اس محبوب وظیفے کا ایک ایک لفظ جب تک روئے زمین پہ موجود ہے اور اس کے عمل کا سلسلہ جب تک جاری رہے گا تو اس کے صدقے اور اپنے محبوب کے طفیل مجھے مع اہل و عیال اس کے خیرات و حسنات سے سرفراز فرما اور میرے والدین کریمین کی ارواح کو اس کا ثواب عطا فرما۔

”نور مصطفیٰ“ کے ”امام اہل سنت نمبر“ کی اشاعت پہ دل کی گہرائیوں سے مبارک باد۔

منجانب: الحاج نسیم الدین زردہ بھونِ ذکی شہید، سہسرام، رہتاس۔

وَظِیفۂ نُورَانی

حضور اقدس سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نورانی زیارت کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے ایک جامع اور موثر عمل تحریر فرمایا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُصَلِّیَ عَلَیْهِ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ اَھْلُهٗ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَهٗ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ صَلَّی اللہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

بعد نماز عشاء ۱۴۱ یا ۱۰۱ یا ۱۰۰۱ مرتبہ روزانہ طاق بار جتنا نبھ سکے حصول زیارت اقدس وظیفہ مذکورہ پڑھے۔ مگر خیال رہے کہ خالص تعظیم شان اقدس کے لیے پڑھے۔ اس نیت کو ہرگز جگہ نہ دے کہ مجھے زیارت نصیب ہو ہی جائے گی۔ آگے سرکار کا کرم بے حدو انتہا ہے۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

منہ مدینہ شریف کی طرف ہو اور دل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف۔ دست بستہ پڑھے اور یہ تصور باندھے کہ روضۂ انور کے حضور حاضر ہوں۔ اور یقین جانے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میری آواز سن رہے ہیں۔ میرے دل کے خطروں پر مطلع ہیں۔

اللہ العالمین! اس محبوب وظیفے کا ایک ایک لفظ جب تک روئے زمین پہ موجود ہے اور اس کے عمل کا سلسلہ جب تک جاری رہے گا تو اس کے صدقے اور اپنے محبوب کے طفیل مجھے مع اہل و عیال اس کے خیرات و حسنات سے سرفراز فرما اور میرے والدین کریمین کی ارواح کو اس کا ثواب عطا فرما۔

''نور مصطفیٰ'' کے ''امام اہل سنت نمبر'' کی اشاعت پہ دل کی گہرائیوں سے مبارک باد۔

منجانب: الحاج محمد ولی خان رضوی، کھدولی چناری، رہتاس۔

''مولانا بریلوی نے جس انداز فکر
کی نشاندہی کی ہے اگر اس کو اپنا لیا جائے تو آج
ہمارے پڑھے لکھے نوجوان جدید افکار و خیالات سے
اتنے مرعوب اور اسلامی فکر و خیال سے اتنے بیگانے نظر نہ
آئیں گے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ خود سائنس داں قرآن سے روشنی
حاصل کرتے تو جہاں آج پہنچ رہے ہیں صدیوں قبل پہنچ چکے ہوتے''
اسی پس منظر میں اعلیٰ حضرت کے افکار و خیالات کی اشاعت وقت
کی پکار ہے۔نور مصطفیٰ پٹنہ کی دستاویزی پیش کش ''امام اہل سنت
نمبر'' کی اشاعت پہ دل کی گہرائیوں سے مبارکباد۔
منجانب
محمد راشد احمد، واہلیہ
سرائے روڈ، سہسرام بہار۔